تالیف

شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ
گلشن اقبال کراچی پاکستان

نام کتاب .... معارف مثنوی شرح مثنوی مولانا روم

تالیف......... شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس
مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

ایک ضروری وضاحت

گذشتہ ایڈیشن میں غلطی سے جامع ومرتب میں احقر (سید عشرت جمیل میر) کا نام شائع ہوگیا تھا حالانکہ زیرِ نظر کتاب ''معارفِ مثنوی'' شیخ العرب والعجم عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم نے پینتیس برس قبل شروع سے آخر تک اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمائی ہے۔

خادمِ خاص حضرت والا
سید عشرت جمیل میر

مثنوی کے بارے میں ارشاداتِ مشایخ

مثنوی شریف شمس الدین تبریزی کے سینے کی آگ ہے جو رومی کی زبان سے مثلِ آتش فشاں برآمد ہوئی۔

(مفہوم از دعا تبریزی)

تین کتابیں انوکھی ہیں قرآن شریف، بخاری شریف اور مثنوی شریف۔

(ارشاد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب بانی دیوبند رحمۃ اللہ علیہ)

بعض مذاق کے لیے مثنوی شریف بمنزلہ ذکر اللہ ہے۔

(ارشاد حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)

مثنوی سینے میں عشقِ خدا کی آگ لگادیتی ہے۔

(حضرت اقدس مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ)

فہرست

حُسنِ ترتیب	صفحہ نمبر

حسنِ ترتیب	صفحہ نمبر
حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توحید کے بیان میں	۲۷۸
قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوتِ اسلام دینا	۲۸۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو دعوتِ اسلام پیش کرنا	۲۸۶
فرعون کا اپنی اہلیہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا سے اپنے اسلام کے لیے مشورہ کرنا	۲۸۹
حکایت مجنوں اور اس کی ناقہ کی	۲۹۶
حکایت ایک شخص کا دن میں چراغ لے کر پھرنا۔	۲۹۸
حکایت اُس غلام کی جو مسجد سے باہر نہیں آرہا تھا	۳۰۱
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گریز احمق سے	۳۰۴
دو ماہ کے بچے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کلام کرنا	۳۰۸
رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا موزہ لے جانا عقاب کا	۳۱۰
ایک بادشاہ اور اس کی محبوبہ کی	۳۱۳
علاجِ بدنگاہی و عشقِ مجازی	۳۱۸
ایک عورت کا رونا حق تعالیٰ کی بارگاہ میں	۳۲۰
ایک بچے کو اس کی ماں کے سامنے آگ میں ڈالنا	۳۲۲
ہلاک کرنا ہوا کا قوم ہود علیہ السلام کو	۳۲۶
ایک مچھر کی فریاد حضرت سلیمان علیہ السلام سے	۳۲۷
حکایت استنِ حنانہ	۳۳۰

حُسنِ ترتیب	صفحہ نمبر

حُسنِ ترتیب	صفحہ نمبر

حُسنِ ترتیب	صفحہ نمبر

حُسنِ ترتیب	صفحہ نمبر

حُسنِ ترتیب	صفحہ نمبر

حُسنِ ترتیب	صفحہ نمبر

حُسنِ ترتیب	صفحہ نمبر

معارف مثنوی مولانا روم کیلئے بشارتِ عظمیٰ

جناب حافظ ڈاکٹر محمد ایوب صاحب ہارٹ اسپیشلسٹ نے آج سے کافی عرصہ پہلے ۱۹۷۶ء میں خواب دیکھا کہ خواب میں ان کو مسجد نبوی میں حاضری نصیب ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محراب اور منبر کے درمیان معارف مثنوی مصنفہ مرشدنا و مولانا عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کو مشاہدہ کیا کہ معارف مثنوی محراب اور منبر شریف کے درمیان کسی چیز پر رکھی ہوئی ہے۔

راقم الحروف:

احقر محمد عشرت جمیل عرف میر عفا اللہ تعالیٰ عنہ

۵ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

۲۳ مئی ۱۹۹۶ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مقدمۃ الکتاب

احقر مؤلف معارف مثنوی محمد اختر عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی مثنوی شریف سے احقر کو اس وقت سے والہانہ تعلق و شغف ہے جبکہ احقر بالغ بھی نہ ہوا تھا اور پھر حق تعالیٰ نے ایسا شیخ عطا فرمایا جو مثنوی شریف کے عاشق تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مثنوی شریف میں عشق حق کی آگ بھری ہوتی ہے اور اپنے پڑھنے والوں کے سینوں میں بھی آگ لگا دیتی ہے۔ ہمارے حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ بعد نمازِ عصر اکثر مثنوی شریف کا درس دیتے اور اس انداز سے کہ روح میں زلزلہ پیدا ہو جاتا۔ احقر کو مثنوی شریف سے بہت ہی فیض ہوا اور معرفتِ الٰہیہ نیز احقر کی دیگر کتب میں خواہ وہ ترتیب ہوں یا تالیف۔ مثنوی ہی کا فیض غالب ہے۔ گاہ گاہ احقر کچھ منتخب اشعار مثنوی شریف سے جب حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا کرتا اور ان کی وہ شرح عرض کرتا جو حق تعالیٰ خاص طور پر احقر کو عطا فرماتے تو حضرت والا بہت مسرور ہوتے اور احقر کی دردناک شرح سن کر آبدیدہ ہو جاتے۔ ایک دن تو ایسا ہوا کہ احقر پر ایک خاص کیفیت طاری تھی احقر حضرت والا کے پاس بعد نمازِ فجر بیٹھا تھا اور اجازت لے کر شرح مثنوی عرض کر رہا تھا حضرت والا کو اس قدر لطف آیا کہ سنتے سنتے گیارہ بج گئے یعنی پانچ گھنٹے تک حضرتِ اقدس احقر کی زبان سے مثنوی شریف کی دردناک شرح

سنتے رہے احقر پر اور حضرتِ اقدس پر عجیب کیفیت طاری رہی اور احقر بھی اشکبار رہا اور حضرت والا بھی احقر کی معروضات سے اشکبار ہوئے۔ اس وقت کے حسبِ حال یہ دو شعر پیش کرتا ہوں ؎

وہ چشمِ ناز بھی نظر آتی ہے آج نم
اب تیرا کیا خیال ہے اے انتہائے غم

مثنوی شریف کے ساتھ اِس قلبی و روحانی شغف و تعلق سے احقر کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ حق تعالیٰ مثنوی شریف کے علوم و معارف احقر کے قلم سے اس عشق ناک اور دردناک انداز سے تالیف کرا دیں جو ناظرین کے سینوں میں حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت و تڑپ پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم

ہمارا کام ہر ملنے والے سے حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت کا غم بیان کرنا ہے۔ پھر جس کے مقدر میں ہوگا اور جس کی زمینِ قلب اس تخمِ عشقِ الٰہی کے لئے صالح اور لائق ہو گی اس میں میرے لئے صدقہ جاریہ کا انتظام ہو جاوے گا اور زمینِ شور کے لئے بھی یہ پیغام حجت ہو جاوے گا ؎

بن کے دیوانہ کریں گے خلق کو دیوانہ ہم
بر سرِ منبر سنائیں گے ترا افسانہ ہم

حق تعالیٰ کا احسان و فضلِ عظیم ہے کہ حضرت شاہ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم کی دعاؤں کی برکت سے احقر کے قلم سے معارف المثنوی کی تالیف مکمل ہو کر عاشقانِ الٰہی کے لئے عشقِ الٰہی کا پیغام بن

کہ منصہ طباعت پر آگئی۔ فَالْحَمْدُ لَكَ وَالشُّكْرُ لَكَ يَا رَبَّنَا اور عرض ہے کہ تسویدِ معارف مثنوی میں کلیدِ مثنوی، مرآۃ المثنوی اور مغز نغز سے بھی استمداد کیا گیا ہے۔

نیز معارف مثنوی کی تبییض اور تصحیحِ کتابت میں عزیزم محترم مولوی سیّد محمد عشرت جمیل سلّمہٗ اللّٰہ تعالیٰ نے بڑی خدمت انجام دی ہے لہٰذا احقر کے لئے اور جملہ معاونین کے لئے اور ہم سب کے والدین کے لئے اور اساتذہ و مشایخ و احباب کے لئے دُعائے مغفرت کی درخواست ہے اور یہ کہ اللّٰہ تعالیٰ اس کتاب کو ہم سب کے لئے ذریعۂ نجات بنادیں۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

اور عرض ہے کہ حال ہی میں حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمتِ خاصّہ سے احقر مؤلّف کے اشعار بھی بحرِ مثنوی مولانا روم کے وزن پر بہت بڑی تعداد میں موزوں ہوگئے جو آخر کتاب میں مثنویِ اختر کے نام سے منسلک ہیں۔ اکابر نے ان اشعار کو بہت پسند فرمایا ہے۔ جس کا تقاریظ میں بھی تذکرہ ہے۔

حق تعالیٰ اپنی رحمت سے اور اپنے حبیب رحمۃ للعالمین صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے صدقہ میں قبول فرما کر اُمّتِ محمّدیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کے لئے اس کتاب کو ہدیۂ نافعہ اور احقر کے لئے صدقۂ جاریہ فرمادیں۔

العارض العبد الضّعیف
محمد اختر عفا اللّٰہ عنہٗ (پرتاب گڈھی)
خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ
گلشنِ اقبال نمبر ۲ کراچی

مختصر سوانح مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام محمد اور لقب جلال الدین تھا۔ عرفِ عام میں مولانا رومی کے نام سے مشہور ہوئے، ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھے۔ ان کے والد کا نام بہاء الدین ابن حسین بلخی ہے۔ محمد خوارزم شاہ المتوفی ۶۱۷ھ مولانا کا حقیقی نانا تھا۔

۶۱۰ہجری میں مولانا کے والد شیخ بہاء الدین بلخ چھوڑ کر نیشاپور گئے۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ملنے آئے۔ اس وقت مولانا کی عمر چھ سال کی تھی اور اپنے والد کے ہمراہ تھے۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی اسرار نامہ تبرکاً ہدیہ دی اور مولانا بہاء الدین سے فرمایا کہ اس جوہرِ قابل سے غافل نہ رہنا۔ یہ ایک دن غلغلہ بلند کرے گا۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ مولانا کے والد نے اپنے شاگردِ خاص و مرید بااختصاص مولانا برہان الدین کو ان کا اتالیق مقرر کیا۔ مولانا نے اُنھیں کی اتالیقی میں تربیت پائی اور اکثر علوم اُن سے حاصل کیے۔ ۱۸سال کی عمر میں مولانا کی شادی ہوئی اور اسی سال اپنے والد کے ہمراہ قونیہ میں آئے اور یہیں رہنے لگے۔

اپنے والد کے انتقال کے بعد ۲۵ سال کی عمر میں مولانا نے تکمیلِ علوم کے لیے شام کا سفر کیا۔ کچھ دِن شہر حلب کے مدرسہ جلادیہ کے دارالاقامہ میں قیام کر

کے کمال الدین بن عدیم سے فیض حاصل کیا۔ پھر سات سال تک دمشق میں تحصیل علوم وفنون کرتے رہے۔ تمام مذاہب سے واقف تھے علم کلام اور علم فقہ اور اختلافیات میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ فلسفہ وحکمت وتصوف میں ان کا کوئی نظیر نہیں تھا۔ شیخ بہاء الدین کے انتقال کے بعد مولانا کے اتالیق سید برہان الدین نے نو سال تک علمِ باطن اور سلوک کی تعلیم بھی دی۔ اس کے بعد مولانا کی عمر تعلیم وتدریس میں گزرنے لگی۔

مولانا کی زندگی کا دوسرا دور

مولانا کی زندگی میں خاص انقلاب حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات سے شروع ہوتا ہے۔ شمس تبریز کیا بزرگ[1] کے خاندان سے تھے جو فرقہ اسماعیلیہ کا امام تھا۔ لیکن انھوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کرکے علوم حاصل کئے اور بابا کمال الدین جندیؒ کے مرید ہوگئے سوداگروں کی وضع میں شہروں کی سیاحت کرتے رہتے تھے ایک مرتبہ دعا مانگی کہ الٰہی کوئی ایسا خاص بندہ ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہوتا۔ بشارت ہوئی کہ روم جاؤ اسی وقت چل کھڑے ہوئے اور قونیہ پہنچے برنج فروشوں[2] کی سرا میں اُترے سرا کے دروازے پر ایک چبوترہ تھا اس پر اکثر عمائد آبیٹھتے تھے وہیں مولانا اور شمس تبریز کی ملاقات ہوئی اور اکثر صحبت رہنے لگی۔ مولانا کی حالت میں نمایاں تغیر پیدا ہوا اور مولانا کے سینہ میں عشقِ حق کی آگ داخل ہوئی۔ سماع سے احتراز رکھتے تھے، درس تدریس وعظ وپند کے اشغال چھوڑ دیئے۔ حضرت شمس تبریزؒ کی صحبت سے دم بھر کے لئے جدا نہیں ہوتے تھے۔ تمام شہر میں ایک شورش مچ گئی۔ شمس تبریزؒ فتنہ کے خوف سے چپکے سے دمشق چل دیئے۔ مولانا کو بے حد صدمہ ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد مولانا کی بے چینی دیکھ کر لوگ جا کر شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کو

[1] کیا بزرگ ایک شخص کا نام ہے   [2] چاول فروش

واپس لائے لیکن تھوڑے دنوں رہ کر پھر شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کہیں غائب ہوگئے اور باوجود تلاش کے ان کا پتہ نہ چلا۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت شمس تبریزؒ کو کسی نے شہید کرڈالا۔ شمس تبریزؒ کی غیبت کے بعد مولانا کو سخت بے چینی ہوئی اسی اضطراب میں ایک دن صلاح الدین زرکوبؒ کی دُکان کے پاس سے گزرے وہ ورق کوٹ رہے تھے مولانا پر خاص حالت طاری ہوگئی۔ صلاح الدین زرکوبؒ نے ہاتھ نہیں روکا اور بہت سا ورق ضائع ہوگیا۔ بالآخر صلاح الدین نے کھڑے کھڑے دُکان لٹادی اور مولانا کے ہمراہ ہولئے اور نو سال تک مولانا کی صحبت میں رہے۔ مولانا کو بھی ان کی صحبت سے بہت تسلّی ہوتی۔

بالآخر ۶۶۴ھ میں صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انتقال فرمایا ان کی وفات کے بعد مولانا نے اپنے مریدین میں سے حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا ہمدم وہمراز بنالیا اور پھر جب تک زندہ رہے اُن سے اپنے دل کو تسلّی دیتے رہے، مولانا روم حسام الدینؒ کا اس طرح ادب کرتے تھے کہ لوگ ان کو مولانا کا پیر سمجھتے تھے انھیں مولانا حسام الدینؒ کی ترغیب پر مولانا روم نے اپنی مشہور مثنوی شریف لکھی۔

مولانا کی علالت اور وفات

۶۷۲ھ میں قونیہ میں بڑے زور کا زلزلہ آیا اور چالیس دن تک اُس کے جھٹکے محسوس ہوتے رہے۔ مولانا نے فرمایا کہ زمین بھوکی ہے لقمۂ تر چاہتی ہے۔ چند ہی روز کے بعد مولانا علیل ہوگئے۔ اکمل الدین اور غضنفر اطبائے حاذق نے علاج کیا۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ۵ جمادی الثانی بروز یک شنبہ ۶۷۲ھ بوقت غروبِ آفتاب مولانا نے وفات فرمائی اور یہ آفتاب علم وفضل غروب ہوگیا۔

رات کو سامان کیا گیا اور صُبح کو جنازہ اُٹھا۔ بادشاہ سے لے کر فقیر و غریب تک سب ہمراہ تھے۔ لوگوں نے تابوت تک توڑ کر تبرکاً تقسیم کر لئے شام کو جنازہ قبرستان تک پہنچ سکا۔ شیخ صدر الدین شاگرد شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے مریدین کے ہمراہ تھے۔ شیخ صدر الدین جنازہ کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے لیکن چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ پھر قاضی سراج الدین نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

IMP

مولانا کی وصیت کے مُطابق حضرت حسام الدین چلپی مولانا کے خلیفہ بنائے گئے۔ مولانا نے دو فرزند چھوڑے ایک علاء الدین محمد دوسرے سلطان ولد۔ حضرت حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ نے ۶۸۴ھ میں انتقال کیا۔ اُن کے بعد سُلطان ولد مسندِ خلافت پر متمکن ہُوئے۔

مولانا کی تصانیف

مولانا کی تصانیف میں مولانا کے ملفوظات میں ایک مجموعہ ہے جس کا نام فِیہِ مَافِیہِ ہے اور پچاس ہزار اشعار کا ایک دیوان ہے۔ جس کو بہت سے لوگ غلطی سے حضرت شمس تبریزؒ کا دیوان سمجھتے ہیں۔ اس مغالطہ کی بنا یہ ہے کہ اکثر مقطع میں شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا نام ہے۔

تیسری چیز مثنوی ہے اور اسی کتاب سے مولانا کا نام زندہ ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ مثنوی کی کچھ خصوصیات لکھ دی جاویں تاکہ ایک بصیرت حاصل ہو جائے۔

خصوصیاتِ مثنوی

دولتِ غزنویہ کے آخر میں حکیم سنائی نے حدیقہ لکھی جو نظم میں تصوّف پر پہلی کتاب ہے۔ حدیقہ کے بعد خواجہ فرید الدین عطّار رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مثنویاں لکھیں جن میں سے منطق الطیر نے زیادہ شہرت حاصل کی ایک دن ایک خاص کیفیت میں مولانا کی زبان سے بیساختہ مثنوی

کے ابتدائی اشعار نکل گئے پھر حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ علیہ نے اصرار کیا کہ مثنوی پوری کی جائے چنانچہ مولانا نے پورے چھ۶ دفتر لکھ ڈالے۔ اگرچہ درمیانِ تصنیف میں وقفے اور فاصلے پڑتے گئے۔ چنانچہ مثنوی میں بہت کثرت سے ایسے اشعار پائے جاتے ہیں جن سے مولانا حسام الدین چلپی رحمۃُ اللہ علیہ کا باعثِ تصنیف ہونا معلوم ہوتا ہے۔ بعض دفتروں میں مولانا نے تاخیر کے نہایت لطیف وجوہ بیان فرمائے ہیں مثلاً فرماتے ہیں کہ ؎

مدّتے ایں مثنوی تاخیر شد ۔۔۔ مہلتے بایست تا خوں شیر شد

تا نزاید بخت تو فرزندِ نو ۔۔۔ خوں نگردد شیرِ شیریں خوش شنو

یہ مثنوی ۶۶۲ھ میں شروع ہوتی ہے جو خود مثنوی کے ایک شعر سے ظاہر ہے ؎

مطلعِ تاریخِ ایں سودا و سود ۔۔۔ سالِ ہجرت ششصد و شصت و دو بود

طرزِ تصنیف علمی و اخلاقی تصانیف کا ایک طرز تو یہ ہے کہ ایک ایک مسئلہ کو علیحدہ علیحدہ ایک ایک باب میں بیان کیا جائے اور ایک قسم کے مضامین سب ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کوئی افسانہ لکھا جائے اور علمی مسائل موقع موقع سے اُس کے ضمن میں بیان کر دیئے جائیں۔ اس دوسرے طریقے میں فائدہ یہ ہے کہ مضامین ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور طبیعت اُکتاتی نہیں۔ مثنوی میں مولانا نے اسی دوسرے طریقے کو اختیار کیا ہے۔ مولانا خود فرماتے ہیں۔

ای برادر قصہ چوں پیمانہ ایست ۔۔۔ معنی اندر وے بسانِ دانہ ایست

گفت نحوی زَیْدٌ عَمْرًا قَدْ ضَرَبْ ۔۔۔ گفت چونش کرد بے جرمے ادب

گفت ایں پیمانۂ معنے بود ۔۔۔ گندمش بستاں کہ پیمانہ ست رد

عمرو و زید از بہرِ اعراب ست ساز ۔۔۔ گر دروغ ست آں تو با اعراب ساز

فارسی زبان میں جس قدر کتابیں اس فن پر لکھی گئیں کسی میں ایسے دقیق اور نازک مسائل و اسرار نہیں ملتے جن کی مثنوی میں بہتات و کثرت ہے۔ مثنوی نہ صرف تصوّف اور اخلاق کی کتاب ہے بلکہ یہ عقائد اور کلام کی بھی بہترین تصنیف ہے۔

مسائل تصوّف کے ہوں یا علمِ کلام کے اُن کو تمثیل اور تشبیہہ سے اس طرح واضح اور ذہن نشین کیا ہے کہ اُن کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو اس صفائی اور ستھرائی سے سُلجھا کر بیان فرمایا ہے کہ اس کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں معلوم ہوتی۔ تصوّف اور کلام کے مہتمات مسائل میں سے کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو نظر انداز ہو گیا ہو۔

یہ مثنوی بحرِ رمل مسدّس محذوف میں ہے۔ وزن فَاعِلاتُن فَاعِلاتُن فَاعِلُن دو بار ہے۔

اس مثنوی کے الفاظ اور حروف میں جو ترنّم اور طرزِ ادا میں جو نُدرت اور ترکیب میں جو روانی اور سلاست ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ ان سب باتوں کے ماسوا جو روحانی برکت اور اثرِ وجدانی و ذوقی لذّت ہے وہ ان تمام باتوں سے بالاتر ہے۔

خلاصۂ تذکرہ

محمّد جلال الدّین مولانائے رومی ابن شیخ بہاء الدّین بن حسین بلخی جائے پیدائش بلخ سالِ ولادت ۶۰۴ھ۔ محمّد خوارزم شاہ کے نواسے ۶ سال کی عمر میں اپنے والد کے ہمراہ بلخ سے ہجرت کی ۱۸ رسال کی عمر میں بمقام لارند شادی ہوئی۔ اسی سال قونیہ میں آکر متوطن ہو گئے۔ ۲۵ سال کی عمر میں بغرض تحصیلِ علم شام کا سفر کیا اور ۶۴۲ھ میں بمقام قونیہ حضرت شمس تبریز کے مُرید ہوئے۔ ۶۶۲ھ میں مثنوی شریف لکھی۔ ۵ جمادی الثانی یوم یک شنبہ کو بوقتِ غروبِ آفتاب ۶۷۲ھ میں انتقال فرمایا اور وہیں قونیہ میں دفن ہوئے۔ ۶۸ سال کی عمر پائی۔

علاء الدّین محمّد اور سُلطان ولد دو بیٹے چھوڑے۔

مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر سے اشارہ

مثنوی شریف کے الہامی ہونے پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شعر سے اشارہ ملتا ہے ۔

چوں فتاد از روزنِ دِل آفتاب
ختم شد واللہُ اعلم بالصّواب

مولانا فرماتے ہیں کہ دل میں جس دریچۂ باطنی سے وارداتِ غیبیہ علوم اور معارف کے آرہے تھے اب بحکمتِ خداوندی وہ آفتاب اُفقِ استتار میں غروب ہوگیا یعنی اب بجائے تجلّی کے استتار ہوگیا جیسا کہ عارفین کو دونوں حالتیں پیش آتی ہیں اور بعض مصالح اس میں تجلّی سے بھی زیادہ ہوا کرتی ہیں۔ پس جب روزنِ قلب کی محاذات سے آفتابِ فیض زیرِ افق جاگرا تو کتابِ ہٰذا ختم ہوگئی۔ "ختم شد واللہُ اعلم بالصّواب" اور اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ صواب اور مصلحت اور حکمت کس وقت کس چیز میں کیا ہے؟ پس جب وہی جانتے ہیں اور حکمت کے موافق کرتے بھی ہیں اور اس وقت اُنھوں نے ایسا کیا پس یقیناً اسی میں حکمت ہے۔ اس لیے میں بھی اتباع اس حال کا کر کے بتکلّف کلام کرنا نہیں چاہتا اور مثنوی کو ختم کیے دیتا ہوں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر فائدہ کے تحت ایک تنبیہ تحریر فرمائی ہے وہ یہ کہ عارف کو بحکمِ وقت کلام کرنا چاہیئے جب طبیعت اپنی اور سامعین کی حاضر ہو اور علوم و معارف کی آمد ہو اور اس میں اعتدال ہو کہ نہ بیان میں تکلف ہو اور نہ اتنا غلبہ ہو کہ ضبط سے خارج ہونے کا اندیشہ ہو اس وقت افادۂ خلق میں مشغول ہو اور اسی وقت حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر یہ شعر وارد ہوا ؎

v.v.v
IMP

گر بگوید بگو بگوئی و بجوش

در بگوید مگو مگوئی و خموش

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد ایک نورِ جاں آئے گا جو اس مثنوی کا تکملہ کرے گا جو ان دو شعر میں مذکور ہے ؎

ہست باقی شرح ایں لیکن دردل

بستہ شد دیگر نمی آید بروں

باقی ایں گفتہ آید بے زباں

در دل آنکس کہ دارد نورِ جاں

چنانچہ اس نورِ جاں کا مصداق حق تعالیٰ نے مُفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی قدس سرہٗ کو بنایا اور اُنھوں نے مثنوی کی تکمیل فرمائی یعنی مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روح پر مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی رُوح کا فیض مشاہدہ کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

آمدی در من مرا بردی تمام

اے تو شیرِ حق مرا خوردی تمام

مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اے جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ آپ نے میری روح پر اپنے انوار کا ایسا تسلّط فرما دیا کہ میرا وجود کالعدم ہوگیا اے کہ تو گویا شیرِ حق ہے جس نے میری ہستی کو فنا کردیا ہے یعنی دفترِ سادس مثنوی کی تکمیل کی پیشین گوئی کے مُطابق میرے قلب پر مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی روحِ پاک مضامین اور معارف کو القاء کر رہی ہے۔ پس یہ کلام بھی اگرچہ میری زبان سے نکلے گا لیکن وہ درحقیقت مولانا ہی کا کلام ہوگا۔ یعنی بمصداق ؎

گرچہ قرآں از لبِ پیغمبر است
ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است

مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ بارھویں صدی کے آدمی ہیں اور مولانا روم علیہ الرحمہ ساتوی صدی کے ہیں۔ مفتی الٰہی بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ظاہری علوم کی تکمیل حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے کی تھی۔

☆

مُبارک تجھے اے مری آہِ مضطر
کہ منزل کو نزدیک تر لا رہی ہے

(اختر)

تعارف

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ

از محمد اختر عفا اللہ عنہ

قصہ مولانائے رومی کا سنو — درس دیتے تھے کبھی یہ دوستو

بے خبر از حالِ ملکِ نیم شب — علمِ ظاہر سے شغف تھا روز و شب

درس ان کا شہرۂ آفاق تھا — اہلِ باطن سے تعلق شاق تھا

علم کا پندار اہلِ علم کو — رکھتا ہے محروم حق سے دوستو

علم کا حاصل ہے بس عشقِ خدا — آہ سب دھوکہ ہے بس اسکے سوا

فضل لیکن جس پہ ہو اللہ کا — اک نہ اک دن ہو گا وہ اللہ کا

مولوی رومی پہ تھا فضلِ خدا — غیب سے امداد کا ساماں ہوا

کام سب کا فضل سے ہوتا ہے آہ — بے کرم کچھ بھی نہیں ہوتا ہے آہ

گر نہ ہو بر بندگاں فضلِ نہاں — کوئی جاں واصل ہو کب تا شاہِ جاں

غیب سے سامان رومی کا ہوا — شمس تبریزی نے کی حق سے دُعا

اے خُدا جو آگ میرے دِل میں ہے — جو تڑپ اس نیم جاں بسمل میں ہے

آتشِ حق جو مرے سینہ میں ہے — از عطا جو کچھ بھی گنجینہ میں ہے

اے خُدا ملتا کوئی بندہ مجھے — جو صحیح معنوں میں ہو لائق ترے

عشقِ حق سے اس کا سینہ پُر کروں — اور صدف کو اس کے میں پُر دُر کروں

میری آتش کا تحمُّل جو کرے — کوئی بندہ مجھ کو اب ایسا ملے

میری نسبت میں جو سوزِ عشق ہے — دِل میں گویا کوہِ طورِ عشق ہے

وقت رخصت کا ہے اب میرا قریب
کس کو سونپوں یہ امانت اے حبیب

پس اچانک غیب سے آئی صدا
شمس تبریزی تو فوراً روم جا

مولوی رومی کو کر مولائے روم
اس کو کر فارغ تو از غوغائے روم

الغرض از حکمِ غیبی شمسِ حق
روم کی جانب چلا از امرِ حق

مولوی رومی پہ ڈالی کیا نظر
گر پڑے بے ہوش رومی راہ پر

علم و فن کا جبّہ نذرِ جام ہے
کامراں ہونے کو تشنہ کام ہے

اک زمانہ مولوی رومی کا تھا
صد وقار و شوکت و شاہی کا تھا

ایک عزّت نسبتِ خوارزم شاہ
دوسری صد علم و فن سے ناز و جاہ

جب کہیں ان کا سفر ہوتا کبھی
آتی فوراً خاص شاہی پالکی

لشکر و خدّام و شاگرداں سبھی
احتراماً ساتھ ہو لیتے سبھی

دست بوسی پائے بوسی کا ہجوم
ہر طرف سے بس مچی ہوتی تھی دھوم

آج رومی گر گیا غش کھا کے آہ
نذرِ عشقِ حق ہوئی سب عزّ و جاہ

کیا منظر تھی شمس تبریزی کی آہ
مولوی رومی ہوئے سردارِ راہ

پیر رومی ہوش میں جب آ گئے
شمس تبریزی کے پیچھے چل پڑے

شیخ کا بستر لئے سر پر چلے
عشق کی ذلّت سے سودا کر چلے

عشق کب رکھتا ہے فانی سلطنت
خاک میں ملتی ہے فانی تمکنت

عشق کی عزّت ہے عزّت دائمی
عشق کی لذّت ہے لذّت سرمدی

الغرض رومی جلال الدّین پر
شمس دیں کا ہو گیا پورا اثر

شمس تبریزی نے نسبت آتشیں
سینۂ رومی میں بھر دی بالیقیں

پیر کے ہاتھوں سے جو نعمت ملی
مثنوی ہے صد تشکّر سے بھری

شمس نے رومی کو کیا سے کیا کیا ۔۔۔ صحبتِ پاکاں عجب ہے کیمیا

شیخِ تبریزی کا یہ فیضِ عظیم ۔۔۔ رقص میں دستار ہے بے خوف و بیم

پیرِ رومی پر ہوا ایسا اثر ۔۔۔ مثنوی میں کہہ گئے وہ بے خطر

شمس تبریزی کہ نورِ مطلق است ۔۔۔ آفتاب است و زانوارِ حق است

من نجویم زیں سپس راہِ اثیر ۔۔۔ پیر جویم پیر جویم پیر پیر

مثنوی میں آگِ تبریزی ہے آہ ۔۔۔ دل ہے تبریزی زباں رومی ہے آہ

کیا ملا رومی کو تبریزی سے آہ ۔۔۔ اس کو پوچھا چاہئے رومی سے آہ

لیک میں کہتا ہوں کہ اے دوستو
مثنوی میں اس کو خود تم دیکھ لو

وارداتِ اختؔر عفا اللہ عنہ

ساحل سے لگے گا کبھی میرا بھی سفینہ ۔۔۔ دیکھیں گے کبھی شوق سے مکّہ و مدینہ

گو عشق کا موجود ہے ہر دل میں دفینہ ۔۔۔ ملتا نہیں لیکن کبھی بے خون و پسینہ

اللہ رے یہ جوشِ محبت کی بہاریں ۔۔۔ اک آگ کا دریا سا لگے ہے مرا سینہ

اے اشکِ ندامت میں ترے فیض پہ قرباں ۔۔۔ برسا ہے جو عاصی پہ یہ رحمت کا خزینہ

ہے شرط کسی اہلِ محبت کی توجہ ۔۔۔ ملتا نہیں ورنہ یہ محبت کا نگینہ

مانا کہ مصائب ہیں رہِ عشق میں اختؔر
پر ان کے کرم سے جو اترتا ہے سکینہ

حصّہ اوّل

حکایاتِ مثنوی

۱
ایں کتابِ دردِ دل اے دوستاں
کردہ ام تالیف بہرِ عاشقاں
۲
خونِ دل بر ہر ورق زاریدہ ام
دردِ دل بر ہر ورق نالیدہ ام
۳
پردہ از دردِ نہاں بیروں کنم
دردِ دل در عاشقاں افزوں کنم
(اختر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصہ اوّل

ذکر حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روبہے کہ ہست اُو را شیر پشت
بشکند کلّہ پلنگاں را بمشت

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ لومڑی کی بزدلی ضرب المثل ہے لیکن جس لومڑی کی کمر پر شیر کا ہاتھ ہو کہ گھبرانا مت، میں تیرے ساتھ ہوں تو باوجود ضعیف الہمّت ہونے کے اس پُشت پناہی کے فیض سے اِس قدر باہمّت ہو جائے گی کہ چیتوں کا کلّہ ایک گھونسے سے توڑ ڈالے گی اور شیر پر نظر ہونے کے سبب چیتوں سے ہرگز خائف نہ ہوگی۔ یہی حال حق تعالیٰ کے خاص بندوں کا ہوتا ہے کہ وہ باوجود خستہ حال، شکستہ تن فاقہ زدہ زرد چہروں کے باطل کی اکثریت سے خائف نہیں ہوتے (یعنی عقلاً ورنہ طبعی خوف کاملین کو بھی ہوتا ہے جو منافی کمال نہیں)۔

(IMP)

ایک صاحب حال بزرگ اسی قوّت کو فرماتے ہیں کہ

رُخِ زرّینِ من منگر کہ پائے آہنیں دارم
چہ می دانی کہ در باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم

اے لوگو! میرے زرد چہرے کو مت دیکھو۔ کیونکہ میں لوہے کے پیر رکھتا

ہوں تم کو کیا خبر کہ میں اپنے باطن یعنی قلب میں شہنشاہِ حقیقی سے تعلق رکھتا ہوں

اِسی مضمون کے تحت حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واقعہ نظم فرمایا ہے کہ ایک بار حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ایک قلعہ کو فتح کرنے کے لئے تنہا اس قوت سے حملہ آور ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا گویا وہ قلعہ ان کے گھوڑے کے تالو کے روبرو ایک گھونٹ کے برابر ہے۔ یہاں تک کہ قلعہ والوں نے خوف سے قلعہ کا دروازہ بند کرلیا اور کسی کی تاب نہ ہوئی کہ مقابلہ کے لئے ان کے سامنے آوے۔

بادشاہ نے وزیر سے مشورہ کیا کہ اس وقت کیا تدبیر کرنی چاہیئے۔ وزیر نے کہا کہ تدبیر صرف یہی ہے کہ آپ جنگ کے تمام منصوبوں اور ارادوں کو ختم کرکے اس باہمّت شخص کے سامنے شمشیر اور کفن لے کر حاضر ہوجائیے اور ہتھیار ڈال دیجئے۔ بادشاہ نے کہا کہ آخر وہ تنہا ایک شخص ہی تو ہے پھر ایسی رائے مجھے کیوں دی جاتی ہے؟ وزیر نے کہا کہ آپ اس شخص کی تنہائی کو بے وقعتی کی نگاہ سے نہ دیکھئے ذرا آنکھیں کھولئے اور قلعہ کو دیکھئے کہ سیماب (پارہ) کی طرح لرزاں ہے اور اہلِ قلعہ کو دیکھئے کہ بھیڑوں کی طرح گردنیں نیچی کئے کیسے سہمے ہوتے ہیں۔ یہ شخص اگرچہ تنہا ہے لیکن اس کے سینہ میں جو دِل ہے وہ عام انسانوں جیسا نہیں ہے۔ اس کی عالی ہمّتی دیکھئے کہ اتنی بڑی مُسلّح اکثریت کے سامنے تنہا شمشیرِ برہنہ لئے کس ثابت قدمی اور فاتحانہ انداز سے اعلانِ جنگ کر رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشرق و مغرب کی تمام فوجیں اس کے ساتھ ہیں۔ وہ تنہا بمنزلہ لاکھوں انسانوں کے ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ قلعہ سے جو سپاہی بھی اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا جاتا ہے وہ اس کے گھوڑے کی ٹاپ کے نیچے پڑا نظر آتا ہے۔ جب میں نے

ایسی عظیم الشان انفرادیت دیکھ لی تو پھر اے بادشاہ! آپ کی اس اکثریت سے کچھ بھی نہ بن پڑے گا۔ آپ کثرتِ اعداد کا اعتبار نہ کریں۔ اصل چیز جمعیتِ قلب ہے اور یہ قوت اس شخص کے قلب میں بے پناہ ہے اور یہ نعمت بعد مجاہدات حصول تعلق مع اللہ کی برکت سے عطا ہوتی ہے اور اس عطاءِ حق کو تم اس حالتِ کفر میں ہرگز حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فی الحال تمہارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس جاں باز مردِ مومن کے سامنے ہتھیار ڈال دو اور قلعہ کا دروازہ کھول دو۔ کیونکہ یہ اکثریت بالکل بے کار ہے۔ آگے مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بعض اقلیت کے سامنے اکثریت کے تعطّل اور ضعف کو چند مثالوں سے سمجھاتے ہیں۔

مثال نمبر ۱ : بے شمار ستارے روشن ہوتے ہیں لیکن ایک خورشید عالم تاب کا ظہور یعنی طلوع سب کو ماند کالعدم کر دیتا ہے۔

مثال نمبر ۲ : اگر ہزاروں چوہے اپنے اپنے بلوں سے کسی لاغر و نہایت درجہ بیمار بلّی پر یک بیک حملہ کر بیٹھیں تو بتقاضائے عقل ان کو فتح ہونی چاہیے: ایک دو چوہے اس کی گردن پکڑ لیں۔ دو ایک اس کی آنکھیں نکال لیں۔ دو ایک اس کے کان اپنے دانتوں سے چیر ڈالیں اور دو ایک اس کے پہلو میں سوراخ کر کے اندر گھس جائیں اور اندرون جسم کے تمام اعضاء کو چبا ڈالیں۔ لیکن مشاہدہ اس کے خلاف ہے ایک دفعہ جہاں اس لاغر و نحیف بلّی نے میاؤں کیا ان ہزار چوہوں کی اکثریت غلبۂ ہیبت و خوف سے یک بیک مفرور ہو جاتی ہے۔ اس میاؤں کو سنتے ہی ان کے کانوں میں اپنی مغلوبیتِ سابقہ کی خوفناک ضربیں گونج اٹھتی ہیں اور اس کے دانتوں اور پنجوں کی حرکاتِ جابرانہ کا تصوّر ان کو

راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کردیتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ چوہوں کے سینوں میں جو قلوب ہیں اور بلّی کے سینہ میں جو دل ہے اس میں فرق ہے۔ بلّی کے دِل میں جو جمعیّت اور ہمّت ہے وہ چوہوں کے قلوب میں نہیں۔ پس اتنی بڑی جماعتِ موشاں کا ایک بلّی کے سامنے حواس باختہ اور ہوش رفتہ ہوجانا اس امر کی دلیل ہے کہ بلّی کی جان میں جمعیّت ہے ورنہ ظاہری قوّت کے لحاظ سے بلّی کی خلاصی ناممکن ہے۔ اسی جمعیّتِ قلبی کا فقدان ہی سبب ہے کہ چوہوں کی تعداد اگر ایک لاکھ بھی ہو تب بھی ایک نحیف و نزار بلّی کو دیکھ کر سب مفرور ہوجاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تعداد کوئی چیز نہیں۔ جمعیّت اور ہمّت اصل ہے۔

مثال نمبر ۳ : بھیڑ اور بکریاں لاکھوں کی تعداد میں ہوں لیکن قصاب کے ایک چھرے کے سامنے اتنی بڑی اکثریّت کی کوئی حیثیّت نہیں۔

مثال نمبر ۴ : افکار اور حواس کی کثرت پر نیند یک بیک طاری ہوکر سب کو فنا کردیتی ہے۔

مثال نمبر ۵ : جنگل میں لاکھوں بڑے بڑے سینگوں والے جانوروں پر ایک شیر کتنی دلیری سے حملہ کرتا ہے اور سب پر تنہا غالب آجاتا ہے اور جس جانور کو چاہتا ہے اپنی خوراک بنالیتا ہے۔

پس حق تعالیٰ مالکُ الملک ہیں اور ایسی جمعیّت و ہمّت وہی عطا فرماتے ہیں۔

اس جمعیّتِ قلب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک فطری اس میں جانور کفّار و

مشرکین سب یکساں ہیں اور ایک جمعیتِ وہبی ہے جو ایمان اور تقویٰ کی برکت سے بعد حصولِ تعلق مع اللہ مُیسّر ہوتی ہے۔ جس کو صوفیہ نسبت سے تعبیر فرماتے ہیں۔

فائدہ: یہ حکایت جس قدر مثنوی میں موجود تھی اسی قدر احقر نے تحریر کی ہے۔ اس کے اندر تعلیم ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ قلب میں تعلق کا حاصل ہونا بڑی دولت ہے اور اس کے حاصل ہونے کا طریق صرف اتباعِ شریعت ہے۔

(ہذا من فیوضِ مرشدیؒ)

قصہ سُلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ

ایک رات حضرت سُلطان محمودؒ شاہی لباس اتار کر عام لباس میں رعیت کی نگرانی کے لئے تنہا گشت فرما رہے تھے کہ اچانک چوروں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ آپس میں کچھ مشورہ کر رہا ہے۔ چوروں نے سُلطان محمودؒ کو دیکھ کر دریافت کیا کہ اے شخص تو کون ہے؟

بادشاہ نے کہا کہ میں بھی تم ہی میں سے ایک ہوں۔ وہ لوگ سمجھے کہ یہ بھی کوئی چور ہے اس لئے ساتھ لے لیا۔ پھر آپس میں باتیں کرنے لگے اور یہ مشورہ ہوا کہ ہر ایک اپنا اپنا ہنر بیان کرے تاکہ وہی کام اس کے سُپرد کر دیا جاوے۔

ایک نے کہا صاحبو! میں اپنے کانوں میں ایسی خاصیّت رکھتا ہوں کہ کُتّا جو کچھ اپنی آواز میں کہتا ہے مَیں سب سمجھ لیتا ہوں کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

دوسرے نے کہا کہ میری آنکھوں میں ایسی خاصیّت ہے کہ جس شخص کو اندھیری رات میں دیکھ لیتا ہوں اس کو دن میں بلاشک و شبہ پہچان لیتا ہوں۔

تیسرے نے کہا کہ میرے بازوؤں میں ایسی خاصیّت ہے کہ میں ہاتھ کے زور سے نقب لگا لیتا ہوں یعنی گھر میں داخل ہونے کے لئے مضبوط دیواریں بھی ہاتھ سے سوراخ کر دیتا ہوں۔

چوتھے نے کہا کہ میری ناک میں ایسی خاصیّت ہے کہ مٹی سونگھ کر معلوم

کرلیتا ہوں کہ اس جگہ خزانہ مدفون ہے یا نہیں۔ جیسے مجنوں نے بغیر بتلائے ہوئے خاک سونگھ کر معلوم کرلیا تھا کہ اس جگہ لیلیٰ کی قبر ہے۔

ہمچو مجنوں بو کنم ہر خاک را
خاکِ لیلیٰ را بیابم بے خطا

پانچویں شخص نے کہا کہ میرے پنجہ میں ایسی قوت ہے کہ محل خواہ کتنا ہی بلند ہو لیکن میں اپنے پنجہ کے زور سے کمند کو اس محل کے کنگرہ میں مضبوط لگا دیتا ہوں اور اس طرح مکان میں آسانی سے داخل ہو جاتا ہوں۔

پھر سب نے مل کر بادشاہ سے دریافت کیا کہ اے شخص تیرے اندر کیا ہنر ہے جس سے چوری کرنے میں مدد مل سکے۔ بادشاہ نے جواب دیا ؎

مجرماں را چوں بجلاداں دہند
چوں بجنبد ریشِ من ایشاں رہند (رومیؒ)

ترجمہ: میری داڑھی میں ایسی خاصیت ہے کہ پھانسی کے مجرموں کو جب جلادوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت اگر میری داڑھی ہل جاتی ہے تو سب اسی وقت رہائی پا جاتے ہیں یعنی جب میں ترحم سے داڑھی ہلا دیتا ہوں تو مجرمین کو قتل کی سزا سے فی الفور نجات حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ سنتے ہی چوروں نے کہا ؎

قوم گفتندش کہ قطبِ ما توئی
روزِ محنت یا خلاصِ ما توئی

ترجمہ: اے ہمارے قطب! چونکہ یومِ مشقت میں خلاصی کا ذریعہ آپ

ہی ہیں یعنی اگر ہم پکڑے جاویں تو آپ کی برکت سے چھوٹ جاویں گے اس لئے اب ہم سب کو بے فکری ہوگئی کیونکہ اوروں کے پاس تو صرف ایسے ہنر تھے جن سے چوری کی تکمیل ہوتی تھی لیکن سزا کے خطرہ سے بچانے کا ہنر کسی کے پاس نہ تھا۔ یہی کسر باقی تھی جو آپ کی وجہ سے پوری ہوگئی اور سزا کا خطرہ بھی ختم ہو گیا۔ بس اب کام میں لگ جانا چاہیئے۔ اس مشورہ کے بعد سب نے قصرِ شاہِ محمود کی طرف رُخ کیا اور شاہ خود بھی ان کے ہمراہ ہوگیا۔ راستہ میں کُتا بھونکا تو کُتّے کی آواز سمجھنے والے نے کہا کہ کُتّے نے کہا ہے کہ تمہارے ساتھ بادشاہ بھی ہے لیکن اس کی بات کی طرف چوروں نے دھیان نہ دیا کیونکہ لالچ ہنر کو پوشیدہ کر دیتا ہے ؎

صد حجاب از دِل بسُوئے دِیدہ شُد
چوں غرض آمد ہنر پوشِیدہ شُد

ایک نے خاک سونگھی اور بتادیا کہ شاہی خزانہ یہاں ہے ایک نے کمند پھینکی اور شاہی محل میں داخل ہوگیا۔ نقب زن نے نقب لگادی اور آپس میں خزانہ تقسیم کرلیا اور جلدی جلدی ہر ایک نے مالِ مسروقہ پوشیدہ کر لیا۔ بادشاہ نے ہر ایک کا حُلیہ پہچان لیا اور ہر ایک کی قیام گاہ کے راستوں کو محفوظ کرلیا اور اپنے کو ان سے مخفی کرکے محلِ شاہی کی طرف واپس ہوگیا۔

بادشاہ نے دن کو عدالت میں شب کا تمام ماجرا بیان کرکے سپاہیوں کو حکم دیا کہ سب کو گرفتار کرلو اور سزائے قتل سنادو۔ جب وہ سب کے سب مشکیں کسی ہوئی عدالت میں حاضر ہوئے تو تختِ شاہی کے سامنے ہر ایک خوف سے

کانپنے لگا لیکن وہ چور جس کے اندر یہ خاصیت تھی کہ جس کو اندھیری رات میں دیکھ لیتا دِن میں بھی اُس کو بے شبہ پہچان لیتا وہ مطمئن تھا۔ اس پر خوف کے ساتھ رجاء کے آثار بھی نمایاں تھے۔ یعنی ہیبتِ سُلطانی اور قہرِ انتقامی سے ترساں اور لُطفِ سُلطانی کا اُمیدوار تھا کہ حسبِ وعدہ جب مراحِمِ خسروانہ سے داڑھی ہِل جاوے گی تو فی الفور خلاصی ہو جاوے گی اور حسبِ وعدہ میں اپنے تمام گروہ کو بھی چھڑا لوں گا کیونکہ غایتِ مروّت سے بادشاہ اپنے جان پہچان والے سے اعراض نہ کرے گا بلکہ عرض قبول کر کے سب کو چھوڑ دے گا۔

اس شخص کا چہرہ خوف اور اُمید سے کبھی زرد کبھی سُرخ ہو رہا تھا کہ بادشاہ محمودؒ نے جلالتِ خسروانہ کے ساتھ حکم نافذ فرمایا کہ ان سب کو جلّادوں کے سُپرد کر کے دار پر لٹکا دو اور چونکہ اس مقدمہ میں سُلطان خود شاہد ہے۔ اس لئے کسی اور کی گواہی ضروری نہیں۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے دِل کو سنبھال کر ادب سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اجازت حاصل کر کے اس نے کہا حضُور! ہم میں سے ہر ایک نے اپنے مجرمانہ ہنر کی تکمیل کر دی اب خُسروانہ ہنر کا ظہور حسبِ وعدہ فرما دیا جائے۔ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ آپ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میری داڑھی میں ایسی خاصیت ہے کہ اگر کرم سے ہِل جاوے تو مُجرم خلاصی پا جاوے۔ لہٰذا اے بادشاہ! اب اپنی داڑھی ہلا دیجئے تاکہ آپ کے لُطف کے صدقہ میں ہم سب اپنے جرائم کی عقوبت و سزا سے نجات پا جائیں۔ ہمارے ہنروں نے تو ہمیں دار تک پہنچا دیا۔ اب صرف آپ ہی کا ہنر ہمیں اس عقوبت سے نجات دلا سکتا ہے۔ آپ کے ہنر کے ظُہور کا

یہی وقت ہے۔ ہاں کرم سے جلد داڑھی ہلائیے کہ خوف سے ہمارے کلیجے مُنہ کو آرہے ہیں۔ اپنی داڑھی کی خاصیّت سے ہم سب کو جلد مسرور فرما دیجئے۔

سُلطان محمودؒ اِس گفتگو سے مُسکرایا اور اُس کا دریائے کرم مجرمین کی فریاد و نالۂ اضطرار سے جوش میں آگیا ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص نے اپنی اپنی خاصیت دکھا دی حتیٰ کہ تمھارے کمال اور ہنر نے تمھاری گردنوں کو مُبتلائے قہر کر دیا۔ بجز اس شخص کے کہ یہ سُلطان کا عارف تھا اور اس کی نظر نے رات کی ظلمت میں ہمیں دیکھ لیا تھا اور ہمیں پہچان لیا تھا پس اس شخص کی اُس نگاہِ سُلطان شناس کے صَدقہ میں تم سب کو رہا کرتا ہوں۔ مجُھے اس پہچاننے والی آنکھ سے شرم آتی ہے کہ میں اپنی داڑھی کا ہنر ظاہر نہ کروں۔

فائدہ : (۱) اس حکایت میں عبرت و نصیحت ہے کہ جس وقت تم جرائم کا ارتکاب کرتے ہو شہنشاہِ حقیقی تمھارے ساتھ ہوتا ہے اور تمھارے کرتوتوں سے باخبر ہوتا ہے۔

وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ۔

ترجمہ : اور سُلطانِ حقیقی تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔

بندہ جب کسی نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے تو گویا خزانۂ حدودِ الٰہیہ میں خیانت کرتا ہے۔ اللہ کے حقوق کی خیانت ہو یا بندوں کے حقوق کی یہ سب اللہ کے خزانے کی چوریاں ہیں اِس لئے ہر وقت یہ خیال رہے کہ شہنشاہِ حقیقی ہمارے ساتھ ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اس کے سامنے خزانہ لوٹا جا رہا ہے۔ ذرا سوچو تو سہی تم کس کی چوری کر رہے ہو۔ وہ بادشاہِ حقیقی کہہ رہا ہے کہ ہم تمھیں دیکھ

رہے ہیں۔ ہمارا قانون تو نازل ہو چکا۔ آج تم قانون شکنی کرلو۔ آج دُنیا میں تو میں تُمھاری ستاری کرتا ہوں کہ شاید تم راہ پر آجاؤ لیکن اگر ہوش میں نہ آئے تو کل قیامت میں جب مشکیں کسی ہوئی میرے سامنے حاضر ہو گے اس وقت میرے قہر و غضب سے تمھیں کون بچا سکے گا۔

(۲) اس حکایت سے یہ نصیحت بھی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں کی سزا فی المآل یعنی آخرت میں دیں گے۔ اگرچہ دُنیا میں فی الحال نظر انداز فرما دیں۔ جیسے خزانۂ شاہی کی چوری کے وقت سُلطان اگرچہ چوروں کو دیکھ رہا تھا اور ان کے پاس ہی تھا لیکن اس حال میں انھیں سزا نہ دی بلکہ انجامِ کار گرفتار کرا لیا۔ اگر ہر روز یہ مراقبہ کرلیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعمال کو دیکھ رہے ہیں تو گُناہ کے ارتکاب سے خوف محسوس ہو گا۔

(۳) تیسری نصیحت یہ ہے کہ قیامت کے دِن کوئی ہُنر کام نہ دے گا۔ بلکہ وہ تمام اعمال جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف انسان سے سرزد ہو رہے ہیں۔ قیامت کے دِن اس کی گردن بندھوا دیں گے۔ گو دُنیا میں ان کو ہُنر سمجھا جاتا ہو جس طرح چوروں نے اپنے فن کو موقع کمال میں پیش کیا تھا لیکن اِن کمالات ہی نے ان کی مُشکیں کسوا دیں ؎

ہَر یکے خَاصِیَّتے خُودْ رَا نمُودْ
اِیں ہُنَرہا جُمْلَہ بَدْبَخْتِی فَزُودْ

ترجمہ: ہر ایک نے اپنی خاصیت دکھائی اور اپنا کمالِ ہُنر پیش کیا لیکن ان تمام ہُنروں سے ان کی بدبختی اور بڑھ گئی۔ جو ہنر جان کو خالقِ جان سے آشنا

نہ کرے اور دِل کا رابطہ حق تعالیٰ سے قائم نہ کرے اور اللہ کی یاد کا ذریعہ نہ ہو جاوے وہ ہُنر نہیں ہے، وبال ہے۔ انسان کی جو قوتیں اللہ تعالیٰ سے بغاوت، سرکشی اور غفلت میں صرف ہو رہی ہیں وہ ایک دن اس کو مجرم کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کریں گی۔

imp

آج دُنیا کی جو قومیں سائنسی ترقی کے ذریعہ تسخیرِ ماہتاب کو اپنا کمال سمجھ رہی ہیں اور اللہ سے مُنہ موڑ کر اپنی زندگی کے ایّام گزار رہی ہیں۔ انھیں کل قیامت کے دِن پتہ چلے گا کہ ان کا یہ کمالِ ہُنر قابلِ انعام ہے یا موردِ قہر و غضب ؎

تسخیرِ مہر و ماہ مُبارک تجھے مگر
دِل میں اگر نہیں تو کہیں روشنی نہیں　(اکبرؔ)

(۴) پس معلوم ہوا کہ کوئی ہُنر کام آنے والا نہیں ہے سوائے ایک ہنر کے اور وہ یہ ہے کہ اس دُنیا کے ظلمت کدہ میں اللہ کو پہچاننے والی نظر پیدا کی جائے جیسے کہ وہ شخص جس کی نگاہ سُلطان شناس تھی کہ اپنے اسی ہُنر کی وجہ سے قہر و انتقامِ شاہی سے خود بھی بچ گیا اور دوسروں کے لئے بھی سفارش کی باقی ساری خاصیتیں آلۂ سزا و عقوبت ہوگئیں۔ لیکن ؎

جُز مگر خاصیتِ آں خُوش حواس
کہ بشب بُود چشمِ اُو سُلطاں شناس

ترجمہ: صِرف اس خوش حواس کی نگاہِ سُلطان شناس کام آئی جس نے رات میں سُلطان کو پہچان لیا تھا۔ پس نصیحت اس میں یہ ہے کہ یہ دُنیا بھی ظلمت کدہ ہے یہاں کی اندھیری میں جو بندہ اتّباعِ شریعتِ الٰہیہ کی برکت سے

اپنے اللہ کو پہچان لے گا وہ قیامت کے دن خود بھی نارِ جہنّم کی عقوبت سے خلاصی پائے گا اور دوسرے مجرمین (گنہ گار اہلِ ایمان) کے لئے بھی سفارش کرے گا لیکن اپنی اس معرفت اور لُطفِ حق پر مغرور نہ ہو گا بلکہ خوف اور اُمید کے درمیان بصد عجز و نیازِ عبدیّت شفاعت کرے گا پھر حق تعالےٰ جس کے لئے چاہیں گے اس کی سفارش قبول فرما کر اپنی شانِ رحمت کا ظہور فرمائیں گے اور جس کے لئے نہ چاہیں گے تو از راہِ عدل اپنی شانِ قہر و انتقام ظاہر فرمائیں گے پس بہت خوش نصیب ہے وہ بندہ جس نے دُنیا میں رہ کر نگاہِ معرفت پیدا کر لی اور اپنے اللہ کو پہچان لیا۔ عارفین جن کی روحیں اپنے مجاہدوں اور ریاضتوں کے ذریعے آج اللہ کو پہچان رہی ہیں۔ کل حشر کے دن یہی عارفین اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے اور نجات پائیں گے اور ان کی سفارش گنہ گاروں کے حق میں قبول کی جائے گی۔ جس وقت کفّار و مجرمین کو ان کے ہنروں کی بدولت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آگ میں داخل کیا جا رہا ہو گا اس وقت یہ فاقہ زدہ چہرے یہ پیوند کپڑے والے، بوریہ نشین جن کا آج مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اپنے اللہ کو نگاہ بھر کر دیکھ رہے ہوں گے۔ اس وقت مجرمین ان پر رشک کریں گے کہ کاش دُنیا میں ہم بھی ان ہی کی طرح رہے ہوتے اور ان کا ہُنر سیکھا ہوتا۔ یعنی نگاہِ معرفت پیدا کر لی ہوتی۔

(۵) اس حکایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور نیک بندے معیارِ انسانیّت کے اعتبار سے کتنا بلند مقام رکھتے ہیں۔

افسوس کہ آج جو قوم انھیں چوروں کی طرح اپنی دنیوی زندگی کی چند روزہ

بہار کے وسائل و ذرائع کو ہنر سمجھتی ہے اور مادی ترقی کو اصل ترقی سمجھتی ہے اور انسانیت سے گری ہوئی تہذیب کو مثلاً کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو اور کاغذ[1] سے پاخانہ کا مقام صاف کرکے ٹب میں بیٹھ کر غسل کرنے کو اور اس طرح پاخانہ کے مقام سے ملوث گندہ پانی منہ کان آنکھ میں داخل کرنے کو انسانیت کی معراج قرار دیتی ہے کیا ایسی قوم کو تہذیب یافتہ و ترقی یافتہ کہا جاسکتا ہے۔

افسوس صد افسوس کہ مسلمان اللہ کی پسندیدہ تہذیب و معاشرت کو ترک کرکے اسی مغضوب و مقہور قوم کی نقل کر رہے ہیں۔

(دُعا) اے اللہ! ہم پر کسی ایسے حکمران کو متعین فرما جو تیرے پاکیزہ قانون کو نافذ کرے (آمین) اور بے پردہ پھرنے والی عورتوں کو، بے نمازیوں کو، شراب پینے والوں کو سزائیں دے اور جبراً و قہراً ایسے دستور نافذ ہوں کہ یہ چکلے خانے، شراب خانے، سینما خانے سب مقفل کر دیئے جائیں۔

(آمین ثم آمین)

---

[1] ٹشو پیپر

قصہ ایک عاشق نقاب پوش بزرگ کا

یہ نقاب پوش بزرگ زمانۂ جاہلیت میں کسی خطۂ عرب کے بادشاہ تھے۔ یہ پہلے عشقِ مجاز میں مبتلا تھے اور بہت اچھے شاعر تھے۔ حکومت اور ملک کے حریص، نازک طبع اور صاحبِ جمال۔ جب عشقِ حقیقی نے ان کے دِل پر اثر کیا تو حکومت و سلطنت تلخ معلوم ہونے لگی۔ ولنعم ما قال صاحبُ قصیدۃ البردۃ ؎

نَعَمْ سَرٰی طَیْفُ مَنْ اَھْوٰی فَاَرَّقَنِیْ
وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ

ترجمہ: ہاں مجھے رات کو جب اپنے محبوب کا خیال آگیا تو رات بھر نیند نہیں آئی اور بات یہ ہے کہ محبّت تمام لذّتوں کو رنج وغم سے تبدیل کردیتی ہے۔

بالآخر بادشاہ آدھی رات کو اُٹھا، گدڑی اوڑھی اور اپنی سلطنت سے باہر نکل گیا۔ دِل میں عشقِ الٰہی کی آگ پیدا ہوچکی تھی۔ سلطنت کا شور و غُل محبُوب کی یاد سے مانع ہورہا تھا۔ آخر کار پیمانۂ صبر چھلک گیا، ایک چیخ ماری اور دیوانہ وار صحرا کی طرف چل دیا ؎

مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا
کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

اس عاشقِ صادق کی سچّی آہ نے اس کو سلطنت کے آہنی قید و بند سے آزاد کردیا۔ اس راہ کا کام ابتداءً جذب ہی سے بنتا ہے حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں ؎

دست در دیوانگی باید زدن   زیں خرد جاہل ہمی باید شدن

ترجمہ : دیوانگی کی نعمت یعنی عشقِ حق دل میں پیدا کرو۔ محض خرد سے حق تک رسائی نہ ہوگی بلکہ جو عقل نورِ وحی سے منوّر نہ ہو اس سے تو جاہل ہی رہنا بہتر ہے۔

یہ عشق کا خاصہ ہے کہ عاشق کو خلوت میں بیٹھ کر اپنے محبوب کی یاد لذیذ معلوم ہوتی ہے۔ پس صحرا کا سکوت عاشقین صادقین کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نبوّت عطا ہونے سے پہلے مجھے خلوت محبوب کر دی گئی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلق سے کنارہ کش ہو کر غارِ حرا میں کئی کئی دن تک یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

بالآخر عشقِ حقیقی نے اس بادشاہ کو بھی تخت و تاج سے بے زار کر کے آدھی رات کو جنگل کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ؎

عشقِ حق نے جب کیا اپنا اثر   عیش و راحت کر دیا سب تلخ تر

عشق کی لذّت کو شہ جب پا گیا   تاجِ شاہی اس نے سر سے رکھ دیا

تختِ شاہی فقر سے مُبدّل ہوا   حبّذا اے عشقِ صادق حبّذا

عشق نے ایسے ہزاروں بادشہ   کر دیئے بے ملک و بے تخت و کلہ

عشق کی لذّت کو ان سے پوچھئے

جن کے سینے عشق سے زخمی ہوئے   (اختر راقم الحروف)

اہلِ ظاہر اس لذّت کو کیا جانیں؟ انھیں کیا معلوم کہ خلوت تنہائی اور جنگل کے سناٹے میں کیا لطف ہے؟ اس کا لطف تو اللہ والوں سے پوچھو جن کی جانیں دُنیائے فانی کی عارضی بہاروں سے مستغنی ہو کر خلوت میں حق تعالیٰ کے قرب سے

مسرور رہتی ہیں۔ یہ وہ خلوت ہے کہ لاکھوں جلوتیں اس پر قربان ہوں یہی معیت ہے اس محبوب حقیقی کی جو ان کی تنہائیوں کو پُربہار کرتی ہے۔ ایک بزرگ مولانا محمدؒ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

معیّت گر نہ ہو تیری تو گھبراؤں گلستاں میں
رہے تو ساتھ تو صحرا میں گلشن کا مزہ پاؤں (احمدؒ)

اور صحرا کے سکوت سے انھیں پیامِ دوست ملتا ہے ؎

گیا میں بھول گلستاں کے سارے افسانے
دیا پیام کچھ ایسا سکوتِ صحرا نے (احمدؒ)

یعنی صحرا کی خاموشی نے پیامِ دوست کی کچھ ایسی غمازی کی کہ اس کے لُطف کے سامنے ہم دُنیائے فانی کی چند روزہ بہار کے سب افسانے بھول گئے۔

کوہ و دریا دشت و دمن سے دیوانہ وار گذرتا ہوا وہ بادشاہ اپنی حدودِ سلطنت سے نکل کر سرحد تبوک میں داخل ہو گیا اور چہرہ پر نقاب ڈال لی تاکہ چہرہ کی جلالتِ شاہانہ سے لوگ نہ سمجھ لیں کہ یہ گدڑی پوش کسی مُلک کا رئیس یا بادشاہ ہے۔

ملکِ تبوک میں اس بادشاہ پر جب کئی فاقے گذر گئے تو ضعف و نقاہت سے مجبور ہو کر مزدوروں کے ساتھ اینٹیں بنانے لگا۔ اگرچہ چہرے پر نقاب پڑا رہتا تھا لیکن جب کبھی ہوا کے جھونکوں سے ہٹ جاتا تو شاہی چہرے کا جلالِ شاہانہ مزدوروں پر ظاہر ہو جاتا۔ آخر کار مزدوروں میں تذکرے ہونے لگے کہ یہ نقاب پوش کسی ملک کا سفیر یا کسی سلطنت کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔

رفتہ رفتہ یہ خبر ساری سلطنت میں مشہور ہوگئی اور شاہِ تبوک تک بھی پہنچ گئی۔

بادشاہ کو فکر ہوئی کہ مزدور کے بھیس میں کسی دوسری سلطنت کا بادشاہ یا سفیر کہیں جاسوسی نہ کر رہا ہو اور میری سلطنت کے راز معلوم کر کے حملہ آور ہونے کا منصوبہ نہ بنا رہا ہو۔ تحقیق کرنی چاہیئے کہ ماجرا کیا ہے۔ شاہِ تبوک نے فوراً سامانِ سفر باندھا اور مزدوروں کے جھرمٹ میں گھس گیا۔ جہاں وہ نقاب پوش اینٹیں بنا رہا تھا۔ بادشاہ نے اس کے علاوہ تمام مزدوروں کو دور ہٹا دیا اور اس صاحبِ جمال کا نقاب اٹھا دیا اور دریافت کیا کہ لے صاحبِ جمال! آپ اپنے صحیح حال سے مجھے آگاہ کیجئے۔ آپ کا یہ روشن چہرہ شہادت دیتا ہے کہ آپ کسی ملک کے بادشاہ ہیں لیکن یہ فقر و مسکنت کس سبب سے؟

آپ نے اپنی راحت اور سلطانیّت کو اس کلفت و فقر کی ذلت پر قربان کیا۔ اے عالی حوصلہ! آپ کی اس ہمّت پر میری یہ سلطنتِ تبوک ہی نہیں بلکہ صدہا سلطنتیں قربان ہوں۔ مجھے جلد اپنے راز سے آگاہ کیجئے۔ اگر آپ میرے پاس مہمان رہیں تو میری خوش نصیبی ہوگی اور آپ کے قرب سے میری جان کو جو خوشی سو جان کے برابر ہو جائے گی۔ اس طرح بہت سی ترکیبوں سے شاہِ تبوک اس لباسِ فقر میں ملبوس بادشاہ سے دیر تک بات کرتا رہا تا کہ اس کا راز منکشف ہو جائے لیکن راز و نیاز کی گفتگو کے بجائے اس نقاب پوش بادشاہ نے شاہِ تبوک کے کان میں درد و عشق کی نہ جانے کیا بات کہدی کہ اسی وقت یہ بادشاہِ تبوک بھی عشقِ الٰہی سے دیوانہ ہو گیا اور اپنی سلطنت کو ترک کر کے اس تارکِ دُنیا شاہ نقاب پوش کے ساتھ رہنے کے لئے تیار ہو گیا۔ آدھی رات کو یہ دونوں بادشاہ اس

ملک سے نکل کر کسی اور سلطنت میں چل دیئے تاکہ خلقت پریشان نہ کرے اور فراغِ قلب سے محبوبِ حقیقی کی یاد میں مشغولی نصیب ہو۔ یہ دونوں بہت دور تک چلتے رہے۔ یہاں تک کہ کسی تیسری سلطنت میں داخل ہو گئے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عشق نے یہ گناہ ایک ہی بار نہیں کیا ہے بلکہ بکثرت ایسا کیا ہے کہ مال و جاہ اور حکومت و سلطنت سب چھڑا دی ہے۔ گناہ کا لفظ مولانا نے یہاں ان مخاطب کے اعتبار سے استعمال کیا ہے جو محبتِ حق سے کورے ہیں کیونکہ اہلِ دُنیا اہل اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔

غرض اس عاشقِ صادق نقاب پوش تارکِ سلطنت کی بات میں نہ جانے کیسی لذت تھی کہ شاہِ تبوک پر سلطنت کی تمام لذتیں حرام ہو گئیں، سارے عیش اس لذت کے سامنے ہیچ ہو گئے اور دل میں عشقِ الٰہی کا ایک دریا موجزن ہو گیا۔

اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں
ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا مرے دل میں (خواجہ صاحبؒ)

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مُرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں اسی مضمون کو عجیب انداز میں بیان فرمایا ہے۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یااللہ کیا آگ بھری ہو گی

جس طرح آگ ایک گھر سے دوسرے گھر میں لگ جاتی ہے اسی طرح عشق کی آگ بھی ایک دل سے دوسرے دِل میں منتقل ہو جاتی ہے۔

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
اک سینہ بہ سینہ ہے اک خانہ بخانہ ہے

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دِل سے دوسرے دل تک مخفی راہیں ہیں اور اس غیر محسوس اور غیر مُبصَر دعوی کے تفہیم کے لئے ایک عجیب تمثیل محسوساتِ خارجیہ سے پیش فرماتے ہیں ؎

کہ زِ دل تا دِل یقیں روزن بُوَد ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ نے جُدا و دُور چوں دو تن بُوَد
مُتّصِل نَبوَد سِفال دو چراغ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ نورِ شاں ممزوج باشد در مَساغ

ترجمہ : فرماتے ہیں کہ ایک دل سے دوسرے دل تک خفیہ راستوں کو اس مثال سے سمجھو کہ مٹی کے دو چراغ (دیئے) اگر جلا دیئے جائیں تو ان دونوں چراغوں کے اجسام تو الگ الگ ہیں لیکن ان کی روشنی فضا میں مخلوط ہے۔ ان چراغوں کی روشنی میں کوئی حد فاصل نہیں ہوگی کہ یہ روشنی فلاں چراغ کی ہے یہ فلاں کی۔

اِسی طرح مومنین کے اجسام بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ لیکن جب باہم مجالست ہوتی ہے تو ان کے دلوں کے انوار اس فضاءِ مجلس میں ایک ہو جاتے ہیں یعنی تفرقِ اجسام کے ساتھ تفرقِ انوار نہیں ہوتا۔

اسی طرح حضرت شارع علیہ السّلام نے باہمی مشورہ کا جو حکم ارشاد فرمایا ہے اس میں منجملہ اور حکمتوں کے یہ حکمت بھی ہے کہ ایک مومن سے جب دس مومن جمع ہو گئے تو اب دس چراغوں کی روشنی کہیں زیادہ ہو جائے گی اور اس تیز روشنیٔ ایمان و یقین میں صحیح حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا۔ اسی کو حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

مشورہ کن با گروہِ صالحاں | بر پیمبر امرِ ہم شوریٰ بداں

ایں خردہا چوں مصابیحِ انور ست | بست مصباح از یکے روشن تر است

ترجمہ : صالحین کے گروہ سے مشورہ کرتے رہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مشورہ کا حکم نازل ہوا۔ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (الآیۃ) اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الآیۃ) میں اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف مذکور ہے کہ یہ لوگ اپنے ہر اہم امر میں باہمی مشورہ کرلیا کرتے ہیں۔ عقولِ انسانی مثل روشن چراغ کے ہیں۔ بیس چراغوں کی روشنی یقیناً ایک سے روشن تر ہوگی۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سبب سے رہبانیت سے منع فرمادیا۔ کیونکہ دُنیا کو بالکلیہ ترک کرکے پہاڑ کی گھاٹی میں بیٹھ رہنے سے باہمی صلاح و مشورہ کی صورت مفقود ہوجاتی۔

اسی کو فرماتے ہیں ؎

بہر ایں کردست منع آں باشکوہ | از ترہب و ز شدن خلوت بکوہ

تا نہ گردد فوت ایں نوعِ التقا | کاں نظر بخت است و اکسیر بقا

ترجمہ : اسی واسطے اس صاحب شکوہ (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے رہبانیت اور دامنِ کوہ میں خلوت اختیار کرنے کو منع فرمادیا تاکہ اس نوع کی مُلاقات کے منافع اور فیوض و برکات سے جو صالحین کی صحبت سے نصیب ہوتے ہیں محرومی نہ ہوجائے۔ بعضوں کی نظر میں حق تعالیٰ نے کیمیا کی خاصیت رکھی ہے کہ اس نظر کی برکت سے فاسق و فاجر صالح اور اشرار، ابرار ہوجاتے ہیں۔

جج اکبر الہ آبادی مرحوم نے اس مضمون کو خوب کہا ہے ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہاں پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ جن بُزرگ کا قصہ یہاں بیان ہو رہا ہے۔ انھوں نے بھی تو دُنیا ترک کر دی تھی۔ جواب یہ ہے کہ کسی بادشاہ کا ترکِ سلطنت کر کے فقر اختیار کر لینا اور گروہِ فقرا میں رہنا رہبانیّت نہیں ہے۔ رہبانیت نام ہے مخلوق سے بالکلیہ الگ ہو جانے کا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نقاب پوش بادشاہ نے شاہِ تبوک کے کان میں نہ جانے عشق اور درد کی کیا بات کہہ دی کہ شاہِ تبوک نے اسی وقت اپنے سینے میں تعلق مع اللہ کی دولت محسوس کی اور بزبانِ حال یہ شعر پڑھا۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

ترجمہ : خدا آپ کو جزاءِ خیر عطا فرمائے کہ آپ نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور محبوبِ حقیقی سے ہمراز کر دیا اور اس نقاب پوش صاحبِ نسبت بادشاہ سے عرض کیا کہ ہمیں بھی اپنے ہمراہ لے چلیں۔ آپ کا قلب سرچشمۂ آتشِ عشق ہے آپ سے درخواست ہے کہ ع

عشقِ حق کی آگ سے سینہ مرا بھر دیجیے

سلطنت ترک کر کے آپ کا مزدوروں کے ساتھ اینٹیں بنانا اور لباسِ فقر میں خستہ حال رہنا اِس بات کی دلیل ہے کہ آپ باطن میں کوئی دوسری سلطنت دیکھ چکے ہیں۔ جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی گرد ہے ؎

کسی کی یاد میں ہے مضطرب جانِ حزیں تیری
گریباں چاک ہے اشکوں سے تر ہے آستیں تیری
ترے دل کو میسر ہے مقامِ قرب کی لذت
تجھے پھر منّ و سلویٰ کیوں نہ ہو نانِ جویں تیری (اختر)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف ان دو بادشاہوں کو ہی نہیں اور بھی بے شمار بادشاہوں کو عشق نے ان کے ملک اور خاندان سے جدا کر دیا۔ جب عشق خونی کمان پر چلّہ چڑھا لیتا ہے تو لاکھوں سر اس وقت ایک پیسے کو بک جاتے ہیں۔ ؎

صد ہزاراں سر بہ پولے آں زماں عشقِ خونی چوں کند زہ بر کماں

حق تعالیٰ کی محبت میں ایک دفعہ قتل ہونا ہزاروں زندگی سے بہتر ہے اور ہزاروں سلطنتیں اس غلامی پر جو عشقِ حق سے حاصل ہوتی ہے قربان ہیں۔ اولاً عشق میں اگرچہ مجاہدات سے جسم ویران ہوتا ہے۔ لیکن اس ویرانی میں جب خزانہ نسبت (تعلق مع اللہ) منکشف ہو جاتا ہے تو عاشق بزبانِ حال کہتا ہے۔

نیم جاں عشق نے کیا لیکن ہاتھ میں قربِ لازوال ہے آج (اختر)

فائدہ: اس حکایت میں تعلیم ہے کہ ؎

اے نفس اگر بدیدۂ تحقیق بنگری درویشی اختیار کنی بر تونگری

ترجمہ: اے نفس اگر تو نگاہِ تحقیق سے دیکھے تو ریاست و تونگری کے بجائے درویشی اختیار کر لے۔

حکایت حضرت سلطان شاہ ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ

عشقِ حقیقی نے ان سے سلطنتِ بلخ چھڑا کر دس برس تک بحالتِ جذب غارِ نیشاپور میں مشغولِ عبادت رکھا اور باطنی سلطنت سے نوازا ع

مُلکِ دِل بہہ یا چنیں مُلکِ حقیر؟

ترجمہ : دل کی سلطنت اچھی یا یہ حقیر سلطنتِ بلخ ؟

حق تعالیٰ تک وصول کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ جن کے متعلق قرآن کریم سے استدلال پیش کرتا ہوں۔

۱۔ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ۔

ترجمہ: اللہ جس بندہ کو چاہتا ہے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اس طریق کا نام طریقِ جذب ہے۔

۲ وَیَہْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ۔

ترجمہ: اور ہدایت دیتا ہے اس بندہ کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و توجہ اختیار کرتا ہے۔ اس طریق کا نام طریقِ سلوک ہے۔

سلوک فعلِ اختیاری ہے اور جذب امرِ غیرِ اختیاری۔ پس بندہ سلوک کا مکلّف ہے لیکن عادۃً ہر سالک کو بھی اس کے مجاہدات کے صلہ میں من جانب اللہ جذب نصیب ہو جاتا ہے کیونکہ بغیر عنایت و یاریٔ حق کے کسی کا کام نہیں بنتا۔ جذب اور سلوک ہر دو طریق بہر حال فضل ہی سے موصل الی المقصود اور مثمر للقرب ہوتے ہیں۔

ذرّۂ سایۂ عنایت بہتر است ۔ از ہزاراں کوشش طاعت پرست

ترجمہ : حق تعالیٰ کی عنایت کا ایک ذرّہ سایہ طاعت پر ناز کرنے والے کی ہزاروں کوششوں سے افضل ہے۔

جب حق تعالیٰ کی رحمت و عنایت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہوئی تو بغیر ریاضت و مجاہدہ کے شاہِ بلخ کا کام بن گیا۔ بلخ کی سلطنت تو چھڑا دی لیکن ایک ایسی باطنی سلطنت عطا فرما دی کہ جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بلکہ خزائن السمٰوٰت والارض بے حقیقت ہو گئے۔ شاہ کو خود بھی خبر نہ تھی کہ سلطنت کا سرسبز و شاداب باغ آتشِ عشقِ حقیقی کی نذر ہونے والا ہے، کوڑیاں چھین کر جواہرات عطا ہونے والے ہیں اور خارستان سوختہ ہو کر چمنستانِ بے خزاں بننے والا ہے۔ جب کسی کے دن بھلے آتے ہیں تو یہی ہوتا ہے ؎

سن لے اے دوست جب ایام بھلے آتے ہیں
گھات ملنے کی وہ خود آپ ہی بتلاتے ہیں

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ رات کو بالاخانے پر سو رہے تھے کہ اچانک پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ گھبرائے کہ رات کے وقت شاہی بالاخانہ پر کون لوگ ایسی جرأت کر سکتے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ اے واردینِ کرام! آپ کون لوگ ہیں؟ یہ فرشتے تھے جو حق تعالیٰ کی طرف سے غفلت زدہ دل پر چوٹ لگانے آئے تھے۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم یہاں اپنا اونٹ تلاش کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ حیرت ہے کہ شاہی بالاخانہ پر اونٹ تلاش کیا جا رہا ہے۔ ان حضرات نے جواب دیا کہ ہمیں اس سے زیادہ حیرت آپ پر ہے کہ اس ناز پروری اور عیش میں خدا کو تلاش کیا جا رہا ہے ؎

پس بگفتندش کہ تو بر تختِ شاہ چوں ہمی جوئی ملاقاتِ الٰہ

ترجمہ : پس انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ تو شاہی تخت پر حق تعالیٰ کی ملاقات کو کیوں تلاش کرتا ہے؟

یہ کہہ کر وہ رجالِ غیب تو غائب ہوگئے لیکن بادشاہ کے دل پر ایسی چوٹ لگ گئی کہ ملک و سلطنت سے دل سرد ہوگیا ؎

ملک را برہم زن ادھم وار زود تا بیابی ہمچو او ملکِ خلود

ترجمہ : مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! سلطنت کو مثل ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے جلد خیرباد کہہ دو تاکہ ان کی طرح تم بھی دائمی سلطنت یعنی سلطنتِ باطنی سے مشرف ہوجاؤ۔

الغرض عشقِ حقیقی نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو ترکِ سلطنت پر مجبور کردیا اور عشق کائنات کی تمام لذتوں سے دل کو بے زار کردیتا ہے۔ ولنعم ما قال صاحب قصیدۃ البردۃ ؎

نَعَمْ سَرٰی طَیْفُ مَنْ اَھْوٰی فَاَرَّقَنِیْ
وَالْحُبُّ یَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ

ترجمہ : ہاں رات مجھے جب اپنے محبوب کا خیال آگیا تو میری نیند اُڑگئی اور محبت تمام لذتوں کو رنج و الم سے تبدیل کردیتی ہے۔

آخرکار آدھی رات کو بادشاہ اٹھا کمبل اوڑھا اور اپنی سلطنت سے نکل پڑا۔ سوزِ عشق کی ایک آہ نے زندانِ سلطنت کو پھونک دیا اور دستِ جنوں کی ایک ضرب نے گریبانِ ہوش کے پرزے اُڑا دیئے ؎

کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا　　مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا

سلطنتِ بلخ ترک کرکے حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نیشاپور کے صحرا میں ذکرِ حق اور نعرۂ عاشقانہ بلند کرنے میں مشغول ہوگئے۔

نَعرۂِ مَستانہ خُوش مِی آیدم　　تا اَبد جاناں چنیں مِی بایدم

ترجمہ : اے محبوبِ حقیقی! مجھے نعرۂ مستانہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور قیامت تک اے محبوب! بس یہی کام چاہتا ہوں۔

جُز بہ ذِکرِ خویش مشغولم مَکُن　　از کَرم اَز عِشق معزولم مَکُن

ترجمہ : اے محبوبِ حقیقی! اپنے ذِکر کے علاوہ مجھے کسی کام میں مشغول نہ کیجئے اور اپنے کرم کے صدقہ میں اپنے عشق سے مجھے معزول نہ فرمائیے۔

جانِ قربت دیدہ را دوری مدہ　　یارِ شب را روزِ مہجوری مدہ

ترجمہ : اے اللہ! جس جان نے آپ کی شان وشوکتِ قرب دیکھ لی ہو اور قرب کا مزہ چکھ لیا ہو اس کو دوری کا عذاب نہ دے اور آدھی رات کو اُٹھ کر اپنی یاد میں رونے کی توفیق عطا فرما کر جس کو آپ نے اپنا دوست بنالیا ہو اُسے روزِ ہجر نہ دکھائیے یعنی فسق وفجور سے محفوظ فرمائیے کیونکہ گناہ بندہ کو آپ سے دُور کردیتا ہے۔ اے محبوبِ حقیقی! آپ کا ذکر اور آپ کی یاد ہی رُوح کی غذا اور دلِ مجروح کا مرہم ہے۔

ذِکرِ حق آمد غذا ایں رُوح را　　مَرہَم آمد ایں دِلِ مجرُوح را

ترجمہ : حق تعالیٰ کا ذکر ہی اس رُوح کی غذا ہے اور اللہ کی محبت سے زخمی دل کے لئے ذکرِ حق ہی مرہم ہے۔

عالم ہے کہ بے لاگ پڑا سوتا ہے　　غفلت میں ہر اک شخص پڑا ہوتا ہے
اے دوست مگر رات کے سناٹے میں　　لے لے کے ترا نام کوئی روتا ہے

دس برس تک صحرائے نیشا پور میں دیوانہ وار عبادت میں مصروف رہے۔ اس مضمون کو احقر نے اپنی اُردو مثنوی میں یوں بیان کیا ہے ؂

اِک حکایت ابنِ اُدھم کی سُنو　　تھے کبھی شاہِ بلخ یہ دوستو!
عشقِ حق نے جب کیا ان پر اثر　　سلطنت ان پر ہُوئی بس تلخ تر
ترک کر کے سلطنت اور مال و جاہ　　چل پڑا شاہِ بلخ جنگل کی راہ
کر رہا تھا نالۂ غم دردناک　　دامنِ جیب و گریباں کر کے چاک
دس برس تک جذب میں پھرتا رہا　　عشقِ حق میں رات دن گھلتا رہا
غارِ نیشا پور میں یہ جان چاک　　رٹ رہی تھی اپنے ربّ کا نامِ پاک
"شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما　　اے طبیبِ جملہ علّت ہائے ما"
ہے لباسِ فقر میں شاہِ بلخ　　گھر سے بے گھر ہو گیا شاہِ بلخ
شاہی و شہزادگی سب چھوڑ کر　　عیش کے سارے علائق توڑ کر
پڑ گیا بس حق سے رشتہ جوڑ کر　　ماسوا سے اپنے رُخ کو موڑ کر
از پئے حق در غریبی ساختہ　　شاہی و شہزادگی در باختہ
جاہِ شاہی نذرِ ذُلِّ عشق ہے　　ہفت دولت بذلِ راہِ عشق ہے
عشقِ حق آساں نہیں ہے دوستو　　عشقِ حق ارزاں نہیں ہے دوستو!
عشق کب ڈرتا ہے رسن و دار سے　　عشق بے پروا ہے جانِ زار سے
دعوئ مرغابی کردہ است جاں　　کے ز طوفانِ بلا دارد فغاں

"دینِ من از عشق زندہ بودن است　　زندگی زیں جانِ سر ننگِ من است"

راستہ ہے عشق کا بس پُر خطر　　خون ہوتے ہیں یہاں قلب و جگر

عشق کا سودا بڑا مہنگا ہے آہ!　　عشق ملتا ہے بڑے نازوں سے آہ!

"عشق را صد ناز و اشکبار ہست　　عشق را صد ناز می آید بدست"

عشق ہے دریائے خوں کا راستہ　　ناز پرور کا نہیں یہ راستہ

"عارفاں زانند ہر دم آمنوں　　کہ گذر کردند از دریائے خُوں

عشق می گوید بگوشم پست پست　　صید بودن بہتر از صیادی است

بر درم ساکن شود بے خانہ باش　　دعوئ شمعی مکن پروانہ باش"

عشق کو کب ننگ کی پرواہ ہے　　عشق کو کب فکرِ عزّ و جاہ ہے

عشقِ حق ہی ہے غذائے عاشقاں　　عشقِ حق ٹھنڈک ہے جانِ صادقاں

جسمِ شاہی آج گدڑی پوش ہے　　جاہِ شاہی فقر میں روپوش ہے

الغرض شاہِ بلخ کی جانِ پاک　　ہو گئی جب ذکرِ حق سے عشقناک

فقر کی لذت سے واقف ہو گئی

جانِ سُلطاں جانِ عارف ہو گئی

حضرت سُلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے حق تعالیٰ کی محبت میں اگر تاج و تخت چھوڑ دیا تو کیا نادانی کی؟ ہرگز نہیں! ایک سلطنت بلخ کیا ایسی صدہا سلطنتیں حق تعالیٰ کی راہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہیں۔ عاشقِ صادق تو یہی کہتا ہے

قیمتِ خُود ہَر دُو عالَم گفتئی　　نرخ بالا کُن کِہ اَرزانی ہنوز

ترجمہ: اے اللہ! آپ نے اپنی قیمت دونوں عالم بتائی ہے۔ دونوں عالم

کے بدلہ میں اگر آپ مل جاویں تو یہ قیمت تو آپ کی ذاتِ پاک کے سامنے کچھ بھی نہیں۔ نرخ اور بڑھائیے کہ ابھی بہت ارزانی ہے اور جان دے کر بھی وہ یہی کہتا ہے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

جان بھی انھیں کی چیز تھی اگر ان پر نثار کر دی تو کیا کمال کیا ؎

کُشتَنی بہ اَز ہزاراں زِندگی　　سلطنت ہا مُردہ ایں بندگی

ترجمہ : پس حق تعالیٰ کی محبت میں قتل ہو جانا ہزاروں زندگیوں سے بہتر ہے اور بہت سی سلطنتیں آپ کی غلامی پر قربان ہیں۔

پس حق تعالیٰ کی محبت کا سودا سستا نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ لَغَالِیَۃٌ۔ (ترجمہ۔ اے لوگو! خوب غور سے سن لو کہ خدائی سودا بڑا مہنگا ہے) لیکن جن داموں ہاتھ آجائے سستا ہے ؏

متاعِ جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

اگر حق تعالیٰ کی محبت کی لذت وحلاوت کا ایک ذرہ دل کو نصیب ہو جاوے تو جانِ عزیز نگاہوں میں بے قیمت ہو جاوے ؎

گر ببینی یک نفس حُسنِ وَدُود　　اندر آتش افگنی جانِ وَدُود

ترجمہ : اگر محبوبِ حقیقی کی تجلیات کا قلب میں ایک لمحہ کو مشاہدہ کر لو گے تو غلبۂ شوق میں اپنی جان کو آتشِ محبت کی نذر کر دو گے ؎

گر ببینی کرّ و فرِّ قُرب را　　جیفہ بینی بعد ازیں ایں شُرب را

ترجمہ : اے لوگو! اگر قربِ خداوندی کی شان وشوکت کا بصیرۃِ قلب سے تم ادراک کر لو تو کائنات کی تمام لذتیں تم کو مردار نظر آنے لگیں۔

حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے باطن کو ترکِ سلطنت سے حق تعالیٰ کے قرب کی جو سلطنتِ لازوال حاصل ہوئی اس کو محسوس کر کے ان کی جانِ پاک بزبانِ حال کہہ رہی تھی ؎

مُلکِ دُنیا تن پرستاں را حلال ما غلامِ عشق و مُلکِ لازوال

ترجمہ: دُنیا کا ملک تن پرستوں کو مُبارک ہو کہ ایک دن یہ ملک اور ملک والے دونوں فنا ہو جائیں گے اور ہمیں عشق کا ملک لازوال مُبارک ہو کہ جس پر کبھی فنا نہیں آتی اور جان اس سلطنتِ عشق کو ساتھ لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس جاتی ہے۔ اگر چھوٹی سی سلطنت ترک کرنے سے سلطنت لازوال حاصل ہو جاوے تو کیا اس ترک سے کسی عاقل کو تکلیف ہو سکتی ہے؟ یا اگر کسی مکان کی بنیاد میں عظیم خزانہ مدفون ہو تو کیا اس مکان کے انہدام سے کسی عاقل کو غم ہو سکتا ہے؟ ؎

قصر چیزے نیست ویراں کن بدن
گنج در ویرانی است اے میرِ من

ترجمہ: اے دوست! خزانہ ہمیشہ ویرانے میں ہی دفن کیا جاتا ہے۔ پس محل کوئی چیز نہیں ہے۔ جسم اور اس کی قوتوں کو یعنی خواہشاتِ نفسانیہ کو ویران کر دو یعنی ان خواہشات کے تقاضوں پر عمل نہ کرو اور تقویٰ اختیار کر لو پھر خواہشات کے محل کو ویران کرنے کے بعد اسی ویرانہ میں قربِ حق اور تعلق مع اللہ کا عظیم خزانہ مشاہدہ کر لو گے۔

حضرت سلطان ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو ترکِ سلطنت سے جو نعمت ملی اور صحرا میں دریا کے کنارے ذکر و عبادت کی جو حلاوت ان کے باطن کو عطا ہوئی

اس کا لطف انھیں سے پوچھنا چاہیئے ؎

آہِ را جز آسماں ہمدم نبود　　راز را غیرِ خدا محرم نبود

ترجمہ : ان کی محبت اور درد بھری آہ کا سوائے آسمان کے کوئی ہمدم نہ تھا یعنی خلق سے انقطاعِ تام کے سبب اس آہ میں کوئی شریک نہ تھا اور ان کی محبت کے راز سے سوائے خدا کے کوئی آگاہ نہ تھا یعنی اس صحرا کے سنّاٹے میں کمالِ صدق و اخلاص سے اپنے مالکِ حقیقی کو یاد کر رہے تھے اور عاشقوں کے لئے تمام کائنات میں سب سے بہتر وہ مقام ہوتا ہے جہاں ان کو اپنے محبوب کے ساتھ مناجات و سرگوشی کا شرف حاصل ہو ؎

خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود　　کہ مرا با تو سر و سودا بود

ترجمہ : اے محبوب! دونوں جہان میں سب سے اچھا وہ مقام ہے کہ جہاں سجدہ میں آپ کے قدموں پر ہمارا سر ہو اور ہماری اور آپ کی راز و نیاز و محبت کی باتیں ہو رہی ہوں۔ اِسی مضمون کو ہمارے خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

تمنّا ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دلنشیں ہوتی
وہاں رہتے جہاں دودِ فغاں کا آسماں ہوتا
وہاں بستے جہاں خاکسترِ دل کی زمیں ہوتی

محبوبِ حقیقی کے نام کی لذّت سے عاشقین کی ارواح مست ہو جاتی ہیں۔ حضرت مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ خاتمِ مثنوی ارشاد فرماتے ہیں ؎

نامِ اُو چُوں بَر زَبانَم مِی رَوَد　　ہر بُنِ مُوَازْ عَسَل جُوئے شَوَد

ترجمہ: اے اللہ! جب آپ کا نام پاک لیتا ہوں اس وقت ایسی شیریں لذت کا ادراک ہوتا ہے کہ گویا جسم کے بال بال سے شہد کی نہریں جاری ہوگئیں۔

یہی وہ لذت ہے جو سلطنت چھڑا دیتی ہے۔ ولنعم ما قال الشیرازی رحمۃ اللہ علیہ

؎ بسودائے جاناں زجاں مشتغل　　بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل

بیادِ حق از خلق بگریختہ　　چناں مست ساقی کہ مے ریختہ

ترجمہ: حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مالکِ حقیقی کی یاد میں عاشقین اپنی جان سے بھی بے پروا ہیں اور ذکرِ محبوب میں سارے جہان سے بے خبر ہیں۔ یادِ حق کے لئے خلق سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے اور مُنعم پر اس طرح عاشق ہیں کہ نعمتوں کی طرف بھی توجہ نہیں رہی یعنی یہ عاشقِ ذاتِ حق ہیں۔ پس حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے بڑا انعام یہی ملا کہ بارگاہِ کبریا کی لذتِ قرب حاصل ہوگئی جس نے انھیں مست و بے خود کر دیا۔ ؏

جانِ سلطان جانِ عارف ہوگئی

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

؎ گر بہ بینی یک نفس حُسنِ وَدُود

اندر آتش افگنی جاں وَدُود

ترجمہ: اے لوگو! اگر ایک لمحہ کو بھی تم اپنے باطن میں حق تعالیٰ کی تجلیاتِ قرب کا مشاہدہ کر لو تو اپنی پیاری اور محبوب جان کو عشقِ الٰہی میں آتشِ مجاہدات کی نذر کر دو یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کی رضاء کے لئے ہر مجاہدہ اور محنت کو برداشت کرنے

کے لئے تیار ہو جاؤ گے اور عمر بھر کے واسطے اللہ تعالیٰ کے کسی عاشقِ صادق کی غلامی قبول کر لو گے اور اس کے حضور میں مضطربانہ یہ درخواست کرو گے ؎

عشقِ حق کی آگ سے سینہ مرا بھر دیجئے

؎ گر بہ بینی کرّ و فرِّ قُرب را   جیفہ بینی بعد ازیں ایں شرب را

ترجمہ: اگر حق تعالیٰ کے قرب کی شان و شوکت تم دیکھ لو تو اس کے سامنے تمام کائنات مع اپنی لذّتوں کے ہیچ اور مردار معلوم ہو۔

چُو سُلطانِ عِزّت عَلَم بر کُشد   جہاں سَر بجیبِ عدم دَر کُشد

ترجمہ: جب وہ سُلطانِ حقیقی اپنی عزّت و شوکت کا جھنڈا بلند فرماتا ہے یعنی جس دل پر وہ اپنی شان و شوکت کو ظاہر فرما دیتا ہے تو سارا جہان جیبِ عدم میں اپنا سر ڈال دیتا ہے اور عظمتِ الٰہیہ کے سامنے کائنات بے قدر معلوم ہوتی ہے۔ جس دِل کو حق تعالیٰ اپنے کرمِ خاص سے نوازتے ہیں تو دُنیا کی فنائیّت کو اس پر ظاہر فرما دیتے ہیں اور اس بصیرتِ قلب اور استحضارِ فنائیّت سے مُجاہدات اس بندہ پر آسان ہو جاتے ہیں جن کی بدولت وصول الی اللہ نصیب ہو جاتا ہے۔

عادتُ اللہ تو یہی ہے کہ بندہ پہلے ریاضت و مجاہدہ کرتا ہے پھر وصول الی اللہ نصیب ہوتا ہے لیکن حق تعالیٰ اپنی شانِ قدرت یوں بھی ظاہر فرماتے ہیں کہ غافل بندہ کو اپنی طرف جذب فرما لیتے ہیں۔ جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ بندہ کو ایک کشش اور کیفیتِ انس و محبّت حق تعالیٰ کی طرف محسوس ہوتی ہے۔ یہی طریقِ جذب ہے جس میں وصول الی اللہ پہلے ہوتا ہے پھر اس بندہ کو مجاہدات و عبادات کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ پر بھی حق تعالیٰ

کی اسی شان جذب اجتباء کا ظہور ہوا تھا جس کے بعد سلطنت و حکومت ان کے دل میں بے حقیقت ہو گئی۔ غرض اللہ والے اپنے باطن میں حق تعالیٰ کا خصوصی قرب و تعلق محسوس کرتے ہیں اور اس نعمت کے سبب وہ دُنیائے مُردار کی فانی لذتوں سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔ اللہ والوں سے پوچھو کہ ان کے دلوں کو کیا لذت نصیب ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

رُخِ زَرّینِ مَن مَنگر کہ پائے آہنیں دارم
چہ میدانی کہ دَر باطن چہ شاہے ہمنشیں دارم

ترجمہ: اے لوگو! میرے زرد چہرے کو دیکھ کر یہ خیال مت کرنا کہ میں تکلیف اور نقصان میں ہوں۔ جسم کمزور سہی لیکن پیر آہنی رکھتا ہوں کہ دُنیا کی کوئی طاقت بفضلِ خدا میرے قدموں کو راہ استقامت سے نہیں ہٹا سکتی۔ تم کو کیا معلوم کہ میرے باطن کو احکم الحاکمین کی ذاتِ پاک کی معیتِ خاصہ حاصل ہے۔

خاصانِ خدا اگرچہ خستہ حال و پراگندہ بال ہوتے ہیں مگر ان کی شخصیت باعتبارِ روحانیت کے لاکھوں انسانوں سے فائق تر ہوتی ہے۔ مولانا رومیؒ حق تعالیٰ کی طرف سے حکایۃً فرماتے ہیں کہ ؎

ہاں وہاں ایں دلق پوشانِ مَن اَند
صد ہزار اندر ہزاراں یک تَن اَند

ترجمہ: اے لوگو! خبردار ہو جاؤ، خوب غور سے سن لو کہ یہ گدڑی پوش ہمارے بہت ہی خاص بندے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کا ایک خستہ و شکستہ جسم لاکھوں اجسامِ انسانیہ سے برتر اور فائق تر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنی مٹی کو

تعلق مع اللہ کی برکت سے قیمتی بنا لیا اس لئے ان کے ایک جسم کی مٹی اللہ تعالیٰ کے نزدیک لاکھوں غافل و نافرمان انسانوں کے اجسام سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہو گئی۔ ورنہ خالی جسم کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں۔ جسم کیا ہے؟ ایک شیشی ہے یہی شیشی دو آنے کی ہے اگر اس میں عطر نہ ہو اور یہی شیشی ایک لاکھ روپے کی ہے اگر اس میں اس قیمت کا عطر ڈال دیا جائے۔ جس قیمت کا عطر ہوگا شیشی بھی اسی قیمت میں بک جائے گی۔ پس اس جسم کی قیمت جب ہی بڑھتی ہے جب اس میں تعلق مع اللہ کا عطر آجاتا ہے۔ جتنا قیمتی یہ عطر ہوتا ہے اتنی ہی یہ شیشی بھی قیمتی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر جس جگہ مدفون ہے زمین کا وہ ٹکڑا عرش و کرسی سے افضل ہے۔ پس کافر کا جسم بھی ایک مٹی ہے اور مومن کا جسم بھی ایک مٹی ہے۔ عناصرِ اربعہ دونوں میں ایک ہی ہیں لیکن ایک خالی مٹی ہے اور ایک میں خزانہ تعلق مع اللہ مدفون ہے۔ ایک خالی شیشی ہے اور ایک میں عطرِ محبتِ الٰہیہ پوشیدہ ہے۔

پس مومن کے جسم و جان کی قیمت تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو اپنے قرب و رضا کے بدلہ میں خرید لیا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔ (الآیۃ)

ترجمہ: تحقیق اللہ نے مول لی ہیں مسلمانوں سے جانیں ان کی اور مال انکے بدلے اس کے کہ واسطے ان کے بہشت ہے اور کافر کے جسم کی قیمت یہ ہے کہ اسے جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا اور ہمیشہ کے لئے حق تعالیٰ کے دیدار

سے محروم کر دیا جائے گا۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۔ (الآیۃ)

(ترجمہ) ہرگز نہیں تحقیق وہ اپنے رب سے اس دن حجاب میں ہیں. یہ عنوانِ سزا حق تعالیٰ کی شانِ محبوبیت پر دلالت کرتا ہے اسکے برعکس دنیا کے حکام چونکہ حکامِ محض ہوتے ہیں محبوب نہیں ہوتے۔ اس وجہ سے آج تک جب سے رقبۂ زمین قائم ہے کسی سلطان یا حاکم نے مجرمین کو یہ سزا نہیں سناتی ہے کہ تم کو اس جرم کے سبب ہم اپنی صورت کے دیدار سے محروم اور محجوب کرتے ہیں لیکن حق تعالیٰ شانہ کفار سے یہ فرمائیں گے کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ ہم تمھیں اپنی رویت (دیدار) سے مشرف کریں اور کس انداز سے فرمائیں گے؟ کلا یعنی ہرگز نہیں اور صفتِ ربوبیت بیان فرمائی جو علتِ محبوبیت ہے۔

ذٰلِكَ مِمَّا خَصَّنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى شَانُهٗ بِهٖ بِلُطْفِهٖ

پس جس جسم کے باطن میں حق تعالیٰ کا قرب و تعلق نہیں وہ جسم احسن تقویم سے اسفل السافلین میں پہنچ گیا اور حق تعالیٰ کے نزدیک وہ قارورہ سے بدتر ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

آں زجاجے کو ندارد نورِ جاں　　　بولِ قارورہ است قندیلش مخواں

ترجمہ: وہ قلب جس کے اندر حق تعالیٰ کا نور نہیں ہے اس کو قندیل مت کہو۔ دنیائے مردار کی محبت اور حق تعالیٰ سے غفلت کے باعث وہ مثل قارورہ کی شیشی کے ہے جس میں پیشاب بھرا ہوا ہے پس غفلت زدہ قلب کو قندیل کہنا اور اس کی تعریف کرنا درست نہیں پس ایسے لاکھوں غافل انسانوں کے اجسام کے مقابلہ میں ایک صاحبِ نور کا جسم افضل ہوتا ہے۔

تو حق تعالیٰ کے خاص بندے دُنیا کی محبت سے آزاد اور حق تعالیٰ کی محبت کے گرفتار ہوتے ہیں۔ اس جگہ دُنیا کا مفہوم بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ ہر وہ چیز دُنیا ہے جو خدا سے غافل کردے۔ اگر رئیس کو اس کی ریاست اللہ تعالیٰ سے غافل کردیتی ہے تو یہ ریاست دُنیا ہے۔ اگر مُفلس کو اس کا افلاس خدا تعالیٰ سے غافل کردے تو یہ افلاس بھی دُنیا ہے۔ عینِ امارت و ریاست میں آدمی دیندار ہوسکتا ہے اور عینِ افلاس و فقر میں آدمی بے دین ہوسکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ احکامِ خداوندی کو پسِ پُشت ڈالنے والا دُنیا دار ہے۔ اگرچہ مفلس و قلّاش ہو۔ اسی طرح بادشاہ سلطنت اور دولت کے باوجود اگر احکامِ خداوندی بجا لاتا ہے تو وہ ولی ہے ہرگز دنیا دار نہیں۔

چیست دُنیا؟ از خدا غافل بُدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن　(رومیؒ)

ترجمہ: مولانا فرماتے ہیں کہ دنیا دراصل خدا سے غافل ہونے کا نام ہے فرزند و زن، مال و دولت کا نام دُنیا نہیں۔

دُنیا کی مثال پانی کی سی ہے۔ جس طرح پانی کشتی کے نیچے کشتی کی روانی کا ذریعہ ہوتا ہے اور کشتی کے اندر داخل ہوجائے تو اس کی ہلاکت و تباہی کا سبب ہوتا ہے ؎

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است
آب اندر زیرِ کشتی پُشتی است　(رومیؒ)

اسی طرح اگر دُنیا دل کے باہر ہے یعنی بیوی بچے مال و دولت غرض تمام تعلقات دنیویہ پر اللہ تعالیٰ کا تعلق و محبت غالب ہے تو یہ دنیا کچھ مضر نہیں بلکہ

موجب قربِ رضاءِ الٰہی ہے لیکن اگر یہی دُنیا دِل میں داخل ہوگئی یعنی دُنیا کی مُحبّت حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت پر غالب ہوگئی تو یہ دُنیا باعثِ ہلاکت و بربادی ہے۔ کیونکہ دل کو حق تعالیٰ شانہٗ نے خاص اپنے لئے پیدا فرمایا ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ نہیں سمایا میں آسمانوں اور زمینوں میں لیکن مومن کے قلب میں مثلِ مہمان کے آجاتا ہوں۔ پس قلب ایک شاہی محل ہے جس میں صرف شہنشاہِ حقیقی کے سوا کسی کو سکونت زیبا نہیں اگر شاہی محل میں کوئی بھنگی اور چمار کو ٹھہرائے گا تو سخت ظالم اور مجرم اور مستحق سزا ہوگا۔ پس دُنیائے مردار کو دل کے باہر رکھو' دل کے اندر نہ داخل ہونے دو۔ اب یہ کیسے پتہ چلے کہ دُنیا دل میں داخل ہوگئی ہے یا نہیں؟ اس کی پہچان و علامت یہ ہے کہ اگر آخرت کی تیاری اور خداوند تعالیٰ کی خوشنودی و رضاجوئی کی ہر وقت ہر قدم پر فکر ہے اور شریعت کے ہر قانون کو اپنی ہر دنیوی منفعت پر مقدم رکھتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ دُنیا اس شخص کے دِل سے باہر ہے اور دُنیا کی محبت سے اس کا دل خالی ہے اور اس کی دُنیا ایسے شخص کے لئے باعثِ برکت اور باعثِ حیاتِ ابدی اور حیاتِ حقیقی ہوگی اور اگر مال و دولت اور بیوی بچوں کی محبت میں قانونِ شریعت کو پسِ پُشت ڈال دیا ہے' حرام و حلال کی ذرا فکر نہیں آخرت کی تیاری کا اہتمام نہیں اور ہر وقت کسبِ مال کی فکر غالب ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسے شخص کے دِل میں دُنیا داخل ہوچکی ہے اور یہی دُنیا باعثِ ہلاکت و بربادی ہے۔

ہمارے حضرت خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خوب فرماتے ہیں ؎

کسبِ دُنیا تو کر ہوس کم کر   اس پہ تو دین کو مقدم کر

اہلُ اللہ اَپنے کو ظاہری طور پر شکستہ حال رکھتے ہیں۔ اِن کو اسی حال میں لُطف آتا ہے۔اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے باطن میں ایک پُرشوکت باغِ قرب کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان کی باطنی شادابی ان کو ظاہری آرائش سے مستغنی رکھتی ہے دیوارِ گلستان کو ظاہری نقش و نگار کی کیا حاجت ہے؟ ؎

مَا اگر قَلّاشِ وَگر دِیوَانہ ایم مَستِ آں سَاقی وَآں پیمَانہ ایم

ترجمہ: میں اگرچہ بظاہر مُفلس و دیوانہ معلوم ہوتا ہوں لیکن حقیقت میں نہ مفلس ہوں نہ دیوانہ بلکہ اُس ساقیٔ ازل یعنی اللہ تعالیٰ کی شرابِ محبت سے مَست ہوں۔حق تعالیٰ کی محبّت اور یاد میں وہ مٹھاس اور شیرینی اور کیف و مستی ہے کہ کائنات کی تمام نعمتیں اِس لذّتِ ذکر کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہیں جِس کو حق تعالیٰ اپنی محبت کا مزہ چکھا دیں اور اپنے ذِکر کی حلاوت نصیب فرما دیں اس سے پوچھو کہ ایک بار اللہ کہنا کائنات کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر لذیذ ہے یا نہیں؟

سر کے کٹنے کا مزہ یحییٰؑ سے پُوچھ
لُطف تن چِرنے کا زکریاؑ سے پُوچھ
سر کو رکھ دینے کا نیچے تیغ کے
لُطف اس کا پُوچھ اسمٰعیلؑ سے

اہلِ ظاہر اس لُطف کا ادراک نہیں کر سکتے۔حق تعالیٰ کی غیرت نے اپنے مقبولین کی اس باطنی دولت پر پردہ ڈال دیا ہے تاکہ غیر مخلص اور غیر طالب کو اس نعمت کی ہوا بھی نہ لگے۔ خزانہ کو ویرانہ میں مخفی کر دیتے ہیں۔ ظاہری شکستہ حالی اور ویرانیٔ تن کے اندر نسبت مع اللہ کی عظیم دولت مخفی ہوتی ہے۔ بندہ اور معبُود

کے درمیان یہ رابطہ ایک راز ہوتا ہے جو دوسرے بندہ سے نہاں ہوتا ہے۔ ؏

ہم تم ہی بس آگاہ ہیں اس ربطِ خفی سے

ہر بندہ کی نسبت مع اللہ کا رنگ علیحدہ ہوتا ہے، ہر عاشق کی آہ الگ ہوتی ہے اور ہر ایک کا طریقۂ فریاد جُدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ولی دوسرے ولی کی باطنی کیفیات اور اس کے درد و آہ کی تفصیلاتِ کیف سے بے خبر ہوتا ہے۔ اگرچہ دونوں عاشقِ حق ہیں لیکن ہر عاشقِ صادق کی آہ الگ ہے۔

؎ جو اور کے دِل سے بھی نِکلے وہ آہ ہماری آہ نہیں

جو درد ہمارے دل میں ہے اس درد کی کوئی تھاہ نہیں (اختر)

حضرت سُلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنے باطن میں نسبتِ تعلق مع اللہ کا بدرِ کامل روشن دیکھ لیا تو کیا نتیجہ ہوا ؎

جب مہر نمایاں ہوا سب چھُپ گئے تارے

وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

تمام خواہشاتِ نفسانیہ اور ظاہری آرائشوں سے مستغنی ہو گئے کہاں تاج و تختِ شاہی اور کہاں اب دریا کے کنارے بیٹھے ہُوئے گدڑی سی رہے ہیں۔ ایک دن سلطنتِ بلخ کا وزیر اس طرف سے گذرا۔

؎ دلقِ خود می دوخت آں سُلطانِ جاں

یک امیرے آمد آنجا ناگہاں

ترجمہ: وہ سُلطان اپنی گدڑی سیتا تھا کہ اچانک اس جگہ ایک امیر آپہنچا۔ بادشاہ کو اس حال میں دیکھ کر اس کور باطن نے انھیں حقارت کی نظر سے

دیکھا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ کیا حماقت ہے ؎

ترک کردہ مُلکِ ہفت اقلیم را
میزند بر دلقِ سوزن چوں گدا

ترجمہ : ہفت اقلیم کی سلطنت ترک کر کے مثل گداگروں کے گدڑی سی رہے ہیں۔ حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بذریعۂ کشف علم ہوا کہ یہ شخص میری اس گدائی پر خندہ زن ہے۔ اس وقت آپ نے اپنی کرامت اور باطنی سلطنت کی شوکت کا اظہار فرمایا تاکہ امیر کو اپنے گمانِ فاسد پر ندامت ہو اور معلوم ہو جاوے کہ حق تعالیٰ سے تعلق کے بعد کیا نعمت حاصل ہوتی ہے پس فوراً اپنی سوئی دریا میں پھینک دی اور بآوازِ بلند دعا فرمائی کہ اے اللہ! میری سوئی عطا فرما دی جاوے۔ سطحِ دریا پر فوراً ایک لاکھ مچھلیاں نمودار ہو گئیں جن کے لبوں پر ایک ایک سونے کی سوئی تھی ؎

صد ہزاراں ماہیے اللّٰہیے ۔۔۔ سوزنِ زر بر لبِ ہر ماہیے
سر بر آوردند از دریائے حق ۔۔۔ کہ بگیر اے شیخ سوزنہائے حق

ترجمہ : ان مچھلیوں نے دریا سے اپنے سروں کو نکال کر عرض کیا کہ اے شیخ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ یہ سوئیاں قبول فرمائیے۔

جب اس امیر نے یہ کرامت دیکھی تو اپنے فاسد خیالات پر اور اپنی بے خبری پر سخت نادم ہوا اور شرمندگی و ندامت سے ایک آہ کھینچی اور کہنے لگا ؎

ماہیاں از پیر آگہ ما بعید ۔۔۔ ما شقی از دولت وایشاں سعید

ترجمہ : افسوس کہ مچھلیاں اس شیخ کامل کے مقام سے آگاہ ہیں اور ہیں

انسان ہوکر ناواقف ہوں۔ مَیں بدبخت اور اس دولت سے محروم ہوں اور مچھلیاں اس معرفت سے سعید و نیک بخت ہیں۔ یہ خیال کر کے اس امیر پر گریہ طاری ہوگیا، دیر تک روتا رہا اور اس گریۂ ندامت اور شیخِ کامل کی تھوڑی سی دیر کی صحبت کی برکت سے اس امیر کی کایا پلٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہوگئی۔ اپنے خاص بندوں کی صحبت میں اللہ تعالیٰ نے یہی برکت رکھی ہے کہ شقاوت، سعادت سے مبدل ہوجاتی ہے۔ حدیثِ پاک میں وارد ہے۔ لَا یَشْقٰی بِھِمْ جَلِیْسُھُمْ[1] کہ خاصانِ خدا کے پاس کا بیٹھنے والا محروم و شقی نہیں رہ سکتا۔ ندامت اور گریہ کی بدولت امیر ایک آن میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ؎

عاشقی پیداست از زاریٔ دل   نیست بیماری چو بیماریٔ دل (رومی)

ترجمہ: جب دل روتا ہے اس وقت دل میں محبت کا خمیر تیار ہوتا ہے اور دل کی اس مبارک بیماری کے مثل کوئی بیماری نہیں۔ بلکہ جس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہ ہو وہ دل، دل ہی نہیں ؎

شکر ہے دردِ دل مستقل ہوگیا   اب تو شاید مرا دل بھی دل ہوگیا

ترجمہ: جب دردِ دل یعنی نسبت مع اللہ دل میں راسخ و مستقل ہوجاوے تو سمجھو کہ اب درحقیقت یہ دل، دل کہلانے کا مستحق ہوا۔

حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے اس امیر کو اپنی کرامت دکھانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے امیر! یہ سلطنت دل کی بہتر ہے یا وہ حقیر فانی سلطنت بلخ کی؟

ملکِ دل بہ یا چنیں ملکِ حقیر؟

ترجمہ: ملکِ دل بہتر ہے یا بلخ جیسی حقیر سلطنت؟

[1] بخاری شریف

احقر نے اس مضمون کو یوں نظم کیا ہے۔

پھر کہا شاہِ بلخ نے اے وزیر — ملکِ دل بہ یا چنیں ملکِ حقیر؟
تھی بلخ کی سلطنت کس کام کی؟ — زندگی ہے اب مری آرام کی
سلطنت کا شور و شر تھا دردِ سر — اب گدائی میں ہوں شاہِ بحر و بر
ذکر کی لذّت سے مست و شاد ہوں — فکرِ این و آں سے اب آزاد ہوں
عشق کی ذلّت بھی عزّت ہوگئی — لی فقیری بادشاہت ہوگئی

شاہِ بلخ کی صحبت سے جب اس وزیر کو باطنی سلطنت حاصل ہوگئی تو اسی لمحہ وزارت سے دست بردار ہوگیا اور سُلطان کے ساتھ صحرا نشینی اختیار کرلی عمر بھر عقل کی غلامی کی تھی لیکن کام دیوانگی سے ہی بنا۔

(۱) آزمودم عقلِ دور اندیش را — بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را
(۲) عاشقم من بر فنِ دیوانگی — سیرم از فرہنگ و از فرزانگی
(۳) نعرۂ مستانہ خوش می آیدم — تا ابد جاناں چنیں می بایدم (رومی)

ترجمہ شعر نمبر ۱: عقلِ دور اندیش کو بہت آزمایا لیکن جب اس سے کام نہ بن سکا تو اس وقت میں نے خود کو دیوانہ بنالیا اور کام اسی سے بنا۔

رستے میں ان کے ہوش کی پونجی گنوایئے — کھو جایئے دیوانوں کی صورت بنایئے
ہر چہ غیرِ شورش و دیوانگی است — در رہِ حق دوری و بیگانگی است

محبت دیوانگی و شورش کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب دوری اور بیگانگی ہے۔

(ترجمہ شعر نمبر ۲) جب دیوانگی ہی کام آئی اور اسی سے محبوبِ حقیقی تک رسائی ہوئی تو میں اس فنِ دیوانگی پر عاشق ہوگیا ہوں اور عقل و ہوش سے سیر ہوچکا ہوں۔

(ترجمہ شعر نمبر ۳) اے محبوبِ حقیقی! آپ کی یاد میں نعرۂ مستانہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اے اللہ! قیامت تک مجھے اسی طرح اپنی محبت میں نالہ و فریاد کی توفیق عطا فرماتے رہیے۔

فائدہ: اس حکایت میں حق تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی نعمت کا دُنیا و مافیہا کی تمام نعمتوں سے افضل و احسن و اکبر ہونا بتلایا گیا ہے اور دُنیائے فانی سے بے رغبتی کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

جگہ جی لگانے کی دُنیا نہیں ہے　　یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

اور حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں ؎

اے نفس اگر بدیدۂ تحقیق بنگری　　دَرویشی اختیار کُنی بر تونگری

ترجمہ: اے نفس! اگر تو غور کرے تو عقلاً یہی فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ مالداری پر درویشی کو اختیار کرلوں۔

نگاہِ تحقیق یہ ہے کہ ایک دِن دُنیا سے رخصت ہونا ہے اور مرنے کے بعد فقیر اور بادشاہ قبر میں برابر ہوجاتے ہیں ؎

ہندی و قپچاقی و رُومی و حبش　　جملہ یک رنگ اند اندر گورِ خوش

ایں شراب و ایں کباب و ایں شکر　　خاکِ رنگین است جملہ اے پسر!

ترجمہ: ہندی و قپچاقی رومی اور حبشی قبرستان میں پہنچ کر ایک رنگ ہو جاتے ہیں یعنی سب خاک ہوجاتے ہیں۔ یہ شراب و کباب اور شکر دراصل خاک ہی سے ہیں مگر خاک کو رنگین کردیا ہے اے لڑکے!

حکایت حضرت پیرِ چنگی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

خلافتِ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے زمانے میں ایک شخص خوش الحان چنگ بجایا کرتا تھا۔ اس کی آواز پر مرد عورت بچے سبھی قربان تھے۔ اگر کبھی مست ہو کر گاتا ہوا جنگل سے گذر جاتا تو چرند پرند اس کی آواز سننے کے لئے جمع ہو جاتے۔ رفتہ رفتہ جب یہ بوڑھا ہوا اور آواز پیری کے سبب بھدّی ہو گئی تو عشاقِ آواز بھی رفتہ رفتہ کنارہ کش ہو گئے۔ اب جدھر سے گذرتا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ نام و شہرت سب رخصت ہو گئے اور ویرانۂ گمنامی میں مثلِ بوم ٹکرانے لگا اور فاقوں پر فاقے گذرنے لگے۔ خلق کی اس خود غرضی کو سوچ کر ایک دن بہت مغموم ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ اے خدا! جب میں خوش آواز تھا تو مخلوق مجھ پر پروانہ وار گرتی تھی اور ہر طرف میری خاطر تواضع ہوتی تھی۔ اب بڑھاپے سے آواز خراب ہو گئی تو یہ ہوا پرست اور خود غرض لوگ میرے سایہ سے بھی گریزاں ہو گئے۔ ہائے ایسی بے وفا مخلوق سے میں نے دل لگایا۔ یہ تعلّق کس درجہ پُر فریب تھا۔ کاش! میں آپ کی طرف رجوع ہوا ہوتا اور اپنے شب و روز آپ ہی کی یاد میں گذارتا اور آپ ہی سے اُمیدیں رکھتا تو آج یہ دن نہ دیکھتا۔ پیر چنگی دل ہی دل میں نادم ہو رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے کہ اچانک جذبِ غیبی نے اس کے دل کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

جو گرے اِدھر زمیں پر مرے اشک کے ستارے
تو چمک اُٹھا فلک پر مری بندگی کا تارا　　(اختر راقم الحروف)

پیرِ چنگی نے ایک آہ کھینچی اور خلق سے مُنہ موڑ کر دیوانہ وار مدینہ منورہ کے قبرستان کی طرف روانہ ہوگیا اور ایک پرانی و شکستہ قبر کے غار میں جا بیٹھا۔ روتے ہُوئے اس نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! آج میں تیرا مہمان ہوں۔ جب ساری مخلوق نے مجھے چھوڑ دیا تو اب بجز تیری بارگاہ کے میرے لیئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے اور بجز تیرے کوئی میری اس آواز کا خریدار نہیں ہے۔ اے اللہ! آشنا، بیگانے ہو چکے اور اپنے پرائے ہو چکے۔ اب سوائے آپ کے میری کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ اے اللہ! میں بڑی امیدیں لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اپنی رحمت سے آپ مجھے نہ ٹھکرائیے۔ احقر نے اس مضمون کو اپنی مثنوی میں یوں بیان کیا ہے ؎

پیرِ چنگی نے دُعا کی اَے خُدا!　　خلق پروانہ تھی جب تھا خوشنوا
اب تمسخر ہے مری آواز کا　　رائگاں ہے فن یہ چنگ و ساز کا
اب مدد مُجھ کو تری درکار ہے　　فنِّ موسیقی مرا بے کار ہے
آشنا ہیں مثل اب بیگانگاں　　درسِ عبرت ہے مری سب داستان
پیرِ چنگی گرچہ بدکردار ہے　　پر بڑی عالی تری سرکار ہے
"اے پناہ ما حریم کوئے تو　　من بامیدے رسیدم سوئے تو"
کوئی دروازہ نہیں تیرے سوا　　چھوڑ کر تجھ کو کہاں جاؤں بھلا؟
ناخنِ تدبیر گھس جانے کے بعد　　پردۂ اسباب جل جانے کے بعد

پس تری جانب ہے اب میری نگاہ ناؤ میری پار ہو از فضلِ شاہ

(من فیوضِ مرشدیؒ)

پُرانی قبر کے اس غار میں پیر چنگی اس طرح آہ وزاری میں مشغول تھا اور آنکھوں سے خونِ دل بہہ رہا تھا کہ حق تعالیٰ کا دریائے رحمت جوش میں آگیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الہام ہوا کہ اے عمر! (رضی اللہ عنہ) میرا فلاں بندہ جو اپنی خوش آوازی کے سبب زندگی بھر مخلوق میں مقبول و محبوب رہا ہے اور اب بوجہ پیری آواز خراب ہوجانے سے ساری خلقت نے اسے چھوڑ دیا ہے اور یہ قطعِ سلسلۂ اسباب اور غمِ ناکامی اس کی ہدایت کا اور میری طرف رجوع کا سبب بن گیا ہے تو اب میری رحمتِ واسعہ اس کی خریدار ہے۔

قبول است گرچہ ہنر نیست است

کہ جز ما پناہِ دگر نیست است

اگرچہ زندگی بھر وہ نافرمان و غافل رہا ہے لیکن میں اس کی آہ وزاری کو قبول کرتا ہوں کیونکہ میری بارگاہ کے علاوہ میرے بندوں کے لئے کوئی اور جائے پناہ نہیں۔ پس اے عمر! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ بیت المال سے کچھ معتد بہ رقم لے کر اس قبرستان میں جائیے اور میرے بندۂ عاجز و مضطر کو میرا اسلام پیش کیجئے پھر یہ رقم پیش کر کے کہہ دیجئے کہ آج سے حق تعالیٰ نے تجھے اپنا مقرب بنا لیا ہے اور اپنے فضل کو تیرے لئے خاص کر دیا ہے۔ اب تجھے ملولِ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اے عمر! (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میرے اس بندے سے کہہ دو کہ حق تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے غیب سے تیری روزی کا انتظام کر دیا ہے۔

عرش تک پہنچی تری آہ و بکاء　　مشتری تیرا ہے خود ربُّ العُلاء

تیرے نالوں میں جو ہے خونِ جگر　　تیری آہوں میں جو ہے دردِ جگر

گریۂ غمناک تیرا ہے قبُول　　رنجِ فاقہ سے نہ ہو تو اب ملُول

جذبِ حق سے تو ہوا خاصِ خدا　　پھینک دے اب چنگ و سازِ دلربا

"آدما معنیٔ دلبندم بجُوے　　ترکِ قشر و صورتِ گندم بگوے"

(من فیوضِ مرشدی)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس وقت ہاتفِ غیبی سے یہ آواز سُنی تو بے چین ہو گئے۔ فوراً اُٹھے اور بیت المال سے کچھ رقم لے کر قبرستان کی طرف چل دیئے۔ وہاں پہنچ کر دیکھتے ہیں کہ ایک فرسودہ و شکستہ قبر کے غار میں ایک بڈھا چنگ لئے ہوئے سو گیا ہے اور اس کا چہرہ و داڑھی آنسوؤں سے تر ہے۔ اور اسی اشکِ ندامت سے اس کو یہ مقام ملا۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ؎

پیرِ چنگی کے بود خاصِ خدا　　حبّذا اے سرِّ پنہاں حبّذا

ترجمہ: چنگ بجانے والا بڈھا کب خاص اور مقبول ہو سکتا تھا۔ مبارک ہو اے رازِ پنہاں! مبارک ہو۔

اسی قدرت کو صاحبِ گلزارِ ابراہیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ؎

اہلیہ لوطِ نبی ہو کافرہ　　زوجۂ فرعون ہووے طاہرہ

لاوے بُت خانہ سے وہ صدّیق کو　　کعبہ میں پیدا کرے زندیق کو

زادۂ آزر خلیل اللہ ہو　　اور کنعاں نوح کا گمراہ ہو

خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قبرِ کہنہ کے سامنے با ادب

کھڑے ہوئے انتظار فرما رہے تھے کہ پیرِ چنگی بیدار ہوں تو ان سے حق تعالیٰ کا سلام و پیام عرض کروں۔ اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو چھینک آگئی جس سے پیرِ چنگی کی آنکھ کھل گئی۔ خلیفۃ المسلمین کو دیکھ کر غلبۂ ہیبت سے وہ کانپنے لگے کہ اس چنگ کی وجہ سے نہ جانے مجھ پر کتنے دُرّے پڑیں گے کیونکہ عہدِ خلافتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں دُرّۂ فاروقی کی شہرت تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ پیرِ چنگی لرزہ براندام ہیں تو ارشاد فرمایا کہ خوف مت کرو میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے بہت بڑی خوش خبری لایا ہوں اور ارشاد فرمایا ؎

از مثنوی احقر اختر

دُرّۂ فاروق اس پر کیوں پڑے؟ | مُنفعِل ہو کر جو رب سے رو پڑے

حق تعالیٰ نے مجھے الہام سے | کر دیا آگاہ تیرے نام سے

اور دکھلایا مجھے تیرا مقام | تاکہ حاضر ہو سکوں جائے قیام

حق تعالیٰ نے تجھے اپنا سلام | مجھ سے فرمایا ہے اے عبدِ کرام!

اور فرمایا ہے اس سے یہ کہو | میں نے تجھ کو چن لیا اے خوش گلو!

اور فرمایا کہ بیتُ المال سے | کچھ رقم لے جا تو اس کے واسطے

مادراں را مہر من آموختم | چوں بود شمعے کہ من افروختم

مو کشیدہ آمدہ در کوئے من | آفریں بر دست بر بازوئے من

(من فیوضِ مرشدیؒ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانِ مُبارک سے پیرِ چنگی کو جب حق تعالیٰ کے الطاف و عنایات اور افضال کا علم ہوا تو اس مشاہدۂ رحمتِ ذخّار سے

اس پر شکر و ندامت کا حال طاری ہوگیا۔ اسی کو مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں

پیر لرزاں گشت چوں ایں را شنید   دست می خایید و بر خود می تپید

بانگ می زد کائے خدائے بے نظیر!   بس کہ از شرم آب شد بے چارہ پیر

چوں بسے بگریست و از حد رفت درد   چنگ را زد بر زمین و خردہ کرد

گفت اے بودہ حجابم از الٰہ   اے مرا تو راہ زن از شاہراہ

اے بخوردہ خونِ من ہفتاد سال   اے زتو رویم سیہ پیشِ کمال

ترجمہ: مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک سے پیر چنگی کو جب حق تعالیٰ کے الطاف و عنایات اور عطاء انعامات کا علم ہوا تو غلبۂ حیرت و شکر اور ندامت سے کانپنے لگا، اپنے ہاتھ کو ندامت سے چبانے لگا اور اپنے اوپر غصہ ہونے لگا۔ اپنی غفلت اور حق تعالیٰ کی رحمت کا خیال کر کے ایک چیخ ماری اور کہا کہ اے میرے آقا تے بے نظیر! اپنی نالائقی اور غفلت کے باوجود آپ کی رحمتِ بے مثال کو دیکھ کر میں شرم سے پانی پانی ہو رہا ہوں۔ جب پیر چنگی خوب رو چکا اور اس کا درد حد سے گذر گیا تو اپنے چنگ کو غصہ سے زمین پر پٹک کر ریزہ ریزہ کر دیا اور اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے ہی مجھے حق تعالیٰ کی محبت و رحمت سے محجوب رکھا تھا، تو نے ہی شاہِ راہِ حق سے میری رہزنی کی تھی اور تو نے ہی ستر سال تک میرا خون پیا یعنی تیرے ہی سبب لہو و لعب اور نافرمانی کرتے کرتے بوڑھا ہوگیا اور تیرے ہی سبب میرا چہرہ حق تعالیٰ کے سامنے سیاہ تھا۔

اس مردِ پیر کی گریہ و زاری اور آہ و بکائے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا اور آپ کی آنکھیں اشکبار ہو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے شخص تیری گریہ و زاری

تیری باطنی ہوشیاری کی دلیل ہے تیری جان حق تعالیٰ کے قرب سے زندہ اور روشن ہوگئی ہے کیوں کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں گنہ گار کے آنسوؤں کی بڑی قیمت ہے ؎

اے جلیل اشک گنہ گار کے اک قطرہ کو

ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

کہ برابر می کند شاہِ مجید ۔۔۔ اشک را در وزن با خونِ شہید (رومیؒ)

ترجمہ : حق تعالیٰ گنہ گار بندے کے ندامت سے نکلے ہوئے ایک آنسو کو شہید کے قطرۂ خون کے ہم وزن رکھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبتِ مبارکہ کے فیض سے پیر چنگی پیرِ طریقت ہوگئے اور اکابر اولیاء اللہ کی صف میں داخل ہوگئے۔

فائدہ : اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی کسی بدحالی کی وجہ سے نااُمید نہ ہونا چاہیئے اور ہمیشہ حق تعالیٰ کی رحمت سے اُمیدوار رہنا چاہیئے۔

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کے سوا جتنے تعلقات ہیں سب فانی ہیں اور ان میں کچھ بوئے وفا نہیں۔ صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات پاک ایسی کریم اور حیّ و قیّوم ہے جو ہر حال میں اپنے بندوں کی خریدار ہے۔ البتہ وہ محبّت اور تعلّق جو کسی کو کسی سے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو وہ حق تعالیٰ ہی کی محبت میں داخل ہے۔

حکایتِ چرواہا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک مجذوب اور خدا تعالیٰ کا عاشقِ صادق بکریاں چرایا کرتا تھا اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں مخلوق سے دور عشقِ الٰہی میں چاک گریباں روتا پھرتا تھا اور حق تعالیٰ سے درخواست کرتا تھا کہ اے خُدا! اے میرے اللہ! آپ مجھ کو کہاں ملیں گے؟ اگر آپ مجھ کو مِل جاتے تو میں آپ کا نوکر ہو جاتا اور آپ کی گدڑی سیا کرتا اور آپ کے سر میں کنگھی کیا کرتا اور آپ کو کبھی بیماری پیش آتی تو میں آپ کی خوب غمخواری کرتا، اے اللہ! اگر میں آپ کا گھر دیکھ لیتا تو صُبح و شام آپ کے لیے گھی دُودھ لایا کرتا اور آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا اور آپ کے پیروں کی مالش کرتا اور جب آپ کے سونے کا وقت ہو جاتا تو آپ کے سونے کی جگہ کو جھاڑو سے خوب صاف کرتا، اے اللہ! آپ کے اوپر میری تمام بکریاں قربان ہوں، اے اللہ! بکریوں کے بہانے سے میں جو الفاظ ہائے ہائے کرتا ہوں وہ دراصل آپ کی مُحبّت کی تڑپ میں کرتا ہوں۔ بکریاں تو صرف بہانہ ہیں۔ الغرض وہ چرواہا حق تعالیٰ سے اپنا اضطرابِ عشق اس طور سے بیان کر رہا تھا جس کو احقر نے اس انداز سے مثنوی کی بحر میں نظم کیا ہے ؎

ایک چرواہے کی ہے یہ داستاں	حضرتِ مُوسیٰؑ نبی تھے جس زماں
اپنے خالق کی اسے تھی جُستجو	دامنِ دشت و بیاباں کُو بکُو
گھل رہا تھا نالۂ غمناک سے	جل رہا تھا عشقِ حق کی آگ سے

چاکِ داماں، سینہ بریاں، چشمِ تر — جذبِ حق سے پھر رہا تھا در بدر
چشمِ تر سے گریہ خوں تھا رواں — کر رہا تھا عشق سے آہ وفغاں
ایک دن چرواہا یادِ یار میں — رو رہا تھا دامنِ کہسار میں
کہہ رہا تھا اے خدائے دو جہاں! — کس طرح سے میں تجھے پاؤں کہاں؟
اپنے ملنے کا پتہ کوئی نشاں — تو بتا دے مجھ کو اے شاہِ جہاں!
بِن ترے دل کو سکوں ملتا نہیں — پر مجھے تیرا پتہ ملتا نہیں
ہر گلستاں خار ہے تیرے بغیر — زندگی اِک نار ہے تیرے بغیر
بِن ترے آوازِ بلبل خوش نوا — کان میں جیسے ہے زاغوں کی صدا
بِن ترے کہسار کی یہ وادیاں — پھاڑ کھاتی ہیں یہ سب گلکاریاں
یہ زمین و آسماں شمس و قمر — یہ گلستان و بیابان بحر و بر
خوش نہیں آتے مجھے تیرے بغیر — کس طرح آخر جیوں تیرے بغیر؟
تجھ کو گر پاتا خداوندا مرے — دابتا ہر روز دست و پا ترے
روغنی روٹی کھلاتا میں تجھے — آبِ شیریں بھی پلاتا میں تجھے
اور پلاتا دودھ تجھ کو صبح و شام — بکریوں کا اپنی اے ربِّ انام!

اس طرح وہ چرواہا محبت کی باتیں اپنے رب سے کر رہا تھا کہ اچانک حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کا اس طرف سے گذر ہوا۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ باتیں سنیں تو ارشاد فرمایا کہ اے چرواہے! کیا حق تعالیٰ کو نوکر کی ضرورت ہے؟ یا ان کا کوئی سر ہے کہ تو اُن کے بالوں میں کنگھا کرے گا؟ یا اُن کو بھوک لگتی ہے کہ تو اُن کو بکریوں کا دودھ پلائے گا؟ حق تعالیٰ کیا بیمار ہوتے ہیں جو تو اُن کی غمخواری کرے گا؟

اے جاہل! حق تعالیٰ کی ذات نقصان و احتیاج کی تمام باتوں سے پاک اور مُنزّہ ہے۔ تو جلد توبہ کر۔ تیری اِن باتوں سے کُفر لازم آتا ہے۔ بے عقل کی دوستی عین دشمنی ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ تیری اِن خدمات سے بے نیاز ہیں۔

اس چرواہے نے حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام کی یہ باتیں سُنیں تو بہت شرمندہ ہوا اور غلبۂ خوف و یاس اور شدّتِ حُزن و اضطراب سے گریبان پھاڑ ڈالا اور روتا ہوا جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام پر وحی نازل ہوئی کہ ؎

تُو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی　(رومی)

ترجمہ: اے موسیٰ (علیہ السّلام) تُم نے میرے بندے کو مُجھ سے کیوں جُدا کر دیا۔ تم کو میں نے بندوں کو اپنی طرف متوجّہ کرنے کے لیے بھیجا ہے نہ کہ جُدا کرنے کے لیے۔ تمہارا کام وصل کا تھا نہ کہ فصل کا ؎

(از مثنوی اختر اختر)

وحی آئی سوئے موسیٰؑ از خُدا　کیوں کیا تم نے مرا بندہ جُدا؟
ہے ادب یہ واسطے اہلِ خرد　آہ! چرواہا تھا کب اہلِ خرد؟
موسیا آداب دانا دیگر اند　سوختہ جان روانا دیگر اند
تو ز سرمستاں قلاوزی مجو　جامہ چاکاں راچہ فرمائی رفو
چاک ہیں جن کے لباس از عشقِ حق　رفو کا ان کو نہیں ہے امرِ حق
کس طرف وہ میرا پروانہ گیا؟　کس طرف وہ میرا دیوانہ گیا؟
عِشق کو گرچہ نہ ہو عقل و تمیز　لیک صدہا عقل ہیں اس کی کنیز

گرچہ ظاہر میں وہ آدب سے دور تھا — لیک دل اس کا مرا رنجور تھا

خونِ شہیداں را ز آب اولیٰ تر است — ایں خطا از صد ثواب اولیٰ تر است

ظاہراً گو لفظ گستاخی کے تھے — لیک معنیٔ عشق و جانبازی کے تھے

اپنے دیوانے کی باتیں موسیا — ڈھونڈتی ہے بارگاہ کبریا

ہر کسے را سیرتے بنہادہ ام — ہر کسے را اصطلاحے دادہ ام

فائدہ: اس حکایت سے معلوم ہوا کہ کسی کو نصیحت کرتے وقت یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ ممکن ہے وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہو کیونکہ بعض بندے مخلص اور عاشق ہوتے ہیں اور نافرمانیوں سے بالکل محفوظ ہوتے ہیں لیکن ظاہری طور پر ان کے الفاظ آدابِ عبدیت کے منافی ہوتے ہیں اور یہ ان کا جوشِ عشق ہوتا ہے۔ ترکِ ادب نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے ۔

گفتگوئے عاشقاں درکارِ رب

جوششِ عشق است نے ترکِ ادب

پس نصیحت کرتے وقت اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے اتنا زجر و عتاب کرے کہ مایوسی پیدا ہو جائے اور حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس مجذوب کے اقوال پر بوجہ صاحبِ شریعت ہونے کے نفسِ عتاب ضروری تھا تنبیہ حق کا مقصد تعلیم سے روکنا نہ تھا بلکہ طریقۂ تعلیم کی اصلاح تھی۔ اس لئے جُہّال صوفیہ کا اس واقعہ سے علماءِ شرع کی نکیر اور اصلاح سے نہ تو گریز جائز ہو گا اور نہ اپنے کو علماءِ شریعت سے افضل سمجھنا علماء کا بڑا مقام ہے خدائے تعالیٰ کے یہاں۔

قصۂ حضرت لقمان علیہ السلام

حضرت لقمان علیہ السلام کسی رئیس کے یہاں نوکری کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معیت سے ان کے اندر ایسے پاکیزہ اور عالی اخلاق وعادات موجود تھے جو انسانیت کی رفعت وشرافت ومقبولیت عند اللہ کے صحیح مصداق تھے اور جن کی تفصیل وتشریح حق تعالیٰ شانہٗ نے سورۂ لقمان میں بیان فرمائی ہے۔

حضرتِ لقمان علیہ السلام کے ان اخلاق عالیہ کا ان کے آقا پر گہرا اثر ہوا یہاں تک کہ اس رئیس نے ان کو اپنا مقرّب ومحبوب بنا لیا اور خود ان کا محبّ اور باطناً غلام بن گیا ؎

اَز مُحبَّت شاہ بندہ می شود (رومیؒ)

ترجمہ:۔ یہ محبّت کی کرامت ہے کہ محبّت سے بادشاہ اپنے محبوب کا غُلام بن جاتا ہے۔ پھر اس رئیس کا یہ معمول ہو گیا کہ ہر نعمت کھانے سے پہلے حضرت لقمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا اور جب لقمان علیہ السلام آسودہ ہو کر کھا لیتے تو بچا ہوا یہ رئیس کھاتا حضرت لقمان علیہ السلام اس رئیس کی محبّت وعادت کی رعایت سے کھا لینے کے بعد بقیہ اس کے لئے بھیج دیا کرتے۔ ایک دِن آقا کی خِدمت میں کہیں سے خربوزہ آیا اس وقت حضرت لقمان علیہ السلام موجود نہ تھے۔ رئیس نے ایک غلام کو بھیجا کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو بُلا لاؤ۔ جب حضرت لقمان علیہ السلام تشریف لائے تو رئیس نے اپنے ہاتھ سے اس خربوزہ کی قاشیں بنائیں اور ایک ایک قاش محبت سے کھلاتا جاتا تھا اور دل ہی دل میں مسرور ہو

رہا تھا کہ میری اس محبت کا ان پر کیا اثر ہو رہا ہوگا۔

حضرت لقمان علیہ السلام خوشی خوشی ہر قاش کھاتے اور شکر بجا لاتے یہاں تک کہ ستر قاشیں کھالیں اور ایک قاش باقی رہ گئی تو اس رئیس نے کہا کہ اس کو میں کھاؤں گا تاکہ دیکھوں کہ یہ خربوزہ کتنا شیریں تھا۔ یہ کہہ کر اس نے قاش کو منہ میں رکھا ہی تھا کہ اس کی تلخی سے نوکِ زبان سے حلق تک آبلے پڑ گئے اور ایک گھنٹہ تک بے ہوش رہا۔ جب افاقہ ہوا تو حضرت لقمان علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے جانِ جاں! آپ نے کس طرح اس خربوزہ کو حلق سے فرو کیا؟ اور اس قہر کو کس طرح لطف سمجھا؟ جب ایک قاش کھانے پر مجھ پر یہ بلا آئی تو ستر قاشوں کو آپ نے کس طرح برداشت کیا؟

حضرت لقمان علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے خواجہ! آپ کے دستِ نعمت سے صدہا نعمتیں کھائی ہیں جن کے شکر کے بوجھ سے میری کمر خمیدہ ہو رہی ہے۔ پس مجھے اس بات سے شرم آئی کہ جس ہاتھ سے اس قدر نعمتیں ملی ہوں اسی ہاتھ سے آج اگر ایک تلخی عطا ہو رہی ہے تو اس سے انحراف و روگردانی کروں؟ اے خواجہ! شکر عطا فرمانے والے آپ کے ہاتھ کی لذت نے اس خربوزہ کی تلخی کو شیرینی سے مبدل کر دیا۔

لذتِ دستِ شکر بخشِ تو داشت
اندریں بطیخِ تلخی کے گذاشت

فائدہ:۔ احقر اختر عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ میرے مرشد حضرت مولانا شاہ پھولپوری قدس سرہ العزیز اپنی مجالسِ رشد و ہدایت میں اس واقعہ کو اکثر بڑے اہتمام سے ارشاد فرمایا کرتے تھے اور آخری شعرِ مذکور کو بہت ہی لذت سے بار بار

پڑھا کرتے تھے اور اس واقعہ کو بیان فرما کر حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بات کی تعلیم و نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ ہر لحظہ حق تعالیٰ شانہٗ کے بے شمار انعامات و احسانات بندوں پر ہو رہے ہیں لیکن اگر کوئی واقعہ یا حادثہ کبھی بظاہر تکلیف دِہ پیش آجاتا ہے تو انسان ناشکرا اور بے صبرا ہو جاتا ہے مگر جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور مقبول بندوں کے فیضِ صحبت سے دین کی خوش فہمی عطا فرمائی ہے، ان کا قلبِ سلیم رنج و تکلیف کی حالت میں بھی اپنے رب سے راضی رہتا ہے۔ اس وقت وہ بندے دین کی اس سمجھ سے کام لیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ دُنیا شفاخانہ ہے اور ہم سب مریض ہیں۔ طبیب کبھی مریض کو حلوہ بادام کھلاتا ہے اور کبھی چرائتہ و گلو، نیب جیسی تلخ دوائیں پلاتا ہے اور دونوں حالتوں میں مریض ہی کا نفع ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ حکیم بھی ہیں، حاکم بھی ہیں اور رحیم بھی ہیں۔ پس ہمارے اوپر تقدیرِ الٰہی سے جو حالات بھی آتے رہتے ہیں خواہ راحت کے ہوں یا تکلیف کے، ہر حال میں ہمارا ہی نفع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ علمِ الٰہی میں بعض بندوں کے لیے جنّت کا جو عالی مقام تجویز ہو چکا ہے لیکن اس مقام تک پہنچنے کے لیے ان کے پاس عمل نہیں ہوتا تو حق تعالیٰ انھیں کسی مصیبت میں مُبتلا فرما دیتے ہیں جس پر صبر کر کے وہ اس مقام کو حاصل کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب بندۂ مومن کو بُخار آتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح موسمِ خزاں میں درختوں کے پتّے جھڑتے ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ مومن کو کانٹا بھی چُبھتا ہے تو اس پر بھی اجر ملتا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جب دُنیا کے مصائب پر صبر کے عوض قیامت کے دِن ثواب عطا ہونے لگیں گے تو

ہر مصیبت زدہ تمنّا کرے گا کہ کاش ! دُنیا میں میری کھال قینچی سے ٹکڑے ٹکڑے کردی جاتی تو آج کیا ہی اچھا انعام ملتا۔

پس مومن کو چاہیئے کہ تکلیف کی حالت میں بھی راضی رہے یعنی زبان پر شکایت اور دل میں اعتراض نہ لاوے۔ البتہ گناہوں سے استغفار اور عافیت کی دُعا خوب کرتا رہے کہ اَے اللہ! ہم کمزور ہیں، بلاؤں کے تحمّل کی طاقت نہیں۔ آپ اپنی رحمت سے اِس نعمتِ بلا کو عافیت کی نعمت سے تبدیل فرما دیجئے۔ مصیبت و بلا کو مانگنے کی ممانعت ہے اور عافیت طلب کرنے کا حکم ہے۔ بلاؤں کا مانگنا اپنی بہادری کا دعویٰ ہے اور عافیت مانگنا اپنے ضعف و عاجزی کا اظہار ہے جو عند اللہ محبُوب ہے ؎

زُورْ رَا بگُذار زَارِی رَا گُزِیں　　رَحْم سُوئے زَارِی آید اے مُہِیں!

ترجمہ :۔ اے لوگو! اپنے زور و طاقت کو ترک کرو اور گریہ و زاری اختیار کرو کہ حق تعالیٰ کی رحمت گریہ و زاری ہی کی طرف متوجہ ہوتی ہے ؎

بَا تَضَرُّع بَاش تَا شَادَاں شَوِی

گِرْیہ کُن تَا بے دَہاں خَنْدَاں شَوِی

ترجمہ :۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں نالہ و تضرُّع کرتے رہو تاکہ شاداں و خوش رہو اور گریہ و زاری اختیار کرو تاکہ تبسُّم لب کے بغیر ایسے شگفتہ و خنداں رہو کہ ہزار تبسُّمِ لب و دہن اُس شگفتگیٔ قلب پر قربان ہوں۔

اگر ہمیشہ عافیت و راحت ہی رہے تو مزاجِ عبدیّت استقامت سے ہٹ جائے۔ بغیر تکلیف و مصیبت کے زاری و شکستگی پیدا نہیں ہوتی۔ حدیثِ قدسی

میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ٹوٹے ہوئے دِلوں کے پاس رہتا ہوں۔ اَنَا عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ[1]۔ صبر سے دِل ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ صبر تلخ ہوتا ہے۔ حزن و غم کی حالت میں جس توجّہ، عاجزی، اضطرار کے ساتھ بندہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات و گریہ وزاری کرتا ہے یہ اضطرار راحت و عیش کی حالت میں کیسے پیدا ہو سکتا تھا؛ یہی مصیبت اس کو اللہ تک پہنچا دیتی ہے اور قلب میں حق تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے ؎

بڑھ گیا ان سے تعلق اور بھی
دُشمنیٔ خلق رحمت ہو گئی　　(مجذوبؒ)

ایک بزرگ ارشاد فرماتے ہیں کہ حالتِ حزن میں حق تعالیٰ کا راستہ بہت جلد اور تیزی سے طے ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پریشانی اور غم سے قلب میں ایک شکستگی اور عاجزی پیدا ہوتی ہے اور اس حالت میں حق تعالیٰ کی خصوصی معیّت نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔)

اس مضمون کو حضرت اصغر گونڈوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب بیان فرمایا ہے ؎

خوشا حوادثِ پیہم خوشا یہ اشکِ رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

خلاصہ یہ کہ دُنیا کی چند روزہ زندگی کے ایام خواہ عیش کے ہوں یا تکلیف کے سب کو فنا ہے۔ بس نہ تو عیش سے اترانے لگے نہ تکلیف سے شکایت و اعتراض کرنے لگے۔ راحت پر شکر اور تکلیف پر صبر و رضا اور تسلیم سے کام لینا چاہیے۔ مقصدِ حیات

---

[1] المقاصد الحسنۃ ص ۱۲۳

کو اگر پیشِ نظر رکھا جائے تو سب مشکلوں کا حل نکل آئے اور مقصدِ حیات صرف رضائے حق کا حصول ہے اور حق تعالیٰ کے راضی کرنے کا طریقہ ان کے بتلائے ہوئے قانون پر اہتمام سے عمل کرنا اور کوتاہیوں پر توبہ و استغفار کرتے رہنا ہے۔ اگر اتباعِ سُنّت نصیب ہے تو عیش ہو یا تکلیف دونوں حال اُس بندے کے لئے مُبارک و مُفید اور ذریعۂ قرب و رضا ہیں۔ اگر اتباعِ سُنّت حاصل نہیں تو عیش کس کام کا؟

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ العزیز کا ارشاد ہے کہ گنہ گار اور نافرمان پر بھی تکالیف اور بلائیں آتی ہیں اور نیکوکار اور فرماں بردار پر بھی آتی ہیں۔ پھر دونوں میں فرق کیسے ہو کہ یہ بلا و تکلیف شامتِ اعمال ہے یا ذریعۂ قربِ الٰہی ہے؟ تو اس کی پہچان یہ ہے کہ جس مصیبت و کلفت میں اتباعِ سُنّت نصیب رہے۔ اور قلب میں حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ محبت و انس اور رضا کا تعلق و رابطہ محسوس ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ تکلیف ذریعۂ قربِ الٰہی ہے اور جس تکلیف سے دِل میں ظلمت و وحشت اور حق تعالیٰ سے دوری محسوس ہو اور توفیقِ اِنابت و گریہ وزاری نہ عطا ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ شامتِ اعمالِ بد کے سبب ہے۔ اس وقت استغفار کی کثرت کرنی چاہیئے۔ سُورۂ نوح میں استغفار کی برکت مذکور ہے کہ استغفار سے حق تعالیٰ بارش عطا فرماتے ہیں اور باغات عطا فرماتے ہیں اور اولاد میں برکت ہوتی ہے ؎

غم چو بینی زود اِستغفار کُن
غم بامرِ خالق آمد کار کُن
(رومیؒ)

مولانا فرماتے ہیں کہ جب تم دِل میں غم محسوس کرو فوراً استغفار میں مشغول ہو جاؤ۔ غم حکمِ الٰہی سے آتا ہے اس لئے معمولات ذکر وغیرہ میں سُستی مت کرو

اور کام میں لگ جاؤ بلکہ پہلے سے زیادہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ ؎

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند
میلِ ما را جانبِ زاری کند

جب حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے ساتھ مہربانی فرمانا چاہتے ہیں تو ہمارے اندر گریہ و زاری کا میلان پیدا فرما دیتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک عرصہ تک یہ اشکال رہا کہ جو مقام حق تعالیٰ شانہ بعد مجاہدات کے سالک کو عطا فرماتے ہیں وہ اس پر بھی قادر ہیں کہ بدونِ مجاہدہ ہی وہ مقام عطا فرما دیں پھر ان کی رحمت مجاہدہ کی تکلیف کو اپنے بندوں کے لئے کیونکر گوارا کرتی ہے؟ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن خود بخود قلب میں اس اشکال کا حل وارد ہوا۔ وہ یہ کہ بدونِ مجاہدہ اگر تمام مقاماتِ سالک کو عطا فرما دیئے جاتے تو نعمت کی قدر نہ ہوتی اور قدرِ نعمت نہ ہوتی تو نعمت کا بقا اور اس کی ترقی نہ ہوتی۔ کیونکہ جس طرح شکر پر نعمت کی زیادتی منصوص ہے اسی طرح اس کے عکس پر سلب کا خطرہ تھا۔ اسی کو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

مے یہ ملی نہیں ہے یوں قلب و جگر ہوئے ہیں خوں
کیوں میں کسی کو مفت دوں مے مری مفت کی نہیں

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ؎

با چناں رحمت کہ دارد شاہِ ہش
بے ضرورت از چہ گوید نفس کش

ترجمہ : وہ شاہِ عقول اس قدر رحمت رکھنے والے بے ضرورت کیوں کر نفس کشی یعنی مجاہدہ کا حکم فرماتے ؟

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کا جواب بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ بدونِ مجاہدۂ نفس قلب کے اندر وہ نورِ حق پیدا نہیں ہوتا جو ایمانِ تحقیقی اور معیّتِ خاصۂ الٰہیہ کا ادراک کرلے ۔

دَرْ بعَقلْ اِدْرَاکْ اِیں مُمکن بُدے
قَہرِ نفْس اَزْ بہرِ چہ وَاجِبْ شُدے

اگر عقلِ محض سے یہ ادراک ممکن ہوتا تو نفس پر مشقّت و مجاہدہ کا حکم کیوں واجب ہوتا؟

احقر عرض کرتا ہے کہ حزن و اضطرار میں گریہ وزاری اور انابت کی جس درجہ توفیق ہوتی ہے۔ راحت و عافیت میں عادۃً یہ توفیق کوششِ گریہ اور نقلِ بکائے بھی اس درجہ نہیں ہوتی۔ لیکن مصیبت کو طلب نہ کرنا چاہیئے۔ طلبِ عافیت مطلوب ہے لیکن من جانب اللہ اگر کوئی رنج و مصیبت پیش آجائے تو گھبرانا نہ چاہیئے اور بے صبری نہ کرنا چاہیئے بلکہ سمجھنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ اپنا بنانے کا اِنتظام فرمارہے ہیں اور درجات بلند فرمارہے ہیں۔ رنج و الم بھی بندے کے لئے نعمت ہے کہ اس اضطرار میں دل سے دُعا نکلتی ہے سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہوتی ہے اور لذّتِ مناجات عطا ہوتی ہے جو خود ایک عظیم نعمت ہے ۔

اَزْ دُعَا نَبُوْدْ مُرَادِ عَاشِقَاں ۔۔۔ جُز سُخن گفتن بآں شیریں دہاں

ترجمہ : دُعا سے عاشقوں کی مُراد اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوتی کہ اس بہانے اس محبوبِ حقیقی سے لُطفِ سرگوشی اور کیفِ مناجات مِل جاتا ہے ۔

غرض یہ توفیقِ آہ و نالہ اضطرار کی حالت میں ہی نصیب ہوتی ہے اور ہماری آہیں اور ہمارے نالے حق تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

نالم اُو را نالہا خوش آیدش — از دو عالم نالہ و غم بایدش

ترجمہ: میں روتا ہوں اور نالہ کرتا ہوں کہ میرے محبوبِ حقیقی کو میرا نالہ اور رونا اچھا معلوم ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کو دونوں عالم سے اپنے بندوں کے آہ و نالہ اور غم محبوب ہیں ؎

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست

اے ہمایوں دل کہ آں بریاں اوست

ترجمہ: مبارک ہے وہ آنکھ جو اس محبوبِ حقیقی کی یاد میں رونے والی ہے اور مبارک ہے وہ دِل جو اللہ کی محبت سے بریاں ہے ؎

تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن؟ — تا نہ گرید ابر کے خندد چمن؟

ترجمہ: جب تک بچہ روتا نہیں ماں کے سینہ میں دودھ کب جوش مارتا ہے؟ اور جب تک ابر برستا نہیں اس وقت تک چمن کب سرسبز و شاداب ہوتا ہے؟ ؎

ز ابرِ گریاں باغ سبز و تر شود — زانکہ شمع از گریہ روشن تر شود

ترجمہ: بادل کے رونے سے چمن سرسبز و شاداب ہوتا ہے اور شمع جس قدر روتی ہے روشن تر ہوتی جاتی ہے ؎

ہر کجا اشکِ رواں رحمت بود — ہر کجا آبِ رواں خضرت بود

ترجمہ: جس جگہ آنسو رواں ہوتے ہیں اسی جگہ رحمت ہوتی ہے۔ جس

جگہ پانی رواں ہوتا ہے اسی جگہ سبزی و شادابی ہوتی ہے ؎

کہ برابر می کند شاہِ مجید — اشک را در وزن باخونِ شہید

ترجمہ: حق تعالیٰ گنہ گار کے اشکِ ندامت کو وزن میں شہید کے خون کے برابر رکھتے ہیں۔

زاری و گریہ عجب سرمایہ است — رحمتِ کلّی قوی تر دایہ است

ترجمہ: گریہ وزاری عجب پونجی ہے رحمت حق قوی تر دایہ ہے ؎

مایہ در بازارِ دنیا ایں زر است — مایہ اینجا عشق و دو چشمِ تر است

ترجمہ: دُنیا کے بازار کا سرمایہ تو سونا چاندی ہے اور حق تعالیٰ کی بارگاہ کا سرمایہ عشق اور دو رونے والی آنکھیں ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

سَهَرُ الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وَجْهِكَ ضَائِعٌ
بُكَاهُنَّ بِغَيْرِ وَجْهِكَ بَاطِلٌ

ترجمہ: اے محبوبِ حقیقی! آپ کے علاوہ کسی اور کے لیے آنکھوں کا بیدار رکھنا آنکھوں کو ضائع کرنا ہے اور آپ کی جُدائی کے علاوہ کسی اور کے لئے رونا باطل ہے۔

تکالیف پر صبر اگرچہ تلخ ہے لیکن عجب کیمیا ہے۔ سالک کو کُندن بنا دیتا ہے جو مقامات سالہا سال کے مُجاہدہ و ذکر و شغل سے نہیں ملتے۔ صبر کی برکت سے وہ جلد سے جلد عطا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا سالک کو چاہیئے کہ صبر کی تلخی کو اس نعمتِ عظمیٰ کی وجہ سے شیرینی سمجھے۔ چند دن کی تکلیف ہے پھر ہنسنا ہی ہنسنا ہے۔ اللہ تعالیٰ آدھی جان مجاہدات میں لیتے ہیں لیکن اس آدھی جان کے عوض سینکڑوں جانیں وہ صاحبِ کرم

عنایت فرماتا ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد آنچہ در ہمت نیاید آں دہد

ترجمہ : ایسی ایسی نعمتیں صبر کی بدولت عطا فرماتے ہیں جو تمہارے وہم و خیال میں نہیں آسکتی ہیں صبر عجب کیمیا ہے۔

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید کیمیائے ہمچو صبر آدم نہ دید

ترجمہ : ہزاروں کیمیا حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے لیکن اولادِ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے صبر سب سے اعلیٰ کیمیا ہے۔ ع

صبر بگزیدند و صدیقیں شدند

ترجمہ : جن لوگوں نے صبر اختیار کیا وہ دین میں مضبوط ہو کر ولایت کی اعلیٰ اور انتہائی منزل صدیقیت سے مشرف ہو گئے۔

گفت پیغمبر خدا اش ایماں نداد ہر کہ انبود صبوری در نہاد

ترجمہ : پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ خدا اس بندہ کو ایمان بھی عطا نہیں فرماتا جس کی سرشت میں صبر کی خصلت ودیعت نہیں فرماتا۔

ہفت سال ایوب با صبر و رضا
در بلا خوش بود با ضیفِ خدا

ترجمہ : حضرت ایوب علیہ السلام سات سال تک بلا میں خدا کے مہمانوں کے ساتھ (یعنی کیڑوں کے ساتھ جو بدن میں پیدا کر دیئے گئے تھے) خوش اور راضی برضا رہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کو اس بلا سے نجات ملی اور شفاءِ رحمت کی گئی

توکسی نے دریافت کیا کہ حضرت! زمانۂ بلا میں آپ زیادہ خوش تھے یا اب بحالتِ شفا زیادہ خوش ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اُنھوں نے نعمتِ عافیت سے مشرّف فرمایا لیکن زمانۂ بیماری و بلا میں صُبح وشام غیب سے اللہ میاں کی جو آواز آتی تھی کہ ایّوب! کیسا مزاج ہے؟ اس آواز میں وہ لُطف ملتا تھا کہ ہماری لاکھوں جانیں اس پر قربان ہوں وہ مزاج پرسی تمام تکلیفوں کو بھلادیتی تھی۔ دل اِس آواز کو ترستا ہے جو اَب آنی بند ہوگئی ؎

پھر ذرا مطرب اسی انداز سے
جی اُٹھے مُردے تری آواز سے (مجذوبؔ)

رنج وتکلیف میں شکوہ واعتراض ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ یہ سخت گستاخی ہے۔

چونکہ قسّام اوست کفر آمد گلہ
صبر باید صبر مفتاحُ الصِّلہ (رومیؔ)

ترجمہ: چونکہ رنج وراحت کی تقسیم حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے ہے اس لئے شکوہ واعتراض گستاخی وکفر ہے۔ غُلام اور مملوک کی شان یہی ہے کہ مالک کی مرضیات پر راضی برضا رہے کہ مالک اپنی مُلک کا مختار ہے جس طرح چاہے تصرّف فرمائے۔

اب اس مضمون کے مناسب اپنے چند اشعار تحریر کر کے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا سچّا غلام بنالیں اور اپنی مرضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

نظم کا عنوان ہے۔

"احترازاز شکوۂ یار و تعلیمِ رضا و تسلیم"

شکوۂ یار عِشق میں ہرگز کبھی روا نہیں
ان کی ہر اک ادا کبھی میرے لئے جفا نہیں

ظاہر میں گو بلا سہی لیکن کرم لِئے ہُوئے
جس میں ہماری مصلحت مضمر ہو وہ سزا نہیں

بندوں کا عِشقِ ناتمام ہوتا نہیں ہے آہ تام
نفس کی خواہشات کا جب تک کہ خوں ہوا نہیں

ان کی مراد ہے اگر میری یہ نامرادیاں
ان کی رضا ہی چاہیئے دوسرا مدّعا نہیں

تجھ کو جو ہو پسند اب مجُھ کو بھی ہو وہی عزیز
لے کر کریں گے کیا اسے جس میں تری رضا نہیں

تیرا جو درد دِل میں ہے کیسے کہوں عطا نہیں
رہتا ہے تجھ سے بےخبر جس پہ تری عطا نہیں

نالۂ ہجر پر مرے زاہد نہ ہو تو خندہ زن
عشق کے درد سے تجھے پالا ابھی پڑا نہیں

جِس کو گرا ہوا تو دیکھ دُنیا کے مال و زر پہ آہ
اختؔر سمجھ کہ عِشقِ حق اس کو ابھی ملا نہیں

حکایت زاہدے کوہی

ایک درویش پہاڑ کی گھاٹی میں گیا اور حق تعالیٰ سے عہد کیا کہ میں تمام علائقِ دنیویہ سے رُخ پھیر کر اب آپ کی عبادت میں یہاں مقیم رہوں گا اور بھوک سے جب تنگ حال ہوں گا تو آپ ہی کی طرف سے عطا کا منتظر رہوں گا۔ خود نہ کسی مخلوق سے سوال کروں گا نہ اس کوہ و بیابان کے درختوں سے کوئی پھل یا پتہ توڑ کر کھاؤں گا۔ البتہ جو پھل خود بخود ہوا سے زمین پر گریں گے صرف ان کو کھا کر زندگی بسر کروں گا۔ ایک مدّت تک یہ فقیر اپنے عہد پر قائم رہا یہاں تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے امتحانات شروع ہوگئے اور اس امتحان کی وجہ یہ تھی کہ اس فقیر نے استثناء نہ کیا تھا یعنی یوں نہ کہا تھا کہ انشاء اللہ میں اس عہد پر قائم رہوں گا۔ اس ترکِ انشاء اللہ سے چونکہ اس درویش کا دعویٰ و تکبّر اور اپنی قوّت و ہمّت پر ناز صادر ہوا اس لیئے اس کی شامتِ عمل نے اسے سخت امتحان میں گھیر لیا اور اس کے قلب سے وہ نور جاتا رہا جس کی وجہ سے اس کے قلب میں بھوک کی تکلیف برداشت کرنے کی قوّت و ہمّت اچانک بالکلیہ مفقود ہوگئی۔ ادھر حق تعالیٰ نے ہوا کو حکم فرمادیا کہ اُس وادیٔ کوہ کی طرف ہو کر نہ گذرے۔ چنانچہ پانچ روز تک ہوا مطلقاً بند ہوجانے سے درخت سے کوئی پھل زمین پر نہ گرا۔ پس بھوک کی شدّت سے وہ درویش بے چین ہوگیا۔ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ضعف و نقاہت نے اس کو خود اپنے عہد کی بے وفائی پر مجبور کر دیا اور وہ درویش کوہِ استقامت سے چاہِ ضلالت میں آگرا۔ جب اپنا عہد و نذر فسخ

کر کے وہ درختوں سے پھل توڑ کر کھانے لگا تو غیرتِ حق کو جوش آگیا اور اس فقیر کو سزا دی گئی کیونکہ امرِ الٰہی اَوْفُوْا بِالْعُهُوْدِ ہے۔

(ترجمہ: پورا کرو جو کچھ کہ تم نے عہد کیا ہے۔)

اب اس فقیر کی سزا کا قصہ سنئے کہ چوروں کا ایک گروہ رات کو اس پہاڑ کے دامن میں ٹھہر گیا۔ ایک مخبر نے کوتوالِ شہر کو اطلاع دی کہ آج چوروں کا گروہ فلاں پہاڑ کے دامن میں ٹھہرا ہوا ہے۔ قبل اس کے کہ کوتوال ان چوروں کو گرفتار کرتا اس نے دامن کوہ میں اس درویش کو دیکھا اور سمجھا کہ یہ کوئی چور ہے۔ فوراً گرفتار کر لیا۔ فقیر نے بہت شور مچایا کہ میں چور نہیں ہوں لیکن کوتوال اور سپاہیوں نے ایک نہ سُنی اور اس کا داہنا ہاتھ اور بایاں پیر کاٹ ڈالا۔ اسی اثناء میں ایک سوار ادھر سے گزرا اس نے جب یہ قصہ دیکھا تو کوتوال اور اس کے ساتھیوں کو بہت ڈانٹا کہ ارے کُتّے! تُو نے ایسے نیک فقیر کے ساتھ یہ کیا سلوک کیا؟ یہ تو فلاں شیخِ کامل اور ابدالِ وقت ہے جس نے دُنیا سے کنارہ کش ہو کر اِس جگہ خلوت اختیار کی تھی۔ یہ سنتے ہی کوتوال پر لرزہ طاری ہو گیا اور خوف و ندامت سے ننگے پیر ننگے سر اس فقیر کی طرف دوڑا اور اپنی غلطی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور قسم کھا کر عرض کیا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ایک بزرگ شخص ہیں۔ میں نے غلط فہمی سے آپ کو چوروں کے گروہ کا ایک فرد سمجھ کر یہ معاملہ کیا۔ خدا کے لیئے آپ مجھے معاف فرما دیں ورنہ میں ابھی قہرِ الٰہی میں مُبتلا ہو کر ہلاک ہو جاؤں گا۔ درویش نے کہا کہ بھائی تیرا کچھ قصور نہیں ہے۔ میں خود قصوروار ہوں۔ میں نے اپنے مالک سے بدعہدی کی تھی جس کی مجھے یہ سزا ملی ہے۔

گفت می دانم سبب ایں نیش را
می شناسم من گناہِ خویش را

ترجمہ: اس درویش نے کہا کہ میں اس نیش یعنی ڈنک کا سبب جانتا ہوں میرا باطن اس سزا کی وجہ سے خوب واقف ہے کہ میرے کس گناہ کے سبب یہ سزا مجھ پر مسلّط کی گئی ہے۔

من شکستم حرمتِ ایمانِ او
پس یمینم برد دو دستانِ او

ترجمہ: میں نے حق تعالیٰ سے معاہدہ کا احترام توڑ دیا تو اس شامتِ عمل نے میرے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔

مخلصاں ہستند دائم در خطر
امتحانہا ہست در رہ اے پسر!

ترجمہ: مخلصین بندے ہر وقت خطرہ میں ہیں۔ حق تعالیٰ کے راستہ میں ان کے بڑے بڑے امتحانات ہوتے ہیں۔

یا مکن نذرے کہ نتوانی وفا
بر خطرہ منشیں و بیروں شو ہلا

ترجمہ: ایسی نذر اور ایسا عہد ہی نہ کرنا چاہیئے جسے پورا کرنے کی ہمت و طاقت نہ ہو اور خطرہ کی جگہ بیٹھنا ہی نہ چاہیئے کہ آدمی فتنہ اور امتحان میں پڑ جاوے۔

فائدہ: اولاً تو ایسی غیر شرعی نذر ہی نہ ماننی چاہیئے جیسے کوئی کہہ دے کہ میں کھانا ہی نہ کھاؤں گا یا پانی ہی نہ پیوں گا وغیرہ۔ درویش کی یہ نذر بھی اسی قسم کی تھی۔ دوسرے یہ کہ کبھی اپنی ہمت و طاقت پر نظر نہ کرے۔ تمام امور میں حق تعالیٰ پہ بھروسہ رکھے اور انہیں سے نصرت طلب کرے اور جس کام کو کرنے کا ارادہ ظاہر

کرے تو انشاء اللہ کہنا اپنے اوپر لازم کرلے ۔ اگر احیاناً کبھی بھول جاوے تو جب یاد آئے اسی وقت کہہ لے کہ بغیر حق تعالیٰ کی عنایت کے اپنے دست و بازو سے کچھ نہیں ہوسکتا ۔

ذرۂ سایۂ عنایت بہتر است
از ہزاراں کوشش طاعت پرست

ترجمہ : حق تعالیٰ کی عنایت کا ایک ذرّہ سایہ طاعت پرستوں کی ہزاروں کوششوں سے بہتر ہے ۔

در ایں راہِ حق عجز و مسکینیت
بہ از طاعتِ خویشتن بینیت

ترجمہ : حق تعالیٰ کے راستہ میں مسکنت و عاجزی بہت مقبول اور بہتر ہے اس امر سے کہ انسان اپنی عبادت و طاعت پر مغرور ہو ۔

خواجہ صاحب فرماتے ہیں ؎

نازِ تقویٰ سے تو اچھا ہے نیازِ رندی
جاہِ زاہد سے تو اچھی مری رسوائی ہے

دین پر استقامت کی ہر وقت حق تعالیٰ سے یوں دُعا کرتا رہے کہ اے میرے رب ! ایک لمحہ کو بھی مجھے میرے نفس کے سُپرد نہ فرمائیے اور میری ہر حالت کو اپنی مرضی کے موافق درست فرماتے رہئے یہاں تک کہ میرا خاتمہ ایمان پر فرما دیجئے ۔ آمین ثم آمین ۔

حکایت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

چمن کا رنگ گو تو نے سراسر اے خزاں بدلا
نہ ہم نے شاخ گل چھوڑی نہ ہم نے آشیاں بدلا (مجذوبؒ)

دعوئ مرغابی کردہ است جاں
کے ز طوفانِ بلا دارد فغاں؟ (رومیؒ)

ترجمہ : جان نے مرغابی ہونے کا جب دعوٰی کر لیا تو پھر طوفانِ بلا سے اس کو کب فغاں ہے؟ یعنی عاشق حق ہونے کا دعوٰی جب کر لیا تو پھر اب ؎

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبش کے رہنے والے تھے اور اُمیہ بن خلف نام کے ایک یہودی کے غلام تھے۔ فضلِ الٰہی سے جب ان کو ایمان نصیب ہوا تو اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا۔ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کو چین سے دیکھنا نہ چاہتے تھے۔ اللہ کے نور کو بجھانے کے لئے دن رات ہر ممکن کوشش میں مشغول تھے لیکن حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تو اپنا نور مکمل کر کے رہیں گے۔ چاہے کفار کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر چاہتے تو اپنا ایمان مخفی رکھ سکتے تھے اور اس اخفاء کی بدولت کفار کی ایذا رسانی سے محفوظ رہ سکتے تھے لیکن حق تعالیٰ کی محبت نے کلمۂ توحید ظاہر کرنے پر انھیں مجبور کر دیا اور نعرۂ اَحد لگانے پر عشق

حقیقی نے ان کو مضطر کر دیا ؎

جانِ اُو چُو خنجرِ عشقش بدید
پا بجولاں جانبِ مقتل دوید (اخترؔ)

ترجمہ : جانِ عاشق نے جب محبوب کے ہاتھ میں خنجرِ عشق دیکھ لیا تو بے خوف و خطر مقتل کی جانب دوڑ پڑی ؎

خنجرش چُو سوئے خود راغب بدید
سر نہادن آں زماں واجب بدید

ترجمہ : جب اس عاشقِ صادق نے محبوب کے خنجر کو اپنی طرف راغب دیکھا تو سر کو اس وقت تہہ خنجر رکھ دینا اپنے اوپر واجب سمجھا ؎

نعرۂ مستانہ خُوش می آیدم تا ابد جاناں چنیں می بایدم

ترجمہ : اے محبوبِ حقیقی ! آپ کی یاد میں نعرہ ہائے عشق مجھے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور قیامت تک اے محبوب ! اسی طرح مستانے نعرے لگانا چاہتا ہوں ؎

بر سرِ مقطوع اگر صد خندق است
پیشِ دردِ اُو مزاحِ مطلق است (رومیؔ)

ترجمہ : سر بریدۂ عشقِ حق کے سامنے اگر سو خندقیں ہوں لیکن اس کے دردِ عشق کے سامنے ان کی حیثیت ایک مزاح سے زیادہ نہیں ہوتی اس کی ایک تڑپ تمام خندقوں کو عبور کر لیتی ہے اور اس کا دردِ باطن اس کو تمام ظاہری تکالیف سے بے نیاز کر دیتا ہے ؎

دعویٰ مرغابی کردہ است جاں
کے ز طوفانِ بلا دارد فغاں؟ (رومی)

ترجمہ: جان نے جب مرغابی ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے تو پھر طوفان بلا سے اس کو کب گلہ و فریاد ہے؟ مُرغابی طوفان سے مغلوب نہیں ہوتی بلکہ موجوں کے نشیب و فراز پر غالب رہتی ہے۔ اسی طرح جانِ عاشق طوفانِ حوادث سے متاثر ہوئے بغیر حق تعالیٰ کا راستہ قطع کرتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نعرۂ احد لگانا تھا کہ اس یہودی کا غیظ و غضب ان پر ظلم اور زد و کوب کی صورت میں برس پڑا۔ آپ کو اتنا مارا کہ لہولہان کر دیا اور اسی زخم کی حالت میں گرم گرم ریت پر گھسیٹتا اور کہتا کہ اب آئندہ وحدانیت کا نعرہ لگانے کی جرأت نہ کرنا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزبانِ حال عرض کرتے:

بجُرمِ عشقِ تُو ہمم میکشند و غوغا ئیست
تُو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشا ئیست

ترجمہ: (اے اللہ!) آپ کی محبت کے جُرم میں یہ کفار مجھ کو قتل کر رہے ہیں اور شور برپا کر رہے ہیں۔ اے محبوبِ حقیقی! آپ بھی آسمانِ دُنیا پر تشریف لائیے اور اپنے عاشق کے اس تماشہ کو دیکھئے کہ کیا اچھا تماشہ ہے۔

ایک دِن حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرف سے گزرے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی خستہ و خراب اور لہولہان ہونے کی حالت میں اَحَد، اَحَد کا نعرہ لگا رہے تھے۔ یہ آواز سُن کر حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اس آواز میں حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانِ پاک کو بوئے

محبوبِ حقیقی محسوس ہوئی جس سے آپ محوِ لذّت ہو گئے ؏

بُوئے جاناں سُوئے جانم می رسد

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مظلومیت کو دیکھ کر حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل تڑپ گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اُنھوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو الگ بُلا کر سمجھایا کہ تنہائی میں اللہ کا نام لیا کرو۔ اس موذی کے سامنے ظاہر مت کرو، ورنہ یہ ملعون ناحق تم کو ستائے گا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اے محترم! آپ حضور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے صدّیق ہیں۔ آپ کی نصیحت قبول کرتا ہوں۔

دوسرے دِن پھر حضرت صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر سے گذر ہوا دیکھتے ہیں کہ پھر وہی ماجرا ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَحد اَحد پکار رہے ہیں۔ اور وہ یہودی ان کو بُری طرح زد و کوب کر رہا ہے یہاں تک کہ جسم خون سے لہولہان ہو گیا ہے۔ اس دردناک منظر کو دیکھ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تڑپ گئے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پھر نصیحت فرمائی کہ بھائی! کیوں اس موذی کے سامنے اَحد اَحد کہتے ہو۔ دل ہی دل میں خاموشی کے ساتھ اَحد اَحد کہتے رہا کرو۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اچھا پھر توبہ کرتا ہوں اب آپ کے مشورہ کے خلاف نہ کروں گا۔ لیکن ؏

عِشق آمد لا اُبالی فاتّقُوا

عشق کا مزاج تو لا اُبالی ہوتا ہے ؏

تابِ زنجیرِ ندارد دِلِ دیوانۂ ما

؎ عشق کب ڈرتا ہے رسن و دار سے
عشق بے پروا ہے جانِ زار سے (اخترؔ)

؎ بلبل کو نہ کر تو اے ناداں! پابندِ سکوتِ خاموشی
جب اس کو چمن یاد آئیگا فریاد لبوں تک آئے گی (اخترؔ)

اسی مقام کو حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ؎

بازِ پندش داد بازِ اُو توبہ کرد عشق آمد توبۂ اُو را بخورد

22/2/99

ترجمہ : جب پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو سکوت اخفا کی نصیحت فرمائی تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر توبہ کی لیکن جب عشق آیا تو ان کی توبہ کو کھا گیا یعنی توبہ ٹوٹ گئی۔ عاشق کو ذکرِ محبوب کے بغیر کہاں سکون ملتا ہے ؎

دلِ مضطرب کا یہ پیغام ہے ترے بِن سکوں ہے نہ آرام ہے
تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے یہی بس محبت کا انعام ہے

الغرض حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود ہزار مصائب و آلام کے رازِ عشق کو مخفی نہ رکھ سکے اور نعرۂ اَحد ظاہر ہوتا رہا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

عشقِ خونی چوں کند زہ بر کماں
صد ہزاراں سر بپولے آں زماں (رومیؒ)

ترجمہ : عشق خونی جب اپنا چلّہ کمان پر چڑھاتا ہے تو اس وقت ہزاروں سر ایک پیسے کے عوض بک جاتے ہیں ؎

تن بہ پیشِ زخم خارِ آں جہود جانِ او مست و خرابِ آں ودود

ترجمہ : حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم تو اس ظالم یہودی کے سامنے زخم خوردہ تھا لیکن ان کی روح حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہِ قرب میں مست شرابِ عشق ہو رہی تھی اور بہارِ لازوال لوٹ رہی تھی۔

اسی محبّتِ حق کا نام حقیقی محبت ہے لیکن افسوس آج کل لوگ نفس پرستی کو محبّت کہتے ہیں۔ توبہ توبہ یہ ہرگز محبّت نہیں۔ جو عشق حسنِ مجازی سے ہو وہ عشق نہیں فسق ہے جو فساد ہے روٹی کا۔ اگر روٹی نہ ملے تو یار لوگ عشق بھول جائیں اور روٹی مانگنے لگیں اور حق تعالیٰ کا عشق چونکہ مومن کے خمیر میں رکھ دیا گیا ہے اس لئے اگر روٹی نہ بھی ملے تو بھی مومن کے قلب میں ذرہ برابر حق تعالیٰ کی محبّت کم نہیں ہوتی۔ محبّت درحقیقت اس تسلیم کا نام ہے کہ محبوبِ حقیقی اس میں متصرّف ہو اور بندہ ہر تصرّف سے راضی رہے۔

عاشقی چیست؟ بگو بندۂ جاناں بودن　　　دل بدستِ دگرے دادن و حیراں بودن

ترجمہ : عاشقی کیا ہے؟ کہو کہ عاشقی محبوب کی غلامی ہے اور دل اپنے محبوب کو دیکر حیران ہونے کا نام ہے۔

حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کی خستہ حالی وگریہ وزاری بہت محبوب ہے اور باوجود صدہا رحمتوں اور عنایتوں کے اپنے مقبولین کی دُعا کبھی تاخیر سے قبول فرماتے ہیں تاکہ اس کی آہ وزاری کا سلسلہ حاجت پوری ہونے سے بند نہ ہو جائے اور ہمارے حضور میں اے اللہ! اے اللہ کہتا رہے اور روتا رہے۔

خوش ہمی آید مرا آوازِ او　　　واں خدایا گفتن واں رازِ او

مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کبھی بندے کی قبولیتِ دُعا میں تاخیر فرما دیتے ہیں

تاکہ مناجات میں وہ دِل سوزی کے ساتھ گریہ وزاری کرے اس کی یہ آواز حق تعالیٰ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور اے اللہ! اے اللہ! کہنا اللہ کو اچھا معلوم ہوتا ہے پس تاخیرِ قبولیت ایسے بندوں کے ساتھ رحمت و پیاری ہوتی ہے نہ کہ بے گانگی و بے قدری۔ حق تعالیٰ کے ساتھ مناجات و سرگوشی مومن کا بہت بڑا اعزاز ہے۔

نالۂ مومن ہمی داریم دوست
گو تضرع کن کہ ایں اعزازِ اوست

حق تعالیٰ کی محبّت سے بندہ کبھی آزاد نہیں ہو سکتا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

پابندِ محبّت کبھی آزاد نہیں ہے — اس قید کی اے دل کوئی میعاد نہیں ہے

اب اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عاشقوں کو بڑی مصیبت کوفت ہوتی ہوگی تو عشقِ حق بجائے نعمت کے زحمت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشکال دور سے نظر آتا ہے اور بظاہر عشق ایک خونی منظر پیش کرتا ہے۔

عشق از اوّل چرا خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود
(رومیؒ)

ترجمہ: دور سے عشقِ حقیقی خونی نظر آتا ہے تاکہ غیر مخلص اور غیر عاشق کبھی اس راہ میں قدم نہ رکھے۔ یہ خونی منظر دراصل حریم کوئے دوست کا پاسبان ہوتا ہے کہ عاشق خام ادھر نہ آئیں۔

ورنہ جب محبّت تام نصیب ہو جاتی ہے تو اس وقت عاشق کی شان یہ ہوتی ہے

نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ترجمہ : عاشقِ صادق تو یہ کہتا ہے کہ اے محبوب یہ نصیب دشمن کا نہ ہو کہ وہ آپ کی تیغ سے ہلاک ہو۔ دوستوں کا سر سلامت رہے کہ آپ خنجر آزمائی کریں۔

ایک عاشق جو کسی کے عشق میں دس برس سے گھل رہا ہو اور فراق میں سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہو کہ اچانک اس کا محبوب آکر اسے اس زور سے دبا دے کہ اس کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں اور آنکھیں باہر کو نکلنے لگیں اور وہ محبوب یوں کہے کہ اگر تجھے میری یہ حرکت ناگوار ہے تو میں تجھے چھوڑ کر دوسرے سے بغل گیر ہو جاؤں تو بتاؤ وہ کیا جواب دے گا۔ اگر واقعی عاشق ہے تو یہی کہے گا ؎

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اس وقت دوسرے اس کے جسم کی تکلیفِ ظاہری سے یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑی تکلیف میں ہے لیکن خود اس کے دل سے پوچھو کہ وہ کیسے باغِ عیش میں ہے۔ وہ تو ان لمحات کو غنیمت جانے گا اور چاہے گا کہ یہ زمانہ طویل سے طویل تر ہو جاوے۔

پس جب مجاز میں یہ اثر ہے تو حقیقت کی لذتوں کا خود اندازہ لگالو ؎

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

(مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ : جب تو اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایسی شراب پی کر مست ہو رہا ہے جو تیرے گناہوں کی وجہ سے خاک آلود بھی ہے تو اگر یہ صاف ہوتی تو نجانے تجھے کتنا مست کرتی۔

اللہ رے جب یہ ہے مجازات کا عالم

کیا ہو گا حقیقت کے کمالات کا عالم (مولانا محمد احمد صاحبؒ)

اس مثال سے سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ کشتۂ عشقِ الٰہی ہیں وہ اگرچہ بظاہر تکالیف و مصائب میں گھرے ہوئے نظر آتے ہیں. کپڑوں میں پیوند چہرہ فاقوں سے زرد و خستہ ہے لیکن ان کے باطن میں قرب و معیّتِ حق کا جو باغ لہرا رہا ہے اس کی خبر اگر سلاطین کو ہو جائے تو تخت و تاج کا لُطف بھول جائیں۔

ہاں وہاں ایں دلق پوشانِ من اند

صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند (رومیؒ)

مولانا رومی اللہ تعالےٰ کی طرف سے حکایۃً فرماتے ہیں کہ یہ خستہ حال گدڑی پوش ہمارے خاص بندے ہیں کہیں لاکھوں میں ایک ایسا صاحبِ نصیب پیدا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کی محبّت ہی مقصدِ کائنات ہے اور یہی جانِ حیات ہے۔

الغرض حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصد شوق صدہا مصائب جھیل رہے تھے کیونکہ ان کے سامنے رضائے حق کا انعام عظیم تھا ؎

عَاشِقَمْ بَر رَنجِ خُویشُ وَ دَرْدِ خُویشُ

بَہرِ خُوشْنُودِیِ شَاہِ فَرْدِ خُویشُ (رومیؒ)

ترجمہ: میں اپنے محبوبِ حقیقی کی رضا کے لئے اپنے رنج و درد پر عاشق ہوں۔

حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدّد بار نصیحت فرمانے کے باوجود جب ہر بار یہی تماشا دیکھا کہ وہ یہودی ظلم کر رہا ہے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَحد اَحد کا نعرہ لگا رہے ہیں تو اس ماجرے کو محبوبِ ربُّ العٰلمین

رحمۃ للعٰلمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصائب سُن کر رحمۃ للعٰلمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی آنکھیں درد سے اشکبار ہو گئیں۔

ارشاد فرمایا کہ اے صدّیق! پھر کیا تدبیر ہے کہ بلال کو اس بلاء سے نجات ملے۔ حضرت صدّیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم! میں انھیں خریدے لیتا ہوں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اچھا تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خریداری میں میری بھی شرکت ہوگی۔ اللہ اکبر! کیا نصیبہ تھا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان کو خرید رہے ہیں۔ اس کالے جسم میں اللہ کی محبّت سے ایسا نورانی دل تھا کہ بارگاہِ رسالت صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کی خریدار ہو گئی۔

الغرض حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس یہودی کے پاس گئے اُس وقت بھی وہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زدوکوب کر رہا تھا۔ فرمایا کہ اس ولی اللہ کو کیوں مارتا ہے۔

یہودی نے کہا کہ اگر تمھیں ایسی ہی ہمدردی ہے تو پیسہ لاؤ اور اس کو لے جاؤ۔

حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سفید جسم اور کالے دل والا میرا یہودی غلام تو لے لے اس کے بدلہ میں کالے جسم اور روشن دل والا یہ حبشی غلام مجھے دے دے۔

تَن سپید و دِل سیہ ہستش بگیر   دَر عوض دِہ تَن سیاہ و دِل مُنیر

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لیکر بارگاہِ رسالت صلّی اللہ علیہ وسلّم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم!

میں نے کیسا سودا کیا ہے۔ سفید جسم اور کالا دِل دے آیا ہوں اور کالا جسم اور نورانی دِل لے آیا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت اچھا سودا کیا تم نے اے صدیق! اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے سینۂ مبارک سے لگالیا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

مُصطفٰی اَشُ دَرکِنارِ خُود کَشِید — کَس چِہ دَانَد لَذّتے کُورا چَشِید

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ جانِ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو لُطف اس وقت محسوس کیا اس کو دوسرا کون سمجھ سکتا ہے۔

قصّہ سُلطان محمُود اور ایاز

ایک روز صبح کے وقت سُلطان محمُود نے ارکینِ سلطنت کی عقل و فہم کا امتحان کرنے کے لئے خزانۂ شاہی سے ایک موتی نکلوایا اور سب سے پہلے وزیر کے ہاتھ میں دے کر اس سے دریافت کیا کہ یہ موتی کتنے دام میں فروخت ہوگا۔ وزیر نے عرض کیا کہ حضُور! یہ موتی تو بہت ہی بیش قیمت ہے۔ سونے سے لدے ہُوئے دو سو گدھوں سے بھی اس کی قیمت زیادہ ہے۔

سُلطان نے کہا کہ اچھا تو میرے حکم سے اس بیش بہا موتی کو ریزہ ریزہ کر دو۔ وزیر نے عرض کیا کہ حضُور میں اس موتی کو ضائع نہ کروں گا۔ میں آپ کے خزانۂ دولت کا خیر خواہ ہوں اور اس گوہر کو توڑنا بدخواہی ہوگی۔ بادشاہ نے اس کو شاباشی دی

اور ایک شاہی خلعت عطا فرمائی اور اس موتی کو وزیر کے ہاتھ سے لے کر سلطنت کے ایک دوسرے مقرّب عہدیدار کو دیا اور اس سے بھی اس کی قیمت دریافت کی اُس نے کہا حضُور اس بیش بہا موتی کی قیمت آپ کی آدھی سلطنت ہے۔ خُدا اس موتی کو محفوظ رکھے۔ بادشاہ نے اس کو بھی حکم دیا کہ اس موتی کو ریزہ ریزہ کر دو۔ اس نے عرض کیا حضُور ایسے قیمتی موتی کو توڑنے کے لیے میرا ہاتھ حرکت نہیں کرسکتا۔ اس موتی کو توڑنا خزانہ سلطنت سے دُشمنی کے مترادف ہوگا۔

سُلطان محمودؒ نے اس کو بھی شاہی خلعت عطا فرمائی اور دیر تک اس کی تعریف کرتا رہا۔

غرض بادشاہ نے ۶۵ ارکینِ سلطنت کو باری باری طلب کر کے یہی مُعاملہ فرمایا اور ہر ایک نے وزیر کی تقلید کی اور شاہی خلعت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ سُلطان سے شرفِ مدح بھی حاصل کیا۔ بادشاہ جب سب کا امتحان کر چکا اور انعامات دے چکا تو آخر میں اس نے ایاز کو طلب کیا اور موتی کو اس کے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ لے ایاز! ہر ایک نے اس موتی کو دیکھا تو بھی اس کی شعاعوں کو دیکھ لے اور غور کر کے بتا کہ اس کی کیا قیمت ہوگی۔

ایاز نے عرض کیا کہ حضُور! جس قدر قیمت اس موتی کی عرض کروں گا، یہ موتی اس سے بھی کہیں زیادہ گراں اور بیش قیمت ہوگا۔ شاہ نے حکم دیا کہ اچھا تو فوراً اس گوہر کو توڑ دے اور بالکل ریزہ ریزہ کر دے۔ ایاز سُلطان کا مزاج شناس تھا اور سمجھ رہا تھا کہ بادشاہ اس وقت امتحان کر رہا ہے۔ سُلطان کا حکم سُنتے ہی اس نے گوہرِ بیش بہا کو چکنا چور کر دیا اور خلعت اور انعامات کی ذرا بھی طمع

نہ کی۔ جیسے ہی ایاز نے وہ بیش بہا موتی توڑا تمام اراکینِ سلطنت نے شور برپا کر دیا اور دیوانِ خاص میں ایک ہنگامہ مچ گیا تمام وزراء سلطنت نے کہا کہ واللہ یہ شخص کافر ہے یعنی ناسپاسِ نعمت ہے۔ جس نے اس پُرنور و محترم موتی کو توڑ دیا۔ ایاز نے کہا اے محترم بزرگو! حکمِ شاہ کی قیمت زیادہ ہے یا اس موتی کی۔ اے لوگو! تمھاری نظر موتی پر ہے بادشاہ پر نہیں۔ مَیں اپنی نظر کو بادشاہ سے نہ ہٹاؤں گا اور مُشرک کی طرح موتی کی طرف رُخ نہ کروں گا کیونکہ بادشاہ سے نظر ہٹا کر موتی کی طرف متوجّہ ہونا بادشاہ کی محبّت و اطاعت میں شرک ہے۔

(۱) گُفْت اَیاز اے مِہْتَرانِ نامْوَر ... اَمرِ شہ بہتر بقیمت یا گُہَر

(۲) مَن زِشہ بَرمی نگردانم بَصَر ... مَن چو مُشرک رُوئے نارم در گُہَر

(۳) گوہر امرِ شاہ بود اے ناکساں ... جملہ بشکستید گوہر را میاں

(۴) چوں ایاز ایں راز بر صحرا فگند
جملہ ارکاں خوار گشتند و نژند

ترجمہ (نمبر۱) ایاز نے کہا کہ اے نامور بزرگو! امرِ شاہ قیمت میں بہتر ہے یا موتی۔

ترجمہ (نمبر۲) مَیں شاہ سے اپنی نگاہ نہ ہٹاؤں گا۔ میں مُشرک کی طرح گوہر کی طرف رُخ نہ کروں گا۔

ترجمہ (نمبر۳) اے نااہلو! اصل موتی تو حکمِ شاہ تھا۔ تم سب نے سُلطان کے حکم کا موتی توڑ دیا۔

ترجمہ (نمبر۴) جس وقت ایاز نے اس راز کو اراکینِ سلطنت پر ظاہر کیا

تمام اراکین جو ایاز کے مقربِ بادشاہ ہونے کی وجہ سے حسد رکھتے تھے اس کی فتح و کامیابی سے ذلیل و خوار ہو گئے۔

فائدہ : اس حکایت میں نصیحت ہے کہ اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ یعنی حکمِ حاکم کے بعد اصل ادب یہی ہے کہ اس حکم پر عمل کیا جاوے۔ ایاز کو محمود سے ذاتی محبت تھی اور وزرأ و امراء کو اپنی کرسیوں، عہدوں اور تنخواہوں سے محبت تھی۔ یہ فہم و عقل جو ایاز کے اندر تھی وہ محبت کا ذاتی فیضان تھا، محبت خود ادب سکھا دیتی ہے۔ یہ خوش فہمی و معرفت عقلِ محض سے نہیں آتی محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ شیطان عاقل تو تھا عاشق نہ تھا اس لئے احکم الحاکمین کے حکم پر اعتراض کر بیٹھا۔ حالانکہ امرِ الٰہی کی عظمت کا تقاضا فوری تعمیلِ حکم کا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مردودِ بارگاہ ہوا اور حضرت آدم علیہ السلام عاشق تھے۔ محبت نے اپنے قصور کا اعتراف کرنے میں عار محسوس نہ کی بلکہ اعترافِ قصور کے ساتھ محبوبِ حقیقی کو راضی کرنے کی فکر میں آنکھوں نے آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔

حکایتِ مذکورہ میں امرِ الٰہی کی عظمت اور بے چون و چرا تعمیل کا عبرت انگیز درس موجود ہے۔ محمود و ایاز میں جو تعلق تھا وہ آقا اور غلام کا تھا اور حق تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق اس سے بے پناہ زیادہ گہرا ہے۔ ہمارے جسم کا ہر ذرہ حق تعالیٰ کا پیدا کردہ اور پروردہ و مملوک ہے اور ایسی ملکیت ہے کہ اس میں کوئی اور شریک نہیں۔ مسئلہ جہاد کے اندر اسی ادب کی تعلیم ہے کہ کافر بھی خدا کی مخلوق ہے اور حق تعالیٰ کے انعاماتِ پرورش اس پر بھی اسی طرح عام ہیں جس طرح مومنین پر ہیں۔

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب　گبر و ترسا وظیفہ خور داری

ترجمہ : اے اللہ! آپ ایسے کریم ہیں کہ کافروں کو بھی خزانۂ غیب سے روزی عطا فرماتے ہیں۔

لیکن جب جہاد کا حکم ہوتا ہے اس وقت یہ سوچنا سخت بے ادبی ہے کہ اتنے انسانوں کا خون جن کی پرورش میں فلکیات، ارضیات، آفتاب، مہتاب، تارے، بادل، شرقی، غربی، شمالی، جنوبی ہوائیں سمندر، پہاڑ، لاکھوں مشینیں لاکھوں کاریگر اور مزدور لاکھوں جانوروں کی خدمات مصروفِ کار تھیں، جن کی پرورش و بقاءِ حیات کے لئے اس درجہ اہتمام کہ ساری کائنات کو مصروفِ خدمت بنا دیا گیا اُنہی انسانوں کو بوقتِ جہاد منٹوں اور سیکنڈوں میں تہہ تیغ کر دینے کا حکم ہو رہا ہے۔ اب یہاں چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ اس وقت امرِ الٰہی کی عظمت کے سامنے پوری کائنات کی کچھ قیمت نہیں ع

امرِ شہ بہتر بقیمت یا گہر ـــــ حکم شاہی بہتر ہے یا موتی۔

اس وقت ادب کا مقتضا یہی ہے کہ کفّار کی گردنوں کو اُڑا دیا جائے۔

کہ بے حکمِ شرع آب خوردن خطاست
دگر خوں بفتویٰ بریزی رواست

ترجمہ : بغیر حکمِ شریعت کے ایک قطرہ پانی پینا بھی جُرم ہے جیسا کہ ماہِ رمضان کے روزوں کا قانون ہے اور جب جہاد کا فتویٰ ہو جائے اس وقت خون بہانا واجب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گوہرِ حق را بامرِ حق شکن ـــــ بر زجاجہ دوست سنگِ دوست زن

ترجمہ : گوہرِ حق کو امرِ حق سے توڑ دو۔ دوست کے شیشہ کو (مخلوقاتِ

الٰہیہ کو) دوست ہی کے حکم کے پتھر سے یعنی امرِ حق سے توڑ ڈالو۔ دوست کے حکم کی عظمت کے سامنے شیشہ کی قیمت نظر نہ آوے، ایسا نہ ہو کہ شیشہ کی قیمت دوست کے حکم کی تعمیل سے مانع ہو جائے۔

اس حکایت میں مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک کلّیہ بتادیا ہے۔ جس سے انسان اپنی عبدیّت غلامی کو گمراہی و نافرمانی سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

فائدہ : اس واقعہ میں سالکین کے لیے یہ سبق ملتا ہے کہ نفس کی وہ تمام خواہشات جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں خواہ کتنی ہی قیمتی اور لذیذ اور حسین نظر آئیں مگر عاشق اور جانبازِ الٰہی کو چاہیے کہ کسی بُری خواہش پر ہرگز عمل نہ کرے اور اس خواہش کے موتی کو حکمِ الٰہی کے پتھّر سے بے دریغ توڑ دے اور کسی حسین امرد یا عورت اجنبیہ کو نہ دیکھے خواہ جان ہی نکل جانے کا اندیشہ ہو۔

حکایت حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ علیہ

آں دمے کہ دل بعشق دہی خوش دمے بُود
در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست

ترجمہ : وہ وقت کتنا مبارک ہوتا ہے کہ جس وقت دِل کو حق تعالیٰ کی محبت کی نذر کیا جاوے اور ایسے اچھے کام میں استخارہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

کیا مبارک وقت تھا کہ جب حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حق تعالیٰ نے اپنی محبت کا درد عطا فرمایا ؎

بُلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا ‏ غم ہم کو دیا ایسا جو مشکل نظر آیا

قلب میں ایک تڑپ پیدا ہو گئی اور آہ و نالہ و فریاد کا شغل شروع ہو گیا۔

حق تعالیٰ کی محبت کا ایک ذرّہ غم دونوں جہان کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ یہ ایسا غم ہے جو تمام غموں سے آزاد کر دیتا ہے اور یہ ایسی اچھی بیماری ہے جو تمام بیماریوں سے نجات دے دیتی ہے۔

ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے ‏ ترا ذرّہ غم اگر ہاتھ آئے ‏ (اختر)

وہ دِل جو محض دُنیا کی فانی لذتوں سے آگاہ تھا اور جس کی رسائی صرف دُنیائے فانی تک تھی عشقِ حقیقی کے فیض سے اب اس کی پرواز بالائے فلک تا عرش بریں ہے

پَرِّ اَبدالاں چُو پَرِّ جبرئیل ‏ می پَرَد تا ظِلِّ سِدرہ میل میل ‏ (رومی)

ترجمہ: ابدالوں کے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے پَروں کی طرح نظر نہ آنے والے پَر ہوتے ہیں جن سے وہ سدرۃ المنتہیٰ تک ایک جست میں میلوں کا سفر طے کرتے ہوئے پہنچتے ہیں۔

عارف کا قلب حق تعالیٰ کی معیّتِ خاصّہ کے ادراک کی برکت سے وہ کیف محسوس کرتا ہے کہ جس کی شوکت کے سامنے شراب اپنی مستی میں اُس کیف کی بھکاری معلوم ہوتی ہے اور عارف کی فضاءِ قلب میں وسعت کا وہ عالم ہوتا ہے کہ چرخ اپنی گردش میں اس کے ہوش کا قیدی ہوتا ہے اس ادراک و احساس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عارف کی رُوح کو فیضانِ حق کے سبب عالمِ ناسوت یعنی دُنیا سے برائے نام تعلّق ہوتا ہے اور غلبۂ عالمِ آخرت کے تعلّق کا رہتا ہے۔ اسی مقام کے متعلق حضرت عارف رومی فرماتے ہیں۔

بادہ دَر جوششِ گدائے جوشِ ماست
چرخ دَر گردشِ اسیرِ ہوشِ ماست

میرے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا حال تحریر فرمایا تھا کہ حضرت! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں دُنیا کی زمین پر نہیں آخرت کی زمین پر چلتا پھرتا ہوں۔ دُنیا کے مشاغل استحضارِ آخرت سے مانع نہیں ہوتے۔ حق تعالیٰ کے ساتھ قوی رابطہ قلب میں جب راسخ ہوجاتا ہے تو یہی کیفیت ہوجاتی ہے اور بعض وقت عارفین پر خاص نفحاتِ کرم بھی غیب سے آتے رہتے ہیں ان خاص لمحات کی کیفیت اور لُطف کو الفاظ بیان نہیں کرسکتے۔ بس جس روح پر ان نفحات کا نزول ہوتا ہے وہی جانتی ہے اور لُطف اندوز ہوتی ہے۔

جب کبھی وہ ادھر سے گذرے ہیں
کتنے عالم نظر سے گذرے ہیں　　(عارفیؔ)

حق تعالیٰ کی محبت میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر عجیب حالت طاری ہوگئی۔ حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسی شورش دیوانگی طاری تھی کہ آپ کی آہوں سے لوگوں کے کلیجے منہ کو آجاتے تھے۔ محبت میں بجز نالہ وفریاد کے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

نعرۂ مستانہ خوشں می آیدم　　تا ابد جاناں چنیں می بایدم

گریہ وزاری اور تضرع سے حق تعالیٰ کا راستہ بہت جلد طے ہوتا ہے اس قدر قرب ہوتا ہے کہ سالہا سال کے مجاہدے سے وہ بات نصیب نہیں ہوتی۔

جُز خضُوع و بندگی و اضطرار　اندریں حضرت ندارد اعتبار

چُوں خُدا خواہد کہ ما یاری کُند　میل ما را جانبِ زاری کُند

نالم و ترسم کہ او باور کُند　از کرم آں جَور را کمتر کُند

نالم اُو را نالہا خوش آیدش　از دو عالم نالہ و غم بایدش

اے جلیل اشکِ گنہ گار کے اک قطرہ کو
ہے فضیلت تری تسبیح کے سو دانوں پر

محبّت کا سب سے بڑا انعام یہی تڑپ ہے۔

تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے　یہی بس محبّت کا انعام ہے

(حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ)

جب حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جوشِ عشق حد سے گذر گیا اور آپ کی آہ و زاری سے مخلوق عاجز ہوگئی تو رندوں کی ایک جماعت نے آپ کو قید خانہ میں بند کر دیا۔

حسن جب مقتل کی جانب تیغِ برّاں لے چلا
عشق اپنے مجرموں کو پابجولاں لے چلا

حضرت ذوالنّون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب قید خانہ کی طرف خوش خوش جانے لگے تو آپ کے دوست بھی بطورِ ہمدردی ساتھ چل دیئے۔ جب آپ کو قید خانہ میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا تو دوستوں نے غور و فکر شروع کیا کہ آخر کیا ماجرا ہے کہ اتنا بڑا شیخ باطن قید خانے میں محصور کر دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مہتابِ باطن کو ابرِ جنون سے چھپانا چاہتے ہیں اور عوام کے شر سے بچنے کے لئے یہ صورت اختیار کی ہے یا عاقلوں کی صحبت سے متوحّش ہو کر خود کو دیوانہ بنا لیا ہے۔ آخر کار ان سب نے زنداں کی سلاخوں کے قریب آکر عرض کیا کہ

حضور! ہم سب آپ کے مخلص دوست ہیں اور آپ کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے ہیں اور حیران ہیں کہ کس نے آپ پر جنون کا الزام لگا دیا۔ آپ تو دریائے عقل ہیں۔ یہ اہلِ ظاہر آپ کے مقامِ قرب اور رفعتِ باطن سے ناواقف ہیں اور آپ کو مجنون و دیوانہ سمجھتے ہیں حالانکہ آپ عاشقِ حق ہیں۔ ہم لوگ آپ کے سچے محب اور دوست ہیں اور دونوں عالم میں بہت آپ کو عزیز رکھتے ہیں۔ براہِ کرم ہم پر اس راز کا انکشاف فرما دیجئے کہ آپ اس قید خانہ میں اپنی جان کو کیوں ضائع فرما رہے ہیں۔ راز کو اپنے دوستوں سے نہیں چھپایا کرتے۔

حضرت شیخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی گفتگو میں بوئے اخلاص محسوس نہ کی پس امتحانِ اخلاص کے لیے ان کی طرف پتھر اٹھا کر دوڑے جیسے کہ پاگل وحشت میں لوگوں کو مارنے کے لیے دوڑتا ہے۔ یہ معاملہ دیکھتے ہی وہ لوگ چوٹ کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کا یہ گریز دیکھ کر شیخ نے ان کے اعتقاد و محبت پر قہقہہ لگایا اور فرمایا کہ اس درویش کے دوستوں کو تو دیکھو۔ ارے نادانو! تم محبت و دوستی کو کیا جانو۔

کے کراں گیرد ز رنجِ دوست دوست
رنج مغز و دوستی او را چو پوست (رومی)

ترجمہ: سچا دوست دوست کے رنج و تکلیف سے کب کنارہ کشی کرتا ہے دوست کی دوستی تو پوست ہے اور دوست کی طرف سے رنج و تکلیف اصلی مغز ہے

دوست ہمچو زر بلا چوں آتش است
زرِ خالص در دلِ آتش خوش است (رومی)

ترجمہ : دوست مثل سونے کے ہے اور بلا ومصیبت مثل آگ کے ہے اور خالص سونا آگ کی تکلیف میں اور چمکتا ہے اور خوش ہوتا ہے اور عاشقین خام کا یہ حال ہوتا ہے ۔

تو بیک زخمے گریزانی زِ عشق
تو بجز نامے نمی دانی زِ عشق (رومی)

ترجمہ : اے مخاطب! جب ایک ہی زخم سے تو عشق سے مستعفی ہو گیا اور راہِ فرار اختیار کرلی تو معلوم ہوا کہ تجھے ابھی عشق کی ہوا بھی نہیں لگی تو نے صرف عشق کا نام سُن رکھا تھا۔ پس محبّت کا راستہ آسان نہیں ہے قلب و جگر خون کرنا پڑتے ہیں تب یہ راستہ طے ہوتا ہے ۔

نازپروردہ تنعم نبرد راہ بدوست
عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

ترجمہ : دوست کے راستہ کو ناز و نعمت کا پلا ہوا کیا طے کرے گا۔ ارے! عاشقی تو رندانِ بلاکش کا کام ہے جو حق تعالیٰ کے راستہ کی ہر مصیبت جھیلنے کو تیار رہتے ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مردانہ وار قدم رکھنا چاہیے۔ بقول ہمارے ایک بزرگ بابا صاحب مجازِ صحبت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ مان لے اور ٹھان لے یعنی پہلے دل میں حق تعالیٰ کے ساتھ رابطہ و محبّت قائم کرے پھر ٹھان لے کہ ان کی راہ میں جو تکلیفیں پڑیں گی اٹھاؤں گا۔ دُنیا کی تجارت و ملازمت کے لیے لوگ کیا کیا مصائب جھیلتے ہیں۔ یہ سودا تو آخرت کا ہے۔

حکایتِ علاجِ عشقِ مجازی

ایک طالبِ حق اصلاحِ نفس کے لئے ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور شیخ کے تجویز کردہ ذکر اور شغل کو اہتمام سے کرنے لگے لیکن جو کنیز شیخ کے گھر سے ان کے لئے کھانا لایا کرتی تھی اس پر بار بار نگاہ ڈالنے سے ان کے دِل میں اس خادمہ کا عشق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ جب وہ کھانا لے کر آتی یہ کھانے کی طرف متوجّہ ہونے کے بجائے اسی کو عاشقانہ نظروں سے گھورتے رہتے۔ وہ خادمہ بھی اللہ والی تھی۔ اُس کو شبہ ہوا کہ یہ شخص مجھے بُری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ بدنگاہی کی ظلمت کا اس خادمہ کے نورانی قلب نے ادراک کر لیا اور اس نے شیخ سے عرض کیا کہ حضور آپ کا فلاں مرید میرے عشق میں مُبتلا ہو گیا ہے۔ اس کو ذکر اور شغل سے اب کیا نفع ہو گا؟ پہلے آپ اس کو عشقِ مجازی سے چھڑائیے۔

اللہ والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ وُہ اپنے احباب و متعلّقین و خدّام کو حتی الامکان رُسوا نہیں فرماتے اور یہ حضرات کسی کی بُری حالت سے مایوس نہیں ہوتے کیونکہ یہ عارف ہوتے ہیں ان کی نظر حق تعالیٰ کی عطا اور فضل پر ہوتی ہے اور عطائے حق کا یہ حال ہے۔

جوش میں آئے جو دریا رحم کا — گبرِ صد سالہ ہو فخرِ اولیاء

تم کسی کافر کو مت جانو حقیر — رحمتِ حق کیا عجب ہو دستگیر

خاتمہ ہونے سے پہلے ہے اُمید — کافر و مُشرک ہوئے ہیں بایزید

(من فیوضِ مرشدیؒ)

چنانچہ شیخ نے باوجود علم کے نہ اس مرید کو ڈانٹا اور نہ اپنے اس علم کا اظہار کیا! البتہ دِل کو فکر لاحق ہوگئی کہ اس کو عشقِ مجازی سے کس طرح نجات حاصِل ہو۔

حق تعالیٰ کی طرف سے ایک تدبیر الہام ہوئی جس پر آپ نے عمل فرمایا اور اس خادمہ کو اسہال کی دوا دے دی اور ارشاد فرمایا کہ تجھ کو جتنے دست آئیں سب کو ایک طشت میں جمع کرتی رہنا۔ یہاں تک کہ اس کو بیس دست ہوئے جس سے وہ انتہائی کمزور اور لاغر ہوگئی۔ چہرہ پیلا ہوگیا آنکھیں دھنس گئیں رُخسار اندر کو بیٹھ گئے۔ ہیضہ کے مریض کا چہرہ جس طرح خوفناک ہوجاتا ہے خادمہ کا چہرہ بھی ویسا ہی پُرخوف و مکروہ ہوگیا اور تمام حُسن جاتا رہا۔ شیخ نے خادمہ سے ارشاد فرمایا کہ آج اس کا کھانا لے کر جا اور خود بھی آڑ میں چھپ کر کھڑے ہوگئے۔ مرید نے جیسے ہی خادمہ کو دیکھا تو کھانا لینے کے بجائے اس کی طرف سے چہرہ پھیر لیا اور کہا کہ کھانا رکھ دو۔ شیخ فوراً آڑ سے نکل آئے اور ارشاد فرمایا کہ اے بے وقوف آج تو نے اس خادمہ سے رُخ کیوں پھیر لیا۔ اس کنیز میں کیا چیز کم ہوگئی جو تیرا عشق آج رخصت ہوگیا۔ پھر شیخ نے خادمہ کو حکم دیا کہ وہ پاخانے کا طشت اُٹھا لا۔ جب اس نے سامنے رکھ دیا تو شیخ نے مرید کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ اے بیوقوف اس خادمہ کے جسم سے سوائے اتنی مقدار پاخانہ کے اور کوئی چیز خارج نہیں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ تیرا معشوق درحقیقت یہی پاخانہ تھا جس کے نکلتے ہی تیرا عشق غائب ہوگیا۔

از مثنوی احقر اختر

خادمہ کے جسم سے کیا کم ہوا　　　دیکھ کر کیوں آج تجھ کو غم ہوا

جسم سے کیا چیز رخصت ہوگئی — جس سے تجھ کو اتنی نفرت ہوگئی
شیخ نے پھر طشت دکھلایا اسے — جو بھرا تھا خادمہ کے دست سے
اور کہا کہ دیکھ اے طالب اسے — صرف یہ نکلا ہے اس کے جسم سے
پس ترا معشوق یہ پاخانہ تھا — تو اسی کا آہ بس دیوانہ تھا
حسن جب مسہل سے پھیکا پڑ گیا — عشق کا بازار ٹھنڈا پڑ گیا

شیخ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تجھ کو اس جاریہ سے محبت تھی تو اب وہ محبت نفرت سے کیوں تبدیل ہوگئی۔

خادمہ سے عشق تھا تجھ کو اگر — عشق کیوں جاتا رہا اے بے خبر

عشقِ مجازی کا پلید ہونا شیخ کی اس تدبیر سے اچھی طرح اس شخص پر واضح ہوگیا اور اپنی حرکت پر بہت شرمندہ ہوا اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بصد گریہ و زاری صدقِ دل سے توبہ کی اور عشقِ حقیقی کی دولت سے مالا مال ہوگیا۔

طالبِ حق ہوگیا بس منفعل — اپنی غلطی پر ہوا بے حد خجل
رستگاری نفس کی زنجیر سے — پا گیا مرشد کی اک تدبیر سے (اختر)

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ اس حکایت سے یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! جس گھونگر والی زلف مشکبار پر آج تم فریفتہ ہو یہی زلف ایک دن تم کو بڈھے گدھے کی دم کی طرح بری معلوم ہوگی۔

زلفِ جعد و مشکبارِ عقل بر — آخر او دمِ زشتِ پیرِ خر (رومی)

ترجمہ: گھونگر والی مشکبار اور عقل و ہوش اڑانے والی زلف آخر کار پیری میں بڈھے گدھے کی دم کی طرح بری معلوم ہوتی ہے۔

نرگسِ چشمِ خماری ہمچو جاں — آخر اعمش بین و آب از وے چکاں (رومی)

ترجمہ : آج جس چشمِ خمار آلود پر جان قربان کر رہے ہو اس کا انجام بڑھاپے میں دیکھو کہ اسی آنکھ سے گندہ پانی ٹپکتا ہے اور چوندہ پن کا مرض ہو جاتا ہے۔

کودکے از حسن شد مولائے خلق — بعدِ پیری شد خرف رسوائے خلق (رومی)

ترجمہ : ایک حسین بچے کو دیکھو کہ حُسن کی وجہ سے وہ مخلوق کا سردار اور مولیٰ بنا ہوا ہے لیکن جب بوڑھا ہو گیا تو مخلوق میں بے قدر پھر رہا ہے۔

روز دیدی طلعتِ خورشیدِ خوب

مرگ او را یاد کن وقتِ غروب (رومی)

ترجمہ : طلوع کے وقت آفتاب کو کیسا خوش نما دیکھتے ہو لیکن اس کی موت کو یاد کرو ڈوبنے کے وقت۔

بدر را دیدی بریں خوش چار طاق

حسرتش را ہم ببیں اندر محاق (رومی)

ترجمہ : چودھویں کے چاند کو آسمان پر کیسا خوش نما دیکھتے ہو لیکن اس کی حسرت کو دیکھو جب وہ گھٹنے لگتا ہے۔

اے بدیدہ لوتہائے چرب خیز — فضلۂ آں را ببیں در آب ریز (رومی)

ترجمہ : اے شخص تو عُمدہ غذاؤں کی تازگی اور حُسن پر فریفتہ ہے لیکن بیتُ الخلاء میں اس کے فُضلہ کو جا کر دیکھ کہ کیا نتیجہ ہے؟

زادہ دنیا چو دنیا بے وفا است — گرچہ رو آرد بتو آں رو قفا است (رومی)

ترجمہ : اہلِ دُنیا مثلِ دُنیا کے بے وفا ہیں۔ اگر یہ تمھاری طرف چہرہ کریں

تو سمجھ لو یہ چہرہ نہیں سر کا پچھلا حصہ ہے۔

عشقِ پاکاں دَرمیانِ جاں نشاں

دِل مَدِہ اِلّا بمہرِ دِل خوشاں (رومی)

ترجمہ: جب دُنیا اور اہلِ دنیا کی بے وفائی معلوم ہو گئی تو پاک بندوں یعنی اللہ والوں کی محبّت دِل میں قائم کرو اور دِل کسی سے مت لگاؤ لیکن صرف اللہ تعالیٰ کے مقبول اور خاص بندوں سے۔

علامت مقبول عند اللہ ہونے کی یہ ہے کہ ان بندوں کے پاس بیٹھ کر دِل دُنیا سے بے رغبت ہونے لگے اور حق تعالیٰ کی طرف مائل ہونے لگے اور ظاہری طور پر یہ شخص متبع سُنّت ہو اور کسی بزرگ متّبع سُنّت کا صحبت یافتہ و اجازت یافتہ ہو۔ ان خوبیوں کے بعد پھر ہرگز اس میں کشف و کرامت مت تلاش کرو کہ کشف و کرامت امرِ غیر اختیاری ہے اور اُمورِ غیر اختیاریہ کو قبولیّت اور عدمِ قبولیّت سے کوئی تعلّق نہیں ہوتا۔ قُرب یا عدمِ قُرب کا مدار اللہ نے امورِ غیر اختیاریّہ پر نہیں رکھا ورنہ نعوذ باللہ اعتراض لازم آتا کہ بندوں کے اختیار سے زیادہ ان پر تکلیفِ شرعی کا بار رکھا گیا۔ خوب سمجھ لیا جاوے۔ (ہٰذا من فیوضِ مرشدیؒ)

حسنِ مجازی کی حقارت و فنائیت اور ناقابلِ التفات ہونے پر احقر نے ابھی ابھی ایک نظم لکھی ہے جس کا عنوان کلامِ عبرتناک برائے عشقِ ہوسناک ہے افادۂ قارئین کے لئے درج کرتا ہوں حق تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمادیں اور خلق کے لئے نافع فرمادیں۔ آمین۔

کلامِ عبرتناک برائے عشقِ ہوسناک

از احقر اختر

وہ زلفِ فتنہ گر جو فتنہ ساماں تھی جوانی میں
دُمِ خر بن گئی پیری سے وہ اس دارِ فانی میں

جو غمزہ شہرۂ آفاق تھا کل خونفشانی میں
وہی عاجز ہے پیری سے خود اپنی پاسبانی میں

سنبھل کر رکھ قدم اے دل بہارِ حُسنِ فانی میں
ہزاروں کشتیوں کا خون ہے بحرِ جوانی میں

ہماری موتِ رُوحانی ہے عشقِ حُسنِ فانی میں
حیاتِ جاوداں مُضمر ہے دِل کی نگہبانی میں

جو عارض آہ رشکِ صد گلستاں تھا جوانی میں
وہ پیری سے ہے ننگِ صدخزاں اس باغِ فانی میں

جو ابرو اور مژگاں قتل گاہِ عاشقاں تھے کل
وہ پیری سے ہیں اب مژگانِ خر کیچڑ روانی میں

وہ جانِ حُسن جو تھا حکمراں کل بادشاہوں پر
ہے پیری سے بغاوت آج اس کی حکمرانی میں

محبّت بندۂ بے دام تھی جس روئے تاباں کی
زوالِ حُسن سے نادم ہے اپنی جانفشانی میں

وہ نازِ حسن جو تھا زینتِ شعر و سخن کل تک
وہ اب پیری سے ہے محصور کیوں ریشہ دوانی میں

کہاں کا پردۂ محمل کہاں کی آہِ مہجوری
وہ بت پیری سے رسوا ہے غبارِ شُتربانی میں

شبابِ حُسن کی رعنائیاں صُبحِ گلستاں ہے
مگر انجامِ گلشن دیکھ شامِ باغبانی میں

وہ جانِ نغمۂ عشّاق اور جانِ غزل گوئی
ہے پیری سے گل افسردہ بہارِ شعر خوانی میں

ہزاروں حُسن کے پیکر لحد میں دفن ہوتے ہیں
مگر عشّاقِ ناداں مُبتلا ہیں خوش گمانی میں

اگر ہے عشق تو بس عشقِ حق لایزل باقی
محبّت عارضی ہوتی ہے عشقِ حُسنِ فانی میں

نہ کھا دھوکا کسی رنگینئ عالم سے اے اختر
محبت خالقِ عالم سے رکھ اس دارِ فانی میں

فائدہ: حاصلِ قصّہ یہ ہے کہ وہ طالبِ حق عشقِ مجازی کے فتنہ سے موت تک نجات نہ پاتا لیکن ایک مقبول بندے کی صحبت کے فیض سے اُسے اس پلیدی سے نجات مل گئی۔ اسی مضمون کو حضرت مولانا عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا راستہ نری عقل سے طے نہیں کیا جا سکتا۔ کسی اللہ والے کی صحبت میں اصلاح کی غرض اور نیّت سے حاضری ضروری ہے اگر مقبولین کاملین

کی اطاعت سے جی چراؤ گے تو ہمیشہ ناقص رہو گے اور کمال نصیب نہ ہو گا۔ چنانچہ شیخ بُو علی سینا شیخُ الفلاسفہ ہونے کے باوجود موت کے وقت عقل کو بے ساز و سامان دیکھتا تھا اور محض بے نتیجہ و بے فائدہ کہتا تھا اور اقرار کرتا تھا کہ ہم نے عقل و ذکاوت کا گھوڑا فضول دوڑایا اور ذہانت و ذکاوت کے دھوکے میں آکر اہلِ اللہ کی اطاعت نہ کی اور خیالی سمندر میں تیرتے رہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ بحرِ معرفت میں تیرنا عقل و ذکاوت سے کام لینا بالکل بیکار ہے وہاں تو کشتی نوحؑ یعنی اعانتِ اہل اللہ کی ضرورت ہے۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان نے عقل کا گھوڑا دوڑایا کہ مجھ کو اس طوفان سے اونچے اونچے پہاڑ بچالیں گے اور خدائی کشتی کو حقیر سمجھا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ وہ معمولی کشتی فضلِ الٰہی کے سبب طوفان سے محفوظ رہی اور اونچے اونچے پہاڑوں پر طوفان پہنچ گیا اور کنعان ہلاک ہو گیا۔

ضُعفِ قُطب دَر تَنْ بُوَد دَر رُوح نے

ضُعف دَر کِشتی بُوَد دَر نُوح نے (رومیؒ)

پس مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ تم چونکہ صحیح نظر نہیں رکھتے اس لئے اہل اللہ کی محبت اور ان کی اطاعت کی کشتی تم کو حقیر معلوم ہوتی ہے اور اہلِ یورپ کی تقلید میں عقل کے پہاڑ کو بہت بڑا سمجھتے ہو۔ لیکن خبردار! اس بظاہر حقیر کشتی کو واقع میں حقیر مت سمجھنا یعنی اہل اللہ اکثر پھٹے پرانے لباس میں ہوتے ہیں اور سادہ زندگی گذارتے ہیں تو ان کی سادگی کی وجہ سے ان کو حقیر مت سمجھنا بلکہ حق تعالیٰ کے اس فضل کو دیکھنا جو ان کے شاملِ حال ہے۔ اس واصل بحق کشتی کی جلالتِ شان

پر نگاہ رکھو کوہِ عقل کی بلندی پر نظر نہ کرو۔ کیونکہ قہرِ خداوندی کی ایک موج اِس کوہ کو زیر و زبر کر سکتی ہے لیکن وہ کشتی جو رحمت کے سایہ میں چل رہی ہے اس کی ظاہری طاقت و جسامت کو مت دیکھو کہ یہ کشتی طوفان ہائے نفس و شیطان سے صحیح سلامت گذر جائے گی کیونکہ اس پر قدرت و رحمتِ الٰہیہ کا سایہ ہے۔ اگر اس نصیحت پر عمل نہ کرو گے تو آخر میں تمھیں اپنے قصورِ عقل کا اقرار کرنا پڑے گا اور پچھتانا پڑے گا۔ پس اگر لغزشوں اور برائیوں سے حفاظت مطلوب ہے تو اہل اللہ کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لو۔ پھر تم ٹھوکر نہ کھاؤ گے۔ جو لوگ دین کا راستہ اپنی عقل سے طے کرتے ہیں وہ توبہ شکن ہوتے ہیں۔ ان کی توبہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ شیطان نے ایک پھونک ماری اور ان کی توبہ ٹوٹی۔ لیکن ان کے تکبّر کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اہلُ اللہ کو حقیر سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ تمام زندگی ناقص رہتے ہیں۔ پس اے لوگو! اپنے لئے کوئی راہبر تلاش کرو اور اللہ والوں کی صحبت کو کیمیا سمجھو۔

واقعہ حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ

ایک طالبِ صادق درویش نے حضرت شاہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے طالقان سے خارقان تک کا دور دراز سفر کیا اور درمیانِ سفر مختلف پہاڑوں اور وادیوں سے گذرا۔ طلب و پیاس و محبت سب کچھ کراتی ہے۔

پھرتا ہوں جنگلوں میں کبھی کوئے یار میں
وحشت میں اپنا چاک گریباں کئے ہوئے

اُس درویش کے دِل میں محبت کی ایک تڑپ تھی جو اُس طویل سفر کی مشقتوں کو جھیلنے پر مجبور کر رہی تھی۔ محبت کی شان عجیب ہے۔ ؎

ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینہ میں جیسے کوئی دِل کو ملا کرے ہے

حق تعالیٰ کی محبت میں کیا ہوتا ہے؟ باعتبار فطری مزاج کے ہر ایک پر مختلف اثرات کا ظہور ہوتا ہے۔ ؎

بگوشِ گُل چہ سخن گفتہ کہ خنداں است
بہ عندلیب چہ فرمودہ کہ نالاں است

ترجمہ: پھول کے کان میں آپ نے کیا بات فرما دی جس کی مسرت سے وہ ہنستا رہتا ہے اور بلبل سے آپ نے کیا فرما دیا کہ وہ دردِ عشق سے گریہ وزاری اور نالہ و فغاں میں مشغول ہے۔

جس بندے پر جو حال میاں چاہتے ہیں طاری فرما دیتے ہیں۔ میرے شیخ حضرت شاہ پھولپوری قدس سرہٗ العزیز مجھ سے گاہ گاہ ایک عاشقِ مجذوب کا واقعہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ایک مجذوب کسی دیہات کے رہنے والے تھے۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے باطن پر قبض طاری کر دیا گیا۔ اصطلاحِ تصوف میں قبض اس حالت کو کہتے ہیں کہ دِل پر ایک کیفیت جمود و افسردگی پیدا ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ جو حضوری نصیب رہتی ہے اس میں کمی محسوس ہونے

لگتی ہے. عبادات میں جی نہیں لگتا، ذکر کی لذّت اور کیفیتِ سرور چھین لی جاتی ہے۔ اس حالت کے طاری کرنے میں سالک کی تربیّت اور ترقی مقصود ہوتی ہے کیونکہ اگر ہمیشہ حضور و انشراح اور مشاہدہ کی حالت باقی رہے تو پندار و عُجب پیدا ہوجائے جو اس راہ میں مُوجبِ ہلاکت و خُسران ہے. حق تعالیٰ کو بندوں کے تمام معاصی مبغوض ہیں مگر ان میں تکبّر اور خود بینی سخت ترمکروہ اور مبغوض ہے. قبض کے طاری ہونے سے عاجزی اور شکستگی پیدا ہوتی ہے جو عنداللہ نہایت محبُوب ہے. عبد کے معنی ہی میں ذلّت اور شکستگی داخل ہے لہٰذا بندہ ہوکر تکبّر اور پندار کے نشہ میں چُور رہے یہ انتہائی خسارہ کی بات ہے اور منافیِ عبدیّت ہے۔

زِ خاک آفرِیدت خداوندِ پاک تو اے بندہ اُفتادگی کُن چو خاک

ترجمہ: خداوندِ پاک نے تجھ کو خاک سے پیدا کیا ہے تو اے بندہ! تُو مثلِ خاک کے خاکساری اور عاجزی اختیار کر۔

قبض کی مذکورہ کیفیّت کبھی صدورِ معصیّت سے طاری ہوجاتی ہے کیونکہ گُناہ سے دِل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے عبادات میں جی نہیں لگتا. دونوں صورتوں میں استغفار کی کثرت نہایت مُفید ہے. میرے شیخ حضرت شاہ پھولپوری قدس سرّہ العزیز نے ارشاد فرمایا تھا کہ کتنا ہی شدید قبض طاری ہو قلب میں انتہائی ظلمت اور جمود پیدا ہوگیا ہو اور سالہا سال سے دِل کی یہ کیفیت نہ جاتی ہو تو ہر روز وضو کرکے پہلے دو رکعت نفل توبہ کی نیّت سے پڑھے پھر سجدہ میں جاکر بارگاہِ ربُّ العزّت میں عجز و ندامت کے ساتھ خوب

استغفار کرے پھر اس وظیفہ کو ۳۶۰ مرتبہ پڑھا جاوے۔

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۝

وظیفۂ مذکورہ میں یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ دو اسماءِ الٰہیہ ایسے ہیں جن کے اسمِ اعظم ہونے کی روایت ہے اور آگے وہ خاص آیت ہے جس کی برکت سے حضرت یونس علیہ السلام نے تین تاریکیوں سے نجات پائی۔ پہلی تاریکی اندھیری رات کی دوسری پانی کے اندر کی تیسری مچھلی کے شکم کی۔ ان تین تاریکیوں میں حضرت یونس علیہ السلام کی کیا کیفیت تھی اُس کو خود حق تعالیٰ شانہٗ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وَ ھُوَ کَظِیْمٌ ۝ اور وہ گھٹ رہے تھے۔ کظم عربی لغت میں اس کرب بے چینی کو کہتے ہیں جس میں خاموشی ہو حضرت یونس علیہ السّلام کو اسی آیتِ کریمہ کی برکت سے حق تعالیٰ شانہٗ نے غم سے نجات عطا فرمائی اور آگے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور اسی طرح ہم ایمان والوں کو نجات عطا فرماتے رہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ قیامت تک کے لئے غموں سے نجات پانے کے لئے یہ نسخہ نازل فرما دیا گیا۔ جو کلمہ گو بھی کسی اضطراب و بلا میں کثرت سے اس آیت کریمہ کا وِرد رکھے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ نجات پائے گا۔

اس آیتِ کریمہ میں حق تعالیٰ کی پاکی کا بیان ہے اور اپنی ناپاکی اور نالائقی کا اقرار ہے اور اس اقرار کے اندر اظہارِ ندامت ہے اور ندامت ہی توبہ کی اصل حقیقت و روح ہے۔ اس آیتِ کریمہ کے اوّل و آخر تین تین بار دُرود شریف بھی پڑھ لینا چاہیئے۔

قصّہ یہ چل رہا تھا کہ وہ مجذوب جو ایک دیہات کے رہنے والے تھے۔ ان پر شدید قبض طاری ہوا۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جو قُرب و حضور میسّر تھا مشیّتِ الٰہی نے جب اس آفتابِ قرب پر ابر مُسلّط فرما دیا تو غمِ فراق سے بے چین جنگل جنگل نالہ ہجر کرتے ہوئے اور روتے ہوئے اپنی دیہاتی زبان میں اس بے کیفی اور تلخ ایامی کو اس عنوان سے اپنے مولیٰ کو سُناتے۔ وہ جُملہ ان مجذوب بزرگ کا نہایت دردناک اور عشقناک ہے۔ فرمایا کرتے۔

دَلیا بنا بھتوا اُداس موری سجنی

دَلیا سے مُراد دال ہے۔ بھتوا بھات یکے ہوئے چاول کو کہتے ہیں۔ اداس معنی افسردہ۔ موری معنی میری۔ سجنی۔ محبُوب۔

سلیس ترجمہ یہ ہوا کہ اے میرے محبوب جس طرح دال کے بغیر چاول پھیکا پھیکا اور بے کیف معلوم ہوتا ہے اور لقمہ حلق سے نہیں اترتا اسی طرح میری زندگی کے ایام آپ کی جدائی سے اُداس وافسردہ و بے کیف ہوگئے اور یہ دن کاٹے نہیں کٹتے۔

(۱) اَز غمِ مَا رُوزہا بیگاہ شُد — رُوزہا با سُوزہا ہمراہ شُد (رومیؒ)

(۲) اَز فراقت تلخ شُد ایامِ مَا — دُور شُد اَز جانِ مَا آرامِ مَا (اختر)

ترجمہ نمبر۱: غم سے اپنے ایامِ زندگی بھی مُجھ کو اجنبی محسوس ہو رہے ہیں اور میرے شب و روز سوزِ فراق سے مِل گئے ہیں۔

ترجمہ نمبر۲: اے محبُوب آپ کی جدائی سے میرے ایامِ زندگی تلخ ہوگئے ہیں اور میری رُوح سے میرا آرام و سکون چھین گیا ہے۔

حضرت مرشدی قدس سرہٗ اس واقعہ کو ارشاد فرما کر آبدیدہ ہو جاتے اور ان آنسوؤں سے عجیب کیف ظاہر ہوتا۔ محبت کی باتوں کا لطف تو صاحبِ محبت اور صاحبِ درد ہی محسوس کر سکتا ہے۔ ع

لذّتِ درد کو بے درد بھلا کیا جانے

بہرحال وہ درویش صعوبت و مشقت اٹھاتے ہوئے کسی طرح خارقان پہنچے اور پوچھتے پوچھتے حضرت شاہ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر حاضر ہو کر دستک دی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھر پر موجود نہ تھے۔ ایندھن کے لئے لکڑی لینے جنگل تشریف لے گئے تھے۔ اندر سے شاہ صاحب کی اہلیہ نے پوچھا کون ہے؟ عرض کیا کہ مسافر ہوں اور دور دراز کا سفر طے کر کے حضرت شاہ صاحب کی زیارت کو حاضر ہوا ہوں۔

اہلیہ نہایت بدمزاج اور تُند خو تھیں۔ حضرت شاہ صاحب سے اکثر لڑا کرتی تھیں۔ مسافر کے اس اظہارِ عقیدت پر بہت غضب ناک ہوئیں اور کہا اے شخص! کیا تجھ کو دنیا میں کوئی اور کام نہ تھا کہ اس قدر طویل سفر کی تکلیفیں فضول برداشت کیں اور حضرت شاہ صاحب خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بہت سخت و سُست اور برا بھلا کہا جس کو نقل کرنا بھی گستاخی ہوگی۔ اس طالبِ صادق نے حضرت شیخ کی اہلیہ کی زبان سے جب یہ بدتمیزی کی باتیں سنیں تو تاب نہ لا سکا اور کہا کہ اگر حضرت شیخ سے تم کو نسبت تزوّج کی نہ ہوتی تو ابھی تمہارے جسم کو پارہ پارہ کر دیتا لیکن اتنے بڑے سلطان العارفین کی اہلیہ ہو اس لئے میں کوئی گستاخی نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر پھر محلہ کے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے ہیں۔

کسی نے بتایا کہ وہ قطبِ وقت جنگل سے لکڑیاں لینے گئے ہیں۔ شیخ کی محبت میں وہ مرید جنگل کی طرف چل دیا اور راستہ میں سوچتا جا رہا تھا کہ اتنا بڑا شیخ! ایسی بدخو عورت کو نہ جانے کیوں شرفِ تعلق بخشتا ہے۔ اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا تھا کہ دیکھتا ہے کہ سامنے سے ایک شخص شیر کی پشت پر سوار چلا آ رہا ہے اور لکڑیوں کا گٹھر بھی شیر کی پشت پر رکھا ہوا ہے۔ یہی قطبِ وقت سلطانِ معرفت حضرت شاہ ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔

جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مرید کو دیکھا تو آپ ہنس پڑے اور سمجھ گئے کہ اہلیہ کی سخت باتیں سن کر یہ مغموم اور متردد ہے۔ ارشاد فرمایا ؎

گر نہ صبرم می کشیدے بارِ زن　　　کے کشیدے شیرِ نر بیگارِ من　(رومیؒ)

ترجمہ: اگر میرا صبر اس تندخو عورت کی تلخیاں برداشت نہ کرتا تو یہ شیرِ نر میرا بیگار کیوں اٹھاتا۔

بارِ آں ابلہ کشیم و صد چو او　　　نے زِ عشقِ رنگ و نے سودائے او　(رومیؒ)

ترجمہ: اس بے وقوف عورت کی اور سینکڑوں گراں باریاں مثل اس کے برداشت کرتا ہوں اور یہ مجاہدہ و مشقت صرف خوشنودیِ حق تعالیٰ کے لئے ہے نہ کہ اس بدمزاج عورت کے حسن اور رنگ کے عشق میں ؎

چونکہ با شم در خلائق اے جواں　　　عجب در من آید از تعظیمِ شاں

ترجمہ: چونکہ میں خلق میں محبوب و مقبول ہوں اور مخلوق کی تعظیم سے میرے اندر عجب و خود بینی پیدا ہو جاتی ہے ؎

پس علاجِ عجب ایں زن می کند　　　عجب و کبر از نفس بیروں می کند　(رومیؒ)

ترجمہ: پس میرے تکبر اور پندار و خود بینی کا علاج یہ عورت کیا کرتی ہے۔ یعنی جب یہ میرے ساتھ گستاخی اور بدتمیزی سے پیش آتی ہے تو دماغ سے تمام پندار و تکبر نکل جاتا ہے جو خلق کی تعریف و تعظیم سے پیدا ہوتا ہے اور اس طرح نفس کا عُجب و تکبر سے تزکیہ ہوجاتا ہے۔

حق تعالیٰ تمام عالم کے رب ہیں اور ظاہری و باطنی تمام ربوبیت انہیں کی طرف سے ہوتی ہے۔ پس سالکین کی باطنی تربیت کے لئے غیبی انتظام کیا جاتا ہے اور کم و بیش ہر سالک کے ساتھ بقدر اُس کے ظرف کے تحمّل کے مُطابق حزن و غم کا مُعاملہ کیا جاتا ہے۔ انسان کا نفس خواہ کتنا ہی مُزکّیٰ اور مُصفّٰی ہوجاوے لیکن اس کی سرشت کے عود کا ہر وقت خطرہ ہے۔

نفسِ فرعونی است ایں سیرش مکن ۔۔۔ تا نیاید یاد زاں کفرِ کہن (رومی)

ترجمہ: نفس کی اصل سرشت فرعون جیسی ہے پس اس کو سیر مت کرو کیونکہ جہاں یہ بے فکر ہوا اس کو اپنا پرانا کفر یاد آنے لگے گا یعنی تمام رذائل عُجب و کبر وغیرہ پھر جوش مارنے لگیں گے۔

میرے مُرشد حضرت شیخ پھولپوری قدس سرہٗ العزیز نے مجھ سے ایک بزرگ کا واقعہ ارشاد فرمایا تھا کہ ان بزرگ کی خادمہ نے جب ایک زمانہ ان کو مُرغ کھاتے ہوئے اور عُمدہ لباس پہنے ہوئے دیکھا تو ایک دِن اس کے قلب میں اشکال پیدا ہوا کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جو ہمیشہ عیش و آرام سے رہتے ہیں اور کبھی کوئی تکلیف نہیں اٹھاتے۔ اس سادہ دِل لونڈی نے اپنا یہ اشکال ان بزرگ پر بھی ظاہر کردیا اور عرض کیا کہ حضور میں نے سُنا ہے کہ بزرگانِ دین بڑے بڑے مجاہدے کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کے راستہ میں بڑے بڑے مصائب جھیلتے ہیں تب کہیں ان کو باطنی دولت ولایت کی عطا ہوتی ہے اور آپ کو میں ہمیشہ مُرغ کھاتے ہوئے اور عُمدہ لباس پہنے ہوئے دیکھتی ہوں۔

خادمہ کی یہ باتیں سُن کران بُزرگ نے ایک آہ کھینچی اور ارشاد فرمایا کہ میری پُشت سے کپڑا اٹھاؤ۔ کپڑا اٹھایا تو دیکھا کہ پُشت پر ایک ناسور ہے جس سے ہر وقت پیپ بہا کرتی ہے اور یہ تکلیف ہر وقت رہتی ہے۔ یہ دیکھ کر خادمہ بہت شرمندہ ہوئی اور اپنے فاسد خیال کی معذرت چاہی۔

پس اللہ والے اپنی مجالس میں کبھی مزاح بھی فرماتے ہیں۔ عُمدہ لباس بھی پہنتے ہیں کبھی عُمدہ کھانے بھی کھاتے ہیں احباب کی دعوتیں بھی قبول فرماتے ہیں۔ خَلق ان کے ہاتھ پاؤں چومتی ہے مگر ان کے دل سے پُوچھو کہ کیا گذر رہی ہے ؎

ہنسی بھی ہے میرے لب پہ ہر دم اور آنکھ بھی میری تر نہیں ہے
مگر جو دل رو رہا ہے پیہم کسی کو اس کی خبر نہیں ہے

(خواجہ صاحبؒ)

فائدہ : اس حکایت میں اس امر کی تعلیم ہے کہ غیر اختیاری طور پر اگر کوئی مصیبت یا تکلیف لاحق ہو جائے تو گھبرانا نہ چاہیئے کیونکہ اس تکلیف و صدمہ پر جو نعمت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو گی وہ اس تکلیف سے بدرجہا بہتر ہو گی اور کبھی یہ چھوٹی بلا کسی بڑی بَلا سے نجات کا ذریعہ ہوتی ہے جیسے کہ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ اہلیہ کی بدمزاجی عُجب و کبر جیسی مہلک بَلا سے نجات کا ذریعہ ہو گئی

البتہ تکلیف و مصیبت طلب نہ کرنی چاہیئے بلکہ عافیت کی درخواست کرتا رہے کہ اے اللہ! ہم ضعیف ہیں تحمّل کی قوّت نہیں۔ آپ سے عافیّت کا سوال کرتا ہوں۔ مانگے تو عافیّت ہی پھر جس حال میں میاں رکھیں راضی رہے اور مصیبت کے دور ہونے کی تضرّع کے ساتھ دُعا کرتا رہے۔

حکایتِ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی صدی کے بہت بڑے آدمی گذرے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی معرفت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔ ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے تھے۔ محمد خوارزم شاہ کے حقیقی نواسے تھے۔ چھ سال کی عمر میں جب آپ کے والد آپ کو حضرت بابا فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں لے گئے تو حضرت خواجہ عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مثنوی اسرار نامہ آپ کو تبرکاً ہدیہ دی اور آپ کے والد صاحب سے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن غلغلہ بلند کرے گا۔

چند سال بعد مولانا تکمیلِ علوم کے لئے شام تشریف لے گئے اور دمشق میں سات سال تک تحصیلِ علوم وفنون کرتے رہے۔ تمام مذاہب سے واقف تھے۔ علمِ کلام، علمِ فقہ اور اختلافیات میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ فلسفہ وحکمت و تصوف میں اس وقت ان کی نظیر نہ تھی۔ تحصیلِ علوم کے بعد مولانا رومؒ درس وتدریس میں مشغول ہو گئے لیکن مولانا کو درسِ عشق ومعرفت کے لئے پیدا کیا گیا تھا ان کے قلب میں آتشِ عشق ودیعت فرمائی گئی تھی اور عاشقوں کا درس ذکرِ محبوب اور ان کا مدرس حسنِ دوست ہوتا ہے اسی لئے ان کے درس کی یہ شان ہوتی ہے ؎

درسِ شاں آشوبِ چرخ و زلزلہ
نے زیادات است و باب و سلسلہ
(رومیؒ)

ترجمہ : عاشقوں کا درس محبوبِ حقیقی کی یاد میں گریہ وزاری اور وجد ورقص ہے نہ کہ زیادات وباب وسلسلہ (کتب معقولات) کا پڑھانا ہے۔

آں طرف گو عشق می افزود درد ۔ بوحنیفہ شافعی درسے نہ کرد (رومیؒ)

ترجمہ : فقہ شریعتِ مقدسہ کے لئے جس طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وحضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پیدا کئے گئے اسی طرح فقہ طریق عشق کے لئے حق تعالیٰ نے مولانا روم کو پیدا فرمایا۔ ع

عاشقاں را شد مدرس حسنِ دوست (رومیؒ)

ترجمہ : عاشقوں کے لئے محبوب کا حسن ہی مدرس ہوتا ہے یعنی بدون مطالعہ کتب غیب سے علوم القاء ہوتے ہیں۔

بینی اندر خود علومِ انبیاء ۔ بے کتاب بے معید و اوستا (رومیؒ)

ترجمہ : اگر حق تعالیٰ کے ساتھ قلب میں صحیح رابطہ نصیب ہوجاوے تو بدون کتاب اور استاد کے علوم نبوت کا فیضان قلب میں موجزن دیکھو گے

خم کہ از دریا درو راہے بود ۔ پیشِ او جیحونہا زانو زنند (رومیؒ)

ترجمہ : وہ مٹکا جس کو سمندر سے رابطہ نصیب ہوجاوے اس کے سامنے جیحون جیسے بہت سے دریا زانوئے ادب طے کریں گے کیونکہ دریائے جیحون تو خشک ہوسکتا ہے لیکن یہ چھوٹا سا مٹکا جس کا رابطہ سمندر سے قائم ہوگیا ہے باوجود اپنی افاضیت و افادیت مستمرہ کے کبھی خشک نہ ہوگا۔ اسی طرح وہ عارف باللہ جس کے قلب کو حق تعالیٰ سے صحیح تعلق نصیب ہوگیا اس کے سامنے بڑے بڑے علماء ظاہر زانوئے ادب طے کرتے ہیں۔ اسی مضمون کو ایک بزرگ مولانا محمد احمد صاحبؒ یوں بیان فرماتے ہیں۔

کسی نے اپنے بے پایاں کرم سے　　مجھے خود کر دیا رُوح المعانی
جو آسکتا نہیں وہم و گماں میں　　اسے کیا پا سکیں لفظ و معانی

حق تعالیٰ شانُہٗ اگر بندوں کی ہدایت کا سامان نہ فرمائیں تو کسی کو ہدایت نہ ہو قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور تڑپ اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب حق تعالیٰ اپنی طرف جذب فرماتے ہیں لہٰذا کسی کو اپنی کسی حالت پر ناز نہ ہونا چاہیئے کہ یہ درد و محبت اور سوز و گداز انہیں کے جذب کا صدقہ ہے ؎

مری بے تابیٔ دِل میں انہی کا جذب پنہاں ہے
مرا نالہ انہی کے لُطف کا ممنونِ احساں ہے　(اختؔر)

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ جس درس کے لئے پیدا کئے گئے تھے اس کا غیب سے سامان شروع ہوگیا۔ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ میں عشق و معرفت کا جو سمندر موجزن تھا وہ اپنے جواہرات باہر بکھیرنے کے لئے زبانِ عشق کا متلاشی ہوا۔ دُعا کی کہ اے اللہ اپنی محبت کا جو خزانہ آپ نے میرے سینہ میں رکھا ہے اپنا کوئی ایسا خاص بندہ عطا فرمائیے جس کے سینہ میں اس امانت کو منتقل کر دوں اور وہ بندہ زبانِ عشق سے میرے اسرارِ مخفیہ کو قرآن و حدیث کے انوار میں بیان کرے۔ دُعا قبول ہوگئی حکم ہوا کہ روم جاؤ وہاں تمہیں جلال الدین رومی ملیں گے ہم نے انہیں اس کام کے لئے منتخب کرلیا ہے ؎

غیب سے ساماں رومی کا ہوا　　شمس تبریزی نے کی حق سے دعا
اے خدا جو آگ میرے دل میں ہے　　جو تڑپ اس نیم جاں بسمل میں ہے
اے خدا مِلتا کوئی بندہ مجھے　　جو صحیح معنوں میں ہو لائق ترے

وقت رخصت کا ہے اب میرا قریب
کس کو سونپوں یہ امانت اے حبیب

پس اچانک غیب سے آتی صدا
شمس تبریزی تو فوراً روم جا

مولوی رومی کو کر مولائے روم
اس کو فارغ کر تو از غوغائے روم

اس آوازِ غیبی کو سنتے ہی حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روم کی طرف روانہ ہو گئے اور قونیہ تشریف لائے جہاں برنج فروشوں کی سرائے میں قیام فرمایا۔ سرائے کے دروازہ پر ایک چبوترہ تھا جس پر اکثر عمائد آکر بیٹھتے تھے۔ اسی جگہ مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ہوئی اور اکثر صحبت رہنے لگی۔ حضرت تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت سے مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حالت میں تغیر پیدا ہو گیا اور جب عشقِ حقیقی نے اپنا پورا اثر کر دیا تو مولانا پر مستی و وارفتگی غالب رہنے لگی۔ درس تدریس وعظ و پند کے اشغال چھوٹ گئے۔ حضرت شمس الدین تبریزیؒ کی صحبت سے ایک لمحہ کو جدا نہ ہوتے تھے۔ تمام شہر میں ایک شورش مچ گئی۔

مولانا فرماتے ہیں:

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم (رومی)

ترجمہ: اے محبوبِ حقیقی! آپ کی محبت میں مجھ کو نعرۂ مستانہ بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔ قیامت تک اے محبوب میں اسی دیوانگی و وارفتگی کو محبوب رکھتا ہوں۔

ہر چہ غیرِ شورش و دیوانگی است
در رہ او دوری و بیگانگی است (رومی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی محبت و شورش کے علاوہ دنیا کے تمام افسانے دوری

اور بے کلی کے مصداق ہیں۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حالت بمصداق اس شعر کے ہوگئی۔

دلِ مُضطرب کا یہ پیغام ہے　　ترے بِن سکوں ہے نہ آرام ہے
تڑپنے سے ہم کو فقط کام ہے　　یہی بس محبّت کا انعام ہے

(مولانا محمد احمدؒ)

جب مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ پر عشقِ الٰہی کا یہ اثر ظاہر ہوا تو شہر میں یہ فتنہ اُٹھا کہ شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان پر جادو کر دیا ہے۔ فتنہ کے ڈر سے حضرت تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چپکے سے دمشق چل دیئے۔ آپ کی مفارقت سے مولانا کو بے حد صدمہ ہوا۔ ان کی بے چینی دیکھ کر کچھ لوگ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو واپس بُلا لائے لیکن تھوڑے دن رہ کر وہ پھر کہیں غائب ہو گئے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے شہید کر ڈالا۔ پیر کی اس مفارقت سے مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انتہائی بے چین ہو گئے زندگی تلخ ہوگئی۔

اَز فِراقت تلخ شُد اَیّامِ مَا　　دُور شُد اَز جانِ مَا آرامِ مَا　　(اخترؔ)

ترجمہ: اے محبوب آپ کی جدائی سے میرے ایّامِ زندگی تلخ ہو گئے اور میری جان سے میرا آرام چھن گیا۔

اَز دُفورِ غم بروں آید فغاں　　نالہ عشقم رود تا آسماں　　(اخترؔ)

ترجمہ: اے محبوب آپ کی جدائی کے غم سے نالۂ فراق لبوں سے باہر نکلا جاتا ہے اور میرے نالہائے عشق آسمان تک جا رہے ہیں۔

اے صبا پیغامِ دُور اُفتادگاں   اَز کرم بر شاہِ جانِ ما رساں (اختر)

ترجمہ : اے صبا! اس دور افتادہ عاشق کا پیغام براہ کرم میرے محبوب شیخ تک پہنچا دے۔

لطفِ تو چوں یاد می آید مرا   بوئے تو جانم بجوید در سرا (اختر)

ترجمہ : اے محبوب! آپ کی مہربانی جو حیات میں مجھ پر ہوا کرتی تھی مجھ کو جب یاد آتی ہے تو میری جان آپ کی خوشبو کو اس جہان میں دیوانہ وار ڈھونڈتی ہے۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر ان کے پیر حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فیضِ صحبت نے کیا اثر کیا تھا اس کا پتہ مثنوی سے چلتا ہے۔ مثنوی معنوی میں مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبان مبارک سے جو ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار نکلے ہیں وہ آگ دراصل حضرت تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تھی جو زبان کی محتاج تھی اور مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حق تعالیٰ نے شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبان بنا دیا۔

اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں
ہے شعلہ زن اِک آگ کا دریا مرے دِل میں (خواجہ صاحبؒ)

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بادشاہ کے نواسے اور اپنے وقت کے زبردست محدّث و مفسّر تھے جس وقت پالکی پر چلتے تو مولانا کی محبت میں سینکڑوں شاگرد پیادہ پیچھے پیچھے چلتے تھے اب وہی مولانا رومیؒ ہیں کہ اللہ کی محبت میں اپنے پیر کا سب سامان گدڑی۔ چکّی۔ پیالہ۔ غلہ اور بستر سر پر رکھے ہوئے گلی در گلی پھر رہے ہیں۔

ایں چنیں شیخِ گدائے کو بکو　　عشق آمد لا ابالی فاتقو　(رومیؒ)

ترجمہ: اتنا بڑا شیخ آج گدا بن کر در بدر پھر رہا ہے۔ عشق جب آتا ہے تو اسی شان سے آتا ہے پس اے جھوٹے عشق کا دعویٰ کرنے والو! ذرا ہوشیار ہو جاؤ۔

پیرِ کامل کی صحبت نے مولانا کو کیا بنا دیا۔ خود فرماتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم　　تا غلامِ شمسِ تبریزی نہ شد

عشقِ تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس طرح دیوانہ کر دیا کہ نہ پالکی رہی نہ جبّہ و دستار نہ تلامذہ کا ہجوم۔ شانِ علم پر شانِ فقر غالب ہو گئی اور علم کی صحیح حقیقت سے آگاہ ہو گئے۔ فرماتے ہیں ؎

علم نبود الا علم عاشقی　　ما بقی تلبیسِ ابلیسِ شقی　(رومیؒ)

ترجمہ: حقیقی علم درحقیقت حق تعالیٰ کی محبت کا نام ہے اور اس کے بجائے اگر علومِ ظاہری کے اصل مقصود یعنی حصولِ محبتِ حق سے روگردانی کی تو ایسا علم ابلیسِ لعین کی تلبیس کا ذریعہ ہوتا ہے۔

علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

ترجمہ: جو علم کہ حق تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ نہ بنے وہ جہالت ہے۔

علم کا پندار اہلِ علم کو　　رکھتا ہے محرومِ حق سے دوستو

علم کا حاصل ہے بس عشقِ خدا　　آہ سب ڈھوکا ہے بس اسکے سوا　(اخترؔ)

مگر علم کا پندار بدونِ صحبتِ پیرِ کامل کے نہیں نکلتا۔ جب دستارِ فضیلت کو دستارِ محبت میں گم کر دیا جاتا ہے تب کام بنتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار مردِ حال شو　　پیشِ مردِ کاملے پامال شو　(رومیؒ)

ترجمہ: زبانی تقریروں اور محض قیل وقال کو چھوڑو صاحب حال بنو یعنی دل میں حق تعالیٰ کی محبت حاصل کرو لیکن یہ نعمت اسی وقت ہاتھ لگے گی۔ جب کسی صاحبِ محبت کی صحبت اختیار کروگے۔

جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت

اک سینہ بسینہ ہے اک خانہ بخانہ ہے

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر حضرت تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نظر نے کیمیا کا اثر کیا اور وہ فیض بخشا جو بڑے بڑے مجاہدات سے مدۃ العمر میں بھی حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں اپنے پیر کی ایک ایک بات سے محبت ہوگئی حتیٰ کہ پیر کے شہر تبریز سے بھی ان کو بڑی محبت تھی۔ مثنوی شریف میں جہاں تبریز کا نام آگیا۔ وہاں کئی کئی شعر شہرِ تبریز کی تعریف میں فرما گئے ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مثنوی میں اولیاءُ اللہ کے جو صفات بیان فرماتے ہیں وہ ان کے چشم دید مشاہدات تھے۔ چونکہ اپنے پیر سے ان کو بدون مجاہدہ و ریاضت نسبت مع اللہ کا بحرِ بے کراں ہاتھ لگ گیا تھا اس لئے اولیاء اللہ کی تعریف میں وہ مست و بے خود ہو جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

پیر باشد نردبانِ آسمان تیر پراں از کہ گردد از کماں (رومی)

ترجمہ: پیر کا وجود حق تعالیٰ تک رسائی کے لئے مثل سیڑھی کے ہے اور تیر کا تیز رفتاری سے اڑنا بدون کمان کے کب ہوتا ہے؟

مولانا رومیؒ نے کئی کئی گھنٹے تنہائی میں اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر اپنے

سینہ میں اس آتشِ عشق کو جذب کرلیا۔ جس کے متعلق حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ نے حق تعالیٰ سے دُعا مانگی تھی کہ اے اللہ! مجھے کوئی ایسا بندہ عطا فرمایئے جو میری آتشِ محبت کا تحمل کرسکے۔ شیخِ کامل کے فیضِ صحبت سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ پر ایمانِ تحقیقی کا انکشاف ذوقاً اور حالاً محسوس ہونے لگا اور عشقِ حقیقی کے فیض سے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے سینہ میں علم و معرفت کا سمندر موجیں مارنے لگا۔ اور علم کا یہ سمندر ایسا وسیع ہے کہ آج تک اولیاء اُمّت اس سے فیض یاب ہوئے ہیں اور مثنوی آج بھی دلوں میں عشقِ حق کی آگ لگا رہی ہے۔ مولانا کے علوم و معارف کا پتہ مثنوی معنوی کے مُطالعہ سے چلتا ہے۔ اس وقت مولانا کا ایک علمِ لطیف مثالاً تحریر کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا کے عشق کا مقام کتنا بُلند ترین ہے۔

فرماتے ہیں ؎

بر برونِ کُہ چو زد نورِ صمد   پارہ شد تا در درونش ہم زند

ترجمہ: کوہِ طور کی سطحِ ظاہری پر جب نورِ صمد نے تجلّی فرمائی تو طور پارہ پارہ ہوگیا تاکہ نور صرف ظاہر پر نہ رہے باطن میں بھی داخل ہوجائے۔

گرسنہ چوں بر کفش زد قرصِ ناں
واشگافد از ہوس چشم و دہاں
(رومیؒ)

ترجمہ: بھوکے کے ہاتھ پر جب روٹی کا ٹکڑا رکھ دیا جاتا ہے تو ہوس سے وہ مُنہ اور آنکھیں پھاڑ دیتا ہے۔ یہی حالت طور کی ہوگئی گویا اس نے مُنہ پھاڑ دیا کہ غذائے نور جس طرح اس کے ہاتھ یعنی ظاہر پر رکھی گئی اسی طرح اس کے باطن میں پہنچا دی جائے۔

آجا مری آنکھوں میں سما جا مرے دل میں

کوہِ طور کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی جو کیفیتِ عشقیہ مولانا نے یہاں ارشاد فرمائی ہے۔ اس سے مولانا کی نسبتِ عشقیہ کا ظہور ہوتا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نسبت مع اللہ کو حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی آتشِ عشق کی بدولت کتنا عروج نصیب ہوا اس کا اندازہ مولانا ہی کے کلام سے ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

سَیرِ زاہد ہر مہے یک روزہ راہ
سَیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ (رومیؒ)

ترجمہ: زاہدِ خشک کی رفتارِ سلوک ہر ماہ میں ایک دن کی مسافت کے برابر ہوتی ہے اور عاشقین صادقین کی ارواح ہر سانس میں تختِ شہنشاہِ حقیقی تک پرواز کرتی رہتی ہیں۔

خواب را بگذار امشب اے پدر — یک شبے در کوئے بے خواباں گذر (رومیؒ)

ترجمہ: اے پدر ایک رات نیند کو ترک کر کے ذرا بے خوابوں کی گلی میں تو آکر دیکھ۔

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلش کشتہ اند (رومیؒ)

ترجمہ:۔ پھر دیکھ اِن بے خوابوں کو کہ عشقِ حقیقی نے کیسا مجنوں کر رکھا ہے اور پروانوں کی طرح یہ تجلیاتِ قرب سے کیسے کشتہ ہو رہے ہیں۔

ہیں بیا بنید لے پلیداں سوئے من — کہ گرفت از خوئے یزداں خوئے من (رومیؒ)

ترجمہ : اے خواہشاتِ نفسانیہ میں ملوث غافل انسانو! میری طرف آؤ کہ میرے اخلاق اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہو گئے ہیں۔

اولیا را در دروں ہا نغمہ ہاست
طالباں را زاں حیاتِ بے بہاست (رومیؒ)

ترجمہ : اولیاء اللہ کے قلب میں عشقِ حقیقی کے ہزاروں نغمات پوشیدہ ہیں جن سے طالبین کو حیات بے بہا عطا ہوتی ہے۔

اے تواضع بردہ پیشِ ابلہاں
اے تکبر کردہ تو پیشِ شہاں (رومیؒ)

ترجمہ : اے مخاطب تو دُنیا داروں کے پاس جا کر دُنیا کے لئے اُن کے سامنے تواضع اختیار کرتا ہے حالانکہ بوجہ غفلت عن الآخرۃ یہ بے وقوف لوگ ہیں اور اگر تو کبھی اللہ والوں کی خدمت میں جاتا بھی ہے تو ان کے ساتھ تکبر سے پیش آتا ہے حالانکہ یہی حضرات درحقیقت سُلطانیت و بادشاہت کی شان رکھتے ہیں بلکہ انکی باطنی دولت تعلق مع اللہ رشکِ سلطنت ہفت اقلیم ہے۔

بازِ سُلطاں گشتم و نیکو پیَم | فارغ از مردارم و کرگس نیَم (رومیؒ)

ترجمہ : میں بازِ شاہی ہوں اور عشقِ سُلطانی کی برکت سے خوش خصال ہو گیا ہوں۔ عشقِ حقیقی کے فیض سے میرے صفات کرگسی صفاتِ شاہبازی سے مبدل ہو گئے ہیں یعنی پہلے دُنیائے مردار پر مثلِ کرگس میں عاشق تھا اب وہ عشق عشقِ حق سے مبدّل ہو گیا اور مردار خوری سے میں باز آ گیا۔

چوں بمردم از حواسِ بوالبشر | حق مرا شد سمع و ادراک بصر

نُورِ اُو دَر یُمن و یُسر و تحت و فوق   بر سر و بر گردنم مانندِ طوق (رومیؒ)

ترجمہ: جب میرے اخلاقِ رذیلہ میرے مرشدِ کامل کے فیضِ صحبت سے فنا ہو گئے اور میرا نفس اخلاقِ حمیدہ سے متصف ہو گیا تو اب میں حق تعالیٰ کے نُور سے سُنتا ہوں اور حق تعالیٰ کے نُور سے دیکھتا ہوں حق تعالیٰ کا نُور اپنے داہنے بائیں اوپر نیچے دیکھتا ہوں اور نُورِ حق کو اپنے سر اور گردن میں مثلِ طوق کے پاتا ہوں۔

حضرت تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض سے مولانا کو عشقِ حقیقی کا جو مقام حاصل ہوا اور ان کی رُوح میں جو کیفیت عشقیہ پیدا ہوئی اس کا کچھ اندازہ مولانا کے اس کلام سے ہوتا ہے۔

بادہ در جوشش گدائے جوشِ ماست
چرخ در گردش اسیرِ ہوشِ ماست

ترجمہ: بادہ اپنے جوش میں ہمارے جوش کی گدا ہے اور آسمان اپنی گردش میں ہمارے ہوش کا قیدی ہے۔

بادہ از ما مست نے کہ ما ازو
قالب از ما ہست نے کہ ما ازو (رومیؒ)

ترجمہ: شراب ہم سے مست ہوئی ہے نہ کہ ہم شراب سے مست ہوئے ہیں یہ جسم ہماری رُوح کے فیض سے موجود ہے نہ کہ ہم اپنے وجود میں جسم کے محتاج ہیں۔

جب رُوح میں حق تعالیٰ سے نسبتِ خاصہ پیدا ہو جاتی ہے تو صفاتِ رُوح صفاتِ نفس پر غالب ہو جاتے ہیں اور رُوح چونکہ عالمِ امر سے متعلق ہے اور عالمِ ناسُوت یعنی دُنیا عالمِ آخرت کے مقابلہ میں مثلِ قید خانہ ہے پس عشقِ حقیقی کے آثار

جب عارف کی روح اپنے اندر محسوس کرتی ہے تو اس کو اس عالم کی فانی ہستی اپنی حقیقی اور ابدی ہستی کے سامنے محتاج و گدا معلوم ہوتی ہے اور روحِ عارف کو اپنی وسعتِ پرواز کے سامنے آسمان کی گردش بھی ہیچ معلوم ہوتی ہے ؎

عجب کیا گر مجھے عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا

میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا (مجذوبؒ)

مولانا رومیؒ پر حال کی لذت جب منکشف ہوگئی تو ان پر محض قیل وقال کا ہیچ ہونا ظاہر ہوگیا۔ ایمانِ حالی اور تحقیقی کے سامنے ایمانِ استدلالی اور ایمانِ تقلیدی کی کوئی حقیقت نہیں ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

ترجمہ: مولانا فرماتے ہیں کہ دلائل اور استدلال کے پیر لکڑی کے ہوتے ہیں اور لکڑی کے پاؤں نہایت بودے اور کمزور ہوتے ہیں اس کے برعکس جو معرفت تقویٰ اعمالِ صالحہ اور عشقِ حقیقی کی برکت سے نصیب ہوتی ہے وہ نہایت پائیدار ہوتی ہے۔ قلب کی بصیرت سے جو ایمان عطا ہوتا ہے۔ وہ بصائر کے مشاہدات سے بھی مافوق ہوتا ہے۔ صحبتِ اہل اللہ اور کثرتِ ذکر اللہ سے جو یقین نصیب ہوتا ہے وہ اپنی مضبوطی میں جبلِ استقامت ہوتا ہے۔ تمام دُنیا اگر کفر و شرک سے آلودہ ہو جاتے لیکن ایسے شخص کا ایمان ہر حال میں اپنی توحید کا علمبردار رہتا ہے۔ بقول حضرت سعد شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ؎

موحد چہ بر پائے ریزی زرش — چہ فولادِ ہندی نہی بر سرش

اُمیدو ہراسش نباشد زِ کس ہمیں است بُنیادِ توحید بس

ترجمہ: مومنِ کامل کے قدموں پر چاہے سونے کا ڈھیر رکھ دو یا گردن پر ننگی تلوار رکھ دو لیکن نہ تو مال کی طمع اس کو توحید سے باز رکھے گی نہ تلوار کا خوف اس کے دِل کو توحید سے منحرف کر سکتا ہے۔ موحّد کو نہ کسی سے اُمید ہوتی ہے اور نہ کسی کا خوف ہوتا ہے اور یہی توحید کی اصلی بُنیاد ہے۔

لیکن آج کل مغرب زدہ مذاق نے زمانہ سازی کو اپنی زندگی کا معیار بنا رکھا ہے اور اس کا نام پالیسی رکھا ہے جس کا منشا یہ ہے کہ زمانے کے موافق بدلتے رہو خواہ ایمانی حیات موت کے گھاٹ ہی کیوں نہ اتر جاتے۔ یہ پالیسی کیا ہے؟ پا + لیسی ہے۔ لیسیدن فارسی کا مصدر ہے جس کے معنی چاٹنے کے ہیں یعنی پیر چاٹنا۔ پس یہ مغرب زدہ رفتارِ زمانہ کا پیر چاٹ رہے ہیں۔ یاد رکھئے کہ پالیسی اور حق پرستی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ حق پرست کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ اس کو صرف ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے اور اہلِ پالیسی کو تمام زمانے کی خوشامد کرنی پڑتی ہے تاکہ زمانہ اس سے راضی رہے۔ اس لئے یہ ہمیشہ غمگین و متفکّر رہتا ہے اور مومنِ کامل زمانے سے بے پروا ہو کر صرف خالقِ اکبر کی رضامندی کا متلاشی ہوتا ہے۔ احقر کا ایک شعر اس حقیقت کے متعلق ملاحظہ ہو ؎

سینکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو اک ترا غم ہے ترے ناساز کو (اخترؔ)

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تمام انسانوں کو اپنے باطن میں تعلّق مع اللہ کی لازوال دولت پیدا کرنے کی دعوت دی ہے۔ جس نعمت کو انھوں نے خود چکھا تھا اس کو چاہا کہ عام ہو جائے ؎

شَرِبْنَا وَاَھْرَقْنَا عَلَی الْاَرْضِ جُرْعَۃً
فَلِلْاَرْضِ مِنْ کَاْسِ الْکِرَامِ نَصِیْبٗ

مولانا نے فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ بہت سے اسرارِ مخفی رکھتے ہیں اور ان کو ظاہر نہیں کرتے کہ عقولِ متوسطہ عامّہ اس کے فہم سے قاصر ہوتی ہیں لیکن پھر بھی گاہ گاہ غیر ارادی طور پر ان کی زبان سے کچھ اظہار ہوجاتا ہے۔ جس طرح چھینک اور جمائی کے وقت بدون ارادہ مُنہ کُھل ہی جاتا ہے۔ پس بعض اسرار جن کو حق تعالیٰ ان کی زبان سے ظاہر کرانا چاہتے ہیں تو ان پر کوئی قوی اور ناقابلِ تحمّل حالت طاری فرما کر گاہ گاہ کچھ کہلوا دیتے ہیں تاکہ اہلِ ذوق کو کچھ خوشبو اُس عالم کی مِل جاوے اور ان کا دِل بھی اس دنیائے فانی سے ہٹ کر عالمِ غیب کے کرّوفر کی طرف مائل ہو۔

گر ببینی یک نفس حُسنِ وَدُود | اندر آتش افگنی جانِ وَدُود
گر ببینی کرّوفرِ قُرب را | جیفہ بینی بعد ازیں ایں شُرب را (رومیؒ)

ترجمہ: اے لوگو! اگر ایک لمحہ کے لیے تم حق تعالیٰ کی تجلیاتِ قُرب کا مشاہدہ کرلو تو غلبۂ شوق میں اپنی جانِ عزیز کو آتشِ مجاہدات کی نذر کردو اور اگر قربِ حق کی شان وشوکت اپنے باطن میں دیکھ لو تو اس دُنیائے فانی کے نقش ونگار اور لذّتیں تم کو مُردار معلوم ہوں۔

اب مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وہ نصیحت سُنیے جس پر عمل کرنے سے روحِ انسانی تجلیاتِ ربّانی کی عاشق ہوجاتی ہے اور دل دُنیائے مردار سے متنفّر ہوجاتا ہے۔

راہ کُن اندر بواطنِ خویش را
دُور کُن ادراکِ غیر اندیش را (رومیؒ)

ترجمہ: اپنے باطن میں حق تعالیٰ کا راستہ پیدا کرلو۔ یہ راستہ کیسے پیدا ہوگا؟ اُس ادراک کو جو غیر کا تصوّر کرنے والا ہو دور کردو۔ غیر اللہ جب دل سے نکل جائے گا تب حق تعالیٰ دِل میں تجلّی فرمائیں گے۔

کیمیا داری دوائے پوست کُن
دشمناں را زیں صناعت دوست کُن

ترجمہ: اے انسان! تو اپنے پاس ایک کیمیا رکھتا ہے۔ وہ کیمیا کیا ہے؟ عشقِ الٰہی کی نعمت ہے جو تیرے اندر ودیعت کی گئی ہے اور اس کیمیا کی خاصیت ہے کہ یہ اخلاقِ ذمیمہ کو تبدیل کردیتی ہے۔ پس تو جسم اور اس کی شہوات کی دوا اِس کیمیا سے کر تاکہ اخلاقِ ذمیمہ اخلاقِ حمیدہ سے بدل جائیں اور اپنے دشمنوں یعنی نفس و شیطان کو اس کیمیا سے اپنا دوست بنالے تاکہ تیرا نفسِ امّارہ نفسِ مطمئنہ ہوجائے اور شیطان مشابہ دوست کے ہوجائے عدمِ اضلال میں (لِاِسْتِثْنَاءِ الْمُخْلِصِيْنَ مِنَ الْاِغْوَاءِ)

چوں شدی زیبا بداں زیبا رسی
کہ رہاند روح را از بے کسی (رومیؒ)

ترجمہ: جب تمہارے اخلاقِ رذیلہ شیخِ کامل کی اصلاح سے مبدّل باخلاقِ حمیدہ ہوجاویں گے تو تم جمیل ہوجاؤ گے اور جب جمیل ہوجاؤ گے تو اس جمیلِ حقیقی کے مُقرّب ہوجاؤ گے۔ لِاَنَّهٗ جَمِيْلٌ يُّحِبُّ الْجَمَالَ اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ شانہٗ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں اور جس روح کو وہ پسند فرماتے ہیں اس کو بے کسی سے چھڑا دیتے ہیں یعنی اپنی معیّتِ خاصّہ نصیب فرمادیتے ہیں

بخلاف محبوبانِ دُنیا کہ اپنے محبّین سے اعراض و کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔

حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فیضِ صحبت سے حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو شورش و دیوانگی نصیب ہوئی اور منازلِ سلوک کو جذبِ عشق کے راستہ جس تیزی سے اُنھوں نے طے کیا اس وجہ سے مولانا کو اس امر کا یقین ہوگیا تھا کہ حق تعالیٰ کا راستہ عشق و دیوانگی کا راستہ ہے۔ خود فرماتے ہیں۔

ہرچہ غیرِ شورش و دیوانگی اَست

دَر رَہِ حق دُوری و بیگانگی اَست (رومیؒ)

ترجمہ: شورش و دیوانگی کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ سب حق تعالیٰ کے راستہ میں دوری اور بے گانگی ہے۔

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم

تا اَبد جاناں چنیں می بایدم (رومیؒ)

ترجمہ: نعرۂ مستانہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ قیامت تک اے محبوب میں اسی طرح دیوانہ رہنا چاہتا ہوں۔

غیرِ آں زنجیرِ زلفِ دلبرم

گر دو صد زنجیر آری بر دَرم (رومیؒ)

ترجمہ: زنجیرِ زلفِ دلبر یعنی احکامِ شریعتِ مطہرہ کے علاوہ اگر دوسو زنجیریں بھی میرے پاؤں میں ڈالو گے تو سب کو توڑ کر رکھ دوں گا کہ اللہ کی زنجیر میں بندھے ہوئے دیوانے کو کوئی زنجیر گرفتار نہیں کر سکتی۔

حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عشق کے بحرِ بے کراں تھے اور عاشق کو

کو ذکرِ محبوب کے علاوہ کچھ اچھا نہیں لگتا اِس لئے کبھی عاشق پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے کہ ہماری طرح کوئی اور بھی اللہ کا دیوانہ ملے جس سے محبوبِ حقیقی کی باتیں کر کے قلبِ مضطر کو تسلّی و سکون حاصل ہو ؎

خوب گذرے گی جو مِل بیٹھیں گے دیوانے دو

حضرت تبریزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے انتقال کے بعد مولانا کسی ایسے ہی دیوانے کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایک دِن اسی اضطراب میں صلاح الدین زرکوب کی دوکان کے پاس سے گذرے وہ ورق کوٹ رہے تھے۔ ورق کوٹنے کا ہتھوڑا کچھ اس انداز سے آواز پیدا کرتا ہے کہ اہلِ دل اس آواز سے اپنے قلب میں ایک کیفیتِ عشق محسوس کرتے ہیں۔ پھر مولانا تو سراپا عشق اور سوختہ جان تھے یہ آواز سُن کر بے ہوش ہو گئے صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہاتھ نہیں روکا اور بہت سے ورق ضائع کر دیئے۔ بالآخر صلاح الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دِل میں مولانا کے فیضِ باطن سے اسی وقت عشقِ الٰہی کی آگ لگ گئی اور غلبۂ عشق میں دوکان کھڑے کھڑے لٹا دی اور مولانا کے ہمراہ ہو لئے ؎

اے سوختہ جاں پھونک دیا کیا مرے دل میں
ہے شعلہ زن اک آگ کا دریا مرے دِل میں

ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینہ میں جیسے کوئی دِل کو ملا کرے ہے

شاید اسی کا نام محبّت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

نو سال تک صلاح الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مولانا کی خدمت میں رہے ان کی صحبت سے مولانا کو بہت سکون ملا۔ بالآخر ۶۶۴ھ میں صلاح الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انتقال فرمایا۔ ان کی وفات کے بعد مولانا نے اپنے مریدین میں سے مولانا حسام الدین چلپی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنا ہمراز بنا لیا اور پھر جب تک زندہ رہے ان کی صحبت سے محبوبِ حقیقی کا غمِ فراق ہلکا کرتے رہے۔ انہیں مولانا حسام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ترغیب پر مولانا نے اپنی مشہور تصنیف مثنوی شریف لکھی۔ اس حقیقت کی طرف مولانا نے مثنوی میں خود اشارہ فرمایا ہے۔

ہمچناں مقصودِ من زیں مثنوی
اے ضیاء الحق حسام الدیں توئی (رومیؒ)

مولانا حسام الدین کو مخاطب کر کے حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قصہ مذکورہ میں جس طرح اُس پیاسے کا مقصود گھڑے پانی میں بار بار اخروٹ ڈالنے سے پانی کی آواز سُننا اور اس کے بُلبلوں کو دیکھنا تھا اسی طرح اس مثنوی سے اے حسام الدین تم ہی میرے مقصود ہو۔

مثنوی اندر اصول و ابتدا جملہ بہرِ تست و بر تست انتہا (رومیؒ)

ترجمہ: اور یہ مثنوی ابتدا سے تمہارے ہی لئے ہے اور تمہیں پر اس کی انتہا ہے۔

قصدم از الفاظِ او رازِ تو است
قصدم از انشاش آوازِ تو است (رومیؒ)

ترجمہ: میرا مقصود اس مثنوی سے آپ کا راز بیان کرنا ہے کیونکہ اس کے

الفاظ مُصنّف کے کمال پر دال ہیں اور مصنّف فی الحقیقت آپ ہی ہیں۔ میں تو صِرف ایک آڑ ہوں اور اِس کی اِنشاء سے میرا مطلوب آپ کی آواز ہے۔ جِس کو میں آپ کے اَلقائے مضامین کے وقت اپنے گوشِ دِل سے سُنتا ہوں۔
(ماخوذ از کلیدِ مثنوی دفترِ رابع)

ایک بار مثنوی بیان کرتے کرتے مولانا اچانک خاموش ہو گئے اور فرمایا کہ اس وقت غیب سے مضامین کی آمد نہیں ہو رہی ہے اس وجہ سے مضامین میں کیف نہیں لہٰذا خاموش ہو جانا ہی مناسب ہے۔ اسی موقع پر فرمایا ؎

سَخْتُ خَاکْ آلُودْ مِی آیَدْ سُخَنْ
اِے حُسَامُ الدِّیْنْ دُرِ چَہْ بَنْدْ کُنْ (رومیؒ)

ترجمہ: میرے چاہِ باطن سے آبِ سخن سخت خاک آلود آرہا ہے۔ لہٰذا اے حسام الدین چاہِ باطنی کا دروازہ بند کر دیجئے یعنی زبان پر مہرِ سکوت لگا دیجئے۔ اور زیادہ سخن گوئی کی فرمائش اِس وقت نہ کیجئے۔

مثنوی کے مضامین کا الہامی ہونا تو مثنوی کے مُطالعہ ہی سے معلوم ہوتا ہے لیکن خود مولانا رومی رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شعر میں اس کو واضح بھی فرما دیا ہے ؎

قَافِیَہ اَنْدِیْشَمُ وْ دِلْدَارِ مَنْ
گُوْیَدَمْ مَنْدِیْش جُزْ دِیْدَارِ مَنْ (رومیؒ)

ترجمہ: جب میں قافیہ سوچنے لگتا ہوں تو میرا محبوب مجھ سے کہتا ہے کہ قافیہ مت سوچ صِرف میرے دیدار میں مشغول رہ یعنی صِرف میری طرف متوجہ رہو قوافی ہم الہام فرمائیں گے تم اپنے قلب کو قافیہ اندیشی میں مشغول نہ کرو۔

حکایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قاصدِ روم

قیصرِ روم کا سفیر جب ہدایا و تحائف لے کر مدینہ پہنچا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ تمھارے بادشاہ کا محل کہاں ہے۔ قوم نے جواب دیا ؎

قوم گفتندش کہ اُو را قصر نیست
مر عمر را قصرِ جانِ رُوشنے ست

قوم نے کہا کہ ہمارے بادشاہ کا کوئی محل نہیں البتہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محل تو ان کی جانِ پاک ہے جو اللہ کے تعلقِ خاص اور تجلیاتِ قرب سے منوّر ہو رہی ہے جس نے انہیں سارے جہان کے شاہی محلات سے مستغنی کر دیا ہے۔

اور کہا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مدینہ کے قبرستان میں ملیں گے۔ قبرستان جا کر قاصدِ روم نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قمیض اتارے ہوئے صرف تہبند پہنے ہوئے زمین پر سو رہے ہیں۔ نہ تخت و تاج، نہ فوج و لشکر نہ حفاظتی دستہ مگر ان کے چہرہ پر نظر پڑتے ہی قاصدِ روم رعب و ہیبت سے کانپنے لگا اور اپنے دِل میں کہنے لگا ؎

گفت با خود من شہاں را دیدہ اَم
پیشِ سلطاناں بسے گُزیدہ اَم

ترجمہ : میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کو دیکھا ہے اور ایک عمر بڑے بڑے سلطانوں کا جلیس و ہمنشین رہا ہوں ۔

اَز شہانم ہیبت و ترسم نبود
ہیبتِ ایں مرد ہوشم را ربود

ترجمہ : بادشاہوں سے مجھے کبھی خوف نہ محسوس ہوا لیکن اس مرد گدڑی پوش کی ہیبت تو میرے ہوش اُڑائے دیتی ہے۔

بے سلاح ایں مرد خفتہ بر زمین
من بہفت اندام لرزاں چیست ایں

ترجمہ : یہ شخص بغیر کسی ہتھیار کے اور بغیر کسی فوجی پہرہ کے زمین پر اکیلا سویا ہوا ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ اس کی ہیبت سے میرا پورا جسم کانپ رہا ہے۔ اور ایسا لرزہ طاری ہے کہ اگر مجھے سات جسم اور عطا ہوجائیں تو اس لرزہ کا تحمّل نہ کرسکیں اور سب کانپنے لگیں۔ پھر وہ قاصد دل میں کہنے لگا ۔

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبتِ ایں مرد صاحب دلق نیست

ترجمہ : یہ رعب و ہیبت اس گدڑی پوش کی نہیں ہے دراصل یہ اللہ کی ہیبت ہے کیونکہ اس گدڑی پوش بادشاہ کا قلب اللہ کے قرب اور معیّتِ خاصّہ سے مشرّف ہے پس یہ اسی معیّتِ حق کا رعب و جلال ہے جو اس مردِ حق کے چہرہ سے نمایاں ہو رہا ہے۔

پھر یہ قاصد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت کے فیض سے مشرّف باسلام ہوگیا۔

ہر کہ ترسد از حق و تقویٰ گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

مولانا فرماتے ہیں جو خدا سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اس سے جنّ اور انسان سب ڈرتے ہیں اور جو بھی دیکھے گا اس پر ہیبت اس مردِ حق کی غالب ہوگی۔

فائدہ : اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان کو حقیقی عزت اللہ تعالیٰ کے قوی اور صحیح تعلّق سے نصیب ہوتی ہے نہ کہ ظاہری آرائش جیسا کہ حمقائے زمانہ اپنے رب کو تو ناراض رکھتے ہیں اور اس کی نافرمانیوں کے باوجود عزت حاصل کرنے کے لئے بنگلے اور قیمتی لباس اور کاروبار کا سہارا لیتے ہیں لیکن ان کی عزت کا جو مقام ہے وہ دُنیا دیکھتی ہے کہ غائبانہ گالیاں پاتے ہیں۔ آج صدرِ مملکت ہیں اور مستعفی ہوئے یا تختہ الٹا گیا تو اخباروں کی سرخیوں پر ان کا اعزاز و اکرام نظر آجاتا ہے۔ یہ دراصل بادشاہ ہیں۔ باد کے معنی ہوا یعنی یہ شاہی ہوا پر تھی۔ اور اولیاء اللہ کی حقیقی شاہی ہوتی ہے اس لئے انھیں شاہ کہا جاتا ہے۔ زندگی میں بھی اور انتقال کے بعد بھی دُنیا ان کا عزت سے نام لیتی ہے۔

حکایت حضرت سلیمان علیہ السلام کے تاج کی

مولانا نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار حضرت سلیمان علیہ السلام نے آئینہ کے سامنے اپنا تاج سر پر رکھا اور وہ تاج ٹیڑھا ہو گیا آپ نے سیدھا کیا اور وہ پھر ٹیڑھا ہو گیا اس طرح تین بار سیدھا کیا اور تاج تینوں بار ٹیڑھا ہو گیا بس آپ غلبۂ خوفِ الٰہی سے سجدہ میں

رونے لگے اور استغفار کرنے لگے اس کے بعد پھر تاج رکھا تو وہ ٹیڑھا نہ ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ میری کوئی بات حق تعالیٰ کو پسند نہ آئی ہوگی اور میاں کی نگاہ پھر گئی ہے اس لئے یہ تاج بے جان ہونے کے باوجود مجھ سے پھر گیا۔

نگاہِ اقربا بدلی مزاجِ دوستاں بدلا

نظر اک ان کی کیا بدلی کہ کُل سارا جہاں بدلا (مجذوبؒ)

حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر تھے اور نبی معصوم ہوتا ہے اس لئے سوال دل میں آتا ہے کہ کیا اُن سے کوئی خطا سرزد ہوئی تھی۔

جواب یہ ہے کہ خطا سرزد نہ ہوئی تھی لیکن انبیاء علیہم السلام اگر اجتہادی طور پر افضل کو چھوڑ کر فاضل اختیار کرتے ہیں تو اس پر بھی اُن سے مواخذہ ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ فعل فی نفسہٖ جائز ہوتا ہے پس اسی قبیل سے کوئی بات ہوئی ہوگی۔ اب مولانا فرماتے ہیں ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند

با من و تو مُردہ با حق زندہ اند

ترجمہ و تشریح: اس واقعہ میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ تاج تو بے جان تھا پھر بے جان نے حرکت کیسے کی کہ ٹیڑھا ہو گیا۔ مولانا نے شعرِ مذکور میں اسی سوال کا جواب دیا ہے کہ خاک اور ہوا، پانی اور آگ یہ عناصرِ اربعہ کہلاتے ہیں اور انھیں سے اشیاء کی تعمیر اور تخلیق ہوتی ہے تو یہ عناصر اگرچہ فی نفسہٖ مردہ اور بے جان ہیں لیکن حق تعالیٰ کے ساتھ ان کا تعلق زندوں ہی جیسا ہے۔ یہ تمام جمادات اور نباتات امرِ الٰہی کو سمجھتے ہیں اور حکم سنتے ہی فوراً تعمیلِ حکم بجا لاتے ہیں۔

حکایت ایک شخص کا مُنہ ٹیڑھا ہو جانا

بسبب اس امر کے کہ اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک تمسخر اور بدتمیزی سے لیا تھا۔

آں دہن کژ کرد و از تسخر بخواند نام احمد را دہانش کژ بماند

ترجمہ: وہ شخص جس نے منہ چڑا کر تمسخر سے حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا اس کا مُنہ ٹیڑھا کا ٹیڑھا رہ گیا۔

باز آمد کاے محمد عفو کن

اے ترا الطافِ علمِ من لدن

ترجمہ: وہ بدبخت نالائق مُعافی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے مُعاف کر دیجئے آپ کو علم لدنی کے الطاف حاصل ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد

میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

ترجمہ: مولانا فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کی رُسوائی چاہتا ہے تو اس کو پاک لوگوں پر طعن کرنے کی طرف مائل کر دیتا ہے اور مائل کرنا بسبب اس کی شامتِ اعمال ہوتا ہے یعنی کسی گناہ کی سزا میں عقل پر اس قسم کا وبال آتا ہے کہ کسی ولی اللہ کو بُرا کہنا اور طعنہ دینا شروع کرتا ہے اور اس کے اس جُرم کو سببِ قریب بنا دیتے ہیں اس کی ذلت و ہلاکت اور رسوائی کا۔

ور خدا خواہد کہ پوشد عیبِ کس
کم زند در عیبِ معیوباں نفس

ترجمہ : اور جب حق تعالیٰ کسی بندہ کی عیب پوشی کرنا چاہتے ہیں تو اس کو توفیق دیتے ہیں کہ وہ معیوب لوگوں کے عیب پر بھی کلام نہیں کرتا ۔

چوں خدا خواہد کہ ماں یاری کند　　میلِ مارا جانبِ زاری کند

ترجمہ : جب اللہ تعالیٰ ہم پر احسان کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے میلان کو آہ وزاری کی طرف کردیتے ہیں ۔

اے خنک چشمیکہ آں گریانِ اوست
وے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

ترجمہ : وہ آنکھ ٹھنڈی ہو جو اس محبوبِ حقیقی کے لئے روتی ہو اور اے مخاطب وہ دل مبارک ہے جو اس کی سوزشِ عشق سے بریاں ہو۔

از پسے ہر گریہ آخر خندہ ایست
مردِ آخر بیں مبارک بندہ ایست

ترجمہ : ہر گریہ و بکا کا انجام (بشرطیکہ وہ اللہ کی محبت اور اس کے خوف سے ہو) خندہ کرتا ہے ۔ یعنی خوشی و مسرت پیدا کرتا ہے اور انجام و مآل کا خیال رکھنے والا ہی مبارک بندہ ہے ۔

ہر کجا آبِ رواں سبزہ بود　　ہر کجا اشکِ رواں رحمت شود

ترجمہ : جہاں آبِ رواں ہو وہاں سبزہ اُگ پڑتا ہے اسی طرح جہاں آنسو بہتے ہیں وہاں اللہ کی رحمت کا باغ لہلہانے لگتا ہے مراد اس سے دل کی سیرابی

ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دو قطرے بہت ہی محبوب ہیں ایک وہ قطرہ آنسو کا جو اللہ کے خوف سے بہے اور ایک وہ قطرہ خُون کا جو اللہ کی راہ میں بہایا جائے۔

مرحمت فرمود سیّد عفو کرد　　چوں زِجرأت توبہ کرد آں روئے زرد

ترجمہ: جب اس نے جرأت علی المعصیّت سے توبہ کی تو سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کی خطا کو مُعاف کر دیا۔

رحم خواہی رحم کُن بر اشکبار
رحم خواہی بر ضعیفاں رحمت آر

ترجمہ: اگر تم اللہ سے اپنے لئے رحمت چاہتے ہو تو آبدیدہ ہو کر مُعافی مانگنے والے پر رحم کرو اگر تم رحمتِ الٰہیّہ کے خواستگار ہو تو پہلے خود کمزوروں پر رحم کرو۔
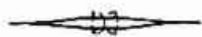
حکایت شب چراغ اور گاوِ آبی

دریائی گائے یا بیل دریا سے موتی کو نکال کر لاتا ہے اور رات میں اس کی روشنی میں سبزہ زار سے سوسن اور ریحان جلدی جلدی چرتا ہے اسی لئے اس جانور کا پاخانہ عنبر ہوتا ہے کیونکہ اس کی غذا۔ نرگس اور نیلوفر وغیرہ لطیف اور خوشبودار نباتات ہیں۔ اب مولانا اس مضمون سے انتقال فرماتے ہیں اور ایک دُرِ بیش بہا بات بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح گاوِ بحری کا خوشبو کھانا سبب ہوتا ہے خوشبو حاصل

ہونے کا اسی طرح جس کی روحانی غذا نورِ جلال (ذکر و طاعت) ہوگی تو اس کے لبوں سے (کلام مؤثر) کیونکر نہ پیدا ہوگا۔ اسی مضمون کو اس شعر میں بیان فرمایا۔

ہر کہ باشد قوتِ اُو نورِ جلال　　چوں نزاید از لبش سحرِ حلال

ترجمہ: جس کی غذا نورِ جلال یعنی ذکر و طاعت ہوگی تو اس کے لبوں سے کیونکر نہ کلام مؤثر پیدا ہوگا۔

پھر وہ دریائی گائے نورِ گوہر میں چرتے چرتے موتی سے دور چلا جاتا ہے۔ اس وقت کوئی تاجر جو اس موتی کی غرض سے وہاں درخت کے اوپر سیاہ کیچڑ لئے بیٹھا رہتا ہے اس موتی پر پھینک دیتا ہے اس سے سبزہ زار تاریک ہوجاتا ہے کیونکہ کیچڑ موتی کی شعاعِ نور کو پھیلنے سے روک دیتا ہے۔ وہ دریائی گاؤ تھوڑی دیر اسی چراگاہ میں دوڑا پھرتا ہے تاکہ اس مخالف کو سینگ میں لپیٹ لے مگر وہ درخت پر مامون بیٹھا رہتا ہے پس جب وہ دریائی گاؤ ناامید ہوجاتا ہے تو وہاں آتا ہے جہاں موتی رکھا تھا مگر وہاں آکر کیچڑ دیکھتا ہے جو دُرِ شاہوار کے اوپر رکھا ہوا ہے۔ پس کیچڑ دیکھ کر بھاگ جاتا ہے۔ اب مولانا یہاں ایک عظیم نصیحت فرماتے ہیں کہ ابلیس لعین بھی اسی جانور کی طرح سیدنا آدم علیہ السّلام کے خاکی پُتلے کو دیکھ کر بھاگا اور سجدۂ تعظیمی کرنے سے انکار کیا اور امرِ الٰہی پر اعتراض کیا کہ خاک سے آگ افضل ہے اور یہ خاکی ہیں اور میں ناری ہوں اور ابلیس بدبخت کو یہ عقل نہ آئی کہ اس خاک اور آب و گِل کے اندر خلافتِ الٰہیہ کی تاجدار سیدنا آدم علیہ السّلام کی روح مخفی ہے۔

اِھْبِطُوْا افگند جاں را در بدن　　تا بگل پنہاں بود دُرِّ عدن

ترجمہ: حکمِ الٰہی اھبطوا نے سیدنا آدم علیہ السّلام کی رُوح مُبارک کو جسدِ خاکی

میں ڈال دیا اور آپ کے آبِ گل کے پتلے میں درِ عدن مخفی ہو گیا۔

اے رُفیقاں زیں مقیل وزاں مقال

اِتَّقُوا اِنَّ الھَوٰی حَیضُ الرِّجَال

ترجمہ: اے رفیقو! اس قیلولہ سے اور مقولہ سے پرہیز کرو تحقیق کہ ہوائے نفسانی حیض الرّجال ہے یعنی زندگی کو محض عیش کوشی اور فضول بحث مُباحثہ میں ضائع کرنے کے بجائے سلوک طے کرنے میں فوراً مشغول ہو جاؤ۔

گاں بلیس از متنِ طیں کور و کر ست

گاوِ کے داند کہ در گل گوہر ست

ترجمہ: کہ وہ ابلیس مابین الطین (مٹی کے باطن) سے بے خبر اور اندھا تھا۔ وہ دریائی گاو کب واقف تھا کہ کیچڑ میں موتی پوشیدہ ہے۔

فائدہ: اسی طرح حمقائے زمانہ اہلِ اللہ کی ظاہری خستگی اور بے سروسامانی کو اپنے بنگلوں اور دیگر ٹھاٹ باٹ اور قیمتی کپڑوں سے موازنہ کر کے دھوکہ میں مُبتلا ہو جاتے ہیں انھیں یہ خبر نہیں کہ خزانہ ویرانے ہی میں ہوتا ہے اور اس بے سروسامانی ہی میں میر سامانیت ہے اور اس دیوانگی ہی میں صد فرزانیت مخفی ہے یعنی اللہ والوں کی روح میں تعلق مع اللہ کا خزانہ ہے ان کی بے سروسامانی سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے خدا ان معاندین کو ہدایت دے جو اہلُ اللہ سے نفور ہیں اور محروم ہیں۔ القصّہ مختصر یہ کہ وہ تاجر درخت سے دیکھتا رہتا ہے اس دریائی گاو کو کہ کب یہ احمق اس کیچڑ سے مایوس ہو کر دریا کی طرف رُخ کرے اور پھر اتر کر موتی نکال کر کامیاب واپس جاتا ہے اسی طرح اللہ والوں سے استفادہ میں ان کے جسمِ خاکی پر نظر مت کرو

ان کی روح سے اللہ کی خوشبو سونگھو۔ جس طرح مجنوں کو جب علم ہوا کہ لیلیٰ کا انتقال ہو گیا تو قبرستان گیا اور زار و قطار روتا ہوا ہر قبر کی مٹی کو سونگھتا تھا یہاں تک جب لیلیٰ کی قبر پر پہنچا تو مٹی کو سونگھ کر کہا کہ ہاں یہی لیلیٰ کی قبر ہے

مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

ہمچو مجنوں بو کنم ہر خاک را ۔۔۔ تا بیابم خاکِ لیلیٰ بے خطا

ترجمہ: مثل مجنوں کے میں بھی ہر خاک کو سونگھتا ہوں یہاں تک کہ خاکِ لیلیٰ کو میں بے خطا پا لیتا ہوں اسی طرح مولیٰ کی خوشبو اللہ والوں سے اللہ کے سچے مجنوں اور طالب کو مل جاتی ہے اور وہ چند مجالس اور صحبتوں میں سونگھ لیتا ہے کہ اس جسم کے اندر جو قلب ہے وہ تعلق مع اللہ کی خاص تجلی سے مشرّف ہے۔

حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تحقیق کہ میں یمن کی طرف سے اللہ کی خوشبو پا رہا ہوں یہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خوشبو تھی جو یمن کے کسی قصبۂ قرن میں بہت اللہ والے اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے اور ماں کی خدمت کے سبب دربارِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔

گفت پیغمبر کہ بر دستِ صبا ۔۔۔ از یمن می آیدم بوئے خدا

ترجمہ: پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہوا کے ہاتھ پر یمن سے مجھے خدا کی خوشبو آ رہی ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قِبَلِ الْیَمَنِ (اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ) ترجمہ ـــــ حضور علیہ السلام

نے فرمایا کہ میں رحمٰن کی خوشبو یمن کی طرف سے پا رہا ہوں۔

آج بھی خدا کے سچے عاشقین طالبین اللہ والوں سے اللہ کی خوشبو پا جاتے ہیں اور ان سے استفادہ میں عار و شرم نہیں کرتے۔

اے عدوئے شرم و اندیشہ بیا　　　که دریدم پردۂ شرم و حیا

مولانا فرماتے ہیں کہ اے عشق! اے شرم و اندیشہ کے دشمن! میرے پاس آجا کہ میں نے شرم و حیا کا پردہ چاک کر دیا۔ یعنی وہ غیر پسندیدہ شرم جو اطاعتِ امرِ الٰہی میں حائل ہو اس کو بالائے طاق رکھ دیا۔

حکایت صبر و تحمّل حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السّلام کے یہاں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا بکریوں کے چرانے کا قصّہ قرآن شریف میں منصوص ہے۔ اسی زمانے میں ایک دن ایک بکری حضرت کلیم اللہ علیہ السّلام سے بھاگ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے پاؤں اس کی تلاش میں دوڑنے سے پُر آبلہ ہو گئے اور آپ علیہ السّلام اس کی تلاش میں اتنی دور نکل گئے کہ اصل گلّہ بھی نظر نہ آتا تھا وہ بکری آخر کار تھک کر سُست ہو گئی اور کسی جگہ کھڑی ہو گئی تب حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو وہ ملی۔

آپ نے اس پر بجائے غضب اور غُصّہ اور ضرب و کُوب کے اس کی گرد جھاڑی اور اس کی پُشت اور سر پر ہاتھ پھیرتے تھے اور ماں کی طرح اس پر نوازش کرتے تھے اور باوجود اس قدر اذیّت برداشت کرنے کے آدھا ذرّہ بھی اس

پر کدورت اور غیظ نہ کیا اور اس کی تکلیف کو دیکھ کر آپ کا دل رقیق ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بکری سے فرمایا کہ میں نے فرض کیا کہ تجھ کو مجھ پر رحم نہیں آیا۔ اس لیے تو نے مجھ کو تھکایا لیکن تجھے اپنے اوپر رحم کیوں نہ آیا؟ میرے پاؤں کے آبلوں اور کانٹوں پر تجھے رحم نہ آیا تھا تو تجھے اپنے اوپر تو رحم آنا چاہیے تھا۔

اسی وقت ملائکہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ نبوت کے لیے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام زیبا ہیں (اس وقت تک آپ کو نبوّت نہ عطا ہوئی تھی) یعنی اُمّت کا غم کھانے اور ان کی طرف سے ایذا رسانی کے تحمّل کے لیے جس حوصلہ اور حسنِ دل و جگر کی ضرورت ہوتی ہے وہ خوبی ان میں موجود ہے۔

بَا مَلَائِکْ گُفْت یَزْدَاں آں زَماں　　　کِہ نَبُوَّت رَا ہَمِی زِیبَد فُلاں

ترجمہ: ملائکہ سے حق تعالیٰ نے فرمایا اس وقت کہ نبوّت کے لئے فلاں (موسیٰ علیہ السلام) زیبا ہیں۔

مُصْطَفےٰ فَرْمُوْد خُوْد کِہ ہَرْ نَبِی　　　کَرْد چُوپَانِیْش بَرْنَا یَا صَبِی

ترجمہ: مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی نے نبوّت سے قبل بکریوں کی چرواہی کی ہے۔

بخاری شریف میں یہ حدیث مذکور وارد ہے اور اس کی حکمت مولانا بیان فرماتے ہیں۔

تَا شَوَد پَیْدَا وَقَار و صَبْرِ شَاں　　　کَرْدِشَاں پِیْش اَزْ نَبُوَّت حَق شُبَاں

ترجمہ: تاکہ بکریوں کے چرانے سے انبیاء علیہم السلام کا صبر اور وقار ظاہر ہو جاوے۔ اسی لیے نبوۃ سے قبل ان کو شبان بنایا جاتا ہے یہ شبانی یعنی بکریوں کی

چرواہی صبر و حلم کی عادت پیدا کرتی ہے کیونکہ بکریاں اکثر مختلف جانب بکھر جاتی ہیں ان کے جمع رکھنے اور نگرانی میں پریشانی ہوتی ہے۔ جیسا کہ اس قصہّ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پریشان کیا۔

گفت سائل ہم تو نیز اے پہلواں
گفت من ہم بودہ ام دہرے شباں

کسی سائل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا آپ بھی اے سید الخلائق؟ فرمایا کہ ہاں میں نے بھی ایک زمانے تک بکریاں چرائی ہیں۔

لاجرم بخشش دہد چوپانیے
برفراز چرخِ مہ روحانیے

حق تعالیٰ اس چرواہی کے بعد روحانی چوپانی عطا فرماتے ہیں (یعنی فلک قمر کے اوپر روحانی چوپانی) مراد مقامِ ارشاد و تربیتِ عباد ہے۔ پس بعد اداءِ حق رعیِ غنم[1] کے رعیِ روحانی[2] کا منصب انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتے ہیں۔

حکایت حضرت صفورا علیہا السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرۂ مبارک پر تجلیِ طور کے بعد ایسی قوی تجلی رہتی تھی کہ بدون نقاب آپ کے چہرہ کو جو دیکھتا اس کی آنکھ کی روشنی چکا چوند ہو کر ختم ہو جاتی۔ انھوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ ایسا نقاب عطا فرمائیے جو اس قوی نور کا ساتر بن جائے اور آپ کی مخلوق کی آنکھوں کو نقصان نہ پہنچے۔ ارشاد ہوا

---

[1] ریوڑ چرانے کا حق ادا کرنے کے بعد [2] یعنی لوگوں کی روحانی رہبری

کہ اپنے اس کمبل کا نقاب بنالو جو کوہِ طور پر آپ کے جسم پر تھا اور جس نے طور کی تجلی کا تحمّل کیا ہوا ہے اور بالیقین یہ عارف کا لباس ہے اور اس کمبل کے علاوہ اے موسیٰ علیہ السلام! اگر کوہِ قاف بھی آپ کے چہرہ کی تجلی بند کرنے کو آجاوے تو وہ بھی مثل کوہِ طور ٹکڑے ٹکڑے ہوجاوے گا۔ کمالِ قدرتِ الٰہیّہ سے مردانِ خدا کے ابدان نے نورِ بے کیف کا تحمّل پایا۔ جس چیز کو کوہِ طور نہ برداشت کرسکا۔ قدرتِ حق اس کی جگہ ایک آبگینہ کو (قلبِ عارف) بنادیتی ہے۔ اِسی مضمون کو محمد مصطفےٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حدیثِ قدسی میں بیان فرمایا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

کہ نگنجیدم در افلاک و خلا   در عقول و در نفوس با علا

کہ میں نہیں سمایا ہوں افلاک اور خلا میں اور نہ عقول اور نفوس میں جو علوی ہیں۔

دَر دِلِ مومن بگنجیدم چو ضیف
بے زِچوں وَ بے چگونہ وَ بے کیف

مگر مومن کے دل میں مہمان کی طرح سماجاتا ہوں بلاچوں و بلاچگوں اور بلاکیف تشبیہ ضیف کے ساتھ اکرام و محبوبیّت میں ہے اور پورا دخل دینے میں ہے جیسا کہ مہمان محبوب پورا دخیل اور حاکم ہوتا ہے اور سمانا ظرفیّت اور مظروفیّت کے طور پر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے منزّہ و پاک ہیں یہ بلاچوں بلاچگونہ بلاکیف ہے۔

بے چنیں آئینہ ایں خوبی من   بر نتابد نے زمین و نے زمن

بدون ایسے آئینہ کے میرے جمال کو کوئی برداشت نہ کرسکتا تھا نہ زمین نہ آسمان۔

حاصل قصہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کمبل کا نقاب بنالیا اور بدون نقاب خلائق کو اپنا چہرہ دیکھنے سے منع فرما دیا۔ حضرت حکیم الامّت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

نے لکھا ہے کہ جونپور میں حضرت قطب المدار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوئی بزرگ گذرے ہیں جن کو نسبتِ موسوی حاصل تھی اور اُنکے چہرے کو بے نقاب کوئی دیکھ نہ سکتا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس کمبل کے ٹکڑے نے وہ کام کیا جو آہنیں دیواریں بھی نہ کر سکتی تھیں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لباس کے علاوہ اگر کوئی نقاب لوہے کا بھی ہوتا تب بھی وہ نور جو تجلی طور کے بعد آپ کے چہرہ پر تھا اس کے پار ہو جاتا۔ وہ نقاب مصاحبِ حرارتِ عشق الٰہی رہا تھا۔ سوز کے وقت وہ ایک عارف باللہ کا خرقہ رہ چکا تھا اس لئے وہ اس نور کا ساتر اور حجاب بن گیا۔

اب حضرت صفورا علیہا السلام جو آپ کی اہلیہ تھیں اور آپکے حُسنِ نبوّت پر عاشق تھیں اس نقاب سے بے چین ہوگئیں اور جب صبر کے مقام پر عشق نے آگ رکھ دی تو آپ نے اسی شوق اور بے تابی سے پہلے ایک آنکھ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ کے نور کو دیکھا اور اس سے اُن کی وہ آنکھ غائب ہوگئی۔ اس کے بعد بھی ان کو صبر نہ آیا اور دوسری آنکھ بھی کھول دی اور اس دوسری آنکھ سے جب نظارۂ تجلیاتِ طُور کا پس منظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرہ پر دیکھنا چاہا تو وہ بھی بے نُور ہوگئی۔

مولانا فرماتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہلے طالب روٹی دیتا ہے یعنی روٹی سے پیدا شدہ قوتوں کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کر دیتا ہے مگر جب اس پر نُورِ طاعت اثر کرتا ہے تو جان بھی حوالہ کر دیتا ہے۔ اس مضمون کا شعر یہ ہے:

چُوں بُرُوزَد نُورِ طَاعَت جاں دِہَد　　ہمچُناں مَردِ مُجاہِد ناں دِہَد

اس وقت حضرت صفورہ علیہا السلام سے ایک عورت نے پُوچھا کہ کیا تمھیں اپنی آنکھوں کے بے نور ہونے پر کچھ حسرت وغم ہے۔

گُفت حَسرت میخورم کہ صد ہزار
دِیدہ بُودے تا ہمی کردم نثار

فرمایا کہ مجھے تو یہ حسرت ہے کہ ایسی سو ہزار آنکھیں اور بھی عطا ہو جاتیں تو میں اُن سب کو اُس محبوب (حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے چہرۂ تاباں کے دیکھنے میں قربان کر دیتی۔ خزانہ اس بات کی نوبت کب آنے دے کہ میرا ویرانہ قصر و محل کو یاد کرے یعنی جس ویرانہ میں خزانہ دفن ہوتا ہے تو وہ ویرانہ اس قدر مسرور اور مستغنی ہوتا ہے کہ کبھی محلّاتِ شاہی کو بھی یاد نہیں کرتا۔ اسی طرح حضرت صفورہ علیہا السّلام نے فرمایا کہ میری آنکھوں سے نور تو چلا گیا مگر آنکھوں کے حلقے کے ویرانے میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے چہرہ کا خاص نور سما گیا ہے۔

حق تعالیٰ کو حضرت صفورہ علیہا السّلام کے عشق کا یہ مقام اور یہ کلام بہت پسند آیا اور خزانۂ غیب سے پھر ان کی دونوں آنکھوں کو ایسی بینائی کا نور بخش دیا جس سے وہ ہمیشہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو دیکھا کرتی تھیں اور اس میں ایسا تحمّل اللہ تعالیٰ نے دیا تھا کہ وہ پھر کبھی اس نُورِ خاص سے ضائع نہ ہوتیں۔

حکایت چُوہے اور مینڈک کی دوستی

ایک دریا کے کنارے ایک چُوہے سے ایک مینڈک کی دوستی ہوگئی اور یہ محبّت درجۂ عشق و آشنائی تک پہنچی یہاں تک دونوں ایک وقتِ معیّن پر ہر صُبح کو مُلاقات کے پابند ہوگئے اور دیر تک دونوں تبادلۂ خیالات کرتے تھے۔ دونوں کا دِل باہم مُلاقات سے مسرور اور کُشادہ ہوتا۔ ایک دوسرے سے قِصّے کہتے بھی تھے اور سُنتے بھی تھے۔ راز گو تھے بے زبان بھی تھے اور باز بان بھی تھے جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو پانچ پانچ سال کے قِصّے یاد آتے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جب مناسبت ہوتی ہے تو ؎

جوشِ نُطق اَز دِل نشانِ دُوستی است　　بَستگیٔ نُطق اَز بے اُلفتی است

گویائی اور گُفتگو کا جوش دِل سے اُٹھنا علامتِ محبّت ہے اور گویائی میں رکاوٹ اور بستگی علامت بے الفتی ہے۔

دِل کہ دِلبر دِید کے مانَد تُرش　　بُلبلے گُل دِید کے مانَد خمُش

جس دِل نے دلبر کو دیکھ لیا تو تُرش رُو کب رہ سکتا ہے اور جب بُلبل پھُول کو دیکھ لیتا ہے تو خاموش کیسے رہ سکتا ہے۔

یار چوں با یارِ خود بَنشستہ شُد　　صد ہزاراں لوحِ دِل دانستہ شُد

جب یار اپنے یار کے پاس بیٹھتا ہے تو لاکھوں لوحِ قلب معلوم ہو جاتے ہیں۔

لوحِ محفُوظ اُست پیشانیٔ یار　　رازِ کونینش نمایَد آشکار

لوحِ محفوظ ہے یار کی پیشانی جو کونین کے اسرار آشکارا کر دیتی ہے عاشق پر۔

مُصطفےٰ زِیں گُفت اَصحابی نجُوم　　ہادیٔ رَاہ ست یارِ اَندر قدُوم

ہادی طریق ہے یارِ سلوک میں اسی سے مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اَصحابی رضی اللہ عنہم مثلِ نجوم کے ہیں ہدایت دینے میں۔ نجوم کی ہدایت دُنیا کے راستے کی اور ان کی ہدایت آخرت کے راستے کی ہوتی ہے۔

تشریح

مولانا کی مُراد اشعارِ مذکورہ سے یہ ہے کہ جس طرح عشّاقِ مجازی (متحابّین للطّبع) کی مُلاقات مَظہرِ اسرارِ مَحبّتِ مجازیہ ہوتی ہے۔ اسی طرح متحابّین فِی اللہ کی تلاقی (مُلاقات) مَظہرِ اسرارِ محبّتِ حقیقیہ ہوتی ہے۔ پس جس محبّت کا سبب حق تعالیٰ کی ذات ہے جیسا کہ طالب کو اپنے مُرشد سے ہوتی ہے تو یہ تعلّق بھی ہادی الی الحق ہوتا ہے۔ چنانچہ جب مُرید اپنے شیخ کے پاس بیٹھتا ہے تو لاکھوں لوحِ قلب معلوم ہوتے ہیں یعنی مُرشد کے قلب سے فیض و برکات علوم و معارف اور واردات جو پہلے ظاہر نہ تھے مُنعکس اور مُنکشف ہونے لگتے ہیں اور شب و روز سالکین کو اس کا مُشاہدہ ہے پیشانی یار کے لوحِ محفوظ ہونے سے مُراد یہ ہے کہ طالب کو اپنے مرشدِ کامل کی پیشانی سے یعنی زیارت و مُلاقات سے عجیب و غریب علُوم اور فیوض محسوس ہوتے ہیں۔ دِل کی بیماریوں کو بھی شفاء محسوس ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے تعلّق و محبّت و یقین میں بھی ترقی محسوس ہوتی ہے۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح ستاروں سے دُنیا کے راستے کی ہدایت کے لئے شرط ہے کہ گرد و غبار نہ اُڑائے تاکہ فضا صاف رہے اور تمھارے اور ستاروں کے درمیان اگر فضا گرد آلود ہو جاوے تو پھر ہدایت نہیں ہوگی اسی طرح اللہ والوں کے پاس جب حاضری ہو تو ان کی زیارت و صحبت اور تعلیم و ارشاد کا انتظار کرو اور کان بن کر

خاموشی سے ان کی بات سُنو۔ مُباحثہ اور مُکالمہ کے طریقہ سے غبار نہ اُٹھاؤ کہ ردّ و قدح اور اعتراض و اشکال اُن کی باتوں پر شروع کردو۔ ایسی حرکت سے شیخ کا قلب مکدّر ہوجاوے گا جس سے فیض بند ہوجاتا ہے۔

اِس کا یہ مطلب نہیں کہ شیخ کے سامنے بالکل بولو ہی مت کیونکہ بالکل نہ بولنا بھی فیض بند کر دیتا ہے۔ ہر ضرورت کا عِلم شیخ کو نہیں ہوتا پس اپنے حالات ضروریہ باطنیہ کی اِطلاع کرو اور مُشاورۃ کا سلسلہ کرو۔ مراد نہ بولنے سے قیل و قال اور اعتراض ہے بالکل نہ بولنے سے تو دِل ہی نہ ملے گا اور اُنس آپس میں نہ پیدا ہونے سے دِل ایک دوسرے سے دور رہوں گے جو مضر ہے۔

زاں مِے کاں مے چو نوشیدہ شود
آبِ نُطق از گنگ جوشیدہ شود

اللہ تعالیٰ کی محبّت کی شراب جب کسی مرشدِ کامِل سے پی لی جاتی ہے تو اگر گونگا بھی ہوگا تو اس کی گویائی جوش میں آجاوے گی۔ مراد یہ ہے کہ اللہ والوں کی صُحبت سے جب دِل میں محبتِ حق پیدا ہوجاتی ہے تو کم پڑھے لکھے لوگ بھی ہدایت کے مضامین بیان کرنے لگتے ہیں جس کی نظیر میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھ لیا جاوے کہ خود کافیہ تک پڑھے تھے اور بڑے بڑے علماء و محدّثین و مُفسّرین کے شیخِ طریق تھے۔

از گہے کہ یافت زاں مے خوش لبی
صد غزل آموخت داؤد نبی

جِس وقت سے شرابِ محبّتِ حق سے حضرتِ داؤد علیہ السّلام کو خوش لبی حاصل

ہوئی تو صدہا غزل انھوں نے سیکھ لیں۔ یعنی رقّت آمیز اور دردناک کلام ان کے قلب میں از قبیلِ مناجات پیدا ہونے لگا۔

جُملۂ مُرغاں ترک کردہ چیک چیک
ہمزباں دیار داؤد ملیک

یہاں تک کہ تمام پرندے چیک چیک کی آواز ترک کر کے حضرتِ داؤد علیہ السلام کی صحبت میں ان کی آواز سُننے لگے۔ چند مضامین ارشادی بیان کرنے کے بعد۔

رجوع اِلی الحکایت

مولانا پھر اصل قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مینڈک سے ایک دن چوہے نے کہا کہ آپ تو پانی کے اندر دوڑ لگاتے رہتے ہیں اور ہم خشکی میں جدائی کا غم کھاتے ہیں۔ میں ندی کے کنارے تجھے آواز دیتا ہوں تو پانی کے اندر عاشقوں کی آواز سُنتا نہیں۔ میں صرف معین تھوڑے وقت پر گفتگو سے سیر نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ نماز کو پانچ وقت تو فرض قرار دیا ہے لیکن عاشقوں کے لئے صلوٰۃ دائمون ہے کہ وہ نوافل پڑھنے کا لُطف بھی لیتے ہیں۔

زیست زرغبا نشانِ عاشقاں
سخت مُستسقی است جانِ صادقاں

باری باری ناغہ دے کر مُلاقات عاشقوں کے لئے نہیں ہے صادقین کی جانیں تو سخت پیاسی ہوتی ہیں۔

زیست زرغبا وظیفہ ماہیاں — زانکہ بے دریا ندارند اُنس جاں

ناغہ دیکر مُلاقات مچھلیوں کے لئے نہیں ہے کہ بدون دریا کے انھیں تو چین ہی نہیں۔

در دلِ عاشق بجز معشوق نیست
درمیاں شاں فارق و مفروق نیست

عاشقوں کے دل میں بجز معشوق کے کچھ نہیں ہے ان کے درمیان فارق اور مفروق نہیں ہے۔

تشریح مراد مولانا کی اس حدیث کی طرف ہے کہ مُلاقات ایک دِن کے فصل سے محبّت کو بڑھاتی ہے۔ پس مولانا نے یہاں فرمایا کہ مگر عشّاق اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کُنْتُ اَلْزَمُ لِصُحْبَتِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں تو ہر وقت حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی صحبتِ مُبارکہ سے لازم ملزوم کی طرح چپکا رہتا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا اس لزوم کو جائز رکھنا اور منع نہ فرمانا یہ مخصّص بن گیا۔ حدیثِ زُرغبًا کے لئے۔ پس اس حدیث سے وہ حکم عام مخصوص منہ البعض بن گیا اور یہ حکم ناغہ دے کر مُلاقات کے لِئے اس وقت ارشاد ہوا تھا۔ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوہریرہ کل تم کہاں تھے اُنھوں نے کہا بعض اعزّہ سے مِلنے گیا تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا ایک دن کے فصل سے ملا کرو پس دونوں حدیثوں میں تطبیق کی صورت یہ ہُوتی کہ لزوم و دوامِ صحبت کا موقع جہاں تعلّق شدید اور محبّت قوی ہو اور غب یعنی ناغہ سے مِلنے کا موقع جہاں تعلّق غیر قوی اور محبّت غیر شدید ہو۔

یک دمِ ہجران بر عاشق چو سال　　وصلِ سالِ متصل پیشش خیال

جدائی کا ایک لحظہ بھی عاشق کے نزدیک مثل سال کے ہے اور متواتر ایک سال

کا وصل اس کے سامنے ایک خیال ہے۔

دریا کا پانی کتنا ہی ہولناک ہو لیکن مچھلیوں کے اشتیاق کے سامنے وہ ایک جرعہ ہے۔ یعنی پانی سے اُن کو گھبراہٹ نہیں ہوتی۔

آگے مولانا فرماتے ہیں اہلِ دُنیا عشقِ مجازی کو بہت جلد سمجھ جاتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی محبّت کو جو انبیائے کرام علیھم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیائے عظام کی مُبارک جانوں کو عطا فرمائی جاتی ہے، نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دُنیا کے ظاہری آرام کے حجاب میں ہیں اور حق تعالیٰ کی محبّت کا لُطف موقوف ہے نفس کے تقاضوں کو فنا کرنے پر پس یہ نعمت انھیں کو ملتی ہے جو اپنے کو مٹا دیتے ہیں محض عقل سے اس کا ادراک ممکن نہیں۔

گر بعقل ادراکِ ایں ممکن بُدے
قہرِ نفس از بہرِ چہ واجب شُدے
با چناں رحمت کہ دارد شاہ ہُش
بے ضرورت چوں بگوید نفس کُش

ترجمہ: اگر عقل سے اللہ تعالیٰ کی محبّت کا ادراک ممکن ہوتا تو مجاہدۂ نفس کس لئے ضروری ہوتا۔ باوجود ایسی رحمت کے کہ وہ سُلطان العقول یعنی اللہ تعالیٰ رکھتے ہیں۔ بے ضرورت کیوں فرماتے کہ نفس کی مخالفت کرو اور خواہشات کو مغلوب کرو۔ مجاہدہ ہی سے نفس میں اضمحلال اور فنائیت پیدا ہوتی ہے اور اسی پر حق تعالیٰ کی معرفت موقوف ہے۔ حضرت اقدس حکیم الامّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جب مولانا سیّد سلیمان ندوی نے دریافت کیا کہ حضرت! فقیری کس چیز کا نام ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اپنے کو مٹا دینے کا۔

رجوع اِلی الحکایت

پھر اصل حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ چوہے نے کہا اے یار مینڈک! میں بدون تیرا چہرۂ حسیں دیکھے ایک دم کو بھی چین نہیں پاتا۔ دن کو میری معاش تیرا دیدار ہے رات کو میری تسلّی اور قرار اور نیند تو ہی ہے تیرا احسان ہو گا کہ تو مجھے مسرور کردیا کرے اور وقت بے وقت ملاقات کا لُطف چکھا دیا کرے۔

اَز مُرُوَّت بَاشَد اَرْ شَادَم کُنِیْ وَقْت بےوَقْت اَزْ کَرَم یَادَم کُنِیْ

ترجمہ: مروت ہوگی کہ تو مجھے شاد کرے اور وقت بے وقت اپنی محبّت سے یاد کرلیا کرے۔

بےنیازی اَزْ غَمِ مَن اے اَمِیْر دِہ زَکوٰۃِ حُسْن وَ بِنگر دَر فَقِیْر

ترجمہ: تو میرے غم سے اے امیر بے پرواہے اپنے حُسن کی زکوٰۃ دے یعنی اس محتاج پر نظرِ عنایت فرما اور شرفِ دیدار سے مجھے مُسرور فرما۔

اب مولانا حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہوگئے اور مولانا کا مقصود بھی ان قصّوں سے یہی ہے۔

اِیں فَقِیْرِ بےاَدَب نَادَرخُورَست لیک لُطْفِ عَامِ تُوزاں بَرتَرَسْت

ترجمہ: اے اللہ! یہ محتاج بے ادب اور نالائق ہے لیکن آپ کا لُطفِ عام اس سے برتر و ارفع ہے۔

مِی نَجُوْیَد لُطْفِ عَامِ تُو سَنَد آفتابے بَرحَدَثْہَا مِی زَنَد

ترجمہ: اے اللہ! آپ کا لُطفِ عام سند اور قابلیت نہیں ڈھونڈتا ہے اور آپ کا آفتابِ کرم نجاستوں پر بھی اثر کرتا ہے۔

شمس ہم معدہ زمیں را گرم کرد　　تا زمیں باقی حدثہا را بخورد

ترجمہ: یعنی آپ کے آفتاب نے زمین کا معدہ گرم کردیا جس کی حرارت نے نجاست کو اندر جذب کرلیا۔

جزوِ خاکی گشت و رست از وے نبات

ھٰکَذَا یَمْحُوا الْاِلٰہُ السَّیِّاٰتِ

ترجمہ: وہ نجاست جز خاکی ہوگئی اور اس سے نباتات پیدا ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ سیئات کو محو کردیتے ہیں۔

چوں خبیثاں را چنیں خلعت دہد　　طیبیں را تا چہ بخشد در رسد

ترجمہ: جب خبیثوں کو ایسا خلعت دیتے ہیں تو طیبین کو تو کیا کچھ بخشدیں گے حصہ میں۔

آں دہد حق شاں کہ لا عینٌ رأت　　کاں نگنجد در زبان و در لغت

ترجمہ: حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو وہ کچھ دیں گے جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا ہوگا اور جو کہ زبان اور لغت میں نہیں سما سکتا۔

ما کییم ایں را بیاں کن یارِ من　　روزِ من روشن کن از خلقِ حسن

ترجمہ: ہم کون ہیں اس کو آپ ہی بیان کیجئے اے میرے محبوب! میرے دل کو خلق حسن سے روشن کیجئے۔

تشریح مولانا حق تعالیٰ شانہٗ کے تصرفات اور قدرتِ عجیبہ کو بیان کرتے ہیں کہ اے اللہ! آپ کا آفتابِ کرم جب دنیا میں روشن ہوکر زمین پر پڑی ہوئی نجاستوں کے کچھ حصے کو تو خشک کرکے ایندھن بنا دیتا ہے۔ جس سے وہ

تنور میں روشنی اور نور بن جاتا ہے اور کچھ حصہ کو زمین کے اندر داخل کر کے کھاد بنا دیتا ہے جس سے نباتات اور گلاب بیلا خوشبودار پودے نکلتے ہیں۔ زمین کے اندر نجاست کے رقیق اجزا اس طرح داخل ہوتے ہیں کہ آفتاب زمین کے باطن کو گرم کر دیتا ہے اور حرارت کا خاصّہ انجذاب ہے۔ پس اے اللہ! جب نجاستوں پر آپ کا یہ کرم ہے تو اپنے صالحین اور عاشقین کو کیا کچھ عطا فرمائیں گے۔ ایسی نعمتیں دیں گے کہ آنکھوں نے نہ دیکھی ہوں گی اور نہ خیال و وہم میں بھی ان کا تصوّر آیا ہوگا۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔

أَعْدَدْتُّ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ کسی پر غیب سے علوم و معارف کا وارد ہونا علامت ہے کہ اس شخص کے قلب پر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے خاص نگاہِ کرم اور خاص فیضانِ رحمت ہے اور اس کو اس انداز میں بیان فرماتے ہیں۔

چوں ببینی بر لبِ جو سبزہ مست
پس بداں از دور کاینجا آب ہست

ترجمہ: جب تو ندی کے کنارے پر سبزہ مست دیکھے تو دور ہی سے یقین کر لے اس جگہ پانی موجود ہے۔

گفت سیما ہم وجوہ کردگار　کہ بود غمّاز باران سبزہ زار

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے اصحاب کے چہروں سے ان کے قلب کا نور چھلکا پڑتا ہے اور یہ فراوانیٔ نور کثرتِ عبادت بالخصوص

(صحیح مسلم ص ۳۷۸ ج ۲)

تہجد کی نماز اور استغفار و آہِ سحر سے ہے۔

دوسرے مصرعہ میں ایک اور مثال دیتے ہیں کہ بارش کی مخبری سبزہ زار کرتا ہے۔

گر ببارد شب نہ بیند ہیچ کس
کہ بود در خواب ہر نفس و نفس

ترجمہ: اگر شب کو بارش ہو اور کوئی بارش کو نہ دیکھے کیونکہ رات کو ہر سانس لینے والا نیند میں بے خبر ہوتا ہے لیکن صبح جب باغوں کو ہرا بھرا دیکھتا ہے تو سمجھ جاتا ہے کہ رات بارش ہوئی تھی۔

تازگی ہر گلستانِ جمیل
ہست بر بارانِ پنہانی دلیل

ترجمہ: ہر باغِ باجمال کی تازگی دلیل ہوتی ہے بارانِ مخفی پر۔

رجوع الی الحکایت

پھر مولانا چوہے کی حکایت کی طرف رجوع ہوتے ہیں کہ اس چوہے نے کہا مینڈک سے کہ اے بھائی میں خاکی ہوں اور تو آبی ہے یعنی پانی کا رہنے والا ہے۔ میں پانی میں آ نہیں سکتا مجبور ہوں اور تو خشکی میں آسکتا ہے لیکن تم کو اطلاع کیسے ہو کہ میں تم سے ملاقات کا مشتاق ہوں۔ دیر تک اس پر مشورہ ہوتا رہا اور انجام کار چوہے نے یہ رائے پیش کی کہ ایک لمبی ڈوری (رسی) لائی جائے اور ایک کنارہ اس کا تمہارے پاؤں میں بندھا ہوا ہو اور دوسرا سرا میرے پاؤں میں بندھا ہو۔ پس جب مجھ کو ملاقات کرنی ہوگی ڈوری کو ملا دوں گا تو اس طرح تمہیں پانی کے اندر ڈوری کی حرکت محسوس ہوگی اور تم ندی کے کنارے آجایا کرنا۔ اس طرح ہم دونوں کی ملاقات ہو جایا کرے گی۔

مینڈک کو چوہے کی یہ بات بری معلوم ہوئی اور دل میں کہا کہ یہ خبیث مجھے اپنے قید و بند میں لانا چاہتا ہے۔

ایں عجب نبود کہ کور افتد بچاہ ۔۔۔ بوالعجب افتادنِ بینائے راہ

یہ تعجب نہیں کہ اندھا کنوئیں میں گر جاوے تعجب تو یہ ہے کہ بینائے راہ کنوئیں میں گر جاوے۔

اِس خیال کے باوجود مینڈک نے اپنے قلب میں میلان پایا کہ چوہے کی درخواست قبول کرلے عقل پر جب طبعی خواہش غالب ہو جاتی ہے تو یہ نہایت خطرناک مستقبل کا نقطۂ آغاز ہوتا ہے۔ اب مینڈک کی ہلاکت اور تباہی کا ماجرا بیان فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ڈوری ہلا کر بار بار مُلاقات کی لذّت کے عادی ہوگئے تھے کہ ایک دِن اس بُری صحبت کا انجام سامنے آیا یعنی اس خبیث چوہے کو ایک چیل اپنے چنگل میں لے اُڑی اور ساتھ ہی ساتھ چونکہ ڈوری کا دوسرا سِرا مینڈک کے پاؤں میں بندھا ہوا تھا اس وجہ سے مینڈک بھی پانی کے اندر سے (کہ مسکنِ عافیت و راحت اس کا تھا) لٹکا ہوا چیل کے ساتھ ساتھ اوپر فضا میں مُعلّق ہوا۔ چوہے خبیث کا جو حشر ہوا وہی اس مینڈک کا بھی حشر ہوا یعنی دونوں کو ہلاک کرکے چیل نے اپنا لقمہ بنالیا۔ اگر مینڈک پانی کے اندر رہتا اور چوہے خبیث سے دوستی کا یہ رابطہ نہ قائم کرتا تو پانی کے اندر چیل کی دُشمنی اس کا کچھ بال بیکا نہ کرسکتی اور نہ ہی وہ اس چیل کا لقمۂ تر بنتا۔

فائدہ: اس واقعہ میں مولانا نے بُری صحبت سے بچنے کی کس اندازِ لطیف سے ہدایت کی ہے کہ پُر لطف قصّہ بھی ہے اور ہدایت کی راہ بھی ہے راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ رُوح اور نفس اور شیطان کو اسی قصّہ پر منطبق کیا جاوے کہ نفسِ امّارہ مثل خبیث چوہے کے ہے بُری خصلت کے اعتبار سے اور رُوح مثلِ مینڈک ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا پانی ہی اس کا اصل مرکز ہے اور چیل کی مثال شیطان کی سی ہے پس نفس

اپنی خواہشات کے لئے روح کو ہر طرح پھسلاتا ہے اور اس سے ڈور باندھنے کی کوشش کرتا ہے اب جس کی روح نفس کی خواہش پر تسلیم سر کرتی ہے اور اس سے رابطہ قائم کرلیتی ہے تو شیطان اس نفس کو جہاں جہاں چاہتا ہے گھسیٹتا ہے اور روح بھی اس کے ساتھ ذلیل پھرتی ہے بوجہ رابطہ بالنفس کے اور انجام کار شیطان جب دوزخ میں جاوے گا تو یہ نفس جو اس کے چنگل میں تھا وہ بھی جاوے گا اور روح جو نفس سے رابطہ گناہوں میں کئے ہوئے تھی وہ بھی دوزخ میں معذّب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ ہم اس واقعہ سے سبق حاصل کرلیں اور نفس اور شیطان سے اپنے کو محفوظ رکھیں جس کی صورت یہ ہوگی۔

(ا) روح ذکر اللہ سے غافل نہ ہو کبھی قلب جوارح دونوں کے ساتھ کبھی صرف قلب کے ساتھ ان مواقع کی تفصیل بزرگانِ دین سے معلوم کریں۔

(ب) نفس کتنا ہی گناہ کا لطف سامنے رکھے ادھر رخ بھی نہ کرو اس کو اپنا دشمن سمجھو اور دشمن بھی بڑا دشمن۔ ابلیس سے بھی بڑا دشمن نفس ہے۔

(ج) شیطان کے وسوسوں پر لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھتے رہو اور کسی اللہ والے کی نظرِ عنایت کے سایہ میں رہو یعنی ان کی صحبت سے ان کے علوم وارشاد سے استفادہ کرتے رہو اور شیطان کا قبضہ اسی وقت ہوتا ہے جس وقت ہماری روح نفس سے ساز باز اور صلح کرلیتی ہے لہٰذا ابلیس لعین کے شر سے بچنے کے لئے نفس کی مخالفت ازحد ضروری ہے۔ نفس کو جو مغلوب رکھے گا وہ انشاء اللہ تعالیٰ شیطان پر غالب رہے گا اور نفس پر غالب ہونا آسان نہیں جب تک کسی اللہ والے سے قوی اور صحیح تعلق نہ کیا جاوے۔

قوی تعلّق سے مراد محبّت اور مناسبت ہے۔

صحیح تعلّق سے مراد اس کی ہدایات پر عمل ہے یعنی اپنا حال کہہ کر اُن سے مشورہ لیا جاوے اور اس پر عمل کیا جاوے چند دِن میں کایا پلٹ جاتی ہے۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بُزرگوں کی نظر سے پیدا

(جج اکبر الہ آبادی)

حکایت طوطی و بقّال

طوطی۔ طوطا۔ بقّال۔ دوکاندار

ایک دوکاندار نے ایک طوطا پال رکھا تھا اور اس خوش آواز سبز رنگ کے طوطے سے اس دوکاندار کو بہت محبّت تھی اور یہ طوطا خوب باتیں کرتا اور خریداروں کو خوش کرتا اور جب دوکاندار نہ ہوتا تو دوکان کی بھی وہ حفاظت کرتا۔

ایک دن دوکاندار نہ تھا اور اچانک ایک بلّی نے کسی چوہے کو پکڑنے کے لِئے حملہ کیا۔ اس طوطے نے سمجھا کہ شاید مجھے پکڑنا چاہتی ہے یہ اپنی جان بچانے کے لئے ایک طرف کو بھاگا اسی طرف بادام کے تیل کی بوتل رکھی تھی، سارا تیل گر گیا۔ جب دوکاندار آیا تو اس نے اپنی گدی پر تیل کی چکناہٹ محسوس کی اور دیکھا کہ بوتل سے تیل گر گیا ہے اس نے غصّہ میں اس طوطے کے سر پر ایسی چوٹ لگائی جس سے اس کا سر گنجا ہو گیا۔ یہ طوطا اس دوکاندار سے ناراض ہو گیا اور بولنا چھوڑ دیا۔

طوطے کے اس فعل سے دوکاندار کو سخت پریشانی ہوئی اور بہت ندامت ہوئی کہ میں اب کیا کروں کیونکہ دوکاندار کو اس کی باتوں سے بڑا لطف ملتا تھا کئی روز تک اس طوطے کی خوشامد کی۔ طرح طرح کے پھل دیئے کہ خوش ہو جاوے لیکن طوطا بالکل خاموش تھا۔ اس دوکان پر جو خریدار آتے وہ بھی اس کے خاموش رہنے سے تعجب اور افسوس کرتے۔

ایک دن اس دوکان کے سامنے سے ایک کمبل پوش فقیر سر مُنڈائے ہُوئے گذرے تو یہ طوطا فوراً بلند آواز سے بولا کہ اَے گنجے تو کس سبب سے گنجا ہوا تو نے بھی بوتل سے تیل گرا دیا ہوگا۔

طوطے کے اِس قیاس سے لوگوں کو ہنسی آگئی کہ اس نے کمبل پوش فقیر کو بھی اپنے اوپر قیاس کیا۔

اب مولانا اس واقعہ سے رجوع کرتے ہُوئے نصیحت فرماتے ہیں کہ

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر　　گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

ترجمہ: اے عزیز! پاک لوگوں کے مُعاملہ کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو اگرچہ لکھنے میں شیر (یعنی دودھ) اور شیر (جانور) ایک طرح کا ہوتا ہے۔

شیر آں باشد کہ مردم میخورد　　شیر آں باشد کہ مردم می خورد

ترجمہ: لیکن شیر (دُودھ) کو آدمی کھاتا ہے اور شیر (جانور) آدمی کو کھاتا ہے۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شُد　　کم کسے ز ابدالِ حق آگاہ شُد

ترجمہ: تمام جہان اس غلط قیاس کے سبب گمراہ ہوگیا اور شاذ و نادر ہی لوگ اولیاء اللہ اور ابدالِ حق سے آگاہ ہُوئے۔

اَشقیارا دیدہ بینا نبود نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

ترجمہ : بدبخت لوگ حق بینی کی آنکھ سے محروم تھے نیک اور بد ان کی نظر میں یکساں نظر آئے ۔

ہمسری با انبیا برداشتند اولیا را ہمچو خود پنداشتند

ترجمہ : اپنے غلط قیاس سے کبھی اُنھوں نے انبیاء کے ساتھ برابری کا دعویٰ کیا اور کبھی اولیاء اللہ کو اپنے برابر سمجھ لیا ۔

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

ترجمہ : اگر کسی نے اعتراض کیا ان کی سوء ادبی پر تو یہ کہا کہ ارے ہم بھی انسان یہ بھی انسان ہم اور یہ دونوں سونے اور کھانے کے پابند ہیں تو ہم میں اور ان میں کیا فرق ہوا ۔

آگے مولانا نے بیان فرمایا کہ ظاہری صورت ایک ہونے سے حقیقت کا اتحاد لازم نہیں آتا اور اس دعویٰ کو چند مثالوں سے سمجھاتے ہیں ۔

۱ ۔ بھڑ اور شہد کی مکھیوں نے پھولوں کا رس چوسا دونوں کی غذا میں اتحاد ہے لیکن بھڑ میں اس رس نے زہریلا اثر اس کے ڈنک میں جمع کیا اور شہد کی مکھیوں میں پھولوں کے رس نے شہد بنایا ۔

۲ ۔ دو قسم کے ہرنوں نے ایک ہی قسم کی گھاس کھائی ایک کے اندر اسی گھاس نے مینگنیاں بنائیں اور دوسرے ہرن کے اندر اس نے کستوری (مشکِ خالص)

۳ ۔ دو قسم کے گنّے کو ایک ہی گھاٹ سے پانی دیا گیا ایک کھوکھلا ہے اور ایک کے اندر اسی پانی نے شکر بنائی یعنی رس سے پر کیا جس کو گنّا کہتے ہیں ۔

۴ ۔ ایک فاسق انسان روٹی کھاتا ہے اس کے اندر یہ روٹی بخل و حسد اور شہوت

پیدا کرتی ہے اور وہی روٹی ایک اللہ کا ولی کھاتا ہے تو وہ روٹی اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا عشق و معرفت پیدا کرتی ہے۔

۵۔ تلخ پانی اور میٹھے پانی کی صورت ایک ہے مگر حقیقت میں کتنا فرق ہے۔ اسی طرح شقی اور سعید۔ نیک اور بد کی صورت میں اگر اتحاد ہے تو یہ کیسے لازم آسکتا ہے کہ دونوں کی سیرت اور حقیقت بھی متحد ہے۔

۶۔ جو کچھ انسان کرتا ہے وہ بندر بھی کرتا ہے۔ لیکن دونوں میں کتنا فرق ہے۔

۷۔ ایسے ہی حقیقت ناشناس لوگوں نے معجزہ کو جادو پر قیاس کیا حالانکہ معجزہ رحمتِ خداوندی ہے جو مقبولوں کو دیا جاتا ہے اور جادو خدا کی لعنت ہے جو مردود کے ساتھ ہوتا ہے۔

معجزہ ایک حقیقت ہوتا ہے۔ جادو محض خلافِ حقیقت ہوتا ہے اور صرف نظر بندی ہوتی ہے۔

۸۔ مومن اور منافق کے اعمال ظاہری صورت میں متحد ہیں لیکن حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دونوں کا انجام کس قدر بُعد اور تفاوت رکھتا ہے ایک کا مقام جنت ہے دوسرے کا مقام جہنم ہے۔

۹۔ خراب اور صحیح سونے کی شکل یکساں ہے لیکن کسوٹی پر دونوں کی قیمت میں کس قدر فرق ہوتا ہے۔

۱۰ دو چہرے ہیں ایک چہرہ سوتے دوست ہے اور ایک چہرہ خود اپنے ہی کو دیکھ رہا ہے۔ دونوں میں کتنا فرق ہے؟

فائدہ: خلاصہ یہ کہ اللہ والوں کو اپنے اوپر مت قیاس کرو۔ ان کے باطن کو

دیکھو کہ حق تعالیٰ کے قُربِ و تعلق کی دولت سے رشکِ سلاطینِ ہفت اقلیم ہیں اور اُن سے استفادہ کرو اور ان کو اپنی طرح مت سمجھو۔

ظرف کی قیمت مظروف کی قیمت سے ہے انسان کا جسم جو ایک ظرف ہے اگر تعلّق مع اللہ کی دولت سے مشرّف ہے تو اس ظرف کو بہت قیمتی سمجھو۔ دو شیشیاں ہیں ہر شیشی کی قیمت دو آنے ہے لیکن ایک شیشی میں عطر ہے۔ اس کی قیمت پانچ روپیہ ہے اور دوسری میں پانی ہے اس کی قیمت دو آنے ہے۔ اور اگر پیشاب ہے تو دو آنے بھی نہیں ـــــ پس اس شیشی کو دوسری شیشی پر قیاس کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نیک اور مقبول بندوں کی عظمت اور ان کا احترام و اکرام عطا فرمائیں اور احمقانہ قیاس سے محفوظ فرماویں۔ آمین۔ تاکہ ان کے ارشاد و مواعظ کی صحبتوں سے استفادہ کی ہمیں حرص و طلب پیدا ہو اور اپنی حماقت کے باطل خیالات مانع استفادہ نہ ہوں۔

حکایت کفرانِ نمرود

حق تعالیٰ شانہٗ نے عزرائیل علیہ السّلام (فرشتۂ موت) سے کہا کہ تم نے اب تک جتنے لوگوں کی روحیں قبض کی ہیں تم کو اُن سب میں کس پر زیادہ رحم آیا۔

اُنہوں نے جواب دیا کہ سبھی پر میرا دل سوختہ ہوتا ہے غم سے مگر آپ کے حکم کی تعمیل پر سرِ تسلیم خم کرتا ہوں۔

ارشاد ہوا کہ سب سے زیادہ کس پر دل رقیق اور غمگین ہوا۔

کہا اے ہمارے رب ایک واقعہ نے میرے دل کو سب سے زیادہ رقیق کیا تھا اور وہ یہ کہ ایک دن موجِ تیز پر ہم نے آپ کے حکم سے ایک کشتی توڑ دی۔ یہاں تک کہ ریزہ ریزہ ہوگئی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ سب کی جان قبض کرلے سوائے ایک عورت اور اس کے بچّے کے۔ اس گروہ سے سب ہلاک ہوگئے بجز اس عورت اور اس کے بچے کے کہ دونوں ایک تختے پر رہ گئے۔ تختے کو وہ موجیں چلاتی تھیں۔ جب کنارہ پر اس تختے کو ہوا نے ڈالا۔ تو دونوں کی خلاصی سے میرا دِل خوش ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اَب ماں کی جان قبض کرو اور بچّے کو تنہا چھوڑ دو۔ آپ کے حکم سے جب میں نے ماں کی جان قبض کی اور بچّے کو تنہا چھوڑا اور بچّہ ماں سے جُدا ہوگیا اس وقت آپ خود جانتے ہیں کہ کس قدر مجھ کو تلخ معلوم ہوا اور ہمارے دل پر کیا گذر گئی۔ مگر ہم آپ کے حکم کی تعمیل میں مجبور تھے۔ آپ کے قضا و فیصلے سے کون سرتابی اور روگشی کا پتہ رکھتا ہے۔

نِیست کس را زَہرۂ چُون وچرا ہَست سُلطانی مُسَلَّم مَر اُورا

ترجمہ: کسی کو آپ کے حکم کے سامنے چوں و چرا کا پتہ نہیں آپ ہی کے لئے حقیقی سُلطانی مخصوص اور مُسلّم ہے۔

اے رب میں نے ماں کی رُوح قبض کرتے ہُوئے اپنے دِل میں صدمۂ عظیم دیکھا اور اس بچّے کی یاد اور اس کی بے کسی اب تک میرے تصوّر وخیال سے نہ گئی۔

حق تعالیٰ نے فرمایا اب تم اس بچّے کا ماجرا سُنو کہ میں نے کس طرح اسکی پرورش کی اس طفل کے لئے میں نے موجوں کو حکم دیا کہ اس کو ایک جنگل میں ڈال دو

اور ایسے جنگل میں جہاں سوسن اور ریحان اور خوشبودار پھول ہوں اور میوہ دار درخت ہوں اور اس میں آبِ شیریں کے چشمے ہوں۔ میں نے اس بچّے کو سو ناز سے پالا۔ لاکھوں مُرغ مطرب خوش صدا نے اِس باغ میں سو آوازیں ڈال رکھی تھیں اور میں نے برگ نسرین سے اس کا بستر بنایا تاکہ فتن اور آفات سے وہ بچہ مامون رہے۔ میں نے خورشید کو حکم دیا کہ اس کی طرف شعاعیں تیز نہ کر اور اپنی رفتار میں اِس کا خیال رکھ۔ ہوا کو حکم دیا کہ اس پر آہستہ چل۔ ابر کو حکم دیا کہ اس پر بارش مت برسا۔ برق کو حکم دیا کہ اس پر تیزی سے میل مت کر موسمِ خزاں کو حکم دیا کہ اس چمن سے اعتدال کو سلب مت کر۔ حاصل یہ کہ وہ باغ مثلِ روحِ عارفین کے صرصر اور سموم سے محفوظ رہا۔ ایک چیتے نے نیا بچہ جنا تھا۔ میں نے اس کو حکم دیا کہ اس طفل کو دُودھ پلائے یہاں تک کہ وہ بچہ فربہ شیر مرد ہو گیا۔ جب اس کے دُودھ چھڑانے کا وقت آیا تو میں نے جنات کو حکم دیا کہ اس کو بولنا اور حکومت کرنا سکھاؤ۔ اس کی میں نے اس طرح پرورش کی جو تمام خلائق کے لئے عجیب اور حیرت خیز ہے اور میرے تصرّفات اسی طرح عجیب و غریب ہوتے ہیں۔

میں نے حضرت ایوب علیہ السّلام کے بدن میں کیڑوں کی پرورش کرائی اور ان کو کیڑوں پر باپ جیسی شفقت عطا کی یہاں تک کہ اگر کوئی کیڑا جسم سے نکل کر دور ہوتا تو انھیں ایسا محسوس ہوتا کہ میری اولاد مجھ سے جُدا ہو گئی۔

دادہ مَن ایوبؑ را مُہرِ پدر   بہرِ مہمانئ کرماں بے ضرر

ترجمہ: میں نے ایوب علیہ السّلام کو باپ کی طرح مہربانی دی تھی۔ کیڑوں کی مہمانی کے لئے بدون ضرر پہچانے کے۔

مادراں را مُہرِ مَن آموختم   چُوں بُوَد شمعے کہ مَن افروختم

ترجمہ : ماؤں کو محبّت میں نے ہی سکھائی ہے وہ کیسی شمع ہوگی۔ جس کو میں نے روشن کیا ہو۔

غرض اس بچّے پر میں نے صدہا عنایات اور صدہا علاقے کرم کے کئے تاکہ وہ میرا لطف و کرم بے واسطہ اسباب دیکھ لے اور تاکہ وہ اسباب کے کش مکش میں مُبتلا نہ ہو کیونکہ اسباب سے مسبّب کبھی متخلّف بھی ہو جاتا ہے اور تاکہ اس بچّے کی ہر استعانت مجُھ سے ہی ہو کیونکہ اسباب کے حجابات اس کے سامنے نہ تھے۔ یعنی بدون اسباب پرورش کا مقتضا یہی ہے کہ وہ کسی اور پر نظر نہ کرے۔ تاکہ خود ہماری طرف اس کو عذر نہ رہے گمراہ ہوتے میں کہ میں اسباب پر نظر کرنے کے سبب آپ کے انعامات و آیات کی طرف متوجہ نہ ہو سکا اور ہر یارِ بد سے اس کو شکوہ نہ ہو کہ فلاں نے مُجھ کو گمراہ کردیا سو اب اِفاضۂ نِعَم بلا اسباب عادیہ میں اس کی گنجائش نہ رہی۔

مگر اے عزرائیل! اس بچّے نے میرا کیا شکر ادا کیا؟ یہی بچّہ نمرود ہوگیا اور میرے خلیل ابراہیم علیہ السّلام کو جلانے والا (سوزندۂ خلیل) نکلا۔ یعنی اس کا ارادہ یہی تھا مگر حق تعالیٰ نے اپنے خلیل پر آتشِ نمرود کو گلزارِ امن بنادیا۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ یہ نفس نہایت ہی خطرناک دُشمن ہے اس سے پناہ مانگتے رہو۔ دوسروں کے لئے تو ماں باپ کی پرورش حجاب بن جاتی ہے مگر اس نالائق نے بلا واسطہ اپنی جیب میں بہت سے موتی ہم سے پائے تھے۔

گرگِ درندہ اَست نفسِ بدیقیں ❊ چہ بہانہ می نہی بر ہر قریں

ترجمہ : نفس بدیقین گرگ درندہ ہے۔ اے مخاطب تو ہر قرین اور ساتھی پر کیا اپنی گمراہی کا الزام اور بہانہ رکھتا ہے۔

زیں سبب می گویم اے بندہ فقیر　　سلسلہ از گردنِ سگ وا مگیر

ترجمہ: میں اسی سبب سے کہتا ہوں کہ اے بندہ فقیر زنجیر کتے کی گردن سے مت بحال کر یعنی نفس کو قید و بند میں رکھو اور اگر تم مغلوب ہو رہے ہو تو جلد کسی اللہ والے سے تعلق کرو تاکہ اس کی آہِ سحر گاہی اور دعاؤں اور صحبتوں کی برکت سے تم بھی غالب ہو جاؤ۔

یارِ مغلوباں مشو ہیں اے غوی　　یارِ غالب جو کہ تا غالب شوی

مگر ایسا مرشد اور راہبر ڈھونڈو جو غالب علی الاحوال ہو یعنی مغلوب الحال نہ ہو تاکہ تم اس غالب کی صحبت سے غالب ہو جاؤ اور اگر مغلوبین کی صحبت میں رہو گے۔ جیسا کہ اہلِ دنیا اور تمام ناقصین فی السلوک ہیں تو ہمیشہ مغلوب ہی رہو گے۔ صحبت جیسی ہو گی اسی طرح کا اثر رونما ہو گا گویا صحبت ایک بیج ہے پس جس چیز کی تخم ریزی کرو گے اسی چیز کا درخت اُگے گا۔
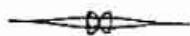
حکمت حضرت لقمان علیہ السلام

قصہ ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام کو جب ان کے آقا نے خریدا تو اور غلاموں نے ان کو حقیر سمجھا ایک دن آقا نے سب غلاموں کو باغ بھیجا کہ باغ کے پھلوں کو توڑ لاویں۔ تمام غلاموں نے باغ میں پھل توڑ کر خوب شکم سیر ہو کر کھایا اور آقا سے کہا کہ باغ کے پھلوں کو (حضرت) لقمان نے کھا لیا ہے۔ آقا لقمان علیہ السلام پر بہت ناراض ہوا۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے آقا سے کہا کہ آپ اس الزام کی تحقیق کر لیں۔ میں نے نہیں کھایا۔ میں آپ کو ایک تدبیر بتاتا ہوں۔ اس کے ذریعہ یہ حقیقت آپ

پر منکشف ہو جاوے گی کہ میوہ کس نے کھایا ہے۔

آقا نے کہا وہ کیا تدبیر ہے؟

فرمایا آپ شکار کی تیاری کریں اصطبل سے گھوڑا منگایا گیا آقا گھوڑے پر بیٹھا اور حضرت لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ شکار کے لئے صحرا کی طرف تیز چلیں اور چلنے سے قبل سب کو گرم پانی پلادیں اور سب کو شکم سیر پانی پلایا جائے تھوڑی ہی دیر میں معلوم ہو گا کہ مجرم کون ہے۔

الغرض جب غلاموں کو دوڑنا پڑا تو جن لوگوں نے میوہ کھایا تھا سب کو تیز حرکت کرنے سے قے ہو گئی۔ کیونکہ گرم پانی پی کر دوڑنے سے معدہ اور گرم ہو گیا اور راستہ بھی صحرا کا ناہموار نشیب و فراز والا تھا جس سے قے ہونا لابدی تھا۔ پس قے میں میوہ صاف ظاہر ہو گیا کیونکہ تازہ تازہ کھایا تھا۔ یعنی اتنا عرصہ نہ گذرا تھا کہ وہ معدہ میں ہضم ہو کر آنتوں میں اُتر جاتا اور حضرت لقمان علیہ السّلام کو قے نہ ہوئی کیونکہ ان کے پیٹ میں میوہ نہ تھا۔

حضرت لقمان علیہ السّلام کی اس حکمت سے سب غلاموں کو شرمندگی اور ندامت ہوئی اور ان کی حکمت سے آقا بہت خوش ہوا اور یہ آقا کے مقرب ہو گئے۔

حکمتِ لقماں چو داند آں نمود
پس چہ باشد حکمت ربِّ وُدود

مولانا فرماتے ہیں کہ جب لقمان علیہ السّلام کی حکمت کا یہ حال ہے تو مالک حقیقی ربِّ ودود کی حکمت کا کیا ٹھکانہ ہو گا۔

قصّہ مقبولیّت آہ

ایک بزرگ جو نماز ہمیشہ باجماعت پڑھا کرتے تھے ایک دن کسی نماز کے لئے مسجد کے دروازے تک پہنچے ہی تھے کہ امام مسجد سے باآوازِ بلند السّلام علیکم و رحمۃ اللہ کی آواز سُنی جماعت کی نماز ختم ہوجانے سے اِن بزرگ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ اس صدمہ سے آہ نکل گئی اور اس آہ سے ان کے دل کے خون کی بو آرہی تھی۔

گفت آہ و درد ازاں آمد بروں ۔۔۔ آہِ اُو میداد از دِل بوئے خوں

ترجمہ: ان بزرگ سے جماعت فوت ہونے کے غم سے آہ نکلی اور آہ بھی نہایت درد سے پُر تھی کیونکہ اس صدمہ سے ان کا دل خُون ہوگیا تھا اور اُن کی آہ میں ان کے دل کے خون کی بو آرہی تھی۔ مسجد میں ایک اہلِ دِل بزرگ نے دیکھا کہ ایک روشنی مسجد کے باہر سے آئی اور عرش تک چلی گئی یہ اُٹھ کر باہر آئے تو دریافت کیا کہ یہ کس کا نور تھا۔ معلوم ہوا کہ کوئی صاحب ہیں جن کی جماعت فوت ہوجانے سے آہ نکل گئی۔ یہ سمجھ گئے کہ بس اسی آہ کا یہ نور تھا۔ ان بزرگ نے عرض کیا کہ حضرت آپ مجھے اپنی یہ آہ دیدیجئے اور میری نماز باجماعت اس کے بدلہ میں لے لیجئے۔ اُنھوں نے اپنی آہ کا نور اور اس کا مقام نہ سمجھا اور نماز باجماعت سے تبادلہ کر لیا۔ رات کو اُن بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ ایک ہاتفِ غیبی کہہ رہا ہے کہ اے شخص! تُو نے آبِ حیواں اور آبِ شفا خریدا ہے اور تو نے اس آہ کا بہت اچھا تبادلہ کیا۔ کیونکہ یہ آہ اس بندے کی نہایت پُرخلوص تھی۔

شب بخواب اندر بگفتش ہاتفے ۔۔۔ کہ خریدی آبِ حیوان و شفے

اور اللہ تعالیٰ نے اس آہ کی مقبولیت اور تیرے اس تبادلہ اور اختیار کی برکت سے اس وقت کی تمام روئے زمین کے مسلمانوں کی نماز قبول فرمالی۔

حُرمتِ ایں اختیار وایں دُخول   شُد نمازِ جُملہ خلقاں قبُول

اے مخاطب تیرے اس اختیار اور اس مُعاملہ سے تمام مخلوق کی نماز قبول ہوگئی۔

فائدہ: اس واقعہ سے حسبِ ذیل نصائح ملتے ہیں۔

۱۔ کسی کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے کہ بعض وقت تلافی اور توبہ اس صدقِ دِل اور اخلاص اور خونِ جگر سے ہوتی ہے کہ وہ تمام اعمال سے بالا اور برتر ہو جاتی ہے اور آدمی کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔

مرکبِ توبہ عجائب مرکب است   تا فلک تازد بیک لحظہ زپست

ترجمہ: مولانا فرماتے ہیں کہ توبہ کی سواری عجیب سواری ہے کہ پستی اور ذلّت سے عزت اور مقبولیت کی بُلندی پر فی الفور پہنچا دیتی ہے۔

۲۔ اس واقعہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب کوتاہی اعمال میں ہو حزن اور صدمہ اور خونِ جگر والی مناجات اور گریہ وزاری سے استغفار اور توبہ کرنی چاہیئے کہ ایک آہ میں یہ سب کچھ شامل ہے۔

میرا پیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں
اے میری آہِ بے نوا تو نے کمال کر دیا   (اختر)

۳۔ اس واقعہ سے جماعت کے ساتھ نماز کی فکر و اہتمام کا سبق بھی ملتا ہے۔

قصۂ اختلاف در تحقیقِ فیل

ایک ملک میں ہاتھی کو کسی نے کبھی نہ دیکھا تھا وہاں ہاتھی ہندوستان سے درآمد کیا گیا اور اس کو کسی تاریک گھر میں رکھا گیا۔ جہاں آنکھوں سے نظر نہ آتا تھا۔ تاریک گھر اور ہاتھی بھی سیاہ فام اور دیکھنے والوں کا ہجوم تھا ہر شخص کو جب آنکھوں سے کچھ نہ دکھائی دیتا تو ہاتھ سے ٹٹول کر قیاس کرتا۔ جس شخص کے ہاتھ میں جو حصہ ہوتا وہ عقل سے اسی پر دلیل اور قیاس کرتا۔ چنانچہ جس شخص کے ہاتھ میں اس کا کان تھا اس نے کہا یہ تو ایک بڑا سا پنکھا معلوم ہوتا ہے اور جس شخص کا ہاتھ اس کی پُشت پر تھا اس نے کہا یہ تو مثل تخت ہے اور جس شخص کا ہاتھ اس کے پاؤں پر تھا۔ اس نے ٹٹول کر کہا نہیں آپ لوگ غلط کہتے ہیں یہ تو مثل ستون ہے۔ جس شخص کا ہاتھ اس کی سونڈ پر پڑا اُس نے کہا یہ میری تحقیق میں مثل ناودان ہے۔

حاصل قصہ یہ کہ جُملہ اہلِ عقل اختلاف کثیر میں مُبتلا ہو گئے۔

حضرت رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اگر ان ہاتھوں میں کوئی شمع ہوتی تو اس روشنی میں یہ سب اختلاف سے محفوظ رہتے۔

دَر کفِ ہر کس اگر شمعے بُدے   اختلاف از گفتشاں بیروں شُدے

ترجمہ: اگر ہر شخص کے ہاتھ پر کوئی روشنی ہوتی تو اختلاف سے یہ سب نجات پا جاتے۔

فائدہ: راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آج تمام کائنات میں حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک، رسالت اور مقصدِ حیاتِ انسانی اور حشر و نشر میں اختلاف ہے اِس

تاریک دُنیا میں جو لوگ وحی الٰہی کے نور سے مستغنی ہو کر دُنیا اور آخرت کے سنگین اور رنگین رابطوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور خالق اور مخلوق کے تعلقات کے حقوق اور حدود کی تعیین صرف اپنی عقل سے کرنا چاہتے ہیں یا غیر صاحبِ وحی کی عقل سے استمداد کرتے ہیں تو ان سب کی مثال اسی طرح ہے جیسا کہ قصّہ مذکور میں ہے کہ حقیقت تک رسائی کسی کو نہ ہو سکی۔

ایک نابینا خواہ خود راستہ طے کرے یا کسی دوسرے نابینا کی لاٹھی پکڑ کر چلے تو دونوں صورتوں میں ہلاکت اور منزل محرومی ہوگی۔ یہ راہرو اور راہبر بوجہ نابینا ہونے کے اگرچہ کتنی ہی اکثریّت میں ہوں لیکن ان کا مجموعہ نابینا ہی ہوگا۔ بینا نہ ہوگا۔ پس حقائقِ اشیاء کی صحیح تحقیق کے لیے محض عقل کافی نہیں روشنی بھی درکار ہے۔ کیونکہ قصّہ مذکورہ میں سب عقلا ہی تھے صرف روشنی نہ تھی۔

پس مُسلمانوں کو چاہیئے کہ اہلِ سائنس اور اہلِ فلاسفہ کی تقلید تحقیق اُمورِ آخرت اور مقصدِ حیات انسانیت کی تعیین میں ہرگز نہ کریں کہ ان کے پاس روشنی نہیں ورنہ اپنی طرح تمھیں بھی صرف پاخانہ بنانے کی مشین بنادیں گے یعنی تمھیں بھی یہی سبق دیں گے کہ مقصدِ زندگی صرف کھاؤ پیو اور ہگو کے سوا کچھ نہیں۔

روشنی صرف وحی الٰہی کی مستند ہے جو صرف سیّدنا محمّد صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی اتباع سے مِل سکتی ہے۔ روشنی اصلی وہی پُرانی روشنی ہے جو ساڑھے تیرہ سو برس پہلے غارِ حرا سے نکلی تھی اور اس نئی روشنی سے تو خدا بچائے ؎

ترا اے نئی روشنی مُنہ ہو کالا　　دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

قصۂ مگس و تخیُّل خام

(ایک مکّھی کی خام خیالی)

ایک جگہ ایک گدھے نے پیشاب کیا اس کی مقدار اس قدر تھی کہ گھاس کے تنکے اس کے بہاؤ کی زد میں بہنے لگے ایک مکھی ایک تنکے پر بیٹھ گئی اور گدھے کے بہتے ہوئے پیشاب پر اس نے محسوس کیا کہ میں دریا میں سفر کر رہی ہوں اور یہ بہتا ہوا تنکا ایک عجیب کشتی ہے دوسری مکھیوں کے مقابلہ میں اسے اپنی برتری کا احساس ہوا۔ اور یہ لُطف اس نے کبھی نہ پایا تھا۔ پس اس کے خیال میں یہ بات آئی کہ میں دوسری مکّھیوں پر اپنی فوقیت اور بُلندی کا اعلان کروں چنانچہ اس نے کہا۔

یک مگس بر برگِ کاہ و بولِ خر   ہمچوں کشتیباں ہمی افراخت سر

ایک مکّھی گھاس کے تِنکے اور گدھے کے پیشاب پر مثل کشتی چلانے والے کے اپنا سر ہلا رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ۔

گفت مَن دَریا و کشتی خواندہ اَم
مُدّتے دَر فکرِ آں می ماندہ اَم

مکّھی نے کہا کہ میں نے دریا اور کشتی رانی کا فن پڑھا ہے اور اس فکر میں ایک مدّت صرف کی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ مکّھی جس حماقت میں گرفتار تھی اسی طرح ہمارے عقلائے زمانہ نے اپنے اوہام اور افکار باطلہ کا نام تحقیق رکھا ہوا ہے اور وحی الٰہی کے آفتاب

سے استفادہ کرنے میں اپنی توہین سمجھ کر مثل خفاشؔ[1] روگشی از آفتاب کرتے ہیں اور خیالاتِ فاسدہ کی تاریکیوں میں اُلٹے لٹکنے کو کمالِ انسانیت سمجھتے ہیں۔ مولانا ایسے ہی حمقائے زمانہ کو نصیحت فرماتے ہیں ؎

صَاحِبِ تاوِیلِ بَاطِل چُوں مَگَس ۔۔۔ وَہمِ اُو بُولِ خَرو تَصوِیرِ خَس

فائدہ: جو لوگ تاویلِ باطل میں مبتلا ہو کر نُورِ وحیِ الٰہی سے روگردانی کر رہے ہیں تو اُن کی مثال اُسی مکھی کی سی ہے ایسا شخص اپنے وہم و خیال فاسد کو اپنی نجات و کامرانی کا سبب قرار دیتا ہے اور وحیِ الٰہی کو بھی اپنی رائے کے تابع کرنا چاہتا ہے اور ہر جگہ میں یہ کہتا ہوں۔ مَیں یہ سمجھتا ہوں۔ میری رائے میں یہ ہے بکتا رہتا ہے اور تواتر او راجماعِ اُمت حتیٰ کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے معتقدات اور فیصلوں پر بھی اپنے فیصلے دیتا ہے۔ پس اس کی مثال بالکل وہی ہے جو اس قصہ میں مذکور ہے کہ اس کے ان اوہام و فاسد خیالات کی مثال گدھے کا پیشاب اور گھاس کے تنکے کی تصویر ہے جس پر خیالات کی کشتی رانی کا اس کو فخر ہے۔ آگے مولانا ایسے شخص کی اصلاح کا طریقہ بیان فرماتے ہیں۔

گر مَگَس تاوِیل بِگذارد بَرائے

آں مَگَس را بخت گرداند ہُمائے

اگر مکھی تاویل کو اپنی رائے میں دخل نہ دے اور تاویل پرستی سے توبہ کرلے تو تقدیر اس مگس (مکھی) کو ہما بنا دے۔ یعنی یہ بابرکت شخصیت بن جاوے اور پاخانہ پر بیٹھنے اور غلاظت پسندی کی خو سے نجات پا کر صفِ ابرار و پاکاں میں داخل ہو جائے۔

---

[1] چمگادڑ

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ مولانا کا اشارہ ان آیات کی طرف ہے۔

۱۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ (سورۂ نجم۔ پارہ ۲۷) اور

۲۔ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ (سورۂ لقمٰن۔ پارہ ۲۱)

ترجمہ: نمبر۱: تحقیق کہ گمان حق کے مقابلہ میں کچھ مُفید نہیں نکرہ تحت نفی واقع ہے جو فائدہ عمومِ نفی کا دیتا ہے۔

نمبر۲: جو لوگ ہماری طرف کامل طور پر متوجہ ہیں ان کی تابعداری کرو یعنی ان کی اتباع ہی کی برکت سے تمھیں بھی دولتِ انابت عطا ہو گی۔

حکایت دبّاغ اور اس کا علاج

دبّاغ۔ جو خام چمڑوں کی دباغت کرتے ہیں اور خام چمڑوں کی بدبو سے ان کا دماغ مانوس ہو جاتا ہے۔

ایک دبّاغ ایک دِن بازار سے گذر رہا تھا کہ اچانک عطّاروں کے بازار میں پہنچ گیا اور یہ عطر فروشوں کی دوکان کی خوشبو کا تحمّل نہ کر سکا کیونکہ بدبُو دار ماحول میں رہتے رہتے بدبُو اس کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ پس عطر کی خوشبو سے یہ شخص بے ہوش ہو کر سڑک پر گر پڑا۔ ایک خلق کا ہجوم ہو گیا۔ کوئی وظیفہ پڑھ کر دم کر رہا ہے کوئی اس پر گلاب کا پانی چھڑک رہا ہے۔ کوئی ہاتھ پاؤں کے ہتھیلی اور تلووں کی مالش کر رہا ہے لیکن ان تدابیر سے بجائے افاقہ ہونے کے بے ہوشی اور بڑھتی جا رہی تھی اس کے بھائی کو جب خبر ہوئی تو دوڑ کر آیا اور فوراً خوشبو سونگھ کر سمجھ گیا کہ یہ اسی

خوشبو سے بے ہوش ہوا ہے اس نے اعلان کیا کہ خبردار اب اس پر نہ تو گلاب پاشی کی جاوے اور نہ کوئی اور خوشبو قریب لائی جاوے۔ یہ فوراً وہاں سے غائب ہوا اور کُتے کا پاخانہ آستین میں چھپا کر ہجوم کو چیرتا ہوا بھائی کے پاس پہنچا اور اس کی ناک میں داخل کر دیا اور اس کی بدبو سے فوراً اسے ہوش آگیا۔ خلق حیران رہ گئی کہ اس کے بھائی نے کونسا قیمتی لخلخہ سونگھا دیا جو یہاں عطاروں کے پاس بھی نہ مِل سکا تھا۔

مولانا فرماتے ہیں۔

اَنْدَکے سَرگینِ سَگ دَرْ آستیں
خَلْق رَا بِشْگَافت وَ آمَدْ بَاچُنِیں

اس کا بھائی دوڑ کے کُتے کا پاخانہ آستین میں چھپا کر لایا اور ہجوم کو چیرتا ہوا اپنے بھائی کے پاس پہنچا۔

سَرْ بَگُوشَشْ بُرْدْ ہَمچُو رَازْ گُو ... پَسْ نِہَادَہ چَرْکْ بَرْ بِینیِ اُو

اپنے بھائی کے پاس اپنا سر لے گیا جیسے کہ کوئی راز کی بات اس سے کہنی ہے۔ اور پھر اس کی ناک پر وہ پاخانہ کُتے کا رکھ دیا۔ اس علاج سے فوراً اس کو ہوش آگیا۔

فائدہ: احقر مؤلف عرض کرتا ہے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کی خوشبو سے جو گھبرا رہا ہو اور اتباعِ سُنّت کی زندگی سے جس کا دل مانوس نہ ہو رہا ہو تو اس کو وہی بیماری سمجھنا چاہئے جو قصّہ مذکور میں دبّاغ کو تھی یعنی جس گندے معاشرہ اور گناہوں کے ماحول میں اس نے ایک طویل عمر گذاری ہے اس کے دِل و دماغ اسی گندگی سے مانوس ہو گئے ہیں اب اس کا علاج صرف یہ ہے کہ آہستہ آہستہ اس گندے ماحول سے نکل کر خوشبودار چمن کی سیر کیا کرے اور

وہ اللہ والوں کی مجلسیں اور ان کی صحبت ہے پھر وہاں چند دن رہنے کے بعد یہی شخص کہے گا کہ ہائے ہم کس قدر گندگی میں تھے اور ماضی کی گندگی کے تصوّر سے اشکبار ہو کر آہ کھینچے گا اور اللہ والوں کی صحبتوں کا شکر گذار ہوگا کہ اب ناک اس کی روز بروز خوشبو یعنی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت اور غلامی کے لطف سے مست و سرشار ہوگی اور کہہ اُٹھے گا ؎

میں دِن رات رہتا ہوں جنّت میں گویا
مرے باغ دِل میں وہ گلکاریاں ہیں (مجذوبؒ)

حکایتؒ شاہزادۂ مسحور

ایک بادشاہ کا ایک ہی لڑکا تھا۔ حُسن صُورت اور حُسن سیرت دونوں ہی سے آراستہ تھا۔ بادشاہ نے اس لڑکے کا ایک حسین شاہزادی سے عقد کرنا چاہا اور کسی زاہد و پرہیزگار صالح خاندان میں رشتہ طے کرنا شروع کیا۔ اس سلسلہ جنبانی کی خبر شاہزادہ کی ماں کو ہُوئی اس نے شاہ سے کہا کہ آپ صالحیت اور تقویٰ و زہد تو دیکھ رہے ہیں لیکن آپ کے مقابلہ میں باعتبار عزّت و مال کے وہ خاندان کمتر ہے۔ شاہ نے جو جواب دیا۔ مولانا اس کو بیان فرماتے ہیں۔

گُفت رَو ہر کہ غمِ دیں بر گزید
باقیٔ غمہا خُدا ازوے بُرید

ترجمہ: شاہ نے جواب دیا دور ہو بیوقوف! جو شخص دین کا غم اختیار

کرتا ہے خدا اس کے تمام دُنیاوی غموں کو دور کر دیتا ہے۔

تشریح : یعنی آخرت کا غم مثلِ عصائے موسوی علیہ السّلام ہے جو جادوگروں کے سانپ بچھوؤں کو نگل گیا تھا اِسی طرح آخرت کا غم دُنیا کے تمام غموں کو نگل جاوے گا۔ احقر مؤلف کے اس موقع پر ۲ شعر ملاحظہ ہوں۔

(۱) ترا ذرّۂ غم اگر ہاتھ آئے ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے

اک ترا غم ہے ترے ناساز کو سیکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو (اخترؔ)

بالآخر شاہ اپنی زوجہ پر اپنی رائے کو غالب رکھنے میں کامیاب ہوگیا اور شاہزادہ کی شادی کر دی۔ طویل عرصہ تک انتظار کیا مگر اس شاہزادہ سے کوئی لڑکا نہ پیدا ہوا۔ شاہ کو فکر ہوتی کہ کیا بات ہے۔ شاہزادے کی بیوی تو بہت خوبرو اور حسین اور بے نظیر ہے لیکن اولاد کیوں نہیں ہوتی۔ اپنے مخصوص مشیروں کو اور علماء و صلحاء کو جمع کیا اور خفیہ طور پر اس مسئلہ کے بارے میں مشاورت اور مُفاہمت کی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس شاہزادہ پر ایک بڈھی عورت کابلی نے جادو کرا دیا ہے جس سے یہ اپنی حسین اور رشکِ قمر بیوی سے نفرت کرتا ہے اور اس کریہہ الصّورت بڈھی عورت کے پاس جایا کرتا ہے اور اس کے عشق میں بسبب جادو عرصہ سے اسیر ہے۔

شاہ کو اس اطلاع سے بیحد غم اور صدمہ ہوا اور اس نے بہت صدقہ و خیرات کیا اور سجدہ میں بہت رویا ابھی رونے سے فارغ نہ ہوا تھا کہ ایک مردِ غیبی نمودار ہُوئے اور کہا کہ آپ میرے ساتھ ابھی قبرستان چلیں۔ شاہ ان کے ہمراہ قبرستان گیا اُنھوں نے ایک پرانی قبر کھودی اور اس میں شاہ کو دکھایا کہ ایک بال میں سو گرہ جادو سے دی ہُوئی دفن تھی پھر اس مردِ غیبی نے ایک ایک گرہ کو کچھ دم کر کے

کھولا اور اُدھر وہ شاہزادہ صحت یاب ہوتا گیا حتیٰ کہ آخری گرہ کھلتے ہی شاہزادہ اس خبیث بڈھی کے عشق سے نجات پا گیا اور اس کی آنکھوں کی وہ نظر بندی جاتی رہی جس سے حسین بیوی خراب اور بُری اور وہ مکروہ خبیث بڈھی عورت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔

پھر اس بڈھی کو شاہزادہ نے جب دیکھا تو اس کو نفرت و کراہتِ شدیدہ محسوس ہوئی اور اپنی عقل پر حیرت کر رہا تھا اور اپنی حسین بیوی کو جب اس نے دیکھا تو اس کے حسین چہرہ مثلِ چاند سے بے ہوش ہو گیا۔ کچھ آہستہ آہستہ ہوش آیا اور آہستہ آہستہ اس کے حُسن کا تحمّل بھی ہونے لگا۔ اب آگے مولانا اس حکایت سے نصیحت فرماتے ہیں کہ :۔

اے لوگو! آپ مثل شہزادے ہیں اور یہ دُنیا بڈھی عورت ہے اس نے عاشقانِ دُنیا پر جادو کر رکھا ہے جس سے وہ اس دُنیا کے فانی رنگ و بُو کے عشق میں مُبتلا ہو کر آخرت اور اللہ و رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے انوار و تجلّیات سے روکش اور سرگرداں ہیں۔ ورنہ دُنیا کی حقیقت صِرف اتنی ہے جس کو حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے ؎

جہاں دراصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریبِ خوابِ ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بن جائے

رنگ رلیوں پہ زمانے کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آئی ہے (مجذوبؒ)

یَا صَاحِبِیْ لَا تَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ
فَالْعُمْرُ یَنْفَدُ وَالنَّعِیْمُ یَزُوْلُ
وَاِذَا حَمَلْتَ اِلَی الْقُبُوْرِ جِنَازَۃً
فَاعْلَمْ بِاَنَّکَ بَعْدَھَا مَحْمُوْلُ

یہ اشعار مذکورہ صاحبزادۂ سلطان ہارون رشید کے ہیں جنہوں نے سلطنت ترک کر کے فقیرانہ زندگی گذاری تھی اور انتقال سے کچھ قبل آپ نے کسی دوست کو انھیں دو[۲] شعر سے نصیحت فرمائی تھی۔

فائدہ: احقر مؤلّف عرض کرتا ہے کہ دُنیا نے جس آنکھ پر جادو کر دیا ہو اس کا علاج (۱) اللہ والوں سے پُرخلوص محبّت (۲) موت کو کثرت سے سوچنا۔ (۳) اور اللہ والوں کی صحبت میں کثرت سے حاضری اور اپنی رائے و فکر کو مٹا کر ان کی باتوں کو غور سے سُننا اور اس پر عمل کرنا اور ۲ رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دُعا مانگنا ہے۔
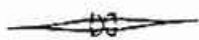
حکایت اخلاص حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اخلاص کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک بار آپ نے ایک کافر کو مقابلہ کے وقت زیر کیا اور اس کے سینہ پر بیٹھ گئے اور اس کافر کو قتل کرنے کے لئے اپنی تلوار نکالی کہ ناگاہ اس کافر نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا اس کافر کی اس گستاخی کے سبب آپ کے نفس کو ناگواری ہوئی اور آپ نے تلوار

کو میان میں کیا اور اس کے سینہ سے علیحدہ ہو گئے اور اس کے قتل سے ہاتھ روک لیا۔

اس کافر نے کہا اے امیر المومنین! یہ کیا بات ہے میری تھوکنے والی گستاخی کے بعد تو آپ کو فوراً مجھے قتل کرنا چاہیئے تھا اور آپ مجھ پر ہر طرح غالب تھے وہ کونسی بات تھی جو آپ کو قتل سے مانع ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھ کو اے کافر! صرف خُدا کی رضا جوئی کے لیے قتل کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ تُو نے میرے چہرہ پر تھوک کر میرے نفس کو غضب ناک کر دیا اب اگر میں تجھے قتل کرتا تو یہ فعل میرے نفس کے غضب اور غصّہ سے ہوتا اور اخلاص سے نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ اخلاص کے بغیر کسی عمل کو قبول نہیں فرماتے۔ پس تیرا قتل کرنا مجھے منافی اخلاص معلوم ہوا۔ اس لیے میں اس فعل سے باز رہا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو سُن کر وہ کافر محوِ حیرت ہو گیا اور اس کے دل میں ایمان کی شمع روشن ہو گئی اور اس نے کہا کہ اے امیر المومنین میں ایسے دین کو قبول کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں جس میں اخلاص کی ایسی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور بے شک یہ دین سچّا ہے۔ اب مولانا کی زبان سے سنیئے فرماتے ہیں۔

از علی آموز اخلاصِ عمل ۔۔۔ شیرِ حق را داں مُطہّر از دَغَل

اے مخاطب! اخلاصِ عمل کا سبق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیکھ اور شیرِ حق کو دَغَل یعنی مکر و حیلہ سے پاک سمجھ۔

دُر غزا بر پہلوانے دست یافت ۔۔۔ زُود شمشیرے بر آورد و شتافت

حالتِ جہاد میں ایک پہلوان کافر پر غالب ہوتے اور شمشیر کو جلد میان سے نکالا۔

اُو خیو انداخت بر روئے علیؓ　　افتخارِ ہر نبی و ہر ولی

اس دشمن نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا حالانکہ آپ حق تعالیٰ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جملہ اولیاء کے محبوب ہیں اور جب سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب ہیں تو ہر نبی کے محبوب ٹھہرے۔

در زماں انداخت شمشیر آں علیؓ　　کرد او اندر غزائش کاہلی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شمشیر میان میں کی اور اس کے قتل سے کاہلی کی یعنی رُک گئے۔

گشت حیراں آں مبارز زیں عمل　　وز نمودن عفو و رحم بے محل

وہ کافر حیران ہو گیا اس عمل سے اور ایسے دشمن سے عفو و رحم سے۔

گفت بر من تیغ تیز افراشتی　　از چہ افگندی مرا بگذاشتی

کافر نے کہا مجھ پر تلوار اس قدر تیزی سے نکالی لیکن پھر کیوں تلوار کو میان میں ڈال دیا اور مجھ کو چھوڑ دیا۔

در محل قہر ایں رحمت زچیست　　اژدہا را دست دادن راہ کیست

محل غصہ و غضب میں یہ رحمت کیسی ہے اژدہا کو موقع پا کر پھر چھوڑ دینا یہ کون سا راستہ ہے۔

گفت من تیغ از پئے حق میزنم　　بندۂ حقم نہ مامورِ تنم

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں خدا کے لئے تلوار چلاتا ہوں میں خدا کا بندہ ہوں۔ نفس کا بندہ نہیں ہوں۔

شیرِ حقم نیستم شیرِ ھوی　　فعلِ من بر دینِ من باشد گوا

میں خدا کا شیر ہوں نفسانی خواہش کا شیر نہیں ہوں میرا یہ فعل میرے دین کی صداقت پر گواہ ہے۔

چوں خیو انداختی بر روئے من نفسِ جنبید و تبہ شد خوئے من

جب تو نے میرے چہرے پر تھوک ڈالا اس وقت میرے نفس میں ہیجان اور جذبہ انتقام اُبھرا اور میری خو تباہ ہوگئی۔

نیم بہرِ حق شد و نیمے ہوا شرکت اندر کارِ حق نبود روا

آدھا عمل تو خُدا کے لئے ہوتا اور آدھا نفس کے غضب و انتقام سے ہوتا اور خُدا کے لئے جو کام ہو اس میں شرکت جائز نہیں وہ صرف خُدا ہی کے لئے ہونا چاہیئے۔

گفت من تخمِ جفا می کاشتم من ترا نوعِ دگر پنداشتم

کافر نے کہا میں تو ظلم کی تخم ریزی کرتا ہوں مگر آپ کو نوع انسانیت کی عظیم نوع سمجھتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ یہ کافر مشرف باسلام ہوا جس کو مولانا اس انداز سے فرماتے ہیں

تیغِ حلم از زِ آہن تیز تر
بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

ترجمہ: حلم کی تلوار لوہے کی تلوار سے زیادہ تیز ہے اثر میں، بلکہ فتح حاصل کرنے میں حلم زیادہ مؤثر ہے سیکڑوں لشکر سے۔

فائدہ: احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس حکایت سے اعمال میں اخلاص کا بہت بڑا سبق ملتا ہے جو کام کرے نیت درست کرلے اگر اخلاص ہو تو دُنیا

بھی دین بن جاتی ہے مثلاً ایک شخص کسبِ حلال کے لئے "لے امرود، لے امرود" کہتا ہے اور نیت ہے اس سے بال بچوں کے لئے اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حلال روزی کماؤں گا ہر "لے امرود" پر اس کو ثواب لکھا جاوے گا اور اگر سُبحان اللہ سُبحان اللہ کہہ رہا ہے اور نیت یہ ہے کہ اس سے لوگ مجھے بزرگ اور نیک سمجھ کر اپنا مال حوالے کریں گے اور دُنیا ملے گی تو اس کا سُبحان اللہ بھی دُنیا ہے دین نہیں۔ پس اخلاص بہت ضروری ہے ورنہ سب کیا دھرا اکارت اور ضائع ہونے کا خطرہ ہے اور اخلاص سیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ کسی اخلاص والے بندہ سے اخلاص کو سیکھا جاوے اللہ والوں کی صحبت سے یہ نعمت ملتی ہے صرف کتابوں سے نہیں ملتی۔ علمِ کتابی اور صحبت دونوں ضروری ہیں بلکہ صحبت یافتہ بقدرِ ضرورت دین کا علم بھی سیکھ جاتے ہیں اور مقبول اور محبوب بھی ہو جاتے ہیں اور صرف کتاب والا بدون صحبت کے ہرگز اصلاح یافتہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تزکیہ فعلِ متعدّی ہے اس کے لئے ایک مُزکّی ضروری ہے یہ فعل لازم نہیں کہ خود اپنے فاعل پر تمام ہو جاوے اسی طرف یہ آیت رہبری کرتی ہے **وَيُزَكِّيهِمْ** اس لفظ میں مُزکّی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مُزکّٰی حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں پس معلوم ہوا کہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی اصلاح و تزکیہ خود نہ کر سکے حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مُبارک زمانہ ہے قرآن اُتر رہا ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد و رفت ہو رہی ہے تو اب کسی کا کیا مُنہ ہے جو یہ کہے کہ ہمیں اپنا کتابی مُطالعہ ہماری اِصلاح کے لئے کافی ہے۔ ایسے لوگوں کا خود ضمیر بھی خوب سمجھتا ہے کہ یہ لچر حیلے ہیں اور نفس کی کاہلی اور حُبِّ دُنیا اور جاہ

کسی اللہ والے کے پاس نہیں جانے دیتی۔ دُنیا کے نقد عیش وجاہ کو آخرت کے عیش پر ترجیح دے رکھا ہے۔ نفس غالب ہے مقاومت کی ہمّت نہیں اور اصل سبب حق تعالیٰ کی طلب و پیاسِ کامل معتد بہ نہیں اسی وجہ سے تھوڑے سے دین پر راضی ہو گئے۔ مگر تھوڑی دُنیا پر راضی نہیں رات دن دھن ہے کہ کہیں سے مال ہاتھ لگے ؎

۱۔ أَرَى الْمُلُوكَ بِأَدْنَى الدِّيْنِ قَدْ قَنِعُوْا
وَمَآ أَرَاهُمْ رَضُوْا بِالْعَيْشِ بِالدُّوْنِ

۲۔ فَاسْتَغْنِ بِالدِّيْنِ عَنْ دُنْيَا الْمُلُوْكِ كَمَا
اِسْتَغْنَى الْمُلُوْكُ بِدُنْيَاهُمْ عَنِ الدِّيْنِ

(علّامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ ۱ : حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں بادشاہوں کو دیکھتا ہوں کہ تھوڑے سے دین پر راضی ہو گئے مگر تھوڑی دُنیا پر راضی نہیں ہوئے۔

ترجمہ ۲ : پس اے مخاطب تو بھی اپنے دین کی دولت سے بادشاہوں کی دُنیا سے مستغنی ہو جا۔ جس طرح وہ دُنیا کی حقیر بادشاہت سے دین کی عظیم بادشاہت اور دولتِ لازوال سے لاپروا ہو گئے۔

حکایتِ بازرگان وطوطی محبوس

طوطی وہ سبز رنگ کی چڑیا جس کو عرف میں طوطا کہتے ہیں۔ (غیاث اللغات)
بازرگان۔ تاجر۔ ایک تاجر کے پاس ایک طوطی تھی جو خوش آواز اور بہت خوبصورت تھی تاجر نے اپنے سفرِ ہندوستان کا آغاز کیا اور از راہ کرم اپنے غلاموں اور کنیزوں سے دریافت کیا کہ تمھارے لئے ہندوستان سے کیا لادیں۔ اسی طرح طوطی سے دریافت کیا کہ خطّۂ ہندوستان سے تیرے لئے کیا لادیں اور تیرا کیا پیام ہے۔

طوطی نے کہا کہ ہندوستان میں جب کسی باغ وسبزہ زار سے گزرنا اور طوطیوں کا کوئی گروہ نظر آئے تو میرا سلام کہنا اور یہ پیام کہہ دینا۔

۱۔ کاں فلاں طوطی کہ مشتاقِ شماست
از قضائے آسماں در حبسِ ماست

۲۔ گفت می شاید کہ من در اشتیاق
جاں دہم اینجا بمیرم در فراق

۳۔ ایں روا باشد کہ من در بند سخت
گہ شما بر سبزہ گاہے بر درخت

۴۔ اینچنیں باشد وفائے دوستاں
من دریں حبس و شما در بوستاں

۵۔ یادِ یاراں یار را میموں بود
خاصہ کاں لیلیٰ وایں مجنوں بود

ترجمہ۔ طوطی نے کہا کہ میرا یہ پیام طوطیانِ چمنستانِ ہند سے کہنا کہ فلاں طوطی تم لوگوں کی مشتاق ہے اور قضائے الٰہی سے میری قید میں ہے۔

طوطی نے کہا کہ بعد سلام میرا یہ پیام کہنا کہ کیا تم لوگوں کے لئے یہ بات مناسب ہے کہ میں تمہارے لئے تڑپتی رہوں اور تمہارے شوقِ ملاقات میں اِسی طرح تڑپ تڑپ کر جاں بحق ہو جاؤں۔

اور کہنا کہ یہ کب تمہارے لئے روا ہے کہ میں سخت قید میں رہوں اور تم سب کبھی سبزہ اور کبھی درخت پر لُطفِ آزادی اُڑاؤ۔

کیا دوستوں کی وفاداری اسی طرح ہوتی ہے کہ مَیں قید میں رہوں اور تم سب باغوں میں رہو۔

دوستوں کی یاد دوستوں کے لِئے نہایت مُبارک ہوتی ہے بالخصوص جب دونوں میں تعلقات لیلیٰ اور مجنوں جیسے ہوں۔

تاجر نے اپنی مقید طوطی کی طرف سے جب ہندوستان کے ایک گروہ طوطیاں کو یہ پیغامات سُنائے تو طوطیوں نے بھی اپنا سلام اس کو پیش کیا مگر ایک طوطی نے اس چمن میں جب یہ پیغام سُنا تو اس کے جسم میں لرزہ ہوا اور شاخ سے کانپتی ہوئی زمین پر گر گئی اور بالکل مردہ سی ہو گئی۔

تاجر اس پیغام رسانی سے پشیمان ہوا کہ خواہ مخواہ اس غریب کی جان گئی نہ کہتا تو اچھا تھا۔ جب تاجر تجارت سے فارغ ہو کر واپس آیا تو اپنے غلاموں اور کنیزوں کو انعامات تقسیم کئے۔ طوطی نے اس سے کہا کہ طوطیانِ بیابانِ ہند نے مُجھے کیا پیغام بھیجا ہے جو کچھ سُنا ہو یا دیکھا ہو مُجھے بتاؤ۔

گُفت گُفتم آں شکایتہائے تُو   با گروہِ طُوطیاں ہمتائے تُو

تاجر نے کہا میں نے تیری شکایات تیری شریکِ غم طوطیوں سے کہہ دیں۔

آں یکے طُوطی زِ دردت بُوئے بُرد   زہرہ اَش بدرید و لرزید و بمُرد

اُن طوطیوں میں سے ایک طوطی پر تیرے پیغام کا بہت شدید اثر ہوا حتیٰ کہ تاب ضبط نہ لاسکنے سے اس کا پِتّہ پھٹ گیا اور وہ کانپتی ہوئی مرگئی۔

چوں شنید آں مُرغ کاں طُوطی چہ کرد

ہم بلرزید و فتاد و گشت سرد

جب اِس طوطی نے اُس طوطی کا یہ فعل سُنا کہ اس نے کیا کیا یہ بھی اسی طرح کانپتی ہوئی گرگئی اور ٹھنڈی ہوگئی۔

تاجر یہ ماجرا دیکھ کر رونے لگا کہ ہائے یہ کیا ہوا اور کہا ؎

اے دریغا مُرغِ خوش آوازِ مَن   اے دریغا ہمدمم و ہمرازِ مَن

تاجر نے کہا ہائے افسوس اے خوش آواز مُرغ ہائے افسوس میری ساتھی اور میری ہمراز۔

بعد اَزاَنش از قفص بیروں فگند

طُوطیک پرّید تا شاخِ بلند

اس کے بعد جب تاجر نے سمجھ لیا کہ طوطی صدمہ سے مرگئی تو پنجرے سے نکال کر باہر ڈال دیا اور وہ طوطی فوراً اُڑ کر شاخ بُلند پر جا بیٹھی۔ تاجر نے اوپر مُنہ کیا اور پُوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے کچھ مجھ سے بھی تو بیان کر۔

طوطی نے کہا کہ اُس طوطی نے مجھے اپنے عمل سے خود کو مردہ بنا کر یہ سبق دیا

تھا کہ تیری آزادی اور رہائی کی یہی صورت ہے کہ تو مردہ ہو جا۔ اس کے بعد طوطی نے سلام کیا اور تاجر کو الفراق کہا۔

اَلْوَدَاع اے خواجہ رفتم در وطن　　ہم شوی آزاد روزے ہمچو من

طوطی نے کہا اے خواجہ میں نے اپنے وطن کا رُخ کیا اب تجھ سے رُخصت ہوتی ہوں اور خدا کرے تو بھی نفس کی زنجیر اور قید و بند سے آزاد ہو جاوے میری طرح (تاکہ تو بھی باغِ قربِ الٰہی میں سیر کرے)

خواجہ گفتش فی امانِ اللہِ برو　　مر مرا کنوں نمودی راہِ نو

تاجر نے کہا فی امان اللہ اے طوطی جا اپنے وطن مگر تو نے مجھے بھی آزادی کی راہِ نو دکھا دی۔

جانِ من کمتر ز طوطی کے بود　　جاں چنیں باید کہ نیکو پے بود

تاجر نے کہا کہ میری جان کیا طوطی سے بھی کمتر ہے کہ دُنیا کے قید خانے اور خواہشات نفس کی غلامی کی زنجیر میں گرفتار رہے اور اللہ تعالیٰ کے باغِ قرب سے محروم۔ پس جان تو ایسی ہی ہونی چاہیئے جو اپنے اصل چمن کی طرف اُڑ جائے اور قید سے رہا ہو جائے۔

فائدہ: مولانا کو اس واقعہ سے یہ نصیحت فرمانی مقصود ہے کہ قفس سے اس طوطی کو رہائی تقریر اور بلند آوازی اور دعوائے انانیت سے نہیں ملی بلکہ اپنے کو مٹانے اور فنا کرنے سے ملی پس اسی طرح جو طالب طائرِ روح کو نفس و شیطان کے قفس سے آزاد کرانا چاہے اس کو چاہیئے کہ فنا ہونا سیکھے اور طریقۂ فنائیت فانی فی اللہ سے سیکھو کیونکہ جو خود قیدی ہو وہ دوسرے قیدی کو رہا نہیں کرا سکتا اور اللہ والے نفس کے قید و بند سے آزاد ہو گئے ہیں۔ پس انھیں کی صحبت سے دوسرے قیدی رہائی پا سکتے ہیں۔

حکایت

رومیاں و چینیاں در صفت نقّاشی

چینیاں گفتند ما نقاش تر   رومیاں گفتند ما را کرّ و فر

ترجمہ: چینیوں نے کہا کہ تعمیرات میں نقش و نگار کے ہم ماہر ہیں۔ رومیوں نے کہا کہ ہم زیادہ شان و شوکت والا نقش بناتے ہیں سُلطانِ وقت نے کہا۔ اچھا ہم تم دونوں کا امتحان کرتے ہیں۔

اہلِ چین و روم چوں حاضر شدند   رومیاں در علم واقف تر بُدند

بادشاہ کے پاس اہلِ چین اور اہلِ روم حاضر ہُوئے اور اہلِ روم زیادہ اپنے فن میں واقف تھے۔

اہلِ چین نے بادشاہ سے کہا کہ ہم کو ایک گھر نقش و نگار بنانے کے لئے دیدیا جاوے اور اس کو پردوں سے مخفی کردیا جائے تاکہ اہلِ روم ہماری نقل نہ کر سکیں ان شرائط پر اُنھوں نے پردے کے اندر نقّاشی کا بہترین اور بے نظیر کام دکھایا۔

اہلِ روم نے کہا کہ ہم ٹھیک اسی منقش گھر کے سامنے جو اہلِ چین بنا رہے ہیں۔ دوسرا گھر نقش و نگار والا تیار کرتے ہیں تاکہ آپ اس تقابل سے فیصلہ کرسکیں کہ کون بہتر ہے۔ اہلِ روم نے بھی پردہ کے اندر مخفی کام شروع کیا مگر اُنھوں نے کوئی نقش نہ بنایا بس خوب صیقل اور صفائی کرتے رہے یہاں تک کہ پورا گھر مثلِ آئینہ چمکنے لگا۔ بوقت امتحان اور مقابلہ جب درمیان سے پردہ ہٹایا گیا تو اہلِ چین کے تمام نقش و نگار کا عکس رومیوں کے بناتے ہوتے گھر پر اس طرح پڑا کہ وہ زیادہ خوبصورت

معلوم ہو رہا تھا۔

شہہ دَر آمد دِید آنجا نقشہا ‏ ‏ ‏ ‏ مِی رُبُود آں عقل را و فہم را

بادشاہ آیا اور اس نے اُن نقوش کو دیکھا جو اہلِ چین نے بنائے تھے ایسے خوبصورت نقوش تھے جو عقل و فہم کو اُڑا رہے تھے۔

بَعد ازاں آمد بسُوئے رُومیاں ‏ ‏ ‏ ‏ پَردہ را بَرداشت رُومی ازمیاں

اس کے بعد بادشاہ نے رومیوں کے تعمیر کردہ نقش و نگار کو دیکھا تو محوِ حیرت ہو گیا۔

آنچہ آنجا دِید اینجا بِہ نمُود ‏ ‏ ‏ ‏ دِیدہ را از دِیدہ خانہ می رُبُود

شاہ نے وہاں جو دیکھا تھا یہاں اس سے بہتر نظر آیا حتیٰ کہ کمالِ حُسن نقاشی کی کشش سے آنکھیں حلقہ چشم سے نکلی پڑتی تھیں۔

رُومیاں آں صُوفیا نند اے پسر ‏ ‏ ‏ ‏ بے زِتکرار و کِتاب و بے ہُنر

مولانا نے رومیوں کی مثال سے صوفیوں کا مقام بیان فرمایا ہے کہ یہ حضرات بھی دل کی صفائی کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور اسی کی برکت سے بدون تکرار و کتاب اور ہُنر کے اخلاقِ حمیدہ سے منقش ہو جاتے ہیں۔

لیک صَیقل کردہ اند آں سینہا
پاک زآز و حِرص و بُخل و کینہا

لیکن صوفیائے کرام اپنے سینے کی صیقل اور صفائی بہت کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے سینے حرص اور بخل اور کینے سے پاک ہوتے ہیں۔

آئینِ ما ئست سینہ را آئینہ داشتن ‏ ‏ ‏ ‏ کفر است در طریقت ما کینہ داشتن

ترجمہ: ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ہمارا قانون سینے کو مثلِ آئینہ صاف اور

بے غبار رکھنا ہے ہمارے طریق میں کینہ رکھنا کسی سے نہایت سنگین جرم ہے۔

فائدہ: ہمارے اکابرِ سلسلہ نے تخلیہ پر زیادہ محنت کی ہے یعنی غیر اللہ سے صفائی کا زیادہ اہتمام کراتے ہیں پھر تحلیہ بہت آسان ہوجاتا ہے۔ یعنی اخلاقِ رذیلہ کی اِصلاح کو اخلاقِ حمیدہ کی تحصیل سے مقدّم فرماتے ہیں۔ چنانچہ پہلے ذکر بتادیتے ہیں اور عشق کی آگ سے غیر اللہ کو جلا کر خاک کر دیتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی محبّت کی برکت سے ہر حکم پر عمل کرنا اور ہر گُناہ کا چھوڑنا آسان ہوجاتا ہے اور یہ سہل اور جلد کامیابی کا راستہ ہے۔

حکایتِ توبۂ صادقہ حضرت نصوح

ایک شخص تھے جن کا نام نصوح تھا، تھے مرد مگر شکل اور آواز بالکل عورتوں کی سی تھی اور شاہی محلّات میں بیگمات اور دخترانِ خسرواں کو نہلانے اور میل نکالنے کی خِدمت پر مامور تھا اور عورت کے لباس میں یہ شخص ملازمہ اور خادمہ بنا ہوا تھا۔ چونکہ یہ مرد شہوتِ کاملہ رکھتا تھا اس لئے مالش زنانِ خسروان سے نفسانی لذّت بھی خوب پاتا اور جب بھی یہ توبہ کرتا اس کا نفس ظالم اس کی توبہ کو توڑ دیتا۔ ایک دِن اس عاجز نے سُنا کہ کوئی بڑے عارف بزرگ تشریف لاتے ہیں یہ بھی حاضر ہوا اور کہا ؎

رُفت پیشِ عارفے آں زشت کار گُفت مارا در دُعائے یاد دار

یہ گنہگار عارف کے سامنے گیا اور کہا کہ ہم کو دُعا میں یاد رکھیے۔

آں دعا از ہفت گردوں در گذشت　　کارِ آں مسکیں بآخر خوب گشت

اُن بزرگ کی دُعا سات آسمانوں سے اوپر گذر گئی یعنی اس عاجز مسکین کا کام بن گیا۔

یک سبب انگیخت صُنعِ ذوالجلال　　کہ رہانیدش زِ نفرین و وبال

اس خدائے ذوالجلال نے اپنی قدرتِ خاصہ سے ایک سبب اس کی خلاصی کا پیدا فرمایا۔ وہ سبب یہ غیب سے ظاہر ہوا کہ نصوح اور اس کے ہمراہ جملہ خادمات کی تلاشی کی ضرورت واقع ہوئی کیونکہ زنان خانہ میں ایک بیش بہا موتی گم ہو گیا۔ حمام خانے کے دروازہ کو بند کر کے تلاشی شروع ہوئی جب کسی سامان میں وہ موتی نہ ملا۔

بانگ آمد کہ ہمہ عُریاں شوید　　ہر کہ ہستید از عجوز و از نوید

آواز دی گئی کہ سب خادمات عُریاں ہو جائیں خواہ وہ جوان ہوں یا بڈھی ہوں۔

اس آواز سے نصوح پر لرزہ طاری ہو گیا کیونکہ یہ دراصل مرد تھا مگر عورت کے بھیس میں عرصے سے خادمہ بنا ہوا تھا اس نے سوچا کہ آج میں رسوا ہو جاؤں گا اور شاہ غیرت کے سبب اپنی عزت و ناموس کا مجھ سے انتقام لے گا اور مجھے قتل سے کم سزا نہیں ہو سکتی کہ جرم نہایت سنگین ہے۔

آں نصوح از ترس شد در خلوتے
روئے زرد و لب کبود از خشیتے

یہ نصوح خوف سے خلوت میں گیا چہرہ زرد۔ ہونٹ نیلے ہو رہے تھے ہیبت سے۔

پیشِ چشمِ خویش او می دید مرگ　　سخت می لرزید او مانندِ برگ

نصوح موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا اور مثل برگ لرزہ براندام ہو رہا تھا۔ اسی

حالت میں یہ سجدہ میں گر گیا اور رو رو کر کہنے لگا۔

گفت یارب بارہا بر گشتہ ام تو بہا و عہد ہا بشکستہ ام

کہا نصوح نے اے رب بار ہا میں نے راستہ غلط کر دیا اور توبہ اور عہد کو بارہا توڑ دیا۔

اے خدا آں کن کہ از تو می سزد کہ زہر سوراخ مارم می گزد

اے خدا اب وہ معاملہ کیجیے جو آپ کے لائق ہے کیونکہ میرے ہر سوراخ سے میرا سانپ مجھے ڈس رہا ہے۔

نوبت جستن اگر در من رسد
وہ کہ جانِ من چہ سختیہا کشد

اگر موتی کی تلاشی کی نوبت خادمات سے گذر کر مجھ تک پہنچی تو اُف میری جان کس قدر سختی اور بلا کا عذاب چکھے گی۔

گر مرا ایں بار ستاری کنی توبہ کردم من زہر نا کردنی

اگر آپ اس مرتبہ میری پردہ پوشی فرما دیں تو میں نے توبہ کی ہر نالائق فعل سے نصوح یہ مناجات کرتے کرتے کہنے لگا کہ

در جگر افتادہ ہستم صد شرر در مناجاتم ببیں خونِ جگر

اے رب میرے جگر میں سیکڑوں شعلے غم کے بھڑک رہے ہیں اور آپ میری مناجات میں میرے جگر کا خون دیکھ لیں کہ میں کس طرح حالتِ بیکسی اور درد سے فریاد کر رہا ہوں۔

نصوح اپنے رب سے گریہ وزاری کر ہی رہا تھا کہ آواز آئی۔

جملہ را جستیم پیش آ اے نصوح گشت بیہوش آں زماں پرید روح

یہ آواز آئی کہ سب کی تلاشی ہو چکی اب اے نصوح! تو سامنے آ اور عریاں ہو جا۔ یہ

سُنتا تھا کہ نصوح اس خوف سے کہ ننگے ہونے سے میرا پردہ فاش ہو گا بے ہوش ہو گیا۔ اور اس کی روح عالمِ بالا کی سیر میں مشغول ہوئی۔

جانِ حق پیوست چوں بیہوش شُد ۔۔۔ بحرِ رحمت آں زماں در جوش شُد

اس کی روح بیہوشی کے وقت حق سے قریب ہوئی اور بحرِ رحمت کو اس وقت جوش آیا اور حق تعالیٰ کی قدرت سے نصوح کی پردہ پوشی کے لئے بلا تاخیر فوراً موتی مل گیا۔

بانگ آمد ناگہاں کہ رفت بیم
شُد پدید آں گُم شُدہ دُرِّ یتیم

اچانک آواز آئی کہ خوف ختم ہوا اور وہ موتی گُم شدہ مل گیا۔

آں نصوحِ رفتہ باز آمد بخویش ۔۔۔ دیدہ چشمش تابش صد روزہ بیش

وہ بے ہوش نصوح پھر ہوش میں آگیا اور اس کی آنکھیں سیکڑوں دِن سے زیادہ روشن تھیں یعنی عالمِ بیہوشی میں نصوح کی روح کو حق تعالیٰ کی رحمت نے تجلّیاتِ قرب کا مشاہدہ کرا دیا تھا جس کے انوار اس کی آنکھوں میں بعد ہوش کے بھی تاباں تھے۔

شاہی خاندان کی عورتوں نے نصوح سے معذرت کی اور شفقت سے کہا کہ ہماری بدگمانی کو مُعاف کر دو ہم نے تم کو بہت تکلیف دی۔

بدگماں بودیم مارا کُن حلال ۔۔۔ لحمِ تو خوردیم اندر قیل و قال

ہم بدگمان تھے ہم کو مُعاف کر ہم نے قیل وقال سے تیرا گوشت کھایا یعنی غیبت یا تلاشی کے خوف سے۔

گُفت بُد فضلِ خدا اے دادگر ۔۔۔ ورنہ زانچہ گفتہ شُد ہستم بتر

نصوح نے کہا کہ یہ خُدا کا فضل ہو گیا مجھ پر اے مہربانو! ورنہ جو کچھ میرے بارے میں

کہا گیا ہے ہم اس سے بھی بُرے اور خراب ہیں۔

اس کے بعد سُلطان کی ایک دخترِ نے اس کو مالش اور نہلانے کو کہا مگر نصوح اللہ والا ہوچکا تھا اور بے ہوشی میں اس کی روح قرب کے خاص مقام پر فائز ہوچکی تھی اتنے قوی تعلق مع اللہ اور یقین کی نعمت کے بعد گناہ کی ظلمت کی طرف کس طرح رُخ کرتا کہ روشنی کے بعد ظلمت سے کراہت محسوس ہونا فطری امر ہے۔ نصوح نے دخترِ شاہ سے کہا۔

گُفت زُورِ دستِ مَن بیکار شُد دیں نُصُوحِ تُو کنُوں بیمار شُد

نصوح نے کہا کہ اے دختر! میرے ہاتھ کی طاقت اب بیکار ہوچکی ہے اور تمھارا نصوح اب بیمار ہوگیا ہے یعنی اس حیلہ سے اس نے اپنے کو گناہ سے بچایا۔

بادلِ خود گُفت کز حد رفت جُرم
از دلِ مَن کے رَوَد آں تَرس و کُرم

کرم (کاف پر پیش) بمعنی غم (غیاث)

ترجمہ: نصوح نے اپنے دِل میں کہا کہ میرا جُرم حد سے گذر گیا اب میرے دِل سے وہ خوف اور غم کیسے نکل سکتا ہے۔

توبہ کردم حقیقت باخدا نشکنم تا جاں شود از تن جُدا

نصوح نے کہا میں نے حقیقی توبہ اپنے مولیٰ سے کی ہے میں اب اس توبہ کو ہرگز نہ توڑوں گا خواہ جان ہی میرے تن سے جُدا ہوجاوے۔

فائدہ: اس واقعہ سے حسبِ ذیل نصائح ملتے ہیں۔

(۱) اپنی گندی حالت سے کبھی ناامیدی نہ ہونی چاہیے حق تعالیٰ کی رحمت ہر

حالت کی اصلاح پر قادر ہے۔

(ب) اللہ والوں سے دُعا کی درخواست بھی اپنی اصلاح کے لئے کرنی چاہیئے جیسا کہ نصوح نے کیا اور بامُراد ہوا۔

(ج) حالتِ اضطرار میں اللہ تعالیٰ سے جس طرح نصوح رجوع ہوتے ان کے اس دردناک مضمون سے تضرّع اور گریہ وزاری کا سلیقہ اور عنوان کا عمدہ سبق ملتا ہے۔

(د) نصوح کی عمرِ طویل گناہوں میں گذری تھی اور کس قدر خطرناک حالت تھی مگر حق تعالیٰ نے ان کی ہدایت کی غیب سے راہ پیدا کی اور توبۂ صادقہ کی توفیق بخشی اور ان کی توبہ کا مقام جو آخری شعر میں درج ہے۔ دراصل تائبین کے لئے بڑا سبق آموز ہے یعنی ؎

نشکنم تا جاں شود از تن جُدا

سُبحان اللہ، اللہ کے سچّے بندوں کا یہ کیا ہی پیارا عہد ہے جو ان کے عظیم المرتبت اور عظیم الحوصلہ اور عظیم الہمّت ہونے پر بڑی دلیل ہے کہ خواہ جان جسم سے جُدا ہو جائے مگر مَیں اپنی توبہ اور عہد کو نہ توڑوں گا۔ خدا ہم سب کو ایسی ہی توبۂ نصوح عطا فرما دیں۔ آمین۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

حکایت مکالمۂ جحُود با حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جحُود ـــــ انکار کرنے والا (غیاث)

ایک دِن ایک منکر بد دین نے حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مباحثہ شروع

کیا آپ بالاخانہ پر تشریف فرما تھے۔ یہودی نے نیچے سے کہا اے علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) کیا حق تعالیٰ کی حفاظت پر آپ کو اعتماد ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک وہی ہمارا حفیظ ہے۔

گُفت خُود را اندر فگن ہیں زبام　　　اِعتمادے کُن بحفظِ حق تمام

ترجمہ: یہودی نے کہا اے مرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) آپ اپنے کو بالاخانے سے نیچے گرا دیجئے اور حق تعالیٰ کی حفاظت پر اعتماد کیجئے۔

تا یقیں گردد مرا ایقانِ تو　　　و اِعتقادِ خُوب با بُرہانِ تو

ترجمہ: تاکہ آپ کا اعلیٰ یقین میرے حصول یقین کا ذریعہ ہو اور آپ کی یہ عملی دلیل میرے حسنِ اعتقاد کا سبب بن جاوے۔

حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے جواب دیا کہ

کے رسد مر بندہ را کُو با خُدا　　　آزمایش پیش آرد زِ ابتلا

کب بندہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خدا کی آزمائش اور امتحان کی جرأت کرے۔

بندہ را کے زہرہ باشد اے فضول
امتحانِ حق کُند اے گیج کُول ؏

بندہ کو کہاں اس کا پتّہ (ہمت) اے احمق نالائق کہ وہ حق تعالیٰ کا امتحان کرے۔

آں خدا را می رسد کُو امتحاں
پیش آرد ہر دمے با بندگاں

یہ تو خدا ہی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ہر وقت بندوں کا امتحان کرتا رہے۔

؏ گیج کول گیج۔ احمق۔ کول۔ عمیق یعنی نہایت احمق

گر بپاید ذرہ سنجد کوہ را　بر درد زاں کہ ترازوش ای فتیٰ

اگر پہاڑ کے دامن میں ایک ذرّہ پہاڑ کی بلندی کو دیکھ کر کہے کہ اچھا میں تجھے وزن کروں گا کہ تو کس قدر طول وعرض اور وزن والا ہے تو اس بیوقوف ذرّہ کو سوچنا چاہیے کہ جب اپنی ترازو پر پہاڑ کو رکھے گا تو اس کی تو ترازو ہی پھٹ جاوے گی یعنی اس وقت نہ یہ ذرّہ باقی ہوگا نہ اس کی ترازو سلامت ہوگی تو وزن کا خیال محض احمقانہ خیال ہوا۔

کز قیاسِ خود ترازو می تند　مردِ حق را در ترازو می کند

پس ایسے احمق اپنے قیاس کے ترازو پر ناز رکھتے ہیں اور اللہ والوں کو اپنے احمقانہ خیالی ترازو میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں۔

چوں نگنجد او بمیزانِ خرد　پس ترازوے خرد را بر درد

جب اللہ والوں کا بلند مقام ان بیوقوفوں کی ترازو میں نہیں سماتا تو خدا اس گستاخی کی نحوست اور شامت کے سبب ان کی ترازو ہی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے اور حماقت در حماقت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ جو لوگ اللہ والوں کی شان میں گستاخیاں اور اعتراضات کیا کرتے ہیں۔ ان کی عقل سے سلامتی روز بروز گھٹتی چلی جاتی ہے اور عملی حالت روز بروز تباہ ہوتی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں۔ آمین۔

وسوسہ ایں امتحاں چو آیدت　بختِ بد داں کامد و گردن زدست

مولانا نصیحت فرماتے ہیں اگر اس نوع کے امتحان کا وسوسہ بھی آتے تو اس کو اپنی بدبختی اور ہلاکت کی علامت سمجھو اور یہ تدبیر کرو۔

فوراً سجدہ میں گر جاؤ اور گریہ وزاری میں مشغول ہو کر خدا سے پناہ مانگو کہ اے خدا! مجھے ایسے فاسد گمان وخیال سے خلاصی اور رہائی عطا فرما۔

فائدہ: اگر توبہ اور گریہ وزاری سے بھی یہ خیال نہ نکلے تو پھر وہ محض وسوسہ ہے جس کو صرف بُرا سمجھنا کافی ہے اور اس کی طرف توجہ بھی قصداً نہ کرے کچھ ہی دِن میں انشاء اللہ نجات پا جاوے گا۔ مگر دُعا وفریاد ہمیشہ کرتا رہے اور اللہ والوں سے دُعا کی درخواست کرتا رہے۔

حکایت گفتگو حضرت مُعاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ با ابلیس

ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر پر آرام فرما رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے آپ کو بیدار کر دیا جب آپ نے بیدار ہو کر دیکھا تو وہ شخص پوشیدہ ہو گیا۔ آپ نے دِل میں سوچا کہ میرے گھر کے اندر اس وقت تو کوئی آ نہیں سکتا۔ ایسی جرأت کِس نے کی ہے۔ پھر آپ نے دیکھا کہ ایک شخص دروازہ کی آڑ میں اپنا مُنہ چھپائے ہوئے کھڑا ہے۔ آپ نے دریافت کیا تو کون؟

جواب دیا میرا فاش نام ابلیس شقی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ اے ابلیس تو نے مجھے کیوں بیدار کر دیا۔ سچ سچ بتا۔

اس نے کہا نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہے۔ آپ کو مسجد کی طرف جلد

دوڑنا چاہیے۔

آپ نے فرمایا ہرگز یہ غرض تیری نہیں ہو سکتی کہ تو خیر کی طرف کبھی رہنمائی کرے میرے گھر میں تو چور کی طرح گھس آیا اور کہتا ہے کہ میں پاسبانی کرتا ہوں اور خاص کر تجھ جیسا چور کہ راہزن بھی ہے کس مقصد سے مجھ پر تجھے اس قدر شفقت ہے۔

ابلیس نے جواب دیا۔

گُفت ما اوّل فرشتہ بودہ ایم　　راہِ طاعت را بجان پیمودہ ایم

ابلیس نے کہا ہم پہلے فرشتہ تھے اور طاعت کے راستے کو اپنی جان سے طے کیا ہے۔

پیشۂ اوّل کجا از دل رود　　مہرِ اوّل کے زِدل زائل شود

پہلا پیشہ دل سے کہیں بالکل نکل سکتا ہے اور پہلی محبت بھلا دل سے زائل ہو سکتی ہے۔

نیکواں را رہنمائی میکنم　　مر بداں را پیشوائی می کنم

میں نیکوں کو راستہ نیکی کا دکھاتا ہوں اور بُروں کو بُرے راستے کی پیشوائی کرتا ہوں۔

گر ترا بیدار کردم بہرِ دین　　خوئے اصلِ من ہمیں است و ہمیں

اگر آپ کو دین کے لیے میں نے بیدار کر دیا تو یہی ہماری اصل فطرت کا مقتضا ہے۔

گفت امیر اے راہزن حجت مگو
مر ترا رہ نیست در من رہ مجو

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے راہزن (ڈاکو) مجھ سے بحث مت کر تجھ کو میرے اندر گمراہ کرنے کا راستہ نہ مِل سکے گا میرے اندر راستہ مت ڈھونڈ۔ سچ سچ بتا کہ تُو نے مجھے نماز کے لئے کیوں بیدار کیا تیرا کام تو گمراہ کرنا ہے۔ اس خیر کی دعوت میں کیا راز ہے جلد بتا۔

ابلیس نے کہا حضور بات یہ ہے کہ اگر آپ کی نماز فوت ہوجاتی تو آپ اللہ تعالیٰ کی جناب میں آہ و فغاں کرتے۔ جس سے آپ کا درجہ بہت بُلند ہوجاتا اور میں حسد سے جل کر خاک ہوتا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ آپ کو بیدار کردوں تاکہ آپ نماز ادا کریں۔

گر نمازت فوت می شد آں زماں
میزدی از دردِ دل آہ و فغاں

اگر آپ کی نماز فوت ہوجاتی تو آپ اس وقت دردِ دل سے آہ و فغاں کرتے۔

آں تاسُّف آں فغان و آں نیاز
در گذشتے از دو صد رکعت نماز

اور آپ کا وہ افسوس اور رونا اور ندامت و نیازمندی اور شکستگی آپ کو دو سو رکعت نوافل سے زیادہ مقرب بنا دیتی اس لِئے مُجھے آپ کے قربِ اعلیٰ کے خوف اور حسد نے آپ کو بیدار کرنے کے لِئے آمادہ کیا۔

من ترا بیدار کردم از نہیب
تا نسوزاند چناں آہِ عجیب

مَیں نے اِسی خوف سے آپ کو بیدار کردیا تاکہ آپ کی آہ عجیب مجُھے نہ جلاوے۔

من حسودم از حسد کردم چنیں　　من عدوّم وکارِ من مکر است و کیں

میں انسان کا حاسد ہوں میں نے اسی حسد سے ایسا کیا ہے اور مَیں انسان کا دشمن ہوں میرا کام حسد اور کینہ ہے۔

گفت اکنوں راست گفتی صادقی　　از تو ایں آید تو ایں را لائقی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب تو نے سچ بات کہی اور حسد و

دشمنی جو کچھ تُو نے کی ہے تو اسی کے لائق ہے۔

فائدہ : اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ کوتاہیوں اور خطاؤں پر ندامت اور گریہ وزاری سے شیطان کو کتنا غم ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت کس قدر ایسے بندہ پر متوجہ ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ ندامت کے ساتھ حق تعالیٰ کے حضور میں گریہ وزاری کیا کریں۔ آمین

حکایتِ نحوی وکشتیباں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں ایک نحوی کی حکایت بیان فرمائی ہے کہ ایک نحوی صاحب دریا عبور کرنے کے لئے کشتی پر سوار ہوئے تو ملاح نے دریافت کیا کہ حضور آپ کس فن کے ماہر ہیں فرمایا کہ میں فنِ نحو کا امام ہوں اور کہا کہ افسوس تو نے اپنی زندگی کشتی چلانے میں گنوا دی۔ نحو جیسا فن نہ سیکھا۔

ملاح بے چارہ خاموش ہو رہا۔ قضا الٰہی سے کشتی بیچ دریا میں طوفان میں پھنس گئی۔ ملاح نے اس وقت اس نحوی سے کہا کہ حضور اب اپنے فن سے کچھ کام لیجئے کشتی غرق ہوا چاہتی ہے۔

حضور خاموش رہے کہ اس وقت نحو کیا کام دیتا۔

پھر ملاح نے کہا کہ اس وقت نحو کا کام نہیں محو کا کام ہے محض نحوی بننے سے کام نہیں چلتا محوی بننے کی ضرورت ہے۔

محوی باید نہ نحوی اینجا بداں   گر تو محوی بے خطر در آب راں

ترجمہ : یہاں تو محو چاہئے نہ کہ نحو اگر تو محوی ہے تو بے خطر پانی میں راستہ طے کر۔

آبِ دَرْیا مُرْدَہ رَا بَرْ سَرْ نِہَدْ
دَرْ بُوَدْ زِنْدَہ زِ دَرْیا کَےْ رَہَدْ

ترجمہ : دریا کا پانی مردہ کو اپنے سر پر رکھتا ہے اور زندہ غرق ہو جاتا ہے یعنی اپنے کو مٹانے اور فنا کرنے سے اللہ کا راستہ طے ہوتا ہے۔ تکبر والے محروم اور غرقِ آبِ ہلاکت ہوتے ہیں۔

فائدہ : پس حق تعالیٰ کے راستہ میں محویت کام دیتی ہے۔ محض قیل و قال سے کام نہیں چلتا بلکہ بعض اوقات اس قیل و قال سے ناز و پندار پیدا ہو جاتا ہے جو اہل اللہ سے تعلق پیدا کرنے میں عار کا سبب ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ ایسی محرومی سے محفوظ فرمائیں۔ آمین۔ اور ہم کو فنائیتِ کاملہ عطا فرمائیں۔

فنائیت کیا چیز ہے ؟ احقر نے اپنے شیخ و مرشد سے یہ سوال کیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ اپنے کو مٹا دینا اور فنا کر دینا یا فانی فی اللہ ہو جانا۔ ان اصطلاحات کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اپنی ان مرضیات اور خواہشات کو جو اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور احکام کے خلاف ہوں ترک کر دے پس اسی کا نام فناءِ نفس ہے ابتداءِ سلوک میں یہ عمل مُجاہدہ اور مشقّت سے ہوتا ہے اور انتہاءِ سلوک میں مرضیاتِ الٰہیہ پر عمل کرنا طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔

اِنکار کرنا فلسفی کا

آیت اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا سے

ایک قاری نے قرآن پاک سے جب اس آیت کی تلاوت کی اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا الخ اگر تمھارے چشموں کے پانی گہرائی میں چلے جاویں تو کون قدرت رکھتا ہے کہ وہ اس پانی کو اوپر لاسکے۔ یہ میری ہی قدرت ہے کہ ؎

آب را در غورہا پنہاں کنم
چشمہا را خشک و خشکستاں کنم

میں پانی کو زمین کی گہرائی میں مخفی کردیتا ہوں اور چشموں کو خشک کردیتا ہوں جس سے پانی کا قحط ہوجاتا ہے۔ پھر میرے سوا کون ہے جو دوبارہ پانی چشموں میں لاسکتا ہے ؎

آب را در چشمہ کہ آرد دگر

اس آیت کو سُن کر ایک فلسفی منطقی نے کہا کہ میں لاسکتا ہوں۔ پس رات کو جب سویا تو ؎

شب بخفت و دید او یک شیر مرد زد طپانچہ ہر دو چشمش کور کرد

وہ رات سوگیا اور دیکھا ایک شیر مرد کو اور اس نے ایک طمانچہ اس کو مارا جس سے دونوں آنکھیں اس کی اندھی ہوگئیں اور اس نے خواب ہی میں کہا ؎

گفت زیں دو چشمۂ چشم اے شقی
با تبر نورے بیار از صادقی

اس شیر مرد نے کہا اے بدبخت! اپنی آنکھ کے دونوں چشموں سے اس نور کو واپس لا۔

اگر تو اپنے دعویٰ میں صادق ہے جب خواب سے اُٹھا تو اس نے اپنی دونوں آنکھوں کو بے نُور پایا اور اندھا ہو گیا۔

گر بنالیدے و مستغفر شدے　　نُورِ رفتہ از کرم ظاہر شدے

اگر یہ بدبخت نالہ کرتا اور استغفار میں مشغول ہو جاتا تو حق تعالیٰ کی رحمت و مہربانی سے اس کو دوبارہ آنکھوں کی روشنی عطا ہو جاتی۔

لیک استغفار ہم در دست نیست

ذوقِ توبہ نُقلِ ہر سرمست نیست

لیکن استغفار اور توبہ کی توفیق اپنے ہاتھ میں نہیں ہے اور توبہ کا ذوق اور داعیہ ہر سرمست کی غذا نہیں ہے۔

فائدہ: حسبِ ذیل نصائح اس حکایت سے ملتے ہیں۔

(ا) اللہ و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باتوں میں شبہ کرنا یا بے ادبی کرنا کبھی دُنیاوی عذاب کا باعث بھی ہو جاتا ہے۔ بہت ڈرنے کا مقام ہے۔

(ب) توبہ کر لینے کے سہارے پر گناہ کا ارتکاب کبھی نہ کرنا چاہیے کہ توبہ کی توفیق اپنے ہاتھ میں نہیں ممکن ہے کہ اس جرأت اور گستاخی کے وبال سے توفیقِ توبہ سلب ہو جاوے اور ہمیشہ کے لئے مطرود اور مردود ہو جاوے۔

توبہ کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی کہے یہ مرہم جل جانے کے زخم کو نہایت مُفید ہے تو کیا اس مرہم کے سہارے پر کوئی اپنے ہاتھ کو آگ میں ڈالتا ہے۔ یہ مرہم تو اتفاقی حوادث کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اپنے ہاتھوں کو خود ہی جلا جلا کر اس مرہم کے فوائد کو آزمایا جاتا ہے۔ اسی طرح گُناہوں کی تاریکی اور آگ جو دل کو نقصان پہنچاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دُوری

اور ناراضگی کا وبال آجاتا ہے توبہ اِن نقصانات کی تلافی کرتی ہے۔ توبہ گناہوں کی آگ کے زخم کا مرہم ہے لیکن اِس کا مطلب یہ لینا کہ قصداً آگ سے اپنے کو جلایا جاوے اور اس مرہم کو آزمایا جاوے انتہائی بیوقوفی ہوگی۔

گناہوں سے بچنے کا اہتمام اس قدر ہونا چاہیئے کہ یہ تہیہ کرے کہ اگر گناہ کے تقاضے پر عمل نہ کرنے کی تکلیف سے جان بھی نکل جائے گی پھر بھی گناہ نہ کروں گا اور اس عزم کی بقاء کے لئے اللہ والوں کی صحبت اور اچھے ماحول اور التزامِ ذکر کا اہتمام بھی کیا جاوے۔ اس کے باوجود اگر بربنائے بشریت کبھی خطا ہوجاوے تو بے شک گریہ وزاری اور توبہ کا مرہم بڑا ہی اکسیر ہے۔ مولانا نے ایک مقام پر فرمایا ہے۔

مَرکَبِ توبہ عجائب مَرکَب است
تا فلک تازد بیک لحظہ زِپَست

ترجمہ: توبہ کی سواری عجیب سواری ہے کہ ایک لمحہ میں گناہوں کی پستی سے نکل کر فلک تک سیر کرتی ہے اور توبہ کرنے والا اصاف ستھرا ہوکر اللہ کا پیارا ہوجاتا ہے۔

حکایتِ حکیم جالینوس

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حکیم جالینوس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ دواخانہ سے مجھے فلاں نام کی دوا لادو۔ دوستوں نے کہا کہ یہ دوا تو آپ پاگلوں کو کھلایا کرتے ہیں۔ آپ کو کیا ہوگیا کہ جنون کی دوا طلب کررہے ہیں۔

جالینوس نے کہا ؎

گفت در من کرد یک دیوانہ رُو

میری طرف ایک دیوانہ دیکھ رہا تھا۔

ساعتے در روئے من خوش بنگرید   چشمکم زد آستینے بر درید

جالینوس نے کہا ایک گھنٹہ تک وہ پاگل مجھے دیکھ کر مسرور ہوتا رہا اور پھر آنکھ سے اشارہ بازی کی اور آستین کو پھاڑ ڈالا۔

گر نہ جنسیت بدے در من ازو
کے رُخ آوردے بمن آں زشت رُو

اگر وہ میرا ہم جنس نہ ہوتا یعنی میرے اندر بھی جنون کا مادہ اگر نہ ہوتا تو کب وہ بدصورت میری طرف اس طرح سے رُخ کرتا۔

کے پرد مرغے بجز با جنسِ خود   صحبتِ ناجنس گور ست و لحد

کب کوئی چڑیا اُڑتی ہے سوائے اپنی ہم جنس چڑیوں کے ساتھ اور غیر و ناجنس کی صحبت تو ایسی ہی ہے جیسے کوئی زندہ ہی قبر میں ہو۔

خلاصہ یہ کہ جالینوس نے کہا کہ کوئی وصف جب دو آدمیوں میں مشترک ہوتا ہے تو یہی قدرِ مشترک سبب ہوتا ہے دونوں کی دوستی اور مناسبت کا۔

در عجب ماندم بجستم حالِ شاں   تا چہ قدرِ مشترک یابم نشاں

ساتھیوں نے کہا ہم تعجب میں ہوئے اور ان دونوں کے حالات کا جائزہ لیا کہ وہ قدر مشترک کیا ہے۔

چوں شدم نزدیکِ من حیران و دنگ   خود بدیدم ہر دو آں بودند لنگ

ساتھیوں نے کہا جب ہم اس پاگل کے قریب گئے تو حیران رہ گئے کہ دونوں لنگڑے تھے۔

یعنی قدرِ مشترک یہ وصف تھا جس سے دونوں میں مناسبت ہو رہی تھی۔

فائدہ : اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب اِنسان نیک آدمی سے مِل کر خوش ہو یا نیک آدمی اس سے مِل کر خوش ہو تو خُدا کا شکر کرے کہ یہ علامت اچھی ہے یعنی طبیعت کی نیکی دونوں میں قدرِ مشترک ہے خواہ اعمال ابھی اچھے نہ ہوں لیکن ایسا شخص نیکی میں ترقی کی صلاحیّت رکھتا ہے۔

اور اگر کوئی بُرے انسان سے مل کر خوش ہو یا بُرے انسان اس کی مُلاقات سے خوش ہوں اور اپنی بُرائی کی اصلاح بھی نہ چاہتے ہوں تو سمجھ لینا چاہیئے کہ کوئی بُرائی اس کے اندر بھی ہے جو قدرِ مشترک بنی ہوئی ہے۔ دونوں کی مناسبت اور مسرّت کا تجربہ ہے کہ اگر کسی کو دیندار سمجھا گیا ہے اس کے ظاہر سے لیکن اس کا اُٹھنا بیٹھنا رات دن دُنیاداروں میں ہے اور یہ ان کی اصلاح کے لئے نہیں ملتا بلکہ محض خوش طبعی اور تفریحی طور پر وقت گذارتا ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ بھی دنیا دار ہے اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسُول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ **اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ** ہر آدمی اپنے گہرے دوست کے دین پر ہوتا ہے۔ پس کسی شخص کو اگر پہچاننا ہو کہ یہ آدمی کیسا ہے تو اس کے گہرے دوستوں کو دیکھو کہ وہ کیسے ہیں۔

اِسی طرح تجربہ ہے کہ حریصِ دُنیا جس دُنیا کو حاصِل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا پھر بھی وہ اس کے تذکرہ کو حرصِ سماعت سے سُنتا ہے اور اس دُنیا کو حرصِ بصارت سے دیکھتا ہے اسی طرح حریصِ آخرت جن اعمالِ آخرت کی قدرت بھی نہیں رکھتے یا ضعفِ ہمت سے نہیں اختیار کر پاتے پھر وہ ان کو دوسروں پر حرصِ بصارت سے دیکھتے ہیں اور ان کے ذکر کو حرصِ سماعت سے سُنتے ہیں۔

حکایت عیادتِ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی بیمار ہوئے اور لاغر ہو گئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیادت کے لیے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بہت نقاہت ہے اور حالتِ نزع طاری ہے۔ آپ نے اس حالت کو دیکھ کر بہت ہی نوازش اور اظہارِ لطف فرمایا۔

بیمار صحابی رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو خوشی سے نئی زندگی محسوس کی اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی مُردہ اچانک زندہ ہو جاوے اور انھوں نے کہا ؎

گفتِ بیماری مرا این بخت داد — کامد این سلطان بر من بامداد

صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا اس بیماری نے مجھ کو خوش نصیب اور خوش قسمت کر دیا کہ جس کی بدولت ہمارے سلطان المؤمنین یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری امداد کے لیے تشریف لائے اور عیادت فرما رہے ہیں اور انھوں نے کہا ؎

اے خجستہ رنج و بیماری و تب — اے مبارک درد و بیداریِ شب

خجستہ۔ مبارک۔ تب۔ بُخار

ترجمہ : اُن صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے میری بیماری اور بُخار اور رنج اور اے درد اور بیداریِ شب تجھے مبارک ہو کہ تو ہی سبب ہے اس وقت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو میرے پاس تشریف لائے۔

اس کے بعد جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی عیادت سے فارغ ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمھیں کچھ یاد ہے کہ تم نے ایک بار حالتِ صحت میں کیا

دُعا کی تھی۔

اُنہوں نے کہا مجھے تو یاد نہیں آتا کہ کیا دُعا کی تھی۔ اس کے تھوڑے ہی وقفہ بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے اُن کو وہ دُعا یاد آگئی اور عرض کیا یا رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے وُہ دُعا یاد آگئی۔ وُہ دُعا یہ تھی کہ مَیں نے اپنے اعمال کی کوتاہیوں اور خطاؤں کے پیشِ نظر یہ دُعا کی تھی اے اللہ!

مَنْ ہَمی گُویَم کہ یَا رَبْ آنْ عَذَابْ
ہَمْ دَرِیْں عَالَمْ بِرَانْ بَرْ مَنْ شِتَابْ

میں دُعا میں کہا کرتا تھا کہ اَے اللہ! وہ عذاب جو آخرت میں آپ دیں گے وہ اسی عالم میں یعنی دُنیا ہی میں مُجھ پر جلد دے دیجئے۔

تَا دَرْ آنْ عَالَمْ فَرَاغَتْ بَاشَدَمْ
دَرْ چُنِیْں دَرْخَواسْتْ تَا دَمْ مِیْزَدَمْ

تا کہ عالمِ آخرت کے عذاب سے فارغ ہو جاؤں اور یہ درخواست اب تک میں کرتا رہا۔

اِیْنْچُنِیْں رَنْجُورِئے پَیْدَا شُدْ　　جَانِ مَنْ اَزْ رَنْج بے آرَام شُدْ

یہاں تک کہ یہ نوبت آگئی کہ مُجھ کو ایسی شدید بیماری نے گھیر لیا اور میری جان اس تکلیف سے بے آرام ہو گئی۔

مَانْدَہ اَمْ اَزْ ذِکْر وَ اَزْ اَوْرَادِ خُود
بے خَبَرْ گَشْتَمْ زِ خَوِیْشْ وَ نِیْک وَ بَدْ

اور اس بیماری کے سبب میں اپنے ذکر اور اُن وظیفوں سے جو حالتِ صحت میں

میرے معمولات تھے عاجز اور مجبور ہو گیا ہوں اور اپنے اقرباء اور ہر نیک و بد سے بے خبر پڑا ہوں۔

اس مضمونِ دعا کو رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سن کر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور منع فرمایا کہ آئندہ ایسی دعا کبھی مت کرنا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی دعا کو منافیٔ عبدیت قرار دیا یعنی یہ آدابِ بندگی کے خلاف ہے کہ اپنے مولیٰ سے بلا و عذاب طلب کرے کیونکہ ایسی دعا کرنا گویا دعویٰ کرنا ہے خداوند تعالیٰ کے سامنے کہ ہم آپ کی بلا و عذاب کو برداشت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو نصیحت فرمائی کہ ؎

تو چہ طاقت داری اے مورِ سقیم　　کہ نہد بر تو چناں کوہِ عظیم

اے مخاطب تو کیا طاقت رکھتا ہے کہ تجھ جیسی بیمار چیونٹی پر خدائے پاک ایسا بڑا پہاڑ اپنی بلا کا رکھ دیں۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

ایں بگوئی و سہل کن دشوار را　　تا خدا گلشن کند آں خار را

اب اس طرح سے دعا کرو کہ اے اللہ! میری دشواری کو آسان کر دیجئے۔ تاکہ خدا تمھاری مصیبت کے کانٹے کو گلشنِ راحت سے تبدیل فرما دے۔

آتِنَا فِیْ دَارِ دُنْیَانَا حَسَنْ
آتِنَا فِیْ دَارِ عُقْبَانَا حَسَنْ

اور اللہ سے کہو کہ اے اللہ! دنیا میں بھی مجھے بھلائیاں عطا فرما اور آخرت میں بھی ہم کو بھلائیاں عطا فرما۔

فائدہ: اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ سے بلا نہ مانگے ہمیشہ

دونوں جہان کی عافیت مانگتا رہے اور اپنے رب کے سامنے اپنے ضعف اور عاجزی کا اقرار کرتا رہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کو بدنگاہی کی بیماری ہے تو اس کی صحت اصلاح کے لئے دُعا کرے اللہ والوں سے علاج معلوم کرے اور اُن سے بھی دُعا کی درخواست کرے مگر کبھی پریشان ہوکر یہ نہ کہے کہ یا اللہ یہ بیماری تو میری اچھی نہیں ہوتی اس سے تو بہتر ہے تو مجھے اندھا ہی کردے تاکہ آنکھوں سے گناہ نہ ہو تو ایسی دُعا جہالت اور نادانی ہوگی خوب سمجھ لینا چاہیے۔ جہاں تک ہو بَلا سے بچو اور عافیت کا سوال کرو۔

مَیں نے اپنے شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سُنا کہ حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ سائے کے باوجود دھوپ میں نوافل پڑھ رہے تھے ایک صاحبِ نسبت بُزرگ نے اس حالت کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص کسی بڑی بلا میں گرفتار ہونے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب عافیت سامنے ہو تو بلا نہ اختیار کرو اور جب دونوں ہی طرف بَلا ہو تو جو بَلا آسان ہو اس کو اختیار کرو۔ کَمَا ھُوَ فِی الْحَدِیْثِ مَاخُیِّرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ أَمْرَیْنِ اِلَّا اخْتَارَ أَیْسَرَھُمَا مَالَمْ یَکُنْ اِثْمًا .... (بُخاری شریف صہ ۹۰۴ ج ۲)

حکایت بازِ شاہی وکمپیرزن

کمپیرزن بہت سن رسیدہ بڑھیا

ذکر ہے کہ ایک بار ایک بازِ شاہی، شاہ سے اُڑ گیا اور پڑوس میں ایک بُوڑھی عورت کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے اس کے بڑے بڑے ناخنوں کو اور اس کے بڑے بڑے پروں کو کاٹ دیا اور کہا کہ افسوس کہ تو کس نااہل کے یہاں پڑا تھا۔ جس نے تجھے مثلِ یتیم بنا رکھا تھا

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جاہل اور نادان کی محبت اسی طرح کی ہوتی ہے کہ باز کے لئے ناخن اور پر و بازو ہی تو اس کے کمالات تھے جن سے وہ شکار کرتا ہے۔ اور اس نادان کو وہی کمالات معائب نظر آئے اور باز کو اس ظالم نے بالکل ہی بیکار کر دیا۔

ایک دن شاہ تلاش کرتے کرتے اس عورت کے گھر آپہنچا اور اچانک اپنے باز کو اس حالت میں دیکھ کر رونے لگا اور وہ باز اپنے پروں کو شاہ کے ہاتھ پر ملتا تھا اور زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ میں نے آپ سے علیحدگی کا انجام دیکھ لیا اور یہ سخت خطا مجھ سے ہوئی۔

بازمی مالید پر بر دستِ شاہ
بے زباں می گفت من کردم گناہ
باز گفت اے شہ پشیماں می شوم
توبہ کردم نو مسلماں می شوم

زبانِ حال سے پھر کہا کہ اے شاہ میں شرمندہ ہوں اور توبہ کرتا ہوں اور نیا عہد و پیمان کرتا ہوں۔

گندہ پیرِ جاہل ایں دُنیا و نیست — ہر کہ مائل شد بدو خوار و غبیست

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دُنیا اسی جاہل بُوڑھی عورت کے مانند ہے جو شخص اِس دُنیا پر مائل ہوتا ہے وہ بھی اِسی طرح ذلیل اور غبی بے وقوف ہے۔

ہر کہ با جاہل بُوَد ہمراز باز — آں رسد با او کہ با آں شاہباز

جو شخص کسی جاہل سے دوستی کرتا ہے اس کا وہی حشر و انجام ہوتا ہے جو اس باز شاہی کا اس بوڑھی نادان عورت کے ہاتھ سے ہوا۔

فائدہ : حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بعض نادان اسی طرح خادمِ اسلام ہونے کے مُدّعی ہیں اور اپنی جہالت اور نادانی سے اسلام کو اپنے نظریّاتِ احمقانہ کے تابع کر کے اس کی حقیقی صورت کو مسخ کر رہے ہیں اور عموماً یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے ذاتی مُطالعہ سے اہلِ قلم بن بیٹھے اور کسی کامل اُستاد سے دین کو نہیں سیکھا۔ ایسے لوگوں کی تصنیف کے مُطالعہ سے احتیاط واجب ہے۔

مسلم شریف میں ہے

إن هذا العلم دين فانظروا عن من تأخذون دينكم صج ۱۲/۱

وَالاِسْنَادُ مِنَ الدِّيْن۔ صج ۱۲/۱

جس شخص سے دین سیکھو پہلے اس کے بارے میں اس وقت کے کاملین کی رائے معلوم کرلو۔ یعنی جس لوٹے سے پانی پینا ہے اُس کے اندر دیکھ لو کہ پانی صاف ہے یا کچھ اور ملا ہوا ہے ورنہ جو اس میں ہے وہی مُنہ میں داخل ہو گا اور دینِ صحیح کے لئے اسناد ضروری ہے۔

حکایت باز اور چغداں

(لغت) چغد — اُلّو — چغداں — جمع چغد

ایک مرتبہ ایک بادشاہ کا باز اُڑتے اُڑتے ایک ایسے ویرانے میں پہنچ گیا جہاں بہت سے اُلّو رہتے تھے۔ جتنے اُلّو تھے انہوں نے شور و فتنہ اور الزام تراشی شروع کردی کہ یہ باز ہمارے ویرانے پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔

باز ان بیوقوفوں کے اندر بہت گھبرایا اور کہا کہ ؎

مَن نخواہم بُود اِیں جا مِی رَوَم — سُوئے شاہنشاہ رَاجِع مِی شَوَم

باز نے کہا میں یہاں نہ ٹھہروں گا میں بادشاہ کی طرف واپس جاتا ہوں۔

اِیں خراب آباد دَر چشمِ شُماسْت
وَرنہ مارا ساعدِ شَہ بازِ جاسْت

اور یہ ویرانہ تمھیں کو مبارک ہو میرا مقام تو بادشاہ کے پنجے اور کلائی پر ہوتا ہے۔

اُلّوؤں نے کہا کہ یہ باز حیلہ و مکر کر رہا ہے اور اس طرح ہمارا استحصال کرنا چاہتا ہے۔

خانہائے ما بگیرد اُو بہ مکر — بَر کَنَد مارا بسالوسی زِ وکر[ع]

اور یہ باز ہمارے گھروں پر اپنے مکر سے قبضہ کرلے گا اور اس خوشامد و سیاست سے ہمارا آشیانہ اکھاڑ پھینکے گا۔

باز نے محسوس کیا کہ یہ نادان احمق اُلّو مجھ پر حملہ نہ کردیں اس لئے اُس نے کہا۔

گفت بازار یک پرِ من بشکند — بیخ چغدستاں شہنشہ بر کند

باز نے کہا کہ اگر تم لوگوں کی شرارت سے میرا ایک پر بھی ٹوٹ گیا تو میں جس شاہ کا پروردہ ہوں وہ تمھارے اُلّوستان ہی کو جڑ سے تباہ کرادے گا۔

پاسبانِ مَن عنایاتِ وَیْ سْت
ہر کجا کہ مَن رَوَم شَہ دَر پیْ سْت

شاہ کی عنایت میری حفاظت کرتی ہے اور میں کہیں بھی چلا جاؤں مگر شاہ کی نگاہ حفاظت بھی میرے ساتھ ہے۔

دَر دِلِ سُلطاں خیالِ مَن مُقیم — بے خیالِ مَن دِلِ سُلطاں سَقیم

ع (لغت) وکر۔ آشیانہ۔

شاہ کے دِل میں ہر وقت میرا خیال ہے اور بغیر میرے خیال کے شاہ کا دِل بیمار ہو جاتا ہے۔

بَازَمْ وَ دَرْ مَنْ شَوَدْ حَیْرَاںْ ہُمَا ۔۔۔ چُغْدْ کِہْ بُوَدْ تَا بِدَانَدْ سِرِّ مَا

میں بازِ شاہی ہوں مجھ پر تو ہُما بھی رشک کرتا ہے یہ اُلّو بیوقوف ہمارے اسرار کو کیا جانیں گے۔

فائدہ:۔ بعض وقت اولیاء اللہ جو مثلِ بازِ شاہی اور جانبازِ الٰہی ہیں وہ بھی دُنیا دار بیوقوفوں کی نگاہ میں ایسے ہی پہچانے جاتے ہیں جس طرح اُلّوؤں نے بازِ شاہی کے متعلق قیاس آرائیاں کی ہیں اسی طرح اللہ والوں کو ستانے والے بھی قیاس آرائیاں کرتے ہیں اور ان کی حفاظت بھی عنایتِ حق کرتی ہے اور وہ کسی وقت بھی شاہِ حقیقی کی نگاہِ حفاظت اور نگاہِ عنایت سے دور نہیں ہیں خواہ کہیں بھی ہوں۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ شَانِ رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا۔ تحقیق کہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں یعنی اے مُحمّد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کُفّار آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتے کہ آپ ہر وقت میری نگاہِ حفاظت میں ہیں۔

حکایت طاؤس و حکیم

طاؤس ۔ مور

ایک مور اپنے خوبصورت پروں کو نوچ نوچ کر پھینک رہا تھا۔ ایک حکیم کا گذر ہوا۔ اُس نے معلوم کیا کہ اے طاؤس! ایسے خُوبصورت پروں کو اکھاڑ کر کیوں

ناشکری کرتا ہے۔

طاؤس نے کہا۔

آں نمی بینی کہ ہر سُو صد بلا　　سُوئے من آید پئے ایں بالہا

کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ ہر طرف سے سیکڑوں بلائیں انھیں بازوؤں کے لئے میری طرف آتی ہیں۔

اے بسا صیّادِ بے رحمت مدام　　بہر ایں پرہا نہد ہر سُوئے دام

اے شخص! اکثر اوقات ظالم شکاری انھیں پروں کے لئے ہر طرف جال بچھاتا ہے

چوں ندارم زورِ ضبطِ خویشتن
زیں قضا و زیں بلا و زیں فتن

جب میں دِل کو ان قضاؤں اور بلاؤں اور فتنوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے پر قادر نہیں ہوں تو

آں بہ آمد کہ شوم زشت و کریہہ　　تا بوم ایمن دریں کہسار و تیہہ[ع]

اس سے یہ بہتر ہے کہ میں اپنے پروں کو دور کر دوں اور اپنی صورت کو مکروہ بنا لوں تاکہ پہاڑوں اور میدانوں میں بے فکر ہو جاؤں۔

نزدِ من جاں بہتر از بال و پرست
جاں بماند باقی و تن ابترست

میرے نزدیک جان کی حفاظت بال و پر کی حفاظت سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ جان تو محفوظ رہے جسم کی ابتری کا جان کے مقابلے میں کیا غم ——

ع تیہہ۔ میدان۔ بال۔ بازو

فائدہ: اللہ والے اسی لئے اپنے کو شہرت اور جاہ سے دُور رکھتے ہیں جیسا کہ مولانا نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔

خویش را رنجور ساز و زار زار　تا ترا بیروں کند از اشتہار

اپنے کو بے نام و نشاں اور عاجز و مسکین بنا کر رکھو تاکہ شہرت سے یہ حالت تم کو دُور رکھے کیونکہ شہرت سے گوشۂ عافیت چھن جاتا ہے اور شہرت بہت سی بلائیں اپنے ساتھ لاتی ہے۔

البتہ اگر خود حق تعالیٰ کسی کامل کو مشہور فرما دیں تو پھر انہیں کی حفاظت بھی سایہ فگن ہوتی ہے، مذموم شہرت وہ ہے جو خود کوشش کر کے حاصل کی جاتی ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

میں تو نام و نشاں مٹا بیٹھا　میرا شہرہ اُڑا دیا کس نے

بہرحال حتی الامکان بہت سادگی اور خود کو مٹا کر رکھنے ہی میں عافیت ہے جیسا کہ ہمارے اکابر نے اپنے کو بالکل سادہ اور مٹا کر رکھا ہے۔ میں نے اپنے شیخ حضرت پھولپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سُنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بانی دیوبند لنگی باندھے سادے لباس میں کہیں سے گذر رہے تھے ایک شخص نے مولانا کی سادگی لباس سے جولاہا سمجھ کر پوچھا کہ بازار میں آج سوت کا کیا بھاؤ ہے؟

مولانا نے جواب دیا آج میرا بازار جانا نہیں ہوا۔ یہ نہیں فرمایا کہ کیا میں جولاہا ہوں کہ اس سے اہانت جولاہوں کی مترشح ہوتی اور عزت کا معیار عند اللہ صرف تقویٰ ہے۔

حکایتِ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

واقعہ ہے کہ ایک بار حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں چند مہمان آئے بعد ضیافت دسترخوان زرد فام ہوگیا۔ دسترخواں میں شوربا لگ جانے کے بعد اس کی صفائی کے لئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خادمہ کو حکم دیا کہ اس کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دو۔ خادمہ نے حسبِ حکم ایسا ہی کیا جُملہ مہمانوں کو حیرت ہوئی اور دسترخوان کے جلنے اور اس سے دُھواں اُٹھنے کا انتظار ہونے لگا۔ لیکن اس کو جب تنور سے نکالا گیا تو بالکل محفوظ تھا اور صاف ہوگیا تھا۔

قوم گفتند اے صحابیِ عزیز　　چون نسوزید و منقّٰی گشت نیز

قوم نے کہا اے صحابی! یہ دسترخوان آگ میں کیوں نہ جلا اور بجائے جلنے کے اور صاف وستھرا ہوگیا۔

گفت زانکہ مصطفٰے دست و دہان　　بس بمالید اندریں دستار خوان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس دسترخوان سے بارہا اپنے دستِ مُبارک اور لبِ مُبارک کو صاف کیا تھا۔

اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں۔

اے دلِ ترسندہ از نار و عذاب
با چناں دست و لبے کن اقتراب

اے وہ شخص جس کا دِل جہنم کی آگ اور عذاب سے خوفزدہ ہو اس کو چاہیئے کہ ایسے

مُبارک ہاتھوں اور لبوں سے قریب ہوجاوے۔ جس کا طریقہ صرف اتباعِ سُنّت ہے۔

چُوں جمادے را چنیں تشریف داد

جانِ عاشق را چہا خواہد کشاد

جب جمادات کو مُصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مُبارک لبوں نے یہ شرافت عطا فرمائی۔ تو اپنی عاشق جانوں کو تو نجانے کیا کچھ عطا فرمایا ہوگا۔

فائدہ:۔ جب دسترخوان کو حسّی قرب سے یہ شرف عطا ہوا تو اتباعِ سُنّت جو قربِ معنوی اور قربِ حقیقی ہے اس سے تو کیا ہی کچھ انعامات دونوں جہاں میں عطا ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقِ اتباعِ سُنّت نصیب فرمادیں اور اس عظیم نعمت پر حریص فرمادیں۔ آمین۔
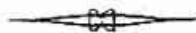
حکایتِ دزد در عہدِ حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

ایک چور زمانہ خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جلّادوں کے سُپرد کیا گیا۔ اُس نے فریاد کی کہ مجھے مُعاف کردیا جاوے یہ پہلی بار کا جرم ہے آئندہ نہ کروں گا۔

بانگ زد آں دزد کے میرِ دیار ۔۔۔ اوّلین بارست جرمم درگذار

چور نے آواز دی کہ اے امیر المومنین یہ میرا اوّل جرم ہے درگذر کردیجئے۔

گفت عمر حاش للہ کہ خدا ۔۔۔ بارِ اوّل قہر نارد در جزا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حاشا للہ اللہ تعالیٰ پہلی خطا پر قہر نازل نہیں فرماتے۔

بَارہا پوشد پئے اظہارِ فضل　　بَاز گیرد اَز پئے اظہارِ عدل

اکثر مرتبہ اظہارِ فضل کے لئے جرائمِ عباد کی ستّاری فرماتے ہیں پھر چوں بحد گذری تر ار سوا کند جب کوئی حد سے گذر جاتا ہے تو پھر اظہارِ عدل کے لئے ایسے گرفتارِ بلا و رسوائی کرتے ہیں۔

تاکہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود　　آں مبشّر گردد ایں منذر شود

تاکہ حق تعالیٰ کی دونوں ہی صفات کا ظہور ہو جاوے اور ایک صفت بشارت دہندہ ہو اور دوسری ترسانندہ (ڈرانے والی) ہو۔

فائدہ: اس حکایت سے سالکین کے لئے بڑا سبق ہے کہ بدنگاہی اور مثل اس کے بہت سے گناہ میں طویل عمر مُبتلا رہنے کے باوجود ہمّت اور فکرِ اصلاح سے غافل ہیں اور خلق میں صوفی بھی شمار ہوتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کی ایک صفت ستاریت سے مطمئن ہونا اور دوسری صفت قہاریت سے بے خوف ہونا سخت نادانی ہے۔ اظہارِ فضل کی صفت ہمیں اصلاح اور توبہ صادقہ کے لئے موقع فراہم کرتی ہے اگر اس نعمت سے ہم فائدہ نہ اُٹھائیں گے تو اظہارِ عدل کی صفت ہم کو گرفتارِ بلا اور ذلت کرے گی۔

پس دوسری صفت کے ظہور سے ہر وقت خائف اور ترساں رہے اور استغفار و گریہ وزاری کے ساتھ ترکِ گناہ کی سخت فکر کرے اور اپنے مصلح سے برابر مشاورت رکھے ورنہ معصیت کے ساتھ اذکار اور وظائف کا نفع تام نہ ہوگا اور ایسا سالک ہمیشہ ناقص رہے گا اور منزلِ قربِ الٰہی سے دور کیونکہ اصرار علی المعصیت اور قربِ الٰہی میں تضاد ہے۔ شرطِ ولایت تقویٰ ہے نہ کہ کثرتِ اذکار و وظائف البتہ یہ اذکار وغیرہ

حصولِ تقویٰ کے لئے معین ضرور ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقِ حصولِ تقویٰ اور اجتناب عنِ المعاصی کا اہتمام اور گناہ کی بیماریوں کے علاج کی فکر نصیب فرمائیں اور ان مقاصد کے لئے کسی اللہ والے سے رجوع کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

حکایت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیادتِ مریض

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حق تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ اے موسیٰ تم نے میری بیماری میں میری عیادت نہیں کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔

گفت سبحانا تو پاکی از زیاں ایں چہ رمز ست ایں بکن یارب بیاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے رب! آپ پاک ہیں نقصان اور بیماری سے اور آپ کے اس ارشاد میں کیا راز ہے ظاہر فرما دیجئے۔

گفت آرے بندۂ خاصِ گزیں
گشت رنجور او منم نیکش ببیں

غیب سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میرا ایک خاص بندہ جو میرا منتخب ہے۔ بیمار ہو گیا پس آپ اس کو بنگاہِ استحسان دیکھئے۔

ہست رنجوریش رنجوریِ من ہست معذوریش معذوریِ من

اس مقربِ بارگاہِ حق کی معذوری میری معذوری ہے اور اس کی بیماری میری بیماری ہے۔

در عیادت رفتنِ تو فائدہ ست فائدۂ آں باز با تو عائد ست

تمہارا اس کی عیادت کے لئے جانا تمہارا ہی فائدہ ہے اور اس کا فائدہ ثواب اور قرب اور ثمرۂ دُعائے خاص اس بیمار کا تمہیں کو لوٹ کر سب کچھ ملے گا۔

ور عدو باشد ہم ایں احساں نکوست

کہ باحساں بس عدو گشتست دوست

اور اگر کوئی بیمار دُشمن بھی ہو تو بھی اس کی عیادت بہتر ہے کیونکہ احسان سے دُشمن بھی بسا اوقات دوست ہو جاتا ہے۔

ور نگردد دوست کینش کم شود　　　زانکہ احساں کینہ را مرہم شود

اور اگر اس عمل سے دوست نہ بھی ہوا تو کم از کم اس کی عداوت اور کینہ میں کمی ہو جاوے گی اِس واسطے کہ احسان زخمِ کینہ کے لئے مرہم ہوتا ہے۔

بس فوائد ہست غیر ایں و لیک

از درازی خائفم اے یارِ نیک

اور بھی احسان میں بہت سے فوائد ہیں اس کے علاوہ لیکن درازیٔ مضمون سے ڈرتا ہوں میں اے نیک دوست۔

فائدہ : اس حکایت میں حسبِ ذیل نصائح ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کو اپنے خاص بندوں سے کس قدر تعلّق ہے کہ ان کی بیماری کو اپنی بیماری فرمایا اس سے ان کی محبوبیت کا مقام معلوم ہوتا ہے۔

اسی حقیقت کو مولانا نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا　　　گو نشیند با حضورِ اولیاء

جو شخص خُدا کے ساتھ ہمنشینی کا طالب ہو اس کو چاہیئے کہ وہ اولیاء کی مجلس میں بیٹھا

کرے اور ان کی محبّت خدمت کو بالواسطہ مُحبّتِ حق اور اور خدمتِ حق سمجھے۔

ع خِدمَتِ اُو خِدمَتِ حق کَردَن اَست

مگر بالواسطہ کی قید ضرور ملحوظ رہے تاکہ اعتقاد سلامت رہے۔

(۲) اگر دُشمن بھی ہو تو اس کی عیادت کرلینا اس کو دوست بنا دے گا۔

(۳) اور اگر دوست نہ بن سکا تو اس کا کینہ ہی کم ہو جاوے گا۔

نوٹ: لیکن جن سے اللہ کے لیے ترکِ تعلّق مطلوب ہے اُن سے قبل اعلانِ توبہ دور ہی رہے اور کسی عالمِ متقی سے اس مسئلہ کو سمجھ لے۔

قِصّۂ درخت آبِ حیات

ایک دانا نے برائے امتحان کسی سے کہا کہ ہندوستان میں ایک درخت ایسا ہے کہ جو اس کا میوہ کھا لیتا ہے کبھی نہیں مرتا۔ اس خبر کو جب بادشاہ نے سُنا تو وہ اس کے لیے عاشق اور دیوانہ ہو گیا اور فوراً ایک قاصد اس درخت کی تلاش کے لئے ہندوستان بھیجا۔ یہ قاصد سالہا سال ہندوستان کے اطراف و جوانب میں سرگرداں پھرتا رہا اور کہیں ایسا درخت نہ ملا۔ جس سے بھی دریافت کرتا لوگ اس کو جواب دیتے کہ ایسے درخت کو صرف پاگل، دیوانے تلاش کرتے ہیں اور اس کا مذاق اُڑاتے۔ جب غریب الوطنی اور سیاحت کی مشقتوں سے عاجز اور درماندہ ہوا تو نامراد مایوس ہو کر واپسی کا عزم کیا۔ بوقت واپسی راستے میں ایک قطب شیخ ملے۔

بُوْد شیخے عالمے قُطبے کریم اَندر آں منزل کہ آیس شُد ندیم

جس مقام پر یہ شخص نادم اور مایوس ہو کر واپسی کا عزم کر رہا تھا وہیں ایک بڑے شیخ قطبِ وقت اور صاحبِ کرم رہتے تھے۔

رفت پیشِ شیخ با چشمِ پُر آب　اشک می بارید مانندِ سحاب

یہ شخص شیخ کے پاس باچشمِ تر حاضر ہوا اور مثل بادل کے بہت رویا اور عرض کیا۔

گفت شیخا وقتِ رحم و رافتست
نا امیدم وقتِ لطفِ ایں ساعتست

کہا اے شیخ! یہ وقت رحم و مہربانی کا ہے کہ میں نا اُمید ہو گیا ہوں اپنے مقصد و مُراد میں یہ آپ کی مہربانی کا وقت ہے۔

شیخ نے کہا کیا نامرادی ہے اور کیا مراد ہے تیری اس نے عرض کیا کہ

گفت شاہنشاہ کردم اختیار
از برائے جستنِ یک شاخسار

کہا کہ میرے بادشاہ نے مجھے یہ کام سُپرد کیا تھا کہ میں ایسے درخت کو معلوم کر لوں۔

کہ درختے ہست نادر در جہات　میوۂ او مایۂ آبِ حیات

کہ ایک درخت نادر ہندوستان کے اطراف میں ہے جس کا میوہ کھا کر آدمی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

سالہا جستم ندیدم زو نشاں　جز کہ طنز و تسخرِ ایں سرخوشاں

میں نے سالہا سال ڈھونڈا مگر اس کا نشان و پتہ نہ ملا سوائے اس کے کہ میرا مذاق اڑایا گیا اور مجھے پاگل سمجھا گیا۔

شیخ خندید و بگفتش اے سلیم　ایں درختِ علم باشد اے علیم

شیخ یہ گفتگو سُن کر ہنسا اور اس سے کہا اے سلیم! یہ درخت صرف علم کی نعمت ہے۔
علم سے انسان دائمی زندگی پاتا ہے اور بے علم آدمی مردہ ہوتا ہے۔

تُو بصورت رفتۂ گم گشتۂ
زاں نمی یابی کہ معنیٰ ہشتۂ

تو علم کی صورت ڈھونڈ رہا تھا اس وجہ سے گم گشتہ راہ ہوا اور صورت سے محروم اس لئے ہوا کہ معنی سے محروم و نامراد رہا۔

فائدہ : اس دانا نے علم کو درخت سے تشبیہ دی جس کا مقصد امتحان تھا۔ علم عرض اور معنی ہے اور اعراض و معانی قائم بنفسہٖ نہیں ہوتے۔ اپنے وجود کے لئے محتاجِ محل ہوتے ہیں۔ پس علم کو علماء ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور علماء ہی اس کے درخت ہیں۔

علم سے مُراد صرف وہی علم ہے جو بندہ کو خُدا تک پہنچا دے اور جس علم کے ذریعہ معاش اور مُلازمتیں ملتی ہیں وہ علوم صنعت و حرفت کہلاتے ہیں۔ علم اپنے حقیقی معنی کے اعتبار سے صرف علمِ دین ہے جس کے ذریعہ بندہ اپنے مالک کو راضی کر کے دونوں جہان کی باعزت حیات حاصل کرتا ہے اور جس کے بغیر آدمی زندہ رہتے ہُوئے بھی مردہ ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کے پیشِ نظر علم کو آبِ حیات سے تعبیر کیا گیا بدون علم کے خدا کی معرفت ناممکن ہے کہ بے علم نتواں خدا را شناخت۔

اللہ تعالیٰ علمِ صحیح (علمِ دین) ہم سب کو عطا فرمائیں اور عمل کی توفیق بخشیں آمین۔

قصہ عزرائیل علیہ السلام کا بغور دیکھنا ایک شخص کو

ایک سادہ انسان حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کا چہرہ خوف سے زرد ہورہا تھا۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم کیوں خوفزدہ ہو۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے حضرت عزرائیل علیہ السلام نے غضبناک نظر سے دیکھا! اس وجہ سے مجھے بے حد تشویش ہے۔ ارشاد فرمایا کہ پھر تم کیا چاہتے ہو۔

اس نے کہا مجھے یہاں سے ہندوستان پہنچا دیجئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو حکم دیا کہ اس کو ہندوستان میں اس مقام پر پہنچا دو جہاں یہ جانا چاہتا ہے۔

دوسرے دن عزرائیل علیہ السلام سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بوقتِ ملاقات دریافت کیا کہ آپ نے ایک مسلمان کو اس طرح غور سے کیوں دیکھا جس سے وہ تشویش میں مبتلا ہے کیا تمہارا ارادہ اس کی روح کو قبض کرنا تھا اور بے چارہ کو اسی غریب الوطنی میں لاوارث کرنا تھا۔

انھوں نے عرض کیا میں نے اس کو تعجب سے دیکھا تھا کیونکہ اس کی روح کے قبض کا حکم مجھے ہندوستان میں ملا تھا۔

کہ مرا فرمود حق کامروز جاں　　جانِ اُورا تو بہندوستاں ستاں

ترجمہ: حق تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ آج اسکی جان تو ہندوستان میں قبض کرلے۔

دِیدَمَش اِینجا وَبَس حیراں شُدَم　　دَر تفکُّر رفتہ سَرگرداں شُدَم

اور میں نے اس کو یہاں دیکھا تو بس حیران رہ گیا اور فکر میں سرگرداں ہو گیا۔

چُوں بِاَمرِ حق بہندوستاں شُدَم
دِیدَمَش آنجا وَ جانَش بِستَدَم

جب حکم الٰہی سے میں ہندوستان پہنچا تو میں نے اس کو وہاں موجود پایا اور اس کی جان میں نے قبض کر لی۔

تُو ہمہ کارِ جہاں رَا ہمچنیں　　کُن قیاس وَ چشم بکشا دُو بِبیں

اے مخاطب! تو اس جہان کے تمام کارناموں کو اسی پر قیاس کر لے اور آنکھیں کھول کر مشاہدہ کر لے۔

از کہ بگریزیم از حق ایں محال　　از کہ برتابیم از حق ایں وبال

ہم کس سے بھاگ رہے ہیں؟ حق تعالیٰ سے ارے یہ خیال محال ہے ہم کس سے سرکشی کر رہے ہیں؟ حق تعالیٰ سے ارے یہ وبال ہی وبال ہے۔

فائدہ: اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے معاملہ صاف رکھو یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے تمام فرائض واجبات ادا کر کے ہی چین سے بیٹھو کہ نہ معلوم کہاں اور کس وقت ہم دُنیا سے حساب کے لئے طلب کر لئے جائیں۔

رہ کے دُنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے
جو بشر آتا ہے دُنیا میں یہ کہتی ہے قضا
میں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

قصۂ حُسنِ تدبیر تشنہ لب بر لبِ دریا

ایک دریا کے کنارے ایک تشنہ لب (پیاسا) بیٹھا تھا اور دریا کے کنارے ایک دیوار حائل تھی۔

بَرلَبِ جُو بُوْد دِیْوارِ بُلَنْد　　بَرسَرِ دِیوار تِشْنَۂ دَرْدمَنْد

کسی نہر کے کنارے بُلند دیوار تھی اور دیوار پر ایک شخص پیاسِ شدید میں مُبتلا تھا۔ پانی کے لیے بے قرار تھا اور پانی سے یہ دیوار حائل اور مانع تھی اس شخص نے دیوار سے ایک اینٹ پانی میں پھینکدی پانی کی آواز سے اس کو بہت مسرّت اور تسلّی ہوئی اس نے بار بار دیوار سے ایک ایک اینٹ نکال کر پانی میں ڈالنا شروع کیا۔ پانی نے اس سے کہا تم مجھے اینٹ سے کیوں مارتے ہو اس میں تمھارا کیا فائدہ۔ تشنہ نے کہا۔ اس میں دو فائدے ہیں۔

فَائِدَۂ اَوَّل سَمَاعِ بَانْگِ آبْ　　کُو بُوَد مَر تِشْنَگَاں رَا چُوں رُبَابْ[ع]

اول فائدہ پانی کی آواز سُننا ہے کہ پیاسوں کے لئے یہ آواز مثلِ ساز خوش آواز ہے۔

پَسْتیِٔ دِیْوار قُرْبے مِیْ شَوَد　　فَصْلِ اُو دَرْمَانِ وَصْلے مِیْشَوَد

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دیوار اینٹوں کی کمی سے پست ہو رہی ہے اور جس قدر یہ نیچی ہوتی جا رہی ہے اسی قدر پانی سے قُرب بڑھتا جا رہا ہے۔ پس دیوار کی جدائی پانی کی مُلاقات کا ذریعہ ہے۔

فائدہ: حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! آپ

ع ساز

سے ملاقات کا کیا ذریعہ ہے۔ ارشاد ہوا۔ دَعْ نَفْسَكَ وَتَعَالَ۔ نفس کو چھوڑ دو اور میرے پاس آجاؤ۔

اس حکایت سے سالکین کے لئے یہ سبق ملتا ہے کہ سالک اور طالب اللہ کی پیاس شدید میں مبتلا ہے اور نفس سامنے دیوارِ بلند کی طرح حائل ہے اور نفس کے آگے دریائے قربِ حق ہے اب جو طالب نفس کو مٹانا شروع کرے گا یعنی ایک ایک خواہش خلافِ شرع کو جو مثل اینٹ کے ہے دیوار نفس کی۔ دریائے قرب میں حصول رضائے الٰہی کے لئے گرانا شروع کردے تو اس سے دو[2] فائدے ہوں گے۔

اوّل یہ کہ ہر بُری خواہش پر عمل نہ کرنے اور اس کو مرضی حق میں فنا کردینے سے دریائے قربِ الٰہی سے احساسِ قرب عطا ہو گا۔

فائدہ دوم یہ کہ نفس کی دیوار جس قدر پست ہوتی جاوے گی۔ دریائے قربِ حق سے سالک قریب ہوتا جاوے گا۔ یہاں تک کہ فنائیتِ تامہ ایک دِن قربِ تام کا سبب ہو گا۔

فنائیتِ تامہ سے مراد یہ ہے کہ اپنی تمام خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے تابع کردے جس دِن یہ مقام مجاہدات اور کسی اللہ والے کی غُلامی کے صدقے میں عطا ہو گا تو کیسی کچھ پاکیزہ حیات عطا ہو گی اس کا کچھ تصوّر خواجہ صاحب مجذوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام سے کرلیا جاوے۔

میں رہتا ہوں جنّت میں دِن رات گویا
مرے باغِ دِل میں وہ گلکاریاں ہیں

ہر دم ہے ایک بارشِ انوار قلب پر
ہر وقت ہے تصورِ جانانہ آج کل
جاذب ہزار حُسن ہوں اُٹھتی نہیں نظر
مجذوب ہر حسیں سے ہے بیگانہ آج کل

ہٹتا نہیں خیال کسی دم حبیب کا
وہ مست ہوں مَیں نغمۂ اِنّی قریب کا
مجذوب خستہ حال سمجھتے ہیں سب جسے
کیا جانے حال خوش کوئی اس خوش نصیب کا

اب اور ہی کچھ ہے مرے دن رات کا عالم
ہر وقت ہے اک اُن سے مناجات کا عالم
اب دل میں شب و روز جو ہے ان کا تصوّر
فرقت میں بھی رہتا ہے مُلاقات کا عالم

قصۂ انجامِ وعدۂ فردا

ایک شخص نے ایک کانٹے دار درخت لوگوں کی رہگذر پر لگایا۔ جس قدر یہ درخت بڑھتا گیا مخلوق کے پاؤں اس کے کانٹوں کے زخم سے پُرخون ہونے لگے۔

ہر دمے آں خار بن افزوں شدے
پائے خلق از زخم او پرخوں شدے

خلق نے اس کو ملامت کی لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا سوائے اس کے کہ وعدہ کرلیا کرتا کہ کل اس کو اکھاڑ دیں گے۔ حتیٰ کہ اس کے فعل خبیث سے حاکمِ وقت کو اطلاع ہوتی۔

چونکہ حاکم را خبر شد زیں حدیث یافت آگاہی ز فعلِ آں خبیث

حاکمِ وقت نے بھی اس کو حکم دیا کہ اس کو اکھاڑ دے پھر بھی یہ ظالم یہی کہتا رہا کہ کل اکھاڑ دیں گے اور یہ وعدہ فردا وعدہ امروز نہ بن سکا اس تاخیر کا انجام یہ ہوا کہ یہ درخت مضبوط ہوگیا اور اس قدر جڑیں گہرائی میں چلی گئیں کہ اس کا اکھاڑنا مشکل ہوگیا اور یہ ظالم اس کے اکھاڑنے سے عاجز ہوگیا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہماری بُری عادتیں اور گناہ کے خصائل ہیں کہ ان کی اصلاح میں جس قدر دیر کی جاوے گی ان کی جڑیں مضبوط تر ہوتی جاویں گی جس طرح سے کہ

آں درختِ بد جواں تر می شود
ویں کنندہ پیر و مضطر می شود

وہ بُرا درخت جوان ہوتا گیا اور اس کا اکھاڑنے والا بوڑھا اور کمزور ہوتا گیا۔

خار بن ہر روز و ہر دم سبز تر خار کن ہر روز زار و خشک تر

خاردار درخت تو ہر روز سبز تر ہو رہا ہے اور اس کو اکھاڑنے والا ہر روز کمزور ہو رہا ہے۔

بارہا از فعلِ خود نادم شدی بر سرِ راہ ندامت آمدی

اے مخاطب! بارہا تو اپنے بُرے فعل سے نادم ہوا اور راہ ندامت پر آگیا۔

ع خاربن وہ کانٹے دار درخت ہیں جو باغات اور کھیتوں کے تحفظ کے لئے چہار طرف لگا دیتے ہیں۔

بارہا از خوئے خود خستہ شدی
حس نداری سخت بے حس آمدی

بارہا تو اپنی بُری عادت سے عاجز و تباہ ہوا ہے کیا تو بے حِس ہو گیا اے مُخاطب تو انتہا درجہ کا بے حِس ہے۔

یا تبر بردار و مردانہ بزن   تو علی وار ایں درِ خیبر بکن

اے بے حس کاہل اُٹھ اور اپنی پُرانی بُری عادتوں کی اصلاح کے لئے تبر (برچھی) اٹھا اور مردانہ وار حملہ کر اور مثل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے اس دروازۂ خیبر کو اکھاڑ دے۔

فائدہ: اِس قصّے میں مولانا کا مقصود اس نصیحت کو بیان کرنا ہے کہ سالک اور طالبِ حق کو اپنی بُری عادت اور گُناہ کی عادت کی اصلاح میں وعدۂ فردا کبھی نہ کرنا چاہیئے۔ یعنی یہ نہ کہے کہ کل کروں گا اور جب کل آوے تو پھر یہی کہے کہ کل کر لوں گا اس طرح شیطان اس کل یعنی وعدۂ فردا کو موت تک کھینچ لیجاوے گا اور بے اصلاح ذلیل و خوار قبر میں ڈال کر چین و خوشی مناتے گا۔ کیونکہ جس طرح اس واقعہ میں خاردار درخت کو لگانے والا دیر کرنے سے اُکھاڑ نہ سکا۔ اِسی طرح تم اصلاح میں جتنی دیر کرو گے اُسی قدر بُری عادتیں اپنی جڑیں مضبوط کر لیں گی اور تم مُرورِ ایام و لیالی سے (دِن رات کے گذرنے سے) بوڑھے اور کمزور ہی ہوتے جاؤ گے جس کے سبب ان برائیوں کے درختوں کو اکھاڑنا یعنی ان کی اصلاح مشکل ہو جاوے گی اس لِئے بلا تاخیر اُٹھو اور ہمّت کا تبر اُٹھاؤ اور مثلِ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بُرائیوں کے دروازۂ خیبر کو اکھاڑ پھینکو اور جس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو ہمّت کا فیض بارگاہ رسالت سے عطا ہوا تھا ——

—— تو بھی بارگاہِ رسالت کے غُلاموں سے (اللہ والوں سے) رشتہ جوڑ لے اور

اُن کی صُحبت سے یہ فیضِ مردانہ حاصل کرلے۔

حضرتِ اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اب بھی کوئی کُرسی خالی نہیں قطب، غوث اور ابدالوں کی سب کُرسیاں پُر ہیں۔

هَنوز آن اَبرِ رَحمت دُرفشان اَست
خُم و خُمخانہ با مُہر و نِشان اَست

یہی اولیائے کرام جو تمہارے سامنے زندگی میں حقیر خستہ حال اور بے قدر معلوم ہوتے ہیں ایک صدی گذرنے کے بعد تاریخ میں یہی لوگ جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ معلوم ہوں گے۔ یہ خیال احمقانہ ہے کہ اب پہلے جیسے بُزرگ کہاں مِلتے ہیں۔ یہ شیطانی خیال ہے جس سے اُن کی صُحبت کے فیض سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ کیا جسمانی بیماریوں کے سلسلے میں کوئی یہ کہہ کر عِلاج سے محروم رہتا ہے کہ اجی اب جالینوس اور سقراط و افلاطوں کہاں ہیں انہی موجودہ ڈاکٹروں سے عِلاج کراتے ہیں۔ اسی طرح روحانی اور قلبی بیماریوں کی اِصلاح کے لِئے یہی موجودہ متبعِ سُنّت حضرات جِن کو اکابرِ سلسلہ سے اجازتِ بیعت حاصل ہے ان سے رجوع کرکے اپنی اصلاح شروع کردی جاوے اور اصلاح کے لئے بیعت کا انتظار بھی نہ کیا جاوے کہ بیعت سُنتِ غیر مؤکدہ ہے اور اِصلاحِ نفس فرض ہے پس فرض کی تاخیر محض سُنّت کی خاطر سے کیسے جائز ہوگی۔ البتہ اصلاح شروع کرلینے کے بعد اگر مناسبت معلوم ہو تو سُنّت سمجھ کر برکت کے حُصول کے لئے بیعت بھی ہوجاوے۔ کیونکہ بیعت سے طرفین کو تعلّقِ خاص ہوجاتا ہے جس سے نفع زیادہ مرتّب ہوتا ہے

حکایت کھینچنا چوہے کا مہارِ شتر

ایک چوہے نے ایک اونٹ کی مہار ہاتھ میں لے کر بھاگنے کی کوشش کی اونٹ نے یہ حرکت دیکھ کر اس کی بیوقوفی کو اور ڈھیل دی اور اپنے کو اِس کے تابع کر دیا۔ جدھر آگے وہ چوہا چل رہا تھا۔ پیچھے پیچھے یہ اونٹ مثلِ تابعدار غلام کے چل رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دریا سامنے آیا اب تو چوہے کے اوسان خطا ہوئے اور سوچنے لگا کہ اب تک تو مَیں نے ایسے عظیم القامت جسم کی رہبری کی اور مُجھے یہ فخر تھا کہ ایک اونٹ میرا تابع تھا مگر پانی میں رہبری کس طرح کروں یہ سوچتے ہوئے چوہا کھڑا ہو گیا۔

مُوْشْ آنجا اِیْستادُ و خُشْکْ گَشْتْ
گُفْتْ اُشْتُر اَے رَفِیقِ کُوہ و دَشْتْ

چوہا تو وہیں کھڑا ہو گیا اور خشک ہو گیا اونٹ نے کہا اے ساتھی میرے پہاڑ و جنگل کے۔

اِیْں تَوَقُّفْ چِیْسْتُ حَیْرَانِیْ چِرا　　پا بِنِہْ مَرْدَانَہْ اَنْدَرْ جُوْ دَرْآ

یہ توقف کیوں اور یہ حیرانی کیوں اندر دریا کے مردانہ قدم رکھ دے۔

چوہے نے کہا مَیں اس میں ڈوب جانے کا خوف کرتا ہوں۔

اونٹ نے کہا اچھا میں دیکھتا ہوں کہ پانی کس قدر ہے آیا تم ڈوب سکو گے یا نہیں ایک قدم دریا میں رکھ کر کہا اے موش اور اے میرے شیخ و رہبر صرف گھٹنہ تک پانی ہے یہاں تک تو رہبری کیجئے۔

چوہے نے کہا جہاں پانی تمہارے گھٹنے تک ہے وہاں تو میرے سر پہ کئی گنا پانی اونچا ہوگا میرے اور تمہارے زانو میں فرق ہے۔

اونٹ نے کہا اب گستاخی نہ کرو سیدھے سیدھے پانی میں آکر رہبری کرو آپ کو تو میری رہبری پر بڑا ناز و فخر تھا اور بڑے بڑے اعزاز حاصل تھے۔ اے احمق! میں نے تیرے پیچھے اس لئے اقتدا کی تھی تاکہ تیری حماقت اور زیادہ ہو جاوے۔

چوہے نے کہا پانی میں اُترنا میری ہلاکت ہے۔ میری توبہ ہے آپ مُعاف کر دیجئے آئندہ آپ کا مقتدا اور شیخ بننے کا کبھی خیال بھی نہ گذرے گا۔

گُفْتْ تَوْبَہ کَرْدَمْ اَزْ بَہْرِ خُدَا　بگْذَرَاںْ زِیںْ آبِ مُہْلِکْ مَرْمَرَا

چوہے نے کہا میں نے اللہ کے لئے توبہ کی میری جان اس خطرناک پانی سے چھڑا لیجئے۔

اونٹ کو چوہے کی توبہ اور ندامت پر رحم آیا اور اس نے کہا کہ اچھا آ میرے کوہان پر بیٹھ جا اور سنو! تیرے جیسے اور چوہے بھی میری پیٹھ پر بیٹھ کر ایسے پانی سے بحفاظت گذر سکتے ہیں۔

تُو رَعِیَّتْ بَاشْ چُوںْ سُلْطَاںْ نَہْ　خُوْدْ مَرَاںْ چُوْ مَرْدِ کَشْتِیبَاںْ نَہْ

تو رعایا بن کر رہ اگر تجھ کو خدا نے سُلطان نہیں بنایا اور کشتی مت چلا جب تجھے کشتیبانی (ملاحی) نہیں آتی۔

خِدْمَتِ اِکْسِیْرْ کُنْ مِسْ وَارْ تُوْ
جَوْرْ مِیْ کَشْ اَیْ دِلْ اَزْ دِلْدَارْ تُوْ

اور مثلِ تانبہ کے تو اہلِ کیمیا کی خدمت کر کہ وہ اپنے فیضِ صحبت سے تجھے سونا بنا دے

یعنی کسی اللہ والے کی صُحبت میں رہ کر اس کی ناز برداری سہہ لے تاکہ۔

گر تو سنگِ خارہ و مرمر بُودی
چوں بصاحبدل رسی گوہر شَوی

اگر تو پتھر کی طرح بے حِس ہے یعنی خشیت و خوفِ آخرت سے محروم ہے تو جا کسی اہلِ دل (اللہ والے) سے تعلق قائم کر کہ اس کی صحبت سے تو موتی بن جاوے گا۔

عیبِ کم گو بندۂ اللہ را
متہم کم کن بدزدی شاہ را

(فارسی میں کم مطلق نفی کے لئے ہے اردو والا کم مراد نہیں ہوتا)

اللہ والوں کے متعلق عیب گوئی سے باز آجاؤ اور شاہ کو چوری کا الزام مت لگاؤ کہ اسے چوری کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے۔

فائدہ: اللہ والے اپنے باطن میں بڑی دولت رکھتے ہیں ان کے سامنے ہفت اقلیم بھی ہیچ ہے کیونکہ خالق ہفتِ اقلیم سے ان کے دِل کا رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ پھر انھیں حقیر مت سمجھو اور اپنے روز و شب کو ان کے روز و شب پر قیاس مت کرو اور مثل اس چوہے کے اپنے دنیاوی ٹھاٹ باٹ یا علمی و عملی جاہ سے دھوکہ نہ کھاؤ اگر تم کسی طرح بھی ان پر برتری کا احساس رکھو گے تو محروم اور ذلیل ہوگے بالآخر انھیں کی پیٹھ پر بیٹھ کر ہی راستہ پار کرنا پڑے گا اور اسی چوہے کی طرح توبہ کرنی ہوگی اس لئے روزِ اول ہی اپنے دماغ سے فانی دُنیا کی جاہ و عزت اور مال و دولت اور علمِ ظاہری اور عمل بے رُوح کا پندار احمقانہ ـــــ نکال کر کسی اللہ والے سے نیاز مندانہ تعلق کر لو چند دن کے بعد اِس حقیقت سے تم خود

آگاہ ہو جاؤ گے اور قسمیں اٹھاؤ گے کہ

تو نے مجھ کو کیا سے کیا شوقِ فراواں کر دیا

پہلے جاں پھر جانِ جاں پھر جانِ جاناں کر دیا

اور اپنے شیخ کے متعلق تم بھی کہو گے جو حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ؎

نقشِ بتاں مٹایا دکھایا جمالِ حق

آنکھوں کو آنکھیں دِل کو مرے دل بنا دیا

غفلت میں دِل پڑا تھا کہ ناگاہ آپ نے

آگاہ حق سے غیر سے غافِل بنا دیا

مُشکل تھا دین سہل تھی دُنیا اب آپ نے

مشکل کو سہل سہل کو مشکل بنا دیا

ہمّت بڑھا کے بارِ امانت کا آپ نے

مُجھ جیسے ناتواں کو بھی حامِل بنا دیا

آہن کو سوزِ دِل سے کیا نرم آپ نے

ناآشنائے درد کو بسمِل بنا دیا

مجذوبؔ در سے جاتا ہے دامن بھرے ہُوئے

صد شکر حق نے آپ کا سائل بنا دیا

حکایت قتل کرنا ہاتھی کے بچے کا اور اُس کا انجام

ہندوستان کا واقعہ ہے کہ ایک عقلمند نے اپنے دوستوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ لوگ کسی سفر میں وطن سے بہت دُور جانکلے اور بھُوک سے بے چین ہُوئے اس عقلمند نے انھیں مشورہ دیا کہ دیکھو تمھارے سامنے ہاتھی کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کا شکار ہرگز مت کرنا کہ ہاتھی کہیں گیا ہوا ہے وہ واپس آکر تمھیں زندہ نہ چھوڑے گا۔ میری نصیحت کو غور سے سُن لو۔ لیکن بھوک کے سبب ان سے صبر نہ ہوا اور اُنھوں نے ایک بچہ ہاتھی کا پکڑا اور اس کا کباب کھایا۔ اس عقلمند نے کہا کاش تم لوگ اس جنگل کی گھاس کھالیتے لیکن اس فعل سے احتیاط کرتے۔ اب اس کا انجام بھی تم لوگ دیکھ لوگے۔

اس گروہ کے ایک شخص نے اس عقلمند فقیر کی نصیحت پر عمل کیا اور اپنا پیٹ محفوظ رکھا اور کچھ پتے اور گھاس کھا کر اس گروہ سے دور سو رہا۔ کیونکہ اس نے سوچا کہ ظالموں کے ساتھ رہ کر میں بھی انھیں میں شمار ہو جاؤں گا اور ہاتھی مجھے بھی نہ چھوڑے گا۔

تھوڑی دیر میں ہاتھی آیا اور اپنے بچّہ کا خُون دیکھا۔ اور سمجھ گیا اور شدّتِ غضب غصہ سے اس کی سونڈ سے آگ اور دھواں نکلنے لگا۔ پس وہاں آیا جہاں یہ لوگ سوئے ہوئے تھے اور ایک آدمی کو دیکھا کہ الگ سویا ہوا ہے پہلے اسی دور سوتے ہُوئے کا مُنہ سونگھا اور تین مرتبہ اس کا چکر لگایا مگر اپنے بچّے کے گوشت کی بُو نہ پایا۔

اس کو بے گناہ سمجھ کر معاف کردیا اور آگے بڑھا پھر اس گروہ کے پاس گیا اور ہر ایک کا منہ سونگھا اور ہر ایک کو اپنے بچّے کے قتل کی یاداشت میں سونڈ سے کھینچ کر دو ٹکڑے کر کے ہواؤں میں بکھیر دیا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے لوگو! تم خدا کی مخلوق کی جانوں کو ہلاک کرتے ہو اور اموال کو غصب کرتے ہو۔ اللہ بھی ان ظالموں سے خوب باخبر ہے۔

بُوئے رُسوا کرد مکرِ اندیش را   پیل داند بُوئے بچۂ خویش را

ظلم کا مکر ظالم کے مُنہ کی بو ظاہر کر دیتی ہے۔ ہاتھی اپنے بچے کی بو کو خوب پہچانتا ہے۔

آنکہ یابد بُوئے حق را از یمن   چوں نیابد بُوئے باطل را ز من

جو ذاتِ گرامی صلّی اللہ علیہ وسلّم بوئے خُدا کو یمن سے محسوس کرلیتی ہے کیا وہ زمانے کے اہلِ باطل کو نہ پہچانے گی۔

گفت پیغمبر کہ بر دستِ صبا   از یمن می آیدم بُوئے خُدا

مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ہواؤں کے ہاتھ پر یمن سے مجھ کو اللہ کی خوشبو آرہی ہے (یعنی حضرت اویس قرنی رحمۃُ اللہ علیہ کی محبّتِ حق اور انکے اخلاص اور ایمان کی خوشبو)

بُوئے کِبر و بُوئے حرص و بُوئے آز   در سخن گفتن بیاید چوں پیاز

اے مخاطب! تکبّر اور حرص و خواہش کی بدبو گفتگو میں ظاہر ہوجاتی ہے مثلِ پیاز کھاتے ہوئے مُنہ سے پیاز کی بدبو کے

تو ہمی خسپی و بُوئے آں حرام   می زند بر آسمانِ سبز فام

اے مخاطب تو گُناہ کر کے سوتا ہے اور اس کی حرام بو آسمان سبز فام تک پہنچتی ہے۔

فائدہ: اس واقعہ کو بیان فرما کر میرے مرشد و شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھی کو اپنی بدبختی سے چھیڑ دینا اتنا خطرناک نہیں (کیونکہ وہ اپنی تکلیف کا تحمّل کرلے گا) جتنا کہ اس کے بچوں کو چھیڑنا خطرناک ہے۔ یعنی پھر کیفرِ کردار کو پہنچا کر دم لیتا ہے۔ پھر اس مثال سے نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی توبہ سے مُعاف ہوجاتی ہے مگر اللہ والوں کو ستانے والوں سے اللہ انتقام لیتا ہے۔

چنانچہ حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے اولیاء کو اذیّت دی اس سے میں اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اولیاءؔ کے ادب و اکرام کی توفیق بخشیں۔

فضیلتِ درخواستِ دعا از دیگراں

گر نداری تو دمِ خوش در دُعا
رو دُعا مے خواہ ز اخوانِ صفا

اگر تم دُعا کے لئے بسببِ شامتِ گُناہ زبانِ قبولیت نہیں رکھتے تو جاؤ اللہ والوں سے دُعا کی درخواست کرو کہ وہ اخوانِ صفا تمہارے لئے دُعا کریں۔

ایک بار حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کو وحی آئی کہ اے مُوسیٰ! مُجھ کو ایسے مُنہ سے پکارو جس مُنہ سے کوئی خطا نہ ہوئی ہو۔

عرض کیا اے ہمارے رب ہمارے پاس ایسا مُنہ تو نہیں ہے۔

گفت مُوسیٰ من ندارم آں دہاں　　گفت مارا از دہانِ غیر خواں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے رب میں ایسا مُنہ نہیں رکھتا ہوں۔

ارشاد ہوا کہ ہم کو دوسروں کی زبان سے پکارو یعنی دُوسرے سے دُعا کے لئے کہو دُوسرے کی زبان سے تم نے خطا نہیں کی اس لئے تمہارے حق میں وہ بے خطا ہے۔

از دہانِ غیر کے کردی خطا   از دہانِ غیر بر خواں کاے اِلٰہ

غیر کی زبان سے تو نے کب خطا کی ہے پس دوسرے کی زبان سے مجھے اَے اللہ کہو۔

(نوٹ) یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے آپ کی اُمت کو تعلیم مقصود ہے کہ اُمت ہی خطا کار اور گنہگار ہوتی ہے اور پیغمبر معصوم ہوتا ہے۔ بظاہر خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے مگر در اصل آپ کی اُمت مخاطب ہے۔

یا دہانِ خویشتن را پاک کن   روحِ خود را چابک و چالاک کن

یا پھر اپنے مُنہ کو پاک کرلو اور اپنی سُست اور غافل روح کو چست و چالاک کرلو۔

(یہ خطاب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت سے ہے)

ذکرِ حق پاک ست چوں پاکی رسید   رخت بر بندد بروں آید پلید

حقِ تعالیٰ کا ذکر پاک ہے جب ان کا نام لوگے تو تمہارے مُنہ میں پاکی آجاوے گی اور ناپاکی اپنا بستر باندھ کر رخصت ہو جاوے گی۔

میگریزد ضدہا از ضدہا   شب گریزد چوں برافروزد ضیا

ہر ضد اپنے ضد سے بھاگتی ہے رات بھاگ جاتی ہے جب دِل اپنی روشنی کرتا ہے یعنی نُور کے ساتھ تاریکی جمع نہیں ہو سکتی کہ اجتماع ضدین محال ہے اسی

طرح اللہ کے نام کی پاکی تمہاری ناپاکی کو دُور بھگا دے گی۔

چُوں دَر آید نامِ پاک اَنْدَر دَہاں — نے پلیدی مانَد و نے آں دَہاں

جب اللہ تعالیٰ کا نامِ پاک منہ میں آئے گا تو وہاں پلیدی اور گُناہ کی تاریکی ٹھہر ہی نہیں سکتی۔

فائدہ: اس واقعہ میں سالکین کے لئے عظیم نصیحت ہے کہ جس حال میں بھی ہو کتنے ہی گُناہوں اور بُرائیوں میں ابتلا ہو مگر اپنی گندگی اور پلیدی کے سبب ذکر میں دیر نہ کرو اور اصلاح کا انتظار نہ کرو بلکہ خود اصلاح بھی ذکر ہی کی برکت سے آسان ہو جاوے گی کیونکہ ذکر ہی کے نُور سے گُناہوں کی تاریکی کا احساس بھی ہوتا ہے کہ شے اپنے ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اَلْاَشْیَآءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِھَا۔ چنانچہ مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ ذاکر سے جب خطا ہوتی ہے فوراً اسے توبہ کی توفیق ہوتی ہے کیونکہ ذکر کے نُور میں گناہوں اور بُرائیوں کی تاریکی کا احساس فوراً ہو جاتا ہے اور ذکر کے عطر کے بعد گناہوں کی بدبو کا احساس قوی ہو جاتا ہے۔ جس سے جلد توبہ کر کے دِل صاف کرنے کی توفیق ہوتی ہے جیسا کہ صاف و شفاف لباس والا معمولی سی گندگی کے دھبے کو برداشت نہیں کر پاتا جب تک دھو نہیں لیتا چین نہیں ملتا اور گندے لباس والے کو اوّل تو دھبہ نظر نہ آئے گا کہ پہلے ہی سے کافی دھبے ہیں دوسرے یہ کہ معلوم ہو جانے پر بھی دھونے کو دِل میں تقاضا نہیں ہوگا۔ انھیں مصالح کے پیشِ نظر اللہ والے سالکین کو پہلے ہی ذکر شروع کرا دیتے ہیں۔ اسی کی برکت سے آہستہ آہستہ سب اصلاحات شروع ہو جاتی ہیں۔

بردِلِ سالک ہزاراں غم بُوَد — گر ز باغِ دل خلالے کم بُوَد

حکایت کہ ہمارا اللہ کہنا لبیکِ خدا ہے

آں یکے اللہ می گفتے شبے
تا کہ شیریں گردد از ذکرش لبے

ایک صوفی درویش ایک رات بہت ہی اخلاص سے اللہ کا نام لے رہا تھا حتیٰ کہ اس پُرخلوص ذِکر سے اس کے لب شیریں ہو گئے۔

شیطان نے کہا اے صوفی! خاموش بھی ہو تو بے فائدہ ذکر کی کثرت کر رہا ہے۔ اللہ کی طرف سے تو کوئی جواب تجھے ملتا نہیں۔ پھر یک طرفہ محبت کی پینگ بڑھانے سے کیا فائدہ؟ شیطان کی ان پُرفریب باتوں سے یہ صوفی شکستہ دِل اور افسردہ ہو کر سو گیا اور ذِکر کو ملتوی کر دیا۔

خواب میں دیکھتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور دریافت کر رہے ہیں کہ ذکر سے کیوں غفلت کی۔ صوفی نے کہا کہ اللہ کی طرف سے لبیک کی آواز نہیں آتی جس سے دِل میں خیال آیا کہ ہمارا ذکر قبول نہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ تجھ کو اللہ نے پیغام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ میرے اس بندہ سے کہہ دو کہ

گفت آں اللہ تو لبیکِ ماست　　واں نیاز و سوز و دردت پیکِ ماست

اے بندہ تیرا اللہ کہنا ہی میرا لبیک ہے یعنی جب تیرا پہلا اللہ قبول ہو جاتا ہے تب دوسری بار تجھے اللہ کہنے کی توفیق ہوتی ہے پس یہ دوسری بار اللہ کہنا میری طرف سے لبیک ہے اور اے بندہ تیرا یہ نیاز اور میرے عشق میں یہ سوز و درد سب میرا پیغام ہے۔

حیلہا و چارہ جوئیہائے تو　　　جذبِ ما بود و کشادِ ایں پائے تو

اور اے بندہ! میری محبت میں تیری یہ تدبیریں اور ذکر و شغل اور محنتیں سب ہماری طرف سے جذب و کشش کا عکس ہیں، کسی نے خوب کہا ہے۔

میری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

ترس و عشقِ تو کمندِ لطفِ ماست　　　زیرِ ہر یارب تو لبیکہاست

اے بندہ! تیرا خوف اور تیرا عشق میری ذات سے میرا ہی انعام ہے اور میری مہربانی محبت کی کشش ہے اور تیرے ہر بار یارب اور یا اللہ کی پکار میں میرا لبیک بھی شامل ہے۔ یعنی جب تو یا اللہ کہتا ہے تو میری یہ آواز بھی وہیں موجود ہے کہ حاضر ہوں میں اے میرے بندہ! (فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ)۔

جانِ جاہل زیں دعا جز دور نیست　　　زانکہ یارب گفتنش دستور نیست

جاہل کی جاں اس ذکر و دُعا سے محروم ہے اور ان کو یارب یارب کہنے کی توفیق ہی نہیں۔

فائدہ :۔ ذاکرین کے لئے اس حکایت میں بڑی خوشخبری ہے پس ذکر کے وقت یہ تصور بھی رکھا جاوے کہ ہمارا پہلا اللہ قبول ہوتا ہے جب ہماری زبان سے دوبارہ اللہ نکلتا ہے اور یہی دوبارہ اللہ نکلنا پہلے اللہ کی قبولیت کی علامت ہے۔

مبارک ہو ذاکرین کے لئے یہ انعام۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ذکر کی تا آخری سانس توفیق بخشیں۔ آمین۔

حکایت

پیار کرنا مجنوں کا لیلیٰ کی گلی کے کُتّے کو

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ایک بار مجنوں نے لیلیٰ کی گلی کے کُتّے کو کہیں دیکھا اور پہچان لیا اور اس کے پاؤں کو بوسہ دیا اور اسے پیار کیا خلق نے کہا اے پاگل! یہ کیا کر رہا ہے ایسے نجس و ناپاک عیوب سے پُر جانور کو تو پیار کرتا ہے۔ مجنوں نے جواب دیا ؎

گفت مجنوں تو ہمہ نقشی و تن ۔۔۔ اندر آ بنگر تو از چشمانِ من

مجنوں نے کہا اے معترض تو سراپا ظاہری نقش اور جسم محض ہے اے ذوقِ عاشقی سے محروم! تو میرے قلب کی کیفیت سے آگاہی حاصل کر اور اس کو میری آنکھوں سے دیکھو۔

کایں طلسم بستۂ مولیٰ ست ایں ۔۔۔ پاسبانِ کوچۂ لیلیٰ ست ایں

ارے! یہ کُتّا میرے مولیٰ کا بنایا اور پیدا کیا ہوا اور میری لیلیٰ کی گلی کا چوکیدار بھی ہے۔

آں سگے کو گشت در کویش مقیم ۔۔۔ خاکِ پایش بہ ز شیرانِ عظیم

میرے نزدیک جو کُتّا لیلیٰ کی گلی میں مقیم ہے اس کے پاؤں کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بہتر ہے۔

آں سگے کہ باشد اندر کوئے او ۔۔۔ من بشیراں کے دہم یک موئے او

وہ کتّا جو لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے اس کی قیمت میری نگاہ میں اس قدر ہے کہ میں شیروں کے عوض بھی اس کے ایک بال کو نہیں دے سکتا ہوں۔

اینچہ شیران مر سگانش را غلام
گفتن امکان نیست خامش والسلام

اے مخاطب! بہت سے شیر لیلیٰ کی گلی کے کُتّے کے غلام ہوگئے اور چونکہ یہ راز زبان سے ظہور پذیر نہیں ہوسکتے اس لیے مَیں خاموش ہوتا ہوں اور السّلامُ علیکم کہتا ہوں۔

گر ز صورت بگذرید اے دوستان
جنّت است و گلستان در گلستان

اے لوگو! اگر صورت پرستی سے تم آگے عبور کرجاؤ اور ان صورتوں کے خالق سے رابطہ قائم کرلو کہ خالق ہی حُسن کا اصل سرچشمہ و مرکز ہے تو دُنیا ہی سے تمہیں جنت کا لُطف شروع ہوجاوے اور ہر طرف گُلستان ہی گلستان نظر آوے۔

فائدہ: اس حکایت میں یہ سبق موجود ہے کہ لیلیٰ کی محبت میں مجنوں کی تو یہ عقل و ادب ہو کہ محبوب کی گلی کا کتا بھی پیارا معلوم ہو اور مولیٰ کے عاشقوں کو مکّہ شریف اور مدینہ شریف کے شہر والوں سے محبت نہ ہو! اور حج سے واپس آکر ان حضرات کی شکایات اور اعتراضات اور وہاں کی تکلیفوں کا ذکر ہوتا ہے ایسے لوگوں کے بارے میں تو اندیشہ ہوتا ہے کہ ان کا حج بھی قبول نہیں ہے۔

مدینہ شریف میں ایک شخص نے دہی خریدا اور کہا ارے یہ تو کھٹّا ہے اس سے اچھا تو ہندوستان کا دہی ہوتا ہے رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ او بے ادب! او عشق سے محروم! مدینہ خالی کردے تو اس قابل نہیں کہ یہاں رہے۔ اللہ تعالیٰ سوء ادبی سے ہم سب کو محفوظ رکھیں۔ آمین۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اے لوگو! اہلِ عرب سے محبت رکھو۔ مگر افسوس

کہ آج ہم کو ان آداب کا ذرا بھی پاس نہیں۔ میرے دوستو کوئی بات خیر خواہی سے انھیں کو سمجھانا اور بات ہے اور ان کی برائیوں سے مجلس گرم کرنا اور بات ہے۔ ان کے لئے دل سے دُعا کرنا ہماری سعادت ہے۔

اسی طرح اس واقعہ سے علمائے دین اور اولیائے کرام بالخصوص اپنے شیخ و مُرشد اور ان کے گھر والوں اور ان کی اولاد کے حقوق و آداب کا پتہ چلتا ہے اور اسی طرح مساجد کے اماموں اور موذنوں کے احترام کا سبق بھی ملتا ہے کہ ان حضرات کو مولیٰ کے گھروں کا پاسبان سمجھ کر ان سے محبت اور ان کی خدمت سے حصولِ رضائے الٰہی کی اُمید رکھو۔

اگر کمشنر کے کُتے کو تکلیف دینے سے مخلوق ڈرتی ہے تو دراصل یہ خوف کمشنر کا شمار کیا جاتا ہے اسی طرح مولیٰ سے جس کو جس قسم کی بھی نسبت خصوصی یا عمومی حاصل ہو اس کا خیال اسی فرقِ مراتب سے کرنا حق تعالیٰ ہی کے آداب بجالانا ہے۔

مگر یہ باتیں محروم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی ہیں جیسا کہ مولانا نے فرمایا ہے کہ

اَز خدا جوئیم توفیقِ اَدب
بے اَدب محروم ماند از فضلِ رَب

اے خدا ہم آپ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب وہی ہوتا ہے جو آپ کے فضل سے محروم ہوتا ہے۔

اے اللہ! ہم سب کو توفیقِ ادب نصیب فرما۔ آمین۔

حکایتِ لیلیٰ و خلیفۂ بغداد

ایک بار خلیفہ بغداد نے لیلیٰ سے کہا

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی	کز تو مجنوں شد پریشان و غوی

لیلیٰ سے خلیفۂ وقت نے کہا کہ تو ایسی کالی کلوٹی ہے پھر بھی مجنوں تیرے عشق میں پاگل ہو رہا ہے۔

از دگر خوباں تو افزوں نیستی	گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

اور تو دوسری خوبصورت عورتوں سے کچھ بھی تو امتیازی صفت نہیں رکھتی پھر یہ مجنوں کیوں دیوانہ ہے۔

لیلیٰ نے جواب دیا اے خلیفہ خاموش! کیونکہ تو مجنوں نہیں۔

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا	ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

اے خلیفہ! اگر مجنوں کی آنکھیں تجھے بھی حاصل ہو جاویں تو دونوں جہان سے تو بھی بے خیال ہو جاتا۔

باخودی تو لیک مجنوں بیخودست	در طریقِ عشق بیداری بدست

اے خلیفہ تو خودی میں مُبتلا ہے لیکن مجنوں کو میرے عشق نے بیخودی عطا کی ہے اور راہِ عشق میں بے ہوشی مُفید اور ہوش مضر ہوتا ہے۔ یعنی محبوب سے باہوش و باخبر ہونا اور غیروں سے بے ہوش اور بے خبر ہونا ہی تکمیلِ عشق کی علامت ہوتی ہے۔

فائدہ: اس حکایت میں حسبِ ذیل نصائح ہیں۔

(۱) حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ سے عرض

کرتے ہیں۔

تو کر بے خبر ساری خبرں سے مجھ کو　　الٰہی رہوں اِک خبردار تیرا

اس کا مطلب یہ نہیں کہ بال بچوں سے اور اقربا و احباب سے بھی بے خبر ہو جاویں مطلب یہ ہے کہ ان کی خبر گیری بھی اللہ ہی کے لیے ہو ان سے بدلہ لینے یا بدلہ دینے کی نیت نہ ہو اس اُصول کے پیشِ نظر اس نیتِ اخلاص کی برکت سے رابطہ بالمخلوق بھی رابطۂ خالق کا جز بن جاتا ہے۔

(۲) دوسری نصیحت یہ ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور اولیائے کرام اور بیتُ اللہ اور بیت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود۔ صفا و مروہ۔ منیٰ۔ عرفات و مزدلفہ۔ تمام مساجد اور مساجد کے خدام ان سب پر نگاہ مجنوں اور نگاہ احترام عشق ڈالنے والی نظر کو کسی اہلِ نظر کی صحبت سے بھیک مانگ لو۔ کیونکہ بغیر اللہ والوں کی نظرِ عنایت اور بغیر انکی صحبت کے فیض کے یہ نظر ملتی نہیں ہے۔ آنکھوں کی بصارت اور قلب کی بصیرت میں بڑا فرق ہے۔ ہماری ظاہری بصارت باطنی بصیرت کے تابع ہوتی ہے پس اگر قلبی بصیرت صحیح ہے تو بصارت بھی صحیح دیکھتی ہے اور اگر قلب بیمار ہے کفر یا فسق کی ظلمت سے تو ظاہری بصارت بھی صحیح کام نہیں کرتی اور خلاف حقیقت بصیرت کے سبب خلافِ حقیقت بصارت میں مبتلا ہونا امر لابدی ہوتا ہے اس کی دُنیا میں مثال موجود ہے۔ ایک شخص اللہ کا طالب ہے وہ اللہ والوں کی جوتیاں سر پر رکھنے کو اپنی سعادت اور فخر محسوس کرتا ہے۔ دوسرا صرف دُنیا کا طالب اور خدا سے

روگرداں ہے یہ دُنیاداروں کی خوشامد اور ان کی چمچہ گیری میں فخر محسوس کرتا ہے تو دونوں کی بصیرتِ قلبی کے فیصلوں نے بصارت کے فیصلوں کو تبدیل اور متضاد کر دیا۔ اس طرح دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں دیکھئے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بصیرتِ صحیحہ سے آپ کی بصارت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا دیکھا فرماتے ہیں کہ مجھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک ایسا چمکدار اور روشن معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپؐ کے چہرۂ مبارک میں آفتاب چل رہا ہے۔ كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي وَجْهِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور ابوجہل کی بصیرۃِ فاسدہ غیر صحیحہ نے اس کی بصارت کو کس درجہ اندھا کر دیا کہ اس کو آئینۂ حق میں حق نظر نہ آیا۔ بلکہ اپنی ہی بدصورتی نظر آئی۔ جیسا کہ ایک حبشی کی حکایت مشہور ہے کہ کہیں سفر کر رہا تھا راستے میں ایک آئینہ کسی کا گرا پڑا مل گیا اس نے اُٹھا کر دیکھا تو اس کو اپنی ہی شکل نظر آئی کہنے لگا کہ اگر تو ایسا بھدا کالا اور موٹے ہونٹ والا نہ ہوتا تو تجھے اس لاپرواہی سے کوئی یہاں جنگل میں کیوں ڈال جاتا۔ اس بیوقوف کو یہ حقیقت نہ معلوم ہوئی کہ یہ آئینہ میری ہی صورت کی عکاسی کر رہا ہے۔

(۳) تیسری نصیحت یہ ہے کہ اولیائے کرام کو اہلِ ظاہر اپنی نگاہِ محروم وخالی سے دیکھتے ہیں اسی لئے وہ حضرات ان کو محروم اور خالی نظر آتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک محروم شخص کورباطن نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ آپ سے مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بانی دیوبند اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کیوں مرید ہوئے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ہاں بھائی مجھے بھی تعجب ہے کہ مجھ جیسے سے یہ حضرات کیوں مرید ہوتے۔ یہ حضرت کی فنائیت تھی کہ ذرا بھی ناگواری کا اثر اور تغیر ظاہر نہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا دیوانہ بنالیں۔ آمین

کسی کو رات دِن سرگرمِ فریاد و فغاں پایا

کسی کو فکر گوناگوں سے ہر دم سرگراں پایا

کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا

بس اِک مجذوب کو اس غم کدہ میں شادماں پایا

جو بچنا ہو غموں سے آپکے دیوانہ ہو جاتے

❊❊❊❊❊❊❊

حکایت مجنوں کی صحرانوردی اور مشقِ نامِ لیلیٰ

ایک بار مجنوں دریا کے کنارے صحرا میں بیٹھا انگلیوں سے بالو (ریت) پر بار بار لیلیٰ لیلیٰ لکھ رہا تھا۔ ایک صحرانورد نے یہ تماشا دیکھ کر دریافت کیا کہ۔

گُفت اَے مجنُونِ شَیدا چیست اِیں

مِی نویسی نامہ بَہرِ کیست اِیں

اے مجنوں عاشق! یہ کیا کام کررہے ہو یہ خط کس کے لئے لکھ رہے ہو۔

گُفت مشقِ نامِ لیلیٰ مِیکُنَم — خاطرِ خُود را تَسلّی مِیدَہَم

مجنوں نے کہا لیلیٰ کی جدائی کا غم جب ستاتا ہے تو اس کا نام بار بار لکھنا شروع کر دیتا ہوں اور اس مشقِ نامِ محبوب سے دلِ فرقت زدہ کو تسلی دیتا ہوں۔

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہرِ او اولیٰ بود

اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اے لوگو! لیلیٰ کا عشقِ مجازی تو یہ اثر دکھائے تو مولیٰ کا عشقِ حقیقی کب لیلیٰ کے عشق سے کم ہو سکتا ہے مولیٰ کے لئے گیند بن جانا زیادہ اولیٰ ہے جس طرح گیند کو ہر شخص ٹھوکر لگاتا ہے اور وہ برداشت کرتی ہے اسی طرح عشق کی راہ میں اپنے کو مٹانا مطلوب ہے۔

فائدہ: اس واقعہ میں اُن اہلِ ظاہر اور متقشف اور خشک لوگوں کے اس اعتراض کا جواب ہے جو اللہ اللہ کرنے والوں پر ہوتا ہے کہ یہ صوفیہ اللہ اللہ کا اتنا ذکر اور اس قدر اظہارِ عشق اور کثرتِ آہ و فغاں کیوں کرتے ہیں ہم نے بھی تو اس قدر کتابیں پڑھی ہیں ہمارے پاس بھی کتب خانہ ہے ہم بھی وعظ اور تقریر کرتے ہیں مگر ہم کو یہ باتیں کیوں حاصل نہیں پھر خود ہی دل میں اپنی محرومی کو اس طرح سمجھا لیتے ہیں کہ ان صوفیوں کا ہائے ہو اور ذکر و شغل اور آہ و نالے سب خلق کو دکھانے اور اپنا گرویدہ بنا کر اپنا حلوا مانڈا درست کرنے کے لئے ہیں۔ ہائے کاش کہ یہ ظالم سچے اللہ والوں کی خلوتوں کا مشاہدہ کرتے کہ وہاں کون مخلوق ہے جس کے سامنے وہ سجدوں میں سجدہ گاہوں کو آنسوؤں سے تر کر رہے ہیں اور اپنی آہوں کو ربُّ العرش تک پہنچا رہے ہیں اور اپنا سب دکھ درد اپنے مولیٰ سے رو لیتے ہیں۔

سارے جہاں کا دُکھڑا مجذوب رو چکا ہے
اب اِس پہ فضل کرنا یارب ہے کام تیرا

یہ اولیائے پاک ہیں جن کی آہیں اور ان کا سلام و پیام مسلسل عرش اور ربُّ العرش سے رابطہ قائم کئے ہوتے ہیں۔ خاموش بیٹھے ہیں مگر ان کے دِل مولیٰ تک اپنے نعرۂ عشق پہنچا رہے ہیں۔

خامُشند و نعرۂ تکرارِ شاں
می رود تا یار و تختِ یارِ شاں

ترجمہ: حضرات صوفیہ[ع] خاموش ہیں مگر ان کے نعروں کی تکرار محبوبِ حقیقی اور تختِ محبوبِ حقیقی تک رسا ہو رہی ہے۔

میرا پیام کہدیا جا کے مکاں سے لامکاں
اے مری آہِ بے نوا تُو نے کمال کر دیا (اخترؔ)

ان مُبارک تنہائیوں کو کس کو دکھایا جا رہا ہے کہ وہ حلوا مانڈا پیش کرے جبکہ یہ آہیں ساری کائنات سے مخفی ہیں۔

آہ را جز آسماں ہمدم نبود　　راز را غیرِ خدا محرم نبود

ان مقبولین کی آہوں کا بجز آسمان کے کوئی ہمدم نہیں اور ان کے اس رازِ محبت

ع حضرات صوفیہ سے مراد وہ ہیں جو متبع شریعت ہیں اور بقدرِ ضرورت علمِ دین سے واقف ہیں اور علمائے شریعت کا اکرام کرتے ہیں وہ جُہّال گمراہ صُوفیہ ہرگز مراد نہیں جو شریعت سے طریقت کو الگ سمجھتے ہیں اور اہلِ علم کی اہانت کرتے ہیں۔ خوب سمجھ لیجئے۔

کا غیرِ خدا کوئی محرم نہیں۔

اب اس واقعہ سے حیات میں گفتگو کرتا ہوں کہ لیلیٰ جو سڑنے والی پیشاب پاخانہ والی لاش تھی وہ تو مجنوں بنا دے اور وہ ذاتِ پاک جو لاکھوں ایسی لیلیٰ کو بناتی ہے اور پھر بگاڑ دیتی ہے کیا وہ سرچشمۂ نقش و نگار اور مرکزِ حسن اپنے حُسن و عشق کا مجنوں نہیں بنا سکتی۔ وہ ذات پاک ہے اس کے مجنوں بھی پاک ہوتے ہیں انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کی جماعت اسی کی مجنوں ہیں جو دونوں جہان میں سرخرو اور معزز ہیں۔ حق تعالیٰ اپنے عاشقوں کو یہ انعام دیتے ہیں برعکس لیلیٰ کے مجنوں کو کیا ملا؟ اور مجاز تو خود لغت میں خلافِ حقیقت کو کہتے ہیں۔ پھر وہ انعام بھی خلافِ حقیقت دیتا ہے یعنی عشقِ مجازی کا مُبتلا ہمیشہ دھوکہ میں رہتا ہے جس حُسن پر مرتا ہے وہ حُسن محبوب کی موت سے ختم ہو جاتا ہے اور پھر ہاتھ ملتا ہے یا خود ہی مر گیا تو کس قدر حسرت سے جاتا ہے اور عاشقِ حق کا محبوب حق تعالیٰ کی ذات ہے جو غیر فانی ہے اس لئے اس کے عشق کا ہنگامہ ہمیشہ گرم تر رہتا ہے اور مرتے وقت اپنے محبوبِ حقیقی کی مُلاقات کی اُمید کی مسرت لے کر جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

زیں سبب ہنگامہا شُد کُل ہدر   باشد ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر

عاشق اور معشوق دونوں میں سے کسی ایک کی موت یا بسبب بیماری یا بڑھاپا حُسن کا زوال ہو جانے سے عشقِ مجازی کے ہنگامے سرد پڑ جاتے ہیں اور عشقِ حقیقی کا ہنگامہ ہر دم اور ہمیشہ گرم تر رہتا ہے۔ مرنے کے بعد برزخ سے میدانِ محشر اور جنّت تک خدا کے عاشقین کی زبان پر مولیٰ ہی مولیٰ کی رٹ ہو گی۔

لیلیٰ و مجنوں کی حکایت سے کسی اہلِ نفس کو عشقِ مجازی کے جواز کا شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ عشقِ مجازی مطلق حرام ہے اور مجاز بالکل حقیقت کی ضِد ہے اور اجتماع ضدین محال ہے۔

پس مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مجنوں لیلیٰ کی حکایت سے خدا کی محبت سکھانے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے چھوٹے بچوں کو قاعدہ پڑھاتے وقت حروف سکھانے کے لیے لام سے لڈّو پڑھایا جاتا ہے کیا وہاں مقصود لڈو ہوتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ وہاں لڈّو نہیں دھرا ہوتا بلکہ صرف لام کا حرف سکھانا ہوتا ہے؟ اسی طرح الف سکھانے کے لیے وہیں اُلّو کی تصویر ہوتی ہے اور پڑھاتے وقت الف سے اُلّو پڑھایا جاتا ہے تو کیا اس سے اُلّو کی اہمیت مقصود ہے یا بچوں کی طبیعت کی رعایت سے اُلّو اور بندر کا نام لیا جاتا ہے کہ اسی بہانے سے حروف یاد کرلیں گے۔ پس یاد رکھئے۔

خلق اطفالند جز مستِ خدا ﴿﴾ نیست بالغ جز رہیدہ از ھوٰی

تمام مخلوق بچے ہیں نابالغ ہیں سوائے مستانِ خدا اور جانبازانِ خدا کے اور جب تک خواہشاتِ نفس کے چنگل سے آزادی نہ ہو تو وہ بالغِ جسم کے اعتبار سے ہے۔ روح کے اعتبار سے نابالغ ہے خواہ سو برس کا ہی کیوں نہ ہو۔ اب ناظرین کو یہ بات واضح ہوجاوے گی کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا حکایتِ مجنوں و لیلیٰ بیان کرنا صرف ہمارے طفلانہ طبائع کی رعایت سے ہے تاکہ ہم اسی بہانے سے خُدا کی محبت سیکھ جاویں جیسا کہ عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بُود سے مولانا نے بالکل واضح کردیا ہے۔ اگر مجنوں کو لیلیٰ کی قبر کھود کر اس کی سڑی ہوئی بدبودار لاش دکھائی جاتی

تو اسے بھی اپنی زندگی رائگاں معلوم ہوتی اور عشقِ مجازی سے توبہ کرتا اور حضرت حکیمُ الامّت مولانا تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مجنوں سے پاگل ہونے کے بعد والے اعمال کے متعلق تو مواخذہ نہ ہوگا مگر جن اختیاری اسبابِ عشقِ مجازی سے پاگل ہوا ہے اس کے بارے میں اس سے مواخذہ ہوسکتا ہے۔

حضرت حکیمُ الامّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ عشقِ مجازی عذابِ الٰہی ہے خداوند تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں۔ ایک بار تنہائی میں آپ کے بھتیجے مولانا شبیر علی صاحب مرحوم نے کسی طالبِ علم کو کسی کام سے بھیجا۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بالاخانہ کے کسی حجرہ میں تصنیف کر رہے تھے اس اَمرد کو دیکھتے ہی نیچے اتر آتے اور ایک منٹ بھی خلوت گوارا نہ کی اور مولانا شبیر علی صاحب کو حکم دیا کہ کسی امرد کو تنہائی میں میرے پاس نہ بھیجا کرو (امردؔ اس مرد کو کہتے ہیں جس کے داڑھی مونچھ نہ نکلی ہو) حق تعالیٰ کے راستے میں اختلاط اجنبیہ عورت اور امرد (حسین لڑکے) کا زہرِ قاتل ہے ان دو چیزوں سے سالکین اور طالبینِ حق کو اس طرح دور رہنا چاہیے جس طرح زہریلے سانپ سے۔

حُسنِ فانی پر اگر تُو جائے گا
یہ منقّش سانپ ہے ڈس جائے گا　　(مجذوبؒ)

دوسرے گناہوں سے سالک کو اتنا ضرر نہیں پہنچتا جتنا کہ بدنگاہی اور عشقِ مجازی کے فتنے سے ضرر ہوتا ہے نہایت سخت تاریکی عشقِ مجازی سے پیدا ہوتی

ؔع　میرے ایک دوست لفظ امرد کے معنیٰ امرت دھارا سمجھ گئے تھے اس وجہ سے اس لفظ کی تشریح ضروری معلوم ہوئی۔

ہے بلکہ یوں کہتے کہ سمتِ قبلہ بالکل تبدیل ہوجاتی ہے یعنی قلب اگر قطب نما تصور کیا جاوے اور اس کی سوئی کو حق تعالیٰ کی طرف نوّے درجہ زاویہ قائمہ مغرب پر سمجھا جاوے تو دوسرے معاصی اور گناہوں سے اگر یہ سوئی دو چار ڈگری شمال و جنوب مائل ہوتی ہے تو توبہ سے جلد ہی پھر نوّے درجہ پر آجاتی ہے مگر عورتوں اور لڑکوں کے عشق میں اگر دل مبتلا ہوگیا اور بدنگاہی اور اس کے خیال نے دِل میں جگہ پکڑلی تو اب قلب کی سوئی سمت مشرق کو نوے درجہ پر زاویہ قائمہ بنائے گی اور اپنے قلب کو حق تعالیٰ سے شرق و غرب کی دوری ہوگی۔ اے اللہ! اختر اور اس کی جسمانی و روحانی اولاد اور تمام مسلمانانِ عالم کو عشق مجازی کے عذاب سے محفوظ فرما۔ آمین۔ ثم آمین

یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِرَحْمَتِكَ وَبِنَبِیِّكَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(نوٹ) اگر عشقِ مجازی کی ناپاک بیماری دِل میں لگ چکی ہو تو فوراً کسی اللہ والے سے رجوع کیا جاوے اس کا ان کے پاس مکمل اور شافی علاج موجود ہے اور ہزارہا بندگانِ خدا اس طرح شفایاب ہوگئے اور سنکھیا کُشتہ ہوجانے پر نہایت مُفید طاقت کی دوا بن جاتی ہے۔ اسی طرح نفس کے ان تقاضوں کا کُشتہ بھی مُفید ہوتا ہے۔ جس طرح خام سنکھیا مہلک ہے اسی طرح نفس کے بُرے تقاضوں پر عمل بھی مہلکِ دین و دُنیا ہے اور ان کا امالہ راہِ حق میں مُفید اور معین ہوتا ہے۔

حکایتِ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توحید کے بیان میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی آئی کہ اے موسیٰ! ہم نے تم کو اپنا برگزیدہ بنا لیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب وہ کیا خصلت ہے جس سے آپ بندوں کو اپنا برگزیدہ بناتے ہیں تاکہ میں اس خصلت میں ترقی کروں۔ ارشاد ہوا۔

گُفت چُوں طِفلی بہ پیشِ وَالِدَہ
وَقتِ قَہرش دَست ہَم بَر وَے زَدَہ

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے اپنے بندہ کی یہ ادا بہت پسند آتی ہے کہ جب وہ میرے ساتھ مثل اس چھوٹے بچے کے معاملہ کرتا ہے جو اپنی ماں کے عتاب و قہر پر بجائے بھاگنے کے ماں ہی سے لپٹ جاتا ہے۔

مادرش گر سیلئے بر وَے زَنَد
ہَم بمادر آید و بر وَے تَنَد

اور جب ماں اپنے چھوٹے بچے کو طمانچہ مارتی ہے تو وہ ماں ہی کی طرف بھاگ کر اسی پر گر کر اسے مضبوط پکڑ کر چلاتا ہے۔

احقر نے بارہا یہ منظر دیکھا ہے کہ ماں نے تین چار سال کے بچے کو خوب مارا اور گھر سے نکالنا چاہا اور وہ چلاتا روتا ہوا ماں کے پیروں میں لپٹا جا رہا تھا

اے اللہ! اپنی رحمت سے اختر کو اپنی ذات پاک کے ساتھ اس سے بھی بڑھ کر تعلق عطا فرما اور تمام مسلمانانِ عالم کو بھی یہ دولت عطا فرما۔ آمین۔

آز کسے یاری نخواہد غیرِ اُو — اُو مُنست جُملہ شرّ اُو و خیرِ اُو

اور چھوٹا بچہ ماں کے علاوہ کسی سے مدد نہیں چاہتا حتیٰ کہ باپ کی طرف بھی توجہ نہیں کرتا اور اپنی ماں ہی کو تمام خیر اور شر کا منتہا اور سرچشمہ سمجھتا ہے۔

خاطرِ تو ہم زِما دَر خیر و شَر — اِلتفاتش نیست جاہائے دِگر

اے موسیٰ! (علیہ السلام) آپ کا خیال اور آپ کا تعلق بھی ہمارے ساتھ خیر و شر میں اسی طرح ہے کہ ہمارے علاوہ کسی دوسری جگہ آپ کی توجہ نہیں جاتی۔

غیرِ مَن پیشَت چو سنگست و کلوخ
گر صَبیّ و گر جوانْ و گر شیوخ

اے موسیٰ! (علیہ السلام) آپ کے سامنے ہمارا غیر، خیر و شر اور نفع و ضرر میں مثل ڈھیلے اور پتھر کے ہے یعنی مطلق بے اثر ہے خواہ وہ غیر بچہ ہو یا جوان ہو یا بوڑھا ہو۔

فائدہ: اس حکایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقامِ توحید بیان فرما کر مولانا نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ ہم بھی حق تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق اور اعتقاد ایسی سطح پر لانے کی دُعا اور سعی و تدبیر کریں جیسے ایک طفلِ صغیر (چھوٹا بچہ) ماں پر جس قدر اعتماد کرتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ ہم کو جس حال میں رکھیں تکلیف یا آرام صحت یا بیماری۔ تنگدستی یا فراخدستی ہر خوش اور ناخوش۔ شیریں اور تلخ موافقِ طبع اور ناموافقِ طبع کل حالات میں ہم حق تعالیٰ ہی سے رجوع کریں انھیں کی طرف بھاگیں۔ انھیں کی چوکھٹ پر پیشانی رکھیں اور گریہ وزاری۔ آہ و فغاں کر کے انھیں سے عافیت مانگیں اور اپنے گناہوں سے استغفار کریں اور حق تعالیٰ کے علاوہ کسی کو بھی اپنا چارہ گر اور جائے پناہ نہ سمجھیں اور اس کے

باوجود بھی وہ جس حال میں رکھیں راضی رہیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ کہیں۔ ہماری ناراضگی اور بے صبری سے مصیبت تو ٹلے گی نہیں البتہ ایمان ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ دُنیا کے ساتھ آخرت بھی جاوے گی۔ دُعا کی قبولیت میں تاخیر ہو تو کبھی نہ گھبرائے اُمیدوار رہے۔ مایوسی کو کفر سمجھے۔ سیّدنا یعقوب علیہ السّلام کی دُعا بیٹے حضرت یوسف علیہ السّلام کی بازیابی کے بارے میں چالیس سال بعد قبول ہوئی وہ حاکم ہیں اور حکیم بھی ہیں وہی جانتے ہیں کہ غم کی آگ سے ایمان اور اخلاص کے نُور میں کیا ترقی ہو رہی ہے اور جنّت میں اس صبر کا کیا درجہ ملنے والا ہے جو مُجاہدہ اختیاری سے ہرگز نہ مل سکتا تھا۔ پردیس کے دن کٹ ہی جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السّلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مصائب کو یاد کرے۔ اس سے تقویت ہوگی۔ اللہ والوں کی صحبت میں حاضری دے اور اُن سے اپنے حالات کہہ کر مشورہ لیتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے ضعف و عجز کا اقرار کرتے ہوئے عافیتِ دارین طلب کرتا رہے اور ان کے ارحم الراحمین ہونے کی صفت کو اور حکیم ہونے کی صفت کو بھی خوب سوچے یہ سب باتیں بزرگوں کی صحبت کی برکت سے خوب سمجھ میں آجاویں گی۔ یہاں اسی مختصر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

ایک بات اور یاد رہے کہ چھوٹی مصیبت بڑی مصیبت سے نجات کا ذریعہ ہوا کرتی ہے بس یوں کہے کہ اے اللہ! شکر ہے کہ اس سے بڑی مصیبت نہ آئی اور اے اللہ! ہم ضعیف ہیں اس کو بھی اپنی رحمت سے نعمتِ عافیت سے تبدیل فرما دیجئے۔ ایک بزرگ گھر سے صُبح کو نکلے سر میں چوکھٹ لگ گئی

چوٹ کی تکلیف سے لیٹ گئے اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔
اللہ حکیم ہے ان کے ہر کام میں بندہ کے لئے خیر و حکمت پوشیدہ ہے۔

ملازم نے اعتراض کیا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس چوٹ میں آپ کا کیا نفع ہو سکتا ہے۔

تھوڑی دیر بعد معلوم ہوا کہ جس طرف یہ بزرگ جانے والے تھے وہاں چند دشمنانِ دین ان کو لاٹھی لئے جان سے مارنے کے لئے کھڑے تھے۔ پھر تو سب کی آنکھیں کھل گئیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ایسا ہی حُسنِ اعتقاد عطا فرما دیں جو حق تعالیٰ کی محبوبیت اور مقبولیت کے انعام کا ذریعہ بن جاوے۔ آمین

قصہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوتِ اسلام دینا

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو بذریعہ قاصد پیغام بھیجا کہ اے بلقیس!

خیز بلقیسا بیا و مُلک بین　　بر لبِ دریائے یزداں دُر بچین

اے بلقیس! اُٹھ اور ملک اصلی تعلق مع اللہ کا دیکھ اور دریائے حق کے کنارے پر رضائے الٰہی کے موتی چُن لے۔

خواہرانت ساکنِ چرخِ سَنی　　تو بمردارے چہ سُلطانی کنی

تیری بہنیں جو ایمان لا چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے شرفِ تعلق کی برکت سے آسمان روشن پر مقیم ہیں یعنی قربِ اعلیٰ سے مشرف ہیں اے بلقیس! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو ایک مردار دنیا پر عاشق ہے۔

خواہرانت را ز بخششہاے راد
ہیچ میدانی کہ آں سلطان چہ داد

اللہ تعالیٰ نے تیری اُن بہنوں کو اپنی عظیم عنایات سے کیا کیا بخششیں کی ہیں کچھ تجھے بھی خبر ہے؟

خیز بلقیسا بیا دولت نگر | جاوداں از دولتِ ما بر نجور

اے بلقیس! اُٹھ اور آ دولتِ باطنی دیکھ اور ہماری دولتِ باطنی سے ہمیشہ پھل کھا۔

خیز بلقیسا بیا در بحرِ جود | ہر دمے بردار بے سرمایہ سود

اے بلقیس اُٹھ اور بحرِ جود میں آ اور بے سرمایہ کے نفع حاصل کر۔ ہمارے پاس سرمایۂ عبادات وغیرہ بھی اپنا نہیں ہے سب فضلِ الٰہی اور توفیقاتِ الٰہیہ کا ثمرہ ہے۔

خواہرانت جملہ در عیش و طرب
بر تو چوں خوش گشت ایں رنج و تعب

تیری مومنات بہنیں سب کی سب عیشِ ایمانی سے لطف اڑا رہی ہیں اور تو دُنیا کا رنج و تعب کب تک برداشت کرتی رہے گی۔

خیز بلقیسا سعادت یار شو | وز ہمہ ملکِ سبا بیزار شو

اے بلقیس! اٹھ اور سعادت کی ساتھی ہو جا اور تمام ملک سبا جو فانی ہے اس سے بیزار ہو جا۔

تو زِ شادی چوں گدائے طبل زن
کہ منم شاہ و رئیسِ گولخن

تو خوشی سے مثل اس فقیر کے ڈھول بجا رہی ہے جس نے اپنی تنگ دستی کے باوجود ڈھول بجانا شروع کیا اور کہا میں کوڑیوں کا بادشاہ ہوں اور رئیس ہوں تو کیا اس فقیر کو اس شوروغل سے کوئی بادشاہ سمجھ لے گا۔ اسی طرح تو اس دُنیا کی بادشاہ اور رئیس بنتی ہے جو کہ اس کوڑی سے بھی زیادہ پلید اور گندی ہے۔ لہٰذا اس کو ترک کر دے اور آخرت کی دائمی دولت کی طرف حریص ہوجا۔

خیز بلقیسا کنوں با اختیار　　پیش از آنکہ مرگ آرد گیر و دار

اے بلقیس! اُٹھ اور اپنے ارادہ واختیار سے ہدایت کو قبول کرلے قبل اس کے کہ اسی گندگی اور مردار پرستی کی حالت میں تجھے موت آکر بے اختیار کر دے۔

خیز بلقیسا بیا پیش از اجل　　در نگر شاہی و مُلکِ بے دغل

اے بلقیس! آجا اور موت سے پہلے اسلام قبول کرلے اور حق تعالیٰ کے قرب کی سلطنتِ لازوال کا کروفر دیکھ لے۔

خیز بلقیسا بجاہِ خود مناز　　اندریں در کہ نیاز آور نہ ناز

اے بلقیس! اٹھ اور اپنے ناز بے جا پر ناز مت کر کہ بارگاہِ حق میں نیازمندی ہی قبول ہوتی ہے وہاں ناز کی کوئی قدروقیمت نہیں۔

خیز بلقیسا و مَستہ با قضا　　ورنہ مرگ آید کشد گوشِ ترا

اے بلقیس! اُٹھ اور قضا سے جنگ نہ کر ورنہ موت آتے گی اور تیرا کان پکڑ کر مالکِ حقیقی کے پاس لاتے گی اس وقت ندامت کے سوا کیا ملے گا۔

بعد ازاں گوشت کشد مرگ آنچناں
کہ چو دزدے آئی بشحنہ جاں کناں

اے بلقیس! اگر آج اپنے اختیار سے تُو نے اسلام نہ قبول کیا تو اس کے بعد موت تیرا کان اس طرح کھینچے گی جس طرح چور کو سپاہی کوتوال کے پاس کھینچتا ہے۔

زیں خراں تا چند باشی نعل دزد
گر ہمی دزدی بیا و لعل دزد

اے بلقیس! ان گدھوں سے کب تک نعل کی چوری کرتی رہے گی اگر چوری ہی کرنی ہے تو آجا اور اسلام قبول کرلے پھر لعل کی چوری کرنی شروع کر۔ یعنی مجھ سے دولت باطنی کا فیض لینا شروع کردے اور دُنیا پرستی سے باز آجا۔

خواہرانت یافتہ ملکِ خلود
تو گرفتہ مملکتِ کور و کبود

اے بلقیس! تیری بہنیں ایمان و اسلام کی دولت سے سلطنتِ لازوال کی مالک ہیں اور تو دُنیائے حقیر لئے خوش ہورہی ہے۔

اے خنک آنجاں کزیں مملکت بجست
کہ اجل ایں ملک را ویراں گرست

مُبارک ہے وہ شخص جو اس ملکِ فانی کی محبّت سے آزاد ہوگیا کیونکہ موت اس دُنیا کو اور دُنیا کی تمام لذتوں کو ہم سے چھڑانے والی ہے تو وہی شخص اچھا ہے جو اس بے وفا کو مُنہ ہی نہ لگائے بس بقدرِ ضرورت دُنیا حاصل کرلے لیکن دِل سے دور رکھے اور دولتِ اخروی میں ہمہ تن ہمہ وقت مصروف رہے

خیز بلقیسا بیا بارے ببیں
مملکت شاہان و سلطانانِ دیں

اے بلقیس! اُٹھ اور آ اور دین کے سلاطین کی سلطنتِ لازوال کا مشاہدہ کر۔ وہ

اس سلطنت کو ہر وقت اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ. حق تعالیٰ مومنین کاملین کے قلوب میں ایسا نور عطا فرما دیتے ہیں کہ وہ اس نور کو لئے لوگوں میں پھرا کرتے ہیں۔ وہ نور ہی اس کا باغ و بہار ہے مگر عام مخلوق اس باغ کو نہیں دیکھ سکتی۔

طُوافِ مِیکُن بَر فَلک بے پَرّ و بال
ہمچو خورشید و چو بدر و چون ہلال

آسمان پر بے بال و پر کے خورشید اور بدر و ہلال کی طرح طواف کرتے رہو۔ یعنی اے لوگو! اللہ کی محبت سیکھو اور عرش والے سے رابطہ کرکے پستی سے نکل کر فلک پر مثل سورج و چاند کے روشن ہو جاؤ۔

ہم تُو شاہ و ہم تُو لشکر ہم تُو تخت
ہم تُو نیکو بخت باشی ہم تُو بخت

اے بلقیس! ایمان لانے کی برکت سے تو ہر وقت اپنی ذات کے اندر مستقل سلطنت و لشکر و تختِ شاہی کا مشاہدہ کرے گی۔ کیونکہ سلاطین کو تخت و تاج کی بھیک دینے والا تیرے قلب پر اپنے لطف و کرم کے ساتھ سایہ فگن ہو گا اس وقت تو کس قدر نیک بخت ہو گی بلکہ سراپا بخت ہو گی۔

تو زِ خود کے مُحرم شوی اے خوشخصال
چونکہ عینِ تو تُرا شُد مُلک و مال

اے وہ جان پاک جو اللہ تعالیٰ کی محبت و قربِ رضا کی سلطنتِ لازوال اور دولتِ غیر فانی سے مالا مال ہوگئی ہے ایسی جان بذاتِ خود سلطنت و دولت

ہے پس موت کے وقت تمام چیزیں جدا ہوں گی لیکن تو اپنی ذات سے کیسے الگ ہو سکتا ہے یعنی دولتِ قربِ باطنی جو تیری ذات میں داخل تھی اس کو تیری رُوح اپنے ساتھ لے کر سرخرو خدا کے روبرو حاضر ہوگی۔ کیونکہ تیرا ملک و مال تیری عین ذات بن چکا ہے۔

مطلب یہ کہ حضرت سُلیمان علیہ السلام بلقیس کو دعوتِ اسلام پیش کر رہے ہیں کہ اے بلقیس اس ظاہری ملک و مال کو چھوڑ اور باطنی دولت کو حاصل کر اس سے یہ سب ملک و مال اور سب حشم و خدم خود تیرے اندر پیدا ہو جاویں گے اور پھر تجھے اس ظاہری ٹھاٹ باٹ کی ضرورت نہ رہ جاوے گی اور اس دولتِ ظاہری کے ہوتے ہُوئے تو صرف خوش بخت ہے لیکن بخت اور تو ایک نہیں ہے بخت تجھ سے ایک مباین شے ہے لیکن اگر تو اسلام قبول کر لے تو اس دولتِ باطنی کے صدقے میں بخت خود تیرا عین ذات ہو جاوے گا۔ اور پھر کبھی اس دولت کا زوال نہ ہوگا۔

حکایت حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو دعوتِ اسلام پیش کرنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ تو میری ایک بات مان لے اور اس کے عوض مجھ سے ۴ نعمتیں لے لے۔ اس پر اس نے کہا وہ ایک بات کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا تو علی الاعلان اس بات کا اقرار کر لے کہ خُدا کے سوا اور کوئی

خدا نہیں۔ وہ بلندی پر افلاک اور ستاروں اور پستی میں انسانوں، شیاطین، جنات اور جانوروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ نیز پہاڑوں، دریاؤں اور جنگلوں اور بیابانوں کا بھی خالق ہے اس کی سلطنت غیر محدود ہے اور وہ بے نظیر و بے مثل ہے اور وہ ہر شخص و ہر مکان کا نگہبان ہے اور عالم میں ہر جاندار کو رزق دینے والا ہے آسمانوں اور زمینوں کا محافظ ہے۔ نباتات میں پھول پیدا کرنے والا اور بندوں کے دلوں کی باتوں پر مطلع ہے۔ سرکشوں پر حاکم اور ان کی سرکوبی کرنے والا ہے۔ وہ ہر بادشاہ کا بادشاہ ہے حکم اسی کا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کی مزاحمت نہیں کرسکتا۔

یہ سب سُن کر فرعون نے کہا اچھا اس کے عوض میں وہ چار چیزیں کیا ہیں جو آپ ہم کو دیں گے تاکہ شاید ان عمدہ عمدہ وعدوں کے سبب میرے کفر کا شکنجہ ڈھیلا ہوجاوے اور میرے اسلام سے سیکڑوں کفر کا قفل ٹوٹ جاوے اور وہ مشرف باسلام ہوں اور آپ کی ان باتوں سے میری زمین شور میں سبزۂ معرفتِ حق سبحانہٗ پیدا ہوجائے۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) جلد اپنے وعدوں کو بیان کرو ممکن ہے کہ میری ہدایت کا دروازہ کُھل جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکمِ الٰہی سے فرعون کو چار چیزوں کا انعام سُنانا شروع کیا اور فرمایا کہ اگر تو اسلام قبول کرلے تو پہلی نعمت تجھے یہ ملے گی کہ تو ہمیشہ تندرست رہے گا اور کبھی بیمار نہ ہوگا اور تو موت کا خواہاں ہوگا یعنی اپنے خانۂ تن میں تعلق مع اللہ کا ایسا خزانہ دیکھے گا جس کے ملنے کی توقع میں تو اپنی تمام خواہشاتِ نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کرنے کے لیے مجاہدات میں جان

تک دینے کو تیار ہوگا۔ جس طرح کسی کے گھر میں خزانہ دفن ہو تو اس خزانۂ مدفونہ کی خاطر خوشی خوشی اپنے گھر کی ویرانی کو تیار ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے عاشقین اپنی خواہشات کے گھر کو رضائے مولیٰ اور تعلق مع اللہ کی دولت کے لئے خوشی خوشی ڈھا دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر پھر جو دولت ملتی ہے وہ رشکِ ہفت اقلیم ہوتی ہے۔ خواہشات کے ابر کو پھاڑنے کے بعد ہی ماہتابِ حقیقی کا نورِ تاباں مست کر دیتا ہے۔

اے فرعون! جس طرح ایک کیڑے کو ہر اپتہ اپنے اندر مشغول کر کے انگور سے محروم کرتا ہے اسی طرح یہ دُنیائے حقیر تجھے اپنے اندر مشغول کر کے مولائے حقیقی سے محروم کئے ہوئے ہے۔ آدمی کیڑے کی طرح لذائذ جسمانیہ میں مصروف ہوتا ہے لیکن جب حق تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو جاتا ہے تو وہ متنبہ ہو کر ان کو چھوڑ دیتا ہے اور مشغول بحق ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے رگ و ریشہ میں ذکرِ حق سما جاتا ہے اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے۔

تیسری نعمت تجھے یہ ملے گی کہ ابھی تو ایک ملک تجھے عطا ہے اور اسلام کے بعد تجھے دو ملک عطا ہوں گے یہ ملک تو تجھے خدائے تعالیٰ کے ساتھ بغاوت کرنے کی حالت میں عطا ہے تو پھر اطاعت کی حالت میں کیا کچھ عطا ہوگا جس کے فضل نے تجھے تیرے ظلم کی حالت میں اس قدر دیا ہے تو اس کی عنایت و وفا کی حالت میں کس درجہ ہوگی۔

اور چوتھی نعمت یہ ملے گی کہ تو جوان رہے گا اور تیرے بال ہمیشہ کالے رہیں گے اور یہ نعمتیں یعنی جوانی اور بالوں کا ہمیشہ کالا رہنا وغیرہ ہمارے نزدیک بہت

حقیر نعمتیں ہیں مگر میرا پالا ایک نادان بچے سے ہے اور بچوں کو یہی وعدہ پسند آتا ہے کہ اگر تو مکتب جاوے گا تو تجھے اخروٹ دوں گا حالانکہ علم کی نعمت کے سامنے ایک اخروٹ کی کیا حیثیت ہے۔

اِن وعدوں کو سُن کر فرعون کا دل کچھ کچھ اسلام کی طرف مائل ہوا اور اس نے کہا اچھا میں اپنی اہلیہ سے مشورہ کرلوں اس کے بعد وہ گھر گیا اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا۔

حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو مشورہ دیا وہ عجیب و غریب ہے اور مولانا نے کس پیارے انداز سے اسے بیان فرمایا ہے۔

فرعون کا اپنی اہلیہ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا سے اپنے اِسلام کے لیے مشورہ کرنا

بازؔ گُفت اُو اِیں سُخَن با آسِیَہ
گُفت جاں افشاں بریں اَے دِل سِیَہ

فرعون گھر گیا اور اپنی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہا سے یہ ماجرا بیان کیا اُنہوں نے کہا ارے اس وعدہ پر جان قربان کر دے۔

بس عنایتہا ست متنِ ایں مقال
زُود دَر یاب اَے شہِ نیکو خیال

یہ گفتگو بہت سی عنایات کی شرح ہے اور وہ عنایات اس کے واسطے بمنزلہ متن کے ہیں پس تو ان کو جلدی سے حاصل کرلے اور ہرگز مت چھوڑ۔

وقتِ کشت آمد زہے پُرسُود کشت

ایں بگفت و گریہ کرد و گرم گشت

کھیتی تیار ہے اور نہایت مُفید ہے اب تک جو وقت گذرا ہے سب بے سود گذرا یہ کہا اور زار زار رونے لگیں اور ان کو ایک جوش آگیا اور کہا تجھے مُبارک ہو اے گنجے! آفتاب تیرا تاج ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے تیری برائیوں کی پردہ پوشی کی اور تجھے دولتِ باطنی دینا چاہتے ہیں گنجے کا عیب تو معمولی ٹوپی چھپا سکتی ہے مگر تیرے عیوب کو تو حق تعالیٰ کی رحمت کا تاج چھپانا چاہتا ہے۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ اے فرعون! تو مشورہ نہ کر۔ تجھے تو اسی مجلس میں فوراً اس دعوت کو خوشی خوشی قبول کرلینا چاہیئے تھا۔ یہ بات جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے پیش کی ہے یہ ایسی ویسی بات تو نہ تھی جس میں تو مشورہ ڈھونڈتا ہے یہ تو ایسی بات تھی کہ سُورج جیسی رفیع المرتبت مخلوق کے کان میں پڑتی تو سر کے بل اس کو قبول کرنے کے لئے آسمان سے زمین پر آجاتا۔ تجھے معلوم ہے کہ یہ کیا وعدہ ہے اور کیا عطا ہے۔ اے فرعون! یہ رحمت تجھ پر خدا کی ایسی ہے جیسے ابلیس پر رحمت ہونے لگے۔ یہ حق تعالیٰ کا معمولی کرم نہیں کہ تجھ جیسے سرکش اور ظالم کو یاد فرمارہے ہیں۔ ارے! مجھے تو یہ تعجب ہے کہ اس کرم کو دیکھ کر خوشی سے تیرا پتہ کیوں نہیں پھٹ گیا اور وہ برقرار کیسے رہا۔ اگر تیرا پتہ خوشی سے پھٹ جاتا تو دونوں جہان سے تجھے حصہ مل جاتا۔ دُنیا میں نیک نامی اور آخرت میں نجات عطا ہوتی۔ مولانا

رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کا پتہ خدا تعالیٰ کی راہ میں غم یا خوشی سے پھٹ جاوے وہ شہید ہوتا ہے اور دونوں عالم کے منافع سے متمتع ہوتا ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ والوں کو نااہلوں سے پالا پڑتا ہے تو ان کو اپنے مذاق کے موافق بنانا چاہتے ہیں اور جب وہ ان کے مذاق کے موافق نہیں بنتے تو انھیں اذیتیں دینا شروع کر دیتے ہیں اللہ والوں کے آنسو جو زمین پر گرتے ہیں فرشتے ان کو اپنے منہ اور پروں پر ملتے ہیں اور حق تعالیٰ شہیدوں کے خون کے برابر انہیں وزن کرتے ہیں۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا نے فرعون سے کہا ؎

۱۔	اللہ اللہ زود بفروش و بخر	قطرۂ دِہ بحرِ پُر گوہر بہ بر
۲۔	اللہ اللہ ہیچ تاخیرے مکن	کہ زِ بحرِ لطف آمد ایں سخن
۳۔	اللہ اللہ زود بشتاب و بجو	چونکہ بحرِ رحمت ست غنیت جو
۴۔	اللہ اللہ گوئے شو بید ست و پا	تا شود چوگانِ موسیٰ پائے ترا
۵۔	اللہ اللہ تو گمانِ بد مبر	بر چنیں انعامِ عام اے بے خبر
۶۔	اللہ اللہ زود دریاب اے فتی	تا نگردی در غلط بینی فنا
۷۔	اللہ اللہ ترک کن ہستی خود	چونکہ خواندت ست بر وائے معتمد
۸۔	اللہ اللہ زود تر تعجیل کن	بر فروز از ایں بشارت بے سخن
۹۔	اللہ اللہ تاکنوں کشر باختستی	گرد ن اندر معصیت افراختستی
۱۰۔	اللہ اللہ چوں عنایت در رسید	بے توقف در وے آمیز اے عنید
۱۱۔	اللہ اللہ چونکہ عصیانات تو	اذہبی بالذ بروئیت شکر گو

۱۲۔	اللہ اللہ چوں زِ فضلت راہ داد	سر بخاکِ پائے اُو باید نہاد
۱۳۔	اللہ اللہ باچنیں کفرِ دو تو	چوں قبولت می کند اکرام او
۱۴۔	لطف آمد لطفِ اُو گم می شود	کاسفلے بر چرخِ ہفتم می شود
۱۵۔	خود کہ یابد باچنیں بازار را	کہ بیک گل میخری گلزار را
۱۶۔	دانہ را صد درختاں عوض	حبہ را آمد صد کان عوض

ترجمہ وتشریح

۱۔ حضرت آسیہؓ نے کہا اے فرعون! اللہ اللہ تو پس وپیش نہ کر اپنے ایک قطرہ کو فوراً دیدے تاکہ اس کے عوض میں اس رسولِ پاک سے دریا پا جاوے یعنی اپنے نفس کو جھکا دے اور تکبر سے اعراض نہ کر تاکہ دریائے قربِ حق سے تو مشرف ہو جاوے۔

۲۔ ایسی دولتِ عظمٰی کس قطرہ کو ملتی ہے کہ اسے خود سمندر طلب کرے یہ تجھ پر نہایت ہی شفقت ہے کہ تجھے اس اصرار کے ساتھ بلایا جا رہا ہے پس جبکہ دریا خود تجھے بلا رہا ہے تو کیوں دیر کرتا ہے جلد اپنے کو ان کے ہاتھوں پر فروخت کر دے کیونکہ دریائے لطف کی طرف تجھے دعوت دی جا رہی ہے۔

۳۔ ارے جلدی دوڑ اور اس دریا کو طلب کر کیونکہ وہ رحمت کا سمندر ہے کوئی معمولی ندی نہیں ہے۔

۴۔ ارے اگر تو بے دست وپا ہے اور اپنی ذاتی سعی سے اس دریا تک نہیں پہنچ سکتا تو اپنے کو حکمِ موسیٰ (علیہ السلام) کا بالکل مطیع کر دے اور تو چوگانِ

موسوی کے لیے گیند ہو جا وہ تیرا پاؤں ہو جاوے گا۔

۵. ارے جن انعامات کا تجھ سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو ان پر بدگمانی مت کر اور انہیں فریب دھوکہ مت سمجھ۔

۶. اللہ اللہ! ان انعامات کو جلد حاصل کر تاکہ تو غلط بینی سے دھوکہ کھا کر برباد نہ ہو۔

۷. اور جب حق تعالیٰ تجھے خود طلب کر رہے ہیں تو دیر مت کر جہاں تک ممکن ہو جلدی کر اور اپنی گردن خدا کے سامنے جھکا دے۔

۸. اللہ اللہ! جلد عمل کر اور اس بشارت سے خوش ہو جا۔

۹. اللہ اللہ! کب تک سرکشی کرتا رہے گا اور گردن تکبر سے اونچی رکھے گا۔

۱۰. اللہ اللہ! ذرا بھی توقف مت کر اور جلد محبوبِ حقیقی سے مل جا۔

۱۱. اللہ اللہ! جب وہ اللہ تجھے تیرے گناہوں پر شرمندہ نہیں کر رہا ہے تو اس کا شکر ادا کر۔

۱۲. اللہ اللہ! جب خدا تجھے اپنے فضل سے اپنے تک رسائی کا راستہ دے رہا ہے تو حضرتِ حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے گردن جھکا دے۔

۱۳. اللہ اللہ! دیکھ تو سہی کہ اے فرعون اس قدر تیرے کفرِ عظیم کے باوجود اس کا اکرام تجھے کیونکر قبول کر رہا ہے کیا یہ انعام و عطائے شاہی قابلِ قدر نہیں۔

۱۴. اب مولانا جوش میں آکر فرماتے ہیں کہ تمام الطاف اس کے لطف کے سامنے ہیچ ہیں کیونکہ ایک خاکی فلکِ ہفتم تک پہنچ جاتا ہے اور ناسوتی ملکوتی بن جاتا ہے حالانکہ ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

۱۵۔ اور حضرت آسیہؓ نے کہا کہ اے فرعون ایسا عجیب بازار کس کے ہاتھ لگتا ہے کہ ایک گُل کے عوض گلزار ملتا ہو۔

۱۶۔ اور ایسا بازار کہ ایک دانے کے عوض سو درخت ملتے ہوں اور ایک حبہ کے عوض سیکڑوں کانیں عطا ہوتی ہوں۔

یہ ساری تقریر سُن کر فرعون نے کہا اچھا ہم اپنے وزیر ہامان سے بھی مشورہ لے لیں۔

حضرت آسیہؓ نے کہا کہ اس سے یہ بیان نہ کرو کہ وہ اس کا اہل نہیں بھلا اندھی بڑھیا بازِ شاہی کی قدر کیا جانے لیکن فرعون نہ مانا اور ہامان سے مشورہ لیا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ نااہل کے مشیر بھی نااہل ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے اور ابوجہل کا مشیر ابولہب تھا۔ ہر شخص اپنے ہم جنس سے مشورہ لینا پسند کرتا ہے۔

الغرض فرعون کی باتیں ہامان نے جب سنیں تو بہت اُچھلا کودا اور غم سے اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور شور مچانا رونا دھونا شروع کیا اور ٹوپی وعمامہ کو زمین پر پٹک دیا اور کہا ہائے حضور کی شان میں موسیٰ (علیہ السلام) نے ایسی گستاخی کی۔ آپ کی شان تو یہ ہے کہ تمام کائنات آپ کی مسخر ہے۔ مشرق سے مغرب تک سب آپ کے پاس خراج لاتے ہیں اور سلاطین آپ کے آستانہ کی خاک بخوشی چومتے ہیں۔ انھوں نے آپ کی سخت توہین کی۔ آپ تو خود پوری دُنیا کے لئے مسجود اور معبود بنے ہیں اور آپ ان کی بات مان کر ایک ادنیٰ غلام

بننا چاہتے ہیں۔ آپ خُدا ہو کر اپنے ہی بندہ کا بندہ بننے کے لئے مشورہ کرتے ہیں میرے نزدیک تو ہزاروں آگ میں جلنا اس توہین سے بہتر ہے۔ اگر آپ کو اسلام کی دعوت قبول ہی کرنا ہے تو ہمیں پہلے ہی مار ڈالئے تاکہ میں حضور کی یہ توہین اپنی آنکھ سے نہ دیکھوں آپ میری گردن فوراً ماردیں کہ مَیں اس منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا کہ آسمان زمین بن جاوے اور خُدا بندہ بن جاوے یعنی ہمارے غلام ہمارے آقا بن جاویں اور ہم ان کے غلام بن جاویں۔

اب مولانا اس ہامان بے ایمان کو ڈانٹ پلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے ہامان مردود! کتنی ایسی حکومتیں جو مشرق تا مغرب پھیلی تھیں مگر خُدا کے قہر سے آج ان کا نام و نشان نہیں ہے گویا کہ یہاں کوئی بستی ہی نہ تھی۔ مشرق و مغرب تو خود باقی رہنے والے نہیں ہیں تو یہ دوسروں کو کس طرح باقی رکھ سکتے ہیں۔

ایں تکبّر زہرِ قاتل داں کہ ہست ۔۔۔ از مئے پُر زہر گشت آں گیج و مست

یہ تکبّر جو ہامان میں تھا زہرِ قاتل تھا اور اسی زہر آلود شراب سے ہامان بدمست ہو کر احمق ہو گیا تھا اور اس ملعون کے مشورہ سے فرعون نے قبولِ حق سے انکار کر کے خود کو دائمی رسوائی و عذاب کے حوالہ کر دیا۔ حق تعالیٰ ہم سب کو استنکاف اور تکبّر سے محفوظ فرمادیں۔ آمین۔

جب فرعون ہامان کے بہکانے میں آگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ ہم نے تو بہت سخاوت اور عنایت کی تھی مگر تیری قسمت ہی میں نہ تھی ہم کیا کریں۔

حکایتِ مجنوں اور اس کی ناقہ کی

ایک دفعہ مجنوں اونٹنی پر سوار لیلیٰ کی طرف جا رہا تھا لیکن جب لیلیٰ کے خیال میں مستغرق ہو کر بیخودی کی حالت ہو جاتی تو مجنوں کے ہاتھ سے مہار کی گرفت ڈھیلی ہو جاتی تو اونٹنی لیلیٰ کی طرف چلنے کے بجائے فوراً اپنا رُخ مجنوں کے گھر کی طرف کرتی کیونکہ گھر پر اس اونٹنی کا بچہ تھا جس کی محبت اس کو بے چین کیے تھی. جب مجنوں کو عالمِ بے خودی سے افاقہ ہوتا تو یہ منظر دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہوتا کہ جہاں سے چلا تھا پھر وہاں ہی آ پہنچا اور دوبارہ اونٹنی کو لیلیٰ کی طرف چلنے پر مجبور کرتا۔ اِس طرح متعدد بار راستہ میں یہی ہوا کہ تھوڑی دیر میں لیلیٰ کا خیال اس پر غالب آتا اور بیخودی طاری ہو جاتی اور پھر اونٹنی کافی پیچھے بھاگ آتی۔ بالآخر مجنوں کو غصہ آ گیا اور اُس نے کہا کہ میری لیلیٰ تو آگے ہے اور اس اونٹنی کی لیلیٰ پیچھے ہے یعنی اس کے بچّہ کی یاد اُسے پیچھے بھاگنے پر مجبور کرتی ہے اس لیے یہ راستہ عِشق کا طے نہیں ہو سکتا اور مَیں محبوب کی منزل تک تمام عمر نہ پہنچ سکوں گا پس اوپر ہی سے کود پڑا اور اس کی ایک ٹانگ بھی ٹوٹ گئی۔

جَانْ زِ ہِجْرِ عَرْش اَنْدَرْ فَاقَہْ   تَنْ زِ عِشْقِ خَارْبُنْ چُوْں نَاقَہْ

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جان صاحبِ عرش (محبوب حقیقی تعالیٰ شانہٗ) کی جُدائی میں فاقہ زدہ ہے اور جسم اپنے اسبابِ عیش کی جستجو میں مثل اونٹنی کے سمت مُخالف کو جاتا ہے۔

پائے را بربست گفتا گو شوم
در خمِ چوگانش غلطاں می روم

مجنوں نے پاؤں باندھ کر کہا اَب میں گیند بن جاتا ہوں اور لیلیٰ کی کششِ عشق کے چوگان سے لڑھکتا ہوا چلوں گا۔

(نوٹ) چوگان اس لکڑی کو کہتے ہیں جس سے گیند کھیلتے ہیں اس کو ہاکی بھی کہتے ہیں۔

عشقِ مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　گوئے گشتن بہرِ اُو اَولیٰ بود

مولانا اب نصیحت اور نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ اس واقعہ سے ہم کو یہ سبق لینا چاہیئے کہ لیلیٰ ایک سڑنے والی لاش کی محبت میں تو مجنوں کو اس قدر ہمت اور عقل ہوا اور ہم مولیٰ کے عاشقین کہلاتے ہیں تو مولیٰ کا عشق لیلیٰ سے کب کم ہو سکتا ہے۔ ان کے لئے تو گیند بن جانا زیادہ اولیٰ ہے۔

فائدہ: اس وقت ہمارے تغافل اور آخرت سے لاپروائی کا بڑا سبب یہی ہے کہ ہماری روح اور عقل تو خدا کی طرف چلنا چاہتی ہے لیکن ہمارا نفس دُنیا کی حرص و محبت میں مجنوں ہو کر دُنیا کی طرف بھاگتا ہے۔ نفس سے ہمہ وقت یہی جنگ ہے آخرت اور دُنیا دو لیلیٰ سے ہمارا پالا پڑا ہے بس جو لیلیٰ باقی ہے اس کو لے لو اور جو لیلیٰ فانی ہے اس پر صبر کر لو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دُنیا کو ترک کر دو اور جنگل بھاگ جاؤ۔ یہ تو جہالت ہے بس آخرت کو دُنیا پر غالب کر لو۔ یہی کافی ہے لیکن اس کی ہمت کسی اللہ والے کی محبت اور اس کی غلامی ہی سے عطا ہوتی ہے۔

حکایت ایک شخص کا دِن میں چراغ لے کر پھرنا۔

ایک شخص دن کی روشنی میں چراغ لے کر بازار کے اطراف وجوانب میں پھر رہا تھا۔

کسی شخص نے کہا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے کہ دِن کی روشنی میں چراغ کی ضرورت پیش آرہی ہے۔

اس نے کہا کہ میں ہر طرف آدمی ڈھونڈتا ہوں مجھے کوئی آدمی نہیں ملتا۔

اس نے جواب دیا کہ آدمیوں سے تو یہ بازار ہی بھرا پڑا ہے۔

اس نے کہا کہ ؎

اِیں نہ مَرْدَانَنْد اِیں ہا صُورَت اَنْد
مُرْدَۂِ نَانَنْد وکُشْتَۂِ شَہْوَتَنْد

اس نے کہا کہ اس بازار میں کوئی مرد نہیں ہے صرف صورت مرد کی سی ہے یہ سب روٹی اور خواہشاتِ نفسانیہ کے مارے ہوئے ہیں۔

اِیں کہ مِی بِیْنِی خِلَافِ آدَم اَنْد — نِیْسْتَنْد آدَم غِلَافِ آدَم اَنْد

اے مخاطب اس بازار میں تو جن انسانوں کو دیکھتا ہے یہ سب خصائلِ انسانیت اور آدمیت کے خلاف ہیں یہ آدمی نہیں ہیں صرف آدمیت کے غلاف میں نظر آرہے ہیں۔

آدمی را آدمیت لازم است　　عود را گر بو نباشد ہیزم است

آدمی کے لئے صفاتِ آدمیت ضروری ہیں اگر عود جو ایک خوشبودار لکڑی ہے اس میں خوشبو عود کی نہ ہو تو پھر اس میں اور عام ایندھن کی لکڑیوں میں کیا فرق ہے ایسے عود بے خوشبو کو بھی ایندھن ہی کہو۔

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست
آدمیت جز رضائے دوست نیست

آدمیت اور انسانیت گوشت اور چربی اور پوست (کھال) کا نام نہیں ہے۔ آدمیت اُن صفات اور اخلاق و اعمال کا نام ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

گر بصورت آدمی انسان بُدے　　احمد و بوجہل ہم یکساں شدے

ترجمہ: اگر آدمیت صرف انسانی صورت کا نام ہو تو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل یکساں ہوتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

فائدہ: اگر اس معیار و نظریہ پر ہر شخص اپنی انسانیت اور آدمیت کا جائزہ لے تو روئے زمین پر صرف اللہ والے ہی آدمی نظر آئیں گے۔ باقی تمام دُنیائے انسانیت جو صرف کھانے اور ہگنے میں اور ان مقاصد کے ذرائع اور وسائل کی ترقی میں مشغول ہے اور زیستن برائے خوردن ہی اس کا منتہائے مقصد اور مبلغِ علم ہے تو اس کی بلند مقامی کی تشریح کے لئے سب سے موزوں مثال یہی سمجھ میں آتی ہے کہ جس طرح آٹے کی ایک مشین ہے جس کے ایک سرے میں گندم ڈالتے ہیں اور دوسرے سرے سے آٹا نکالتے ہیں اور اس کا نام آٹے کی

مشین رکھتے ہیں اسی طرح زندگی کو محض کھانا اور ہگنا سمجھنے والے ایک مشین ہیں جن کے ایک سرے میں روٹی ڈالی جاتی ہے اور دوسرے سرے سے پاخانہ نکلتا ہے تو یہ گُو بنانے کی مشین ہوئے یعنی اپنی زندگی کو صرف کھانے اور ہگنے کے لئے سمجھنا گویا اپنے کو پاخانہ بنانے کی مشین قرار دینا ہے۔ خدا تعالیٰ اس احمقانہ نظریہ سے محفوظ فرمادیں۔

مولانا کے ان مضامین سے کہ آدمیت نام گوشت چربی اور انسانی کھال کا نہیں بلکہ رضائے دوست کا نام ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جس کو حاصل ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ ــــــ رضائے الٰہی کے اعمال و اخلاق سے آراستہ ہو اور ناراضگی حق کے اعمال سے حفاظت و تقویٰ حاصل ہو ایسا آدمی بے شک آدم والا ہے یعنی نسبت کا مفہوم اس میں موجود ہے اور آدم علیہ السلام کی خاص صفت رَبَّنَا ظَلَمْنَا تھی یعنی اپنے قصور پر آپ طویل عمر روتے رہے حتیٰ کہ آپ کے آنسوؤں سے چھوٹے چھوٹے چشمے ہوگئے اور انھیں سے خوشبودار پھول گلاب۔ بیلا وغیرہ پیدا کئے گئے جیسا کہ اس کی روایت تفسیر علی مہائمی میں موجود ہے۔ پس مولانا فرماتے ہیں۔

آنکہ فرزندانِ خاصِ آدمَ اند　　نفحۂ اِنّا ظَلَمْنَا مِیدمند

جو لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی خاص اولاد ہیں وہ اپنے باپ کے طریقے پر اپنے رب سے اپنی خطاؤں پر رَبَّنَا ظَلَمْنَا کی آواز بلند کرتے ہیں یعنی گڑگڑا کر معافی مانگتے ہیں۔

مولانا کے اس بیان کردہ نظریہ پر بڑے بڑے بنگلے اور کار والوں کا اپنے

متعلق بڑے آدمی یا چھوٹے آدمی کا فیصلہ کرنا تو درکنار نفسِ آدمی ہونا بھی خطرہ میں نظر آوے گا۔ بڑا آدمی وہی ہے جس نے مولیٰ کو راضی کر رکھا ہے۔ میدانِ محشر میں کسی کی چاند جوتوں سے گنجی کی جارہی ہو اور وہاں کوئی کہے کہ یہ بڑے آدمی ہیں ان کے پاس ۲ ہزار گز کا بنگلہ اور تین کاریں اور تین فیکٹریاں تھیں تو ایسے بڑے آدمی بننے سے کیا فائدہ کہ پردیس کا رئیس اور وطنِ آخرت کا بھنگی اور قلاش ہو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم جانتے ہو کہ بڑے آدمی کون ہیں پھر فرمایا کہ بڑے آدمی اَصْحَابُ اللَّیْلِ اَوْ حَمَلَۃُ الْقُرْاٰنِ ہیں یعنی راتوں کو اُٹھنے والے۔ تہجد گذار اور حافظِ قرآن مگر حاملینِ قرآن کا عنوان بتاتا ہے کہ قرآن ان کی عملی زندگی بن چکا ہو محض زبان پر نہ ہو ورنہ حَفَظَۃُ الْقُرْاٰنِ فرمایا گیا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح آدمیت اور انسانیت کا مصداق بنادیں۔ آمین اور بابا آدم علیہ السلام کی نسبت کا صحیح مفہوم اور اس کی صحیح روح ہمارے لحم و شحم اور پوست میں داخل فرمادیں۔ آمین۔

حکایت اس غلام کی جو مسجد سے باہر نہیں آرہا تھا

ایک امیر کا ایک غلام بہت دیندار تھا اس کا نام سنقر تھا یہ امیر اپنے غلام سنقر کے ہمراہ کسی ضرورت سے جارہا تھا کہ راستے میں ایک مسجد سے اذان

کی آواز سُنائی دی سنقر نے امیر سے کہا کہ آپ میرا انتظار کریں میں نماز ادا کرلوں۔

رفت سنقر میر بردکان نشست　　منتظر از بادۂ پندار مست

سنقر مسجد گیا اور وہ رئیس تکبر کے نشے میں مست ایک دوکان پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔

چوں امام و قوم بیروں آمدند　　از نماز و وِردہا فارغ شدند

جب امام اور قوم نماز اور وِرد سے فارغ ہوکر مسجد سے باہر آگئے اور سنقر مسجد میں رہ گیا تو رئیس نے آواز دی اور کہا ع

گفت اے سنقر چرا ناتی بروں

اے سنقر تو باہر کیوں نہیں آتا تجھ کو کس نے مسجد میں روک لیا

سنقر نے جواب دیا

گفت آنکہ بستہ استت از بروں
بستہ است اُو ہم مرا از اندروں

اے امیر تجھ کو جو باہر سے اندر نہیں آنے رہا ہے وہی مجھے اندر سے باہر نہیں آنے دے رہا ہے۔ یعنی اس غلام کو اس وقت حق تعالیٰ کا خاص قرب عطا ہو رہا تھا اور وہ مناجات اور ذکر میں مصروف تھا۔

آنکہ نگذارد ترا کائی درون　　می نہ بگذارد مرا کایم بروں

غُلام نے کہا اے امیر! جو ذات کہ تجھے اندر آنے کے لئے نہیں چھوڑ رہی ہے اور تو مسجد سے باہر دوکان پر بیٹھا میرا منتظر ہے وہی ذات مجھے نہیں چھوڑتی ہے کہ میں مسجد سے باہر آؤں ـــــ حق تعالیٰ جسے اپنا بناتے ہیں اس کے

یہی آثار و علامات ہوتے ہیں۔

ماہیان را بحر نگذارد بروں　　خاکیاں را بحر نگذارد دروں

مچھلیوں کو سمندر باہر آنے کے لئے نہیں چھوڑتا اور خاکیوں کو سمندر اندر آنے کی اجازت نہیں دیتا۔

اصلِ ماہی ز آب و حیواں از گِل ست
حیلہ و تدبیر اینجا باطل است

مچھلی کی اصل اور ذات ہی پانی سے ہے اور دوسرے جانوروں کا تعلق خاک سے ہے پس پانی غیروں کو کب قبول کر سکتا ہے یہاں حیلہ اور تدبیر باطل ہے البتہ حق تعالیٰ کی نصرت اعانت سے یہی خاکی ماہیان بحرِ پاکِ کبریا کے مصداق بنتے ہیں۔

قفل زفت است و کشاینده خدا　　دست در تسلیم زن و اندر رضا

گمراہی کا قفل مضبوط ہے اور بابِ ہدایت کا کھولنے والا خدا ہے۔ رضا و تسلیم کی دولت حاصل کرو جس کے لئے تضرع و زاری لازم ہے تکبر سے اور تدبیر پر ناز کرنے سے یہ راستہ نہیں کھلے گا۔

ذرہ ذرہ گر شود مفتاحہا　　ایں کشایش نیست جز از کبریا

اگر عالم کا ذرہ ذرہ مفتاح (کنجی) بن جاوے پھر بھی ہدایت کے دروازوں کو بجز ذاتِ کبریا کے دوسرا کون کھول سکتا ہے۔

فائدہ : حاصلِ حکایت یہ ہے کہ توفیقِ اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے علوم و تدابیر اور عقل پر ناز کرنے سے یہ راستہ نہیں کھلے گا۔

صرف فضل وکرم اور رحمت الٰہیہ ہی سے راستہ ملتا ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ آہ وزاری اور دُعا کرنا اور مقبولین سے دُعا کی درخواست کرتے رہنا ہے۔

نوٹ: غلام پر اس وقت خاص کیفیت طاری تھی جس سے وہ مغلوبُ الحال ہو رہا تھا اور مغلوبُ الحال شرعاً حقوق العباد میں معذور ہوتا ہے۔

حکایتِ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گریز احمق سے

ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی طرف بھاگ رہے تھے کہ آپؑ کے ایک اُمتی نے بلند آواز سے پکارا اور کہا اے خدا کے رسُول آپ کہاں اس طرح تشریف لے جارہے ہیں۔ وجہ خوف کیا ہے آپؑ کے پیچھے کوئی دشمن بھی تو نظر نہیں آتا۔ ارشاد فرمایا۔

گُفت از اَحمق گُریزانم بُرو		مَی رَہانم خویش را بندم مشو

فرمایا کہ احمق سے بھاگتا ہوں میں۔ تو جا اپنا کام کر میں اپنے کو احمق کی صحبت سے خلاصی دینا چاہتا ہوں تو میرے بھاگنے میں خلل مت ڈال۔

گُفت آخر آں مَسیحا نہ توئی		کہ شَوَد کور و کر از تو مُستوی

اُمتی نے کہا اے خُدا کے رسول آپؑ کیا وہ مسیحا نہیں ہیں جن کی برکت سے اندھا اور بہرا شفایاب ہوجاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔

گفت رنجِ احمقی قہرِ خدا است　　رنجِ کوری نیست قہر آں ابتلا است

حماقت کی بیماری خدائی قہر ہے اور اندھا ہونا یہ قہر نہیں ابتلاء ہے۔

ابتلاء رنجیست کاں رحم آورد
احمقی رنجیست کاں زخم آورد

اور ابتلا ایسی بیماری ہے جو حق تعالیٰ کی رحمت لاتی ہے اور حماقت ایسی بیماری ہے جو زخم قہر لاتی ہے۔

زاحمقاں بگریز چوں عیسیٰ گریخت
صحبتِ احمق بسے خونہا بریخت

احمقوں سے بھاگو اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی طرح سے گریز اختیار کرو۔ احمق کی دوستی اور اس کی صحبت سے بہت خونریزیاں ہوئی ہیں یعنی دین اور دُنیا دونوں ہی کا خون ہوتا ہے۔

اندک اندک آب را دُزدد ہوا
واینچنیں دُزدد ہم احمق از شما

جس طرح ہوا پانی کو آہستہ آہستہ جذب کرلیتی ہے اسی طرح احمق تم سے تمہاری عقل کے نور کو آہستہ آہستہ جذب کرلے گا۔

آں گریزِ عیسوی نز بیم بود
ایمن ست او آں پئے تعلیم بود

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا یہ گریز بسببِ خوف نہ تھا آپ توفضلِ خداوندی سے معصوم اور محفوظ تھے آپ نے یہ عمل تعلیمِ اُمّت کے لئے کیا تھا۔

زمہریر ار او پُر کُنَد آفاق را — چہ غم آن خورشید با اشراق را

اگر تمام جہان سخت سردی سے پُر ہوجاوے تو آفتابِ روشن کو اس سے کیا غم ہوسکتا ہے۔ یعنی کسی فردِ واحد کی حماقت چہ معنیٰ اگر سارا جہان ہی احمقوں سے بھر جاوے تو بھی خدا کے رسُول کو کوئی ضرر نہیں ہوسکتا۔

فائدہ: اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ احمقوں کی صحبت سے ہمیشہ دور رہے اور قرآن کی اصطلاح میں احمق وہ ہیں جو اللہ و رسُولؐ اور ان کے ارشادات کا مذاق اڑاتے ہیں۔

كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ (پارہ اوّل : رکوع ۲)

ترجمہ: یاد رکھو بے شک یہی ہیں بے وقوف لیکن اپنی بیوقوفی کا علم نہیں رکھتے۔ اسی غیر شعوری حماقت کے سبب یہ لوگ اپنے کو عقلائے زمانہ دانشوروں کی جماعت اور مفکّرین و فلاسفہ کے لقب سے منسوب کرتے ہیں لیکن عقل کی بین الاقوامی تعریف انجام بینی اور نتیجہ پر نظر رکھنا ہے اور اس سے یہ لوگ تہیدست ہیں یعنی انجام مابعد الموت کی انہیں مطلق پروا نہیں اِسی لئے اِن کے بارے میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ (سورۃ الروم آیت ۷)

یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ٹھاٹ باٹ کی سوچتے ہیں اور آخرت سے یہ لوگ غافل ہیں بس دُنیا ہی ان کا مبلغِ علم ہے ایسے لوگوں کی صحبت سے

بھی بچنا چاہیے مگر یہ کہ کسی دنیوی ضرورت سے ملا جاوے تو ضرورت پر تو بیت الخلاء میں بھی ناک دبا کر بیٹھنا ہی پڑتا ہے لیکن اس سے دِل نہیں لگاتے۔ پس دُنیا اور اہلِ دُنیا سے دل نہ لگاؤ۔

آب دَر کشتی ہلاکِ کشتی اَست — آب اَندر زیرِ کشتی پُشتی اَست

دُنیا میں گذر کرنے کا طریقہ مولانا نے اس شعر میں بیان فرما دیا کہ دُنیا میں اِس طرح رہو جیسے کشتی پانی میں کہ پانی کشتی کی روانی کا سبب اسی وقت تک ہے جب تک وہ نیچے رہے اور کشتی میں داخل نہ ہو اور اگر پانی اندر داخل ہونے لگے تو کشتی کی ہلاکت کا آغاز بھی شروع ہو جاوے گا۔ اِس طرح دُنیا کو آخرت کے نیچے رکھو یعنی مقصودِ آخرت رہے اور دُنیا کو اس کے لیے مُعین سمجھو لیکن اگر دُنیا آخرت پر غالب آنے لگے تو سمجھ لو کہ اب یہی دُنیا بجائے معین اور مُفید ہونے کے تُمھاری ہلاکت کا نقطۂ آغاز شروع کر رہی ہے اگر نہ سنبھلے تو رفتہ رفتہ ہلاکتِ کُلّی کا دِن بھی دیکھنا پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھیں احمقوں کی صُحبت سے اور حُبِّ دُنیا کے غالب آنے سے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا مناجات مقبول

(الحدیث)

ترجمہ: اَے اللہ! مت کر دُنیا مقصودِ اعظم ہمارا اور نہ انتہا ہماری معلومات کی اور نہ انتہا ہماری رغبت کی اور نہ مُسلّط فرما ہم پر ان کو جو ہم پر

رحم نہ کریں۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ

وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ (الحدیث) (جامع ترمذی ص۱۹۷ ج۲)

ترجمہ: اے اللہ کر دے اپنی محبت زیادہ محبوب مجھے میری جان سے اور اہل وعیال سے اور ٹھنڈے پانی سے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

اوپر اس مضمون کا کہ نہ مسلّط فرما ہمارے اوپر اُن کو جو ہم پر رحم نہ کریں اپنے ماقبل سے ایک خاص ربط ہے یعنی اگر دُنیا مقصودِ اعظم اور انتہا مبلغِ علم اور انتہائی مرغوب ہو جاوے گی تو اس کی پاداش میں ہم پر بے رحم حکمران مُسلّط کر دیئے جاویں گے۔

حکایت

دو۲ ماہ کے بچّے کا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے کلام کرنا

کافروں کی ایک عورت دو ماہ کا بچّہ گود میں لیے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بغرضِ آزمائش اور امتحان حاضر ہوئی۔ اس دو۲ ماہ کے بچّے نے کہا۔

گُفْت کُودَکْ سَلَّمَ اللّٰہُ عَلَیْک

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ جِئْنَا اِلَیْک

اس بچّہ نے کہا یا رسُول اللہ السّلام علیکم ہم آپ کی خِدمت میں حاضر ہو گئے۔

مادرش از خشم گفتش ہین خموش
کیست افگند ایں شہادت را بگوش

غصہ سے اس کی ماں نے کہا خبردار خاموش ہو یہ گواہی تیرے کان میں کس نے سکھادی؟

گفت کو گفتا کہ بالائے سرت | می نہ بینی کن ببالا منظرت

بچہ نے کہا اے ماں اپنے سر کے اوپر تو نہیں دیکھتی ہے تو اوپر تو دیکھو۔

ایستادہ بر سرِ تو جبرئیل | مر مرا گشتہ بصد گونہ دلیل

اے ماں! تیرے سر کے اوپر جبرئیل علیہ السلام کھڑے ہوتے جو مجھے سیکڑوں دلائل کے قائم مقام ہیں۔

گفت می بینی تو گفتا کہ بلے | بر سرت تابان چو بدرِ کاملے

بچہ نے کہا تو دیکھتی ہے جلد کہہ کہ ہاں تیرے اوپر مثل بدرِ کامل کے وہ فرشتہ ہے

می بیاموزد مرا وصفِ رسول | زاں علوم می رہاند زیں سفول

وہ فرشتہ مجھے وصفِ رسول سکھا رہا ہے اور کفر و شرک کے ناپاک علوم سے خلاصی و رہائی دلا رہا ہے۔

پس رسولش گفت اے طفلِ رضیع
چیست نامت باز گو و شو مطیع

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے دودھ پیتے بچے یہ بتا کہ تیرا نام کیا ہے اور میرے امر کی تو اطاعت کر۔

گفت نامم پیشِ حق عبد العزیز | عبد عزّیٰ پیشِ ایں یکمشت حیز

بچّے نے کہا میرا نام حق تعالیٰ کے نزدیک عبدالعزیز ہے مگر ان تھوڑے سے ذلیل مشرکین نے میرا نام عبدعزّیٰ رکھا ہے۔

(حیز لغت میں مخنث۔ نامرد۔ ذلیل کو کہتے ہیں)

مَنْ زِعُزّٰی پاک و بیزار و بَرِی　　حقِّ آنکہ دادت اُو پیغمبری

میں اس عزّیٰ بُت سے پاک اور بیزار اور بری ہوں صدقے میں اس ذات پاک کے جس نے آپ کو پیغمبری بخشی ہے۔

پس حنوطِ آدم زجنت در رسید
تا دماغِ طفل و مادر بو کشید

پس جنت سے اسی وقت ایسی خوشبو آئی جس نے بچّے اور ماں کے دماغ کو معطر کر دیا۔

آں کسے را خود خدا حافظ بود　　مرغ و ماہی مرورا حارس شود

جس شخص کا خدا خود نگہبان ہو اس کا تحفّظ مرغ و ماہی بھی کرتے ہیں۔ بچّہ کے ساتھ ساتھ ماں بھی ایمان و اسلام کی دولت سے مشرف ہوگئی اور اس نے اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ لیا۔

حکایت

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا موزہ لے جانا عقاب کا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار وضو کے بعد موزہ پہننے کا قصد فرمایا

لیکن دیکھا کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا موزہ ایک عقاب اُڑا لے گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حیرانی ہوئی اور رنج بھی ہوا لیکن تھوڑے ہی وقفہ بعد دیکھا کہ عقاب نے موزہ کا مُنہ زمین کی طرف کیا جس سے ایک سیاہ سانپ گرا اور اس عمل کے بعد عقاب نے موزہ رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا۔

اَز ضرُورت کَردَم اِیں گستاخیے　　مَن زِ اَدَب دَارَم شکستہ شاخیے

اے رسُولِ خُدا صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اسی ضرورت سے یہ گُستاخی کی تھی کہ اس کے اندر سانپ گھُسا ہوا تھا۔ مجھے حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور فرمایا ورنہ میری کیا مجال تھی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سراپا ادب اور شکستہ بازو ہوں۔

پَس رَسُولش شُکر کَرد و گُفت ما
اِیں جفا دِیدِیم و بُود آں خُود وفا

حضُور صلی اللہ علیہ وسلم خُدا کا شکر بجالائے اور فرمایا ہم نے جس حادثہ کو باعث صدمہ سمجھا وہ دراصل وفا اور باعثِ رحمت تھا۔

مُوزہ بِربُودِی وَ مَن دَرہَم شُدَم　　تو غَمَم بُردِی وَ مَن دَر غَم شُدَم

اَے عقاب تُو نے موزہ کو اُڑا لیا اور میں ناراض ہوا تو نے میرا غم اُڑایا تھا اور میں نے اس کو اپنے لئے باعثِ غم سمجھا تھا۔

عقاب نے کہا کہ اس واقعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خُدا نے درسِ عبرت بنایا ہے۔

عِبرَت اَست اِیں قصّہ اَے جَانِ مَر تَرا
تا شَوِی رَاضِی تُو دَر حُکمِ خُدا

اے محبُوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اس قصّہ میں عبرتِ خداوندی ہے تاکہ

آپ ہر حکمِ خدا میں راضی رہیں اور اس کو اپنے لیے خیر تصور فرمائیں۔

تا کہ زیرک باشی و نیکو گماں — چوں نہ بینی واقعہ بد نا گہاں

تا کہ آپ عملِ رضا بالقضا کو نیک گمان کے ساتھ کریں جب کبھی کوئی واقعہ خلافِ طبع پیش آئے۔

ہر چہ از تو یاوہ گردد از قضا — تو یقیں داں کہ خریدت از بلا

جو کچھ کہ فیصلہ الٰہی سے بظاہر نقصان نظر آتے تو یقین کریں کہ وہ آپ کی بلا خریدنے والا ہے۔

گر بلا آید اندہ مبر — ور زیاں بینی غمِ آں ہم مخور

اگر کوئی بلا آئے تو آپ رنج نہ کریں اور کسی نقصان سے آپ غمگین نہ ہوں۔

کاں بلا دفعِ بلاہائے بزرگ — واں زیاں منعِ زیانہائے بزرگ

کیونکہ وہ بلا جو آتی ہے کسی بڑی بلا کی دافع ہے اور وہ نقصان جو پیش آیا ہے کسی بڑے نقصان کا مانع ہے یعنی یہ آئی ہوئی مصیبت کسی بڑی مصیبت سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

مار در موزہ بہ بینم در ہوا — نیست از من عکسِ تست اے مصطفےٰ

اور عقاب نے کہا کہ میں نے ہوا میں اڑتے ہوئے موزہ میں سانپ دیکھ لیا تو یہ میرا کمال نہیں اے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ ہی کے نور اور روشنی کا فیضان اور عکس تھا اور حق تعالیٰ نے اس خاص حکمت کی تعلیم کے لیے اس سانپ کو آپ سے مخفی رکھا۔

فائدہ: اس واقعہ میں جو نصیحت ہے واضح ہے کہ کسی مصیبت سے گھبرانا نہ

چاہیئے اور یہ سوچنا چاہیئے کہ یہ کسی بڑی مصیبت کے دور کرنے کے لئے آئی ہے — یعنی عافیت کی دعا اور تدبیر بھی مطلوب ہے اور رضا و تسلیم بھی مطلوب ہے۔ لیکن رضا و تسلیم کے لئے فی الجملہ کسی حکمتِ مفیدہ کا تصور معین بن جاتا ہے۔

حکایت

ایک بادشاہ اور اس کی محبوبہ کی

ایک بادشاہ شکار کرنے نکلا راہ میں ایک لونڈی کے حسن پر فریفتہ ہوگیا اور خرید کر محل شاہی واپس آیا۔ شکار کرنے گیا تھا مگر خود شکار ہوگیا۔

یہ لونڈی سمرقند کے ایک سنار (صرّاف) کے لڑکے پر عاشق تھی۔ بادشاہ کے یہاں آکر اس کی جدائی سے گھلنے لگی اور عشق کی بیماری سے ہڈی چمڑہ رہ گئی۔ بادشاہ اس کے غم سے جاں بلب ہوا طبیبوں کو جمع کیا۔ علاج کے لئے ہر انعام و اکرامِ شاہی کا وعدہ کیا اور کہا کہ میری زندگی بچاؤ کہ اگر یہ مرگئی تو سمجھ لو کہ میں بھی مر گیا۔ طبیبوں نے بدون انشاء اللہ کہے ہوئے دعویٰ کیا کہ ہم بہت جلد اس بیمار لونڈی کو اچھا کردیں گے۔ لیکن ان کی ہر دوا الٹا اثر کرنے لگی اور

چون قضا آید طبیب ابلہ شود — آن دوا و نفع خود گمرہ شود

جب بیمار کی قضا آتی ہے تو طبیب بھی بیوقوف ہوجاتا ہے اور اس کی دوا بھی اپنے نفع میں برعکس راستہ اختیار کرتی ہے۔

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود
روغنِ بادام خشکی می نمود

تقدیر سے سکنجبین صفرا بڑھا رہا تھا اور روغنِ بادام خشکی میں اور اضافہ کر رہا تھا یعنی ہر دوا مخالف اور اصولِ علاج ناکارہ ثابت ہو رہا تھا۔

بالآخر طبیبوں کی رسوائی ہوئی اور عقل اور تجربہ کا دعویٰ ٹھکانے لگ گیا اور اپنی عاجزی اور مایوسی کا اظہار کر کے روسیاہ ہوئے

شہ چوں عجزِ آں طبیباں را بدید
پا برہنہ جانبِ مسجد دوید

شاہ نے جب طبیبوں کی عاجزی اور مایوسی دیکھ لی تو ننگے پاؤں مسجد کی طرف دوڑا۔

رفت در مسجد سوئے محراب شد
سجدہ گاہ از اشکِ شہ پُر آب شد

مسجد گیا اور محراب کی طرف دوڑا اور سجدہ میں گر کر اس قدر رویا کہ سجدہ گاہ شاہ کے آنسوؤں سے پُرآب ہوگئی اور اُس نے عرض کیا۔

کائے کمینہ بخششت ملکِ جہاں
من چہ گویم چوں تو میدانی نہاں

زار زار روتے ہوئے بادشاہ نے عرض کیا کہ اے اللہ! یہ ساری کائنات تیری ادنیٰ بخشش ہے میں کیا عرض کروں جب کہ تو ہمارے اسرار سے باخبر ہے۔

حالِ ما و ایں طبیباں سر بسر پیشِ لطفِ عامِ تو باشد ہدر

ہمارا حال اور ان طبیبوں کا عدمِ توکل اور ترکِ انشاء اللہ تیرے لطفِ عام کے

سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اَے ہمیشہ حاجتِ مارا پناہ　　بارِ دیگر ما غلط کردیم راہ

اے وہ ذات پاک جو ہمیشہ ہماری حاجتوں کی پناہ گاہ ہے ہم پھر سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

چوں برآورد از میانِ جانْ خروش　　اندر آمد بحرِ بخشائش بجوش

جب اس بادشاہ نے تہہ دل سے نالہ و فریاد کی تو حق تعالیٰ کی رحمت کا سمندر جوش میں آگیا اور روتے روتے بادشاہ پر نیند طاری ہوگئی اور خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اے شخص ناامید نہ ہو۔ میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس محبوبہ کا علاج کردوں گا۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی بادشاہ نے قلب کو مسرور پایا اور اُن بزرگ کا منتظر تھا کہ اچانک وہ تشریف لائے شاہ آگے بڑھا اور دوڑ کر ان بزرگ کا بصد احترام استقبال کیا۔ اس کے بعد اس شیخ کامل نے اس لونڈی کا قارورہ دیکھا اور نبض دیکھی۔ نبض پر ہاتھ رکھ کر ہر شہر کا نام لینا شروع کیا۔ جب سمرقند کا نام لیا تو اس کی نبض کی حرکت تیز ہوگئی۔ شیخ نے سمجھ لیا کہ سمرقند میں یہ کسی کی محبت سے بیمار ہے۔ بیماری کچھ تھی اور علاج کچھ ہو رہا تھا۔

بے خبر بودند از حالِ درون
اَسْتَعِیْذُ اللہَ مِمَّا یَفْتَرُوْنَ

اندرونی حالت سے لوگ بے خبر تھے اور پناہ چاہتا ہوں میں ان باتوں سے جن کی مجھ پر لوگ افترا کرتے ہیں۔

پھر شیخ کامل نے اس لونڈی سے راز معلوم کرلیا کہ وہ سمرقند کے ایک زرگر

(صرّاف) پر عاشق ہے شیخ نے شاہ کو حکم دیا کہ وہ اس کو حاضر کرے چنانچہ اُسے دُنیاوی دولت کی لالچ پر طلب کیا گیا اور چونکہ شیخ کامل طبیب کامل بھی تھے اُنھوں نے اس شخص کو ایسی دوائیں دیں جس سے اُس شخص کا حُسن جاتا رہا اور اس لونڈی کے سامنے پھر اس کو پیش کیا چونکہ اس کی صُورت کافی بُری اور مکروہ ہو چکی تھی اسے دیکھتے ہی لونڈی کا عشق جاتا رہا اور وہ اس کے عشق کی بیماری سے شفا پا گئی اور تندرست ہونے لگی اور کچھ ہی دن میں بالکلیہ صحت یاب ہو گئی۔

چونکہ زشت و ناخوش و رُخ زرد شد
اندک اندک در دلِ او سرد شد

چونکہ اس لونڈی کی بیماری محض صورت پرستی تھی اِس لئے صُورت کے بگڑنے سے آہستہ آہستہ عشق بھی زائل ہو گیا اور شفاء پا گئی۔

عشقہائے کز پئے رنگے بُود　　عشق نبود عاقبت ننگے بُود

جو عشق صرف رنگ و روپ کی خاطر ہوتا ہے وہ دراصل عشق نہیں بلکہ فسق ہے اور اس کا انجام شرمندگی اور رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں۔

زانکہ عشقِ مُردگاں پائندہ نیست
زانکہ مُردہ سوئے ما آئندہ نیست

کیونکہ مرنے والوں کا عشق پائیدار نہیں ہوتا اور کیونکہ مردہ ہمارے پاس آنیوالا نہیں بلکہ ہم سے جانے والا ہے۔

یعنی محبُوب جب فانی ہے تو فانی چیز کا عشق بھی فانی ہوتا ہے۔

عشقِ زندہ در روان و در بصر　　ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر

حق تعالیٰ جو ہمیشہ زندہ ہیں اور فنا سے پاک ہیں ان کا عشق بھی ہمیشہ غنچہ سے بھی زیادہ تر و تازہ رہتا ہے۔

عشقِ آں زندہ گزیں کو باقی ہست
واز شرابِ جانفزایت ساقی ست

اَے طالب اس زندہ (محبوبِ حقیقی) کا عشق اختیار کر کہ جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور جو محبت و معرفت کی جانفزا پاک شراب پلانے والا ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست
تو مگو مارا بداں شہ بار نیست — بر کریماں کارہا دشوار نیست

تو مایوسی سے یہ مت کہہ کہ اس محبوبِ حقیقی تک مجھ جیسے نالائقوں کی کیسے رسائی ہو سکتی ہے کیونکہ وہ بڑے کریم ہیں اور کریموں کے نزدیک ایسے کام دشوار نہیں ہوتے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ میری طرف بالشت بھر قریب آتا ہے میں اس کی طرف گز بھر قریب ہو جاتا ہوں۔ غرض اس کے عشق و محبت کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ جو چاہے داخل ہو اور اس کا تقرب حاصل کرے۔

فائدہ: مولانا فرماتے ہیں کہ یہ قصہ ہم سب لوگوں کے حسبِ حال ہے چنانچہ ہماری روح کو نفس پر بادشاہ بنایا گیا ہے تاکہ روح نفس سے مرضیاتِ الٰہیہ کے مطابق کام لے کر جنت کا انعام حاصل کرے مگر نفس جو روح کی کنیز ہے۔ وہ لذاتِ دنیویہ پر عاشق ہے جس کے سبب روح کی اطاعت سے روگرداں ہے اور عموماً اس ماحول اور معاشرہ کے اطباء ناقص ہیں جو اس کے علاج پر قادر نہیں پس شیخ کامل کی ضرورت ہے جو حسنِ تدبیر سے لذاتِ دنیویہ کو

نفس کی نظر میں بدصورت کر دے پھر نفس کے لئے رُوح کی تابعداری یعنی حق تعالیٰ کی مرضیات پر چلنا آسان ہو جائے گا۔

عِلاج بدنگاہی و عشقِ مجازی

(از محمد اختر عفا اللہ عنہ)

اے خداوندِ جہانِ حُسن و عشق — سخت فتنہ ہے مجازی حُسن و عشق
غیر سے تیرے اگر ہو جائے عشق — عشق کیا ہے درحقیقت ہے یہ فسق
عشقِ بامردہ ہے تیرا اِک عذاب — راستے کا ہے تیرے یہ سدِ باب
حکم ہے اس واسطے غضِ بصر — تا ہو زہرِ عشق سے دِل بے خطر
بدنگاہی مت سمجھ چھوٹا گناہ — دِل کو اِک دم میں یہ کرتی ہے تباہ
بدنگاہی تیر ہے ابلیس کا — زہر میں ڈوبا ہوا تلبیس کا
ہو گئے کتنے ہلاک اس راہ میں — کھو کے منزل گر گئے وہ چاہ میں
کھو نہ تو اس طرح سے عُمرِ عزیز — عمر کی قیمت ہے بس ذکرِ عزیز
چند دِن کا حُسن ہے حُسنِ مجاز — چند روزہ ہیں فقط یہ ساز و باز
عشق جو ہوتا ہے رنگ و رُوپ پر — جیسے عاشق شمس کا ہو دھوپ پر
جو ہیں خود عاجز سراپا احتیاج — عشق میں اُن کے جو ہیں سرمست آج
عاشق و معشوق کُل روزِ شمار — رُوسیہ ہیں دونوں پیشِ کردگار
قال مولانا نے اشرف تھانویؒ — عشقِ فانی ہے عذابِ سرمدی

دِل کا ہو مطلوب کوئی غیرِ حق ... ہے یہ مستیِ شرابِ قہرِ حق
گر حقیقت کی طرف کوئی مجاز ... ہو رجوع تو ہے وہ جانِ پاکباز
ہو گیا زندہ وہ گورستان سے ... آگیا گلشن میں خارستان سے
خار سے رُخ پھر گیا اب سُوئے یار ... دیکھتا ہے قلب میں اب رُوئے یار
ذکرِ حق سے مِل گیا جس کو قرار ... سامنے اس کے خزاں بھی ہے بہار
نور آیا پس بُجھی شہوت کی نار ... جیسے ہو جاتے خزاں فصلِ بہار
سنگدل ہوتے ہیں یہ سیمین تن ... خود غرض اور بے وفا ہیں گُل بدن
سخت بدرگ بدخصال وزشت خُو ... بالیقیں ہوتے ہیں یہ بُت خوبرُو
گھور پر جیسے ہو کوئی سبزہ زار ... چشم دھوکا کھا کے ہو اس کا شکار
غیرِ حق کا دِل سے جب نکلے گا خار ... دل میں ہو گی چین و لذّت کی بہار
جان میں ہو گا طلوع وہ آفتاب ... اور حیاتِ طیّبہ کا فتح باب
تھا دُخانِ شمعِ مردہ کا حجاب ... سخت غیرت میں تھا نورِ آفتاب
"آفتابا با تو چو قبلہ دا میم ... شب پرستی و خفاشی می کنیم
بے گُماں ترکِ ادب باشد زما ... کُفرِ نعمت باشد و فعلِ ہوا"
جبکہ ہو غیرِ خُدا کا دِل میں خار ... ہو گی اس پر ظلمت و کلفت کی مار
ہائے کیا دیکھے گا وہ رُوئے بہار ... جو نہ ہو پابندِ ذکر و فکرِ یار
عُمر بھر رکھے گا ساقی تشنہ کام ... گر پیئے گا زہرِ نظرِ بد کا جام
جبکہ غیروں میں بھی ہو مشغول دِل ... ذکر و طاعت میں کہاں لگتا ہے دِل
دِل میں تیرے ہے جو فکرِ این و آں ... اس لئے آتا نہیں ہے نورِ جاں

"اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن | گر بدم من سِرِّ من پیدا مکن"

گر تو چاہے پاک ہو مجھ سا پلید | فضل سے تیرے نہیں کچھ بھی بعید

عشق سے تیرے رہوں میں جامہ چاک | دردِ دل سے لوں میں تیرا نام پاک

جو بشر بھی سُن لے میری آہ کو | بس تڑپ جائے وہ تیری چاہ کو

عشق سے اپنے تو دِل کو طور کر
نُور سے اخترؔ کا دِل معمور کر

حکایت
ایک عورت کا رونا حق تعالیٰ کی بارگاہ میں

ایک عورت کے بچے زندہ نہ رہتے تھے۔ چھ[6] ماہ بعد ان کو کسی بیماری کے سبب موت آجاتی اس طرح سے اس بیکس ماں کے بیس[20] بچے قبرستان پہنچ گئے۔

بِیستْ فرزندش چنیں در گور رفت
آتشے در جانِ اُو اُفتاد تفت

اس کے بیس[20] بچے قبر میں اسی طرح یکے بعد دیگرے چلے گئے اس غم کی آگ اس کی جان میں بھڑک اُٹھی۔

آدھی رات کو اُٹھی اور اپنے رب کے سامنے سجدہ میں خُوب روتی اور اپنا غم اور اپنے جگر کا خون مناجات میں پیش کیا اس کے بعد سو گئی۔ خواب میں دیکھا کہ وہ جنّت میں سیر کر رہی ہے اور اس نے وہاں ایک عالیشان محل دیکھا

جس پر اس کا نام لکھا تھا اور جنت کے باغات و تجلیات سے یہ عورت خوش اور بیخود ہوگئی۔

اس کے بعد فرشتوں نے اس سے کہا کہ اے عورت یہ نعمت بڑی بڑی عبادتوں اور محنتوں سے ملتی ہے لیکن تو چونکہ کاہل تھی اور عبادات سے اس مقام کو نہ پاسکتی تھی۔ اس لیے خدا نے تجھے دنیا میں یہ مصیبت دے دی ہے جس پر صبر کے عوض تجھے یہ جنت اور محل دیا ہے پھر اس عورت نے وہاں اپنے بچوں کو دیکھا۔ ؎

دِید دَر وَے جُملہ فرزندانِ خویش

تو اس نے کہا اے اللہ! یہ بچے میری نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تھے مگر تیری نگاہ سے غائب نہ ہوئے تھے۔ یہاں تو سب موجود ہیں۔ اے میرے رب! اگر تو مجھے دنیا میں سیکڑوں سال اسی طرح رکھے جس طرح میں اب ہوں تو کچھ غم نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ تو میرا خون بہا دے تو بھی میں راضی ہوں کہ یہ انعامات تو میرے صبر سے کہیں زیادہ ہیں۔

وہ سُرخیاں کہ خونِ تمنّا کہیں جسے
بنتی شَفَق ہیں مطلعِ خورشیدِ قرب کی

اختر

حکایت

ایک بچّے کو اس کی ماں کے سامنے آگ میں ڈالنا

ایک یہودی بادشاہ نے ایک عورت سے کہا کہ تو اس بُت کو سجدہ کر ورنہ تُجھے دہکتی ہُوئی آگ میں ڈالدوں گا۔

اِس عورت نے سجدہ نہ کیا کہ وہ ایمان اَور توحید میں پاکباز اور مضبوط تھی۔

ظالم بادشاہ نے اس کی گود سے بچّہ چھین کر اسی آگ میں پھینک دیا۔ عورت کانپ اُٹھی اور اس کا ایمان سخت امتحان میں داخل ہو گیا اور جاں بلب ہو گئی کہ اچانک وہی بچّہ آگ کے اندر سے بولتا ہے۔

بانگ زد آں طفل اِنِّی لَمْ اَمُتْ

اس بچّے نے آواز دی کہ مَیں نہیں مرا مَیں تو زندہ ہوں اور کہا۔

اَندر آمادر کہ مَن اِینجا خُوشَم ۔۔۔ گرچہ دَر صُورَت مِیانِ آتشم

اَے ماں تو بھی اندر آجا کہ مَیں یہاں بہت لُطف میں ہوں اگرچہ بظاہر آگ کے اندر معلوم ہوتا ہوں۔

اَندر آمادر بِبیٖں بُرہانِ حق ۔۔۔ تا بہ بیٖنی عشرتِ خاصانِ حق

اَے ماں اندر آجا تا کہ تو بھی اللہ تعالیٰ کے دینِ حق کا معجزہ دیکھ لے اور تاکہ تو بھی حق تعالیٰ کے خاص بندوں کا عیش و آرام دیکھ لے اگرچہ بظاہر وہ اہلِ دُنیا کو بلاؤں میں معلوم ہوتے ہیں۔

اَندر آ اَسرارِ ابراہیمؑ بیٖں ۔۔۔ کو دَر آتش یافت وَرد و یاسمیٖن

اَے ماں تو بھی اندر آ تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے لئے آتشِ نمرود کے گلزار ہونے کا بھید تو بھی آنکھوں سے دیکھ لے کہ کس طرح اُنھوں نے آگ کے اندر گُلاب اور چنبیلی کی بہار پائی تھی۔

مَرگ مِیدِیدَم گہِ زادَن زِ تو سَخت خوفَم بُوْد اُفتادَن زِ تو

میں جب تجھ سے پیدا ہو رہا تھا تو اپنی موت دیکھ رہا تھا اور دُنیا میں آنے سے سخت خوف محسوس کر رہا تھا یعنی ماں کا پیٹ بوجہ مانوس ہونے ۹ ماہ تک مجھے جہاں معلوم ہو رہا تھا اور اُس جہان کو دیکھا ہی نہ تھا اس لئے ایک اجنبی عالم میں آتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔

چُوں بزادَم رَستَم از زِندانِ تنگ
دَر جَہانے خُوش ہَوائے خُوب رَنگ

جب میں پیدا ہو گیا تو تنگ قید خانے سے نجات پا گیا اور اپنی دانست میں ایک خوبصورت عالم میں آ گیا۔ اِسی طرح جنّت کو دیکھنے کے بعد دُنیا ماں کے پیٹ کی طرح تنگ و تاریک معلوم ہوگی۔

اَندَرِیں آتش بدِیدَم عَالَمے ذَرّہ ذَرّہ اَندَرو عِیسیٰ دَمے

اس آگ کے اندر میں نے ایک دُوسرا عالم پایا جس کا ذرّہ ذرّہ زندگی بخش ہے۔

اَندَر آ مادَر بحقِّ مادَری بِیں کہ اِیں آذَر نَدارَد آذَری

اندر آ جا اے ماں میں تجھے حقِ مادری کا واسطہ دیتا ہوں اندر چلی آ اور دیکھ کہ یہ آگ آگ کا اثر نہیں رکھتی ہے رحمتِ حق نے اس کو چمن بنا دیا ہے۔

قُدرَتِ آں سَگ بدِیدِی اَندَر آ تا بہ بِینی قُدرَتِ فَضلِ خُدا

آ اے ماں تُو نے اس کافر یہودی کُتّے کی طاقت بھی دیکھ لی اب اندر آتا کہ خُدا کے فضل کی طاقت کا بھی مُشاہدہ کر لے۔

اَندر آ و دِیگراں را ہم بخواں　　　کاندر آتش شاہ بنہاد ست خواں

اے ماں اندر آجا اور دوسروں کو بھی بُلا لے کیونکہ میرے رب نے آگ کے اندر اپنے کرم کا دستر خوان بچھا دیا ہے۔

اَندر آئید اے مُسلماناں ہمہ　　　غیرِ عذبِ دِین عذاب ست آں ہمہ

اے مُسلمانو سب اندر چلے آؤ دین کی مٹھاس اور حلاوت کے علاوہ تمام حلاوتیں دُنیا کی ہیچ ہیں اور عذاب ہیں۔

مادرش انداخت خود را اندر او
دستِ اُو بگرفت طِفلِ مہر جُو

اِس لڑکے کی ماں نے اپنے آپ کو اسی آگ میں ڈال دیا تو اس محبت والے لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس کے بعد تمام مخلوق اس آگ میں کود پڑی اور سب نے لُطف و کرم خُداوندی کا مشاہدہ کیا۔

آں یہودی شُد سِیہ رُو و خجل　　　شُد پشیماں زیں سبب بیمار دِل

وہ یہودی روسیاہ اور شرمندہ ہو گیا اور اسکی تدبیر اس کے لئے مخالف ثابت ہوئی۔

کاندر آتش خلق عاشق تر شُدند
در فنائے جسم صادق تر شُدند

کیونکہ لوگ اس آگ میں کود پڑنے کے مشتاق ہو گئے اور جسم کو قربان کر دینے

ہیں صادق الاعتقاد نکلے۔

اُنچہ میمالید بر رُوئے کساں — جمع شد در چہرۂ آں ناکساں

نالائق لوگ جو کچھ داغِ بدنامی ورسوائی اللہ والوں کے چہروں پر لگانا چاہتے ہیں وہ سب انھیں کے چہروں پر اُلٹ کر تہہ بہ تہہ جم جاتا ہے۔

اس یہودی بادشاہ نے اس آگ سے کہا کہ تجھے کیا ہوگیا ہے کہ تو اپنے پرستش کرنے والوں پر بھی رحم نہیں کرتی اور ان فرزندانِ توحید کو پناہِ دامن دے کر مجھے رسوا کررہی ہے یا تجھ پر کسی نے جادو کردیا ہے؟ یہ بات کیا ہے تیری وہ خاصیت جلانے والی کیا ہوگئی؟

گُفت آتش مَن ہمانم آتشم — اَندر آتا تُو بہ بینی تابشم

آگ نے کہا اے کافر میں وہی آگ ہوں ذرا تو اندر آجا تاکہ میری آتش اور تپش کا مزہ چکھ لے۔

طَبعِ مَن دیگر نگشت و عنصرم — تیغِ حقّم ہم بدستوری بُرم

میری طبیعت اور میری اصل حقیقت تبدیل نہیں ہوئی ہے میں خدا کی تلوار ہوں لیکن اجازت ہی سے کاٹتی ہوں۔

چونکہ غم بینی تو استغفار کُن — غم بامرِ خالق آمد کار کُن

اس لئے جب تم اپنے اندر غم محسوس کرو تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو کیونکہ غم بھی خدا کے حکم ہی سے اپنا کام کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ استغفار کی برکت سے راضی ہوجاویں گے تو سزا بھی ہٹالیں گے۔

چوں بخواہد عینِ غم شادی شود — عینِ بندِ پائے آزادی شود

جب اللہ کا حکم ہو جاتا ہے تو خود غم ہی خوشی بن جاتا ہے اور خود قید ہی آزادی بن جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تبدیلِ اعیان پر قدرۃِ کاملہ رکھتے ہیں پس عینِ غم کو عینِ خوشی بنا دیتے ہیں۔

بادُ و خاک و آب و آتش بندہ اند
با من و تو مردہ با حق زندہ اند

ہوا۔ مٹی۔ پانی۔ آگ سب خدا کے غلام ہیں گو یہ ہمارے تمہارے لئے بے جان ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے آگے زندہ ہیں (اس لئے امتثال امرِ الٰہی ان کے لئے مستبعد نہیں)

حکایت
ہلاک کرنا ہوا کا قوم ہود علیہ السلام کو

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم پر جب تیز ہوا کا عذاب آیا تو آپؑ نے اہلِ ایمان کے گرد ایک خط کھینچ دیا۔ جب ہوا وہاں پہنچتی تو خود بخود نرم ہو جاتی۔ جو لوگ اس خط کے باہر تھے ہوا ان سب کے پرخچے اُڑا دیتی تھی۔ اسی طرح حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ بکریوں کے ریوڑ کے گرد ایک نمایاں خط کھینچ کر جمعہ کی نماز کے لئے چلے جاتے تھے تاکہ بکریوں کو کوئی بھیڑیا اُٹھا نہ لے جائے۔

ہمچنین بادِ اجل با عارفان نرم و خوش ہمچو نسیم بوستان

مولانا فرماتے ہیں کہ اسی طرح موت کی ہوا عارفانِ حق پر نسیمِ چمن کی طرح نرم و خوشگوار ہو کر چلتی ہے۔

آتشِ ابراہیم را دنداں نزد　　چوں گزیدہ حق بود چونش گزد

آگ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر تعدی نہ کی۔ جب کہ وہ مقبولِ حق تھے تو انہیں تکلیف دینے کی آگ کو کیونکر ہمت ہو سکتی تھی۔

آتشِ شہوت نسوزد اہلِ دیں　　باغیاں را بُردہ تا قعرِ زمیں

اسی طرح شہوت کی آگ اہلِ دین کو نہیں جلاتی اور بے دین لوگوں کو قعرِ زمین یعنی دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتی ہے۔
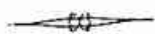
حکایت

ایک مچھر کی فریاد حضرت سلیمان علیہ السلام سے

ایک مچھر نے اپنا مقدمہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے روبرو پیش کیا اور کہا کہ اے وہ ذاتِ گرامی جس کی سلطنت جن و انس اور ہوا پر ہے میری مصیبت دور کر دیجئے اور میرا فیصلہ کیجئے۔

پس سلیماں گفت اے انصاف جو
دادِ انصاف از کہ میخواہی بگو

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اے انصاف ڈھونڈنے والے تو کس سے اپنا انصاف چاہتا ہے؟ بیان کر۔

گُفْت پشہ دَرْدِ مَنْ اَزْ دَسْتِ بادْ　　کُو دُو دَسْتِ ظُلْم بَرْ مَا بَرْ کُشادْ

مچھر نے کہا کہ میرا درد و غم ہوا کے ہاتھ سے ہے اور وہی دونوں ہاتھوں سے مُجھ پر ظلم کرنے والی ہے یعنی جب میں خُون چوسنے کی کوشش کرتا ہوں تو ہوا مجھے وہاں سے اُڑا دیتی ہے۔

حضرت سُلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اَے مچھر! مُجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ کوئی فیصلہ اس وقت تک نہ کروں جب تک دونوں فریق حاضِر نہ ہوں۔

مچھر نے کہا بے شک آپ درست فرماتے ہیں۔

اس کے بعد آپؑ نے ہوا کو حکم دیا کہ جلد حاضر ہو کہ تیرے ظلم سے ایک فریاد خواہ حاضِر ہے۔

بادْ چُونْ بِشْنِیدْ آمَدْ تیزْ تیزْ　　پشہ بگرِفْت آنْ زَمانْ راہِ گُرِیزْ

ہوا حکم سُنتے ہی تیز رفتاری سے حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے روبرو حاضِر ہو گئی اور مچھّر اس ہوا کی تیزی سے راہِ فرار پر بے اختیار مجبور ہو گیا۔ حضرت سُلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ اَے مچھر ٹھہر جا۔

پَسْ سُلَیْمانْ گُفْت اَے پشہ کُجا　　باشْ تا بَرْ ہَرْ دُو رانَمْ مَنْ قَضا

فرمایا کہ اَے مچھر کہاں جاتا ہے ٹھہر جا کہ میں دونوں کا فیصلہ کر دوں۔

گُفْت اَے شہ مَرْگِ مَنْ اَزْ بُودِ اُوْسْت
خُودْ سِیاہ اِیْنْ رُوزِ مَنْ اَزْ دُودِ اُوْسْت

مچھر نے کہا اَے شاہ! میری موت ہوا ہی کے وجود سے ہے اس کے دھواں سے تو میرا دِن سیاہ ہو جاتا ہے۔

اُو چو آمد مَن کجا یا بم قرار — کُو بَرآرد اَز نہادِ مَن دَمار

ہوا جب آتی تو مجھے قرار نہ رہا کیونکہ وہ مجھے ہلاک کرنے کے لیے میری جگہ سے مجھ کو اکھاڑ پھینکتی ہے۔

ہمچنیں جُویائے دَرگاہِ خُدا — چُوں خُدا آید شَوَد جُوینده لا

اَب مولانا سالکین کو ارشاد و تعلیم فرماتے ہیں کہ اسی طرح جو خُدا کا طالب ہے تو جَب خُدا کا قُرب عطا ہو گا تو حق تعالیٰ کی آمد اس کے رفت کا سبب بنے گی یعنی عطائے قرب کے لیے عبدیّت اَور فنائیّت لازم ہے اور یہی مقرب باللہ ہونے کی علامت ہے پس اگر نفس زندہ ہے اَور تکبّر سے پُر ہے تو اس انانیّت کے ساتھ قربِ خُدا محال ہے۔ اس اَنا کو فنا کرنا ہو گا۔

گرچہ آں وَصلت بقا اَندر بقاست
لیک ز اوّل آں بقا اَندر فناست

اگرچہ قُربِ خداوندی کے حصُول میں بقاء ہی بقا ہے لیکن اس بقاء سے پہلے فنا ہونا ضروری ہے۔

اور فنائیت سے مُراد یہ ہے کہ اپنی مرضیات کو مرضیاتِ الٰہیہ کا تابع اور غلام بنا دے اور غلامی کی صحت اس کے بغیر لغۃً بھی تو درست نہیں وہ غُلام ہی کیسا جو مالک کی مرضی پر اپنی مرضی کو غالب رکھے۔

فائدہ: اس واقعہ میں یہ سبق ہے کہ افناء نفوس کے بعد ہی قرب اور ولایت سے مشرف ہوتے ہیں اور فنائیت اور مٹانا موقوف ہے۔ مُرشدِ کامل کی صحبت پر جیسا کہ مولانا نے دُوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ

نفس نتواں کشت اِلّا ظلِ پیر   دامنِ آں نفس کش را سخت گیر

نفس نہیں فنا ہوسکتا جب تک پیرِ کامل کا سایہ اور رہبری نصیب نہ ہو۔ پس اِس نفس کُش کا دامن مضبوط پکڑ لو۔ میرے شیخ مُرشد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ مضبوط پکڑنے کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ کبھی شیخ اِصلاح کے لیے عتاب و غضب کا بھی معاملہ کرتا ہے ایسے وقت میں اگر تعلق کمزور ہوگا تو پُرکینہ ہوکر بھاگ جاوے گا جس کو مولانا نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے۔

گر بہر زخمے تو پُر کینہ شوی   پس چرا بے صیقل آئینہ شوی

اگر شیخ کی ہر ڈانٹ سے تو پُرکینہ ہو جائے گا تو بدون رگڑائی کے کس طرح آئینہ بنے گا۔

حکایت استنِ حنّانہ

پُختہ منبر تعمیر کرنے کے لیے جب کھجور کے تنہ سے بنائے ہوئے منبرِ نبوی کو جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے ہٹایا گیا تو اس صدمہ سے کہ اب مجھ پر خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے نہ بیٹھیں گے اس نے اس طرح رونا شروع کیا جس طرح چھوٹا بچہ ماں کی جُدائی سے روتے ہوئے سسکیاں لیتا ہے۔ اس واقعہ کو مولانا کس پیارے انداز سے بیان فرماتے ہیں۔

استنِ حنّانہ از ہجرِ رسولؐ   نالہ می زد ہمچو اربابِ عقول

وہ منبر جس کا نام استنِ حنانہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جُدائی سے نالہ کر رہا تھا مثلِ اربابِ عقول کے یعنی جیسے کہ وہ کوئی انسان ہو۔

درتحیر ماندہ اصحابِ رسول　　کز چہ می نالد ستون با عرض وطول

اس آوازِ گریہ سے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تعجب میں پڑ گئے کہ یہ ستون اپنے پورے حجم طول وعرض سے کس طرح رو رہا ہے۔

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون
گفت جانم از فراقت گشت خون

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ستون تو کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی جُدائی کے صدمہ سے میری جان خون ہو رہی ہے۔

از فراقِ تو مرا چون سوخت جان　　چون ننالم بے تو اے جانِ جہان

آپ کی جُدائی سے میری جان اندر اندر جل رہی ہے پھر اس آتشِ غم کے ہوتے ہوئے آپ کے فراق سے میں کیوں نہ آہ وفغاں کروں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی تو جانِ کائنات ہیں۔

مسندت من بودم از من تاختی
بر سرِ منبر تو مسند ساختی

میں آپ کا مسند تھا آپ مجھ سے الگ ہو گئے اور آپ نے میری جگہ دوسرا منبر پسند فرما لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے مبارک ستون اگر تو چاہتا

ہے تو تیرے لئے دُعا کر دوں کہ تو سرسبز و ثمر آور درخت ہو جاوے اور تیرے پھلوں سے ہر شرقی و غربی مستفید ہو۔ یا تو عالمِ آخرت میں کچھ چاہتا ہے اور توہمیشہ کے لئے تر و تازہ ہونا چاہتا ہے۔

اسطوانۂ حنّانہ نے کہا یا رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میں تو دائمی اور اَبدی نعمت چاہتا ہوں۔

گُفت آں خواہم کہ دائم شُد بقاش
بِشنو اَے غافل کم اَز چُوبے مباش

اسطوانۂ حنّانہ نے کہا میں وہ چاہتا ہوں جو ہمیشہ رہنے والی نعمت ہو۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اَے غافلو! اُسن لو تم کو اس لکڑی سے سبق لینا چاہیئے کہ انسان ہو کر تُم دُنیائے فانی پر گرویدہ اور آخرت سے روگرداں ہو رہے ہو اور وہ اُستن حنّانہ نعمتِ دائمی کو نعمتِ فانی پر ترجیح دے رہا ہے۔

آں سُتوں را دفن کرد اندر زمیں
تا چو مردم حشر گردد یومِ دیں

پھر اُس اسطوانۂ حنّانہ کو زمین میں دفن کر دیا گیا تاکہ مثلِ انسانوں کے روزِ جزا اُس کا حشر ہو۔

فائدہ: اسطوانۂ حنّانہ کا رونا جبکہ وہ لکڑی کا سُتون تھا یہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ تھا۔

حکایتِ معجزۂ سنگریزہ

ایک بار ابوجہل نے اپنے کفِ دست میں کچھ کنکریاں چھپا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر آپ خدا کے سچے رسول ہیں تو بتائیے کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ تو آسمانوں کی خبر دیتے ہیں۔ پس میرے ہاتھ کی خبر دینا تو آپ کے لئے معمولی بات ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بتادوں کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے یا میرے حکم سے تیرے ہاتھ کی چیزیں خود بتادیں کہ میں کون ہوں اس نے کہا کہ دونوں ہی باتیں چاہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تیرے ہاتھ میں چھ سنگریزے ہیں اس کے بعد آپؐ کے ارشاد سے اس کے ہاتھ کا ہر پتھر کلمۂ شہادت پڑھنے لگا جب ابوجہل نے سنگ پاروں سے یہ بات سنی تو ان کنکریوں کو غصّہ سے زمین پر دے مارا۔

چُوں شَنِیدْ اَزْ سَنگہا بُوجَہلْ اِیْں ۔۔۔ زَدْ زِخَشْمْ آں سَنگہا رَا بَرْ زَمِیْں

جب ابوجہل نے سنگریزوں سے کلماتِ شہادت کو سُنا تو غُصّہ سے ان کو زمین پر ڈال دیا۔

چُوں بَدِیْد اِیْں مُعْجِزَہ بُوجَہْل تفت
گَشْت دَرْ خَشْم و بَسُوئے خَانَہ رَفْت

جب اس معجزہ کو ابوجہل نے دیکھا تو غضب ناک ہو کر تیزی سے اپنے گھر کی راہ لی۔

خاک بر فرقش کہ بد کور لعین　　چشمِ او ابلیس آمد خاک بیں

خاک پڑے اس کے سر پر کہ ملعون بالکل ہی اندھا تھا اور اس کی آنکھیں مثل ابلیس لعین کے صرف خاک بیں تھیں جس طرح ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو صرف خاکی پُتلا سمجھا تھا اور آپ کی روح پاک سے جو نبوت سے آراستہ تھی بے خبر رہا۔

قصہ ایک شخص کا رونا اپنے کُتّے پر

ایک کُتا بھوک سے مر رہا تھا اور ایک شخص اس کا پالنے والا اس کے مرنے سے رو رہا تھا۔ کسی نے دریافت کیا کہ تم کیوں رو رہے ہو اس نے کہا یہ کُتا بڑے بڑے اوصاف رکھتا تھا اور اب بھوک سے مر رہا ہے اس نے دریافت کیا کہ تمھارے سر پر یہ کس چیز کا ٹوکرا ہے۔ جواب دیا اس میں روٹیاں ہیں جو میرے سفر کے لئے ہمراہ ہیں۔

گفت چوں ندہی بداں سگ نان و زاد
گفت تا ایں حد ندارم مہر و داد

اس شخص نے کہا کہ ظالم کیوں نہیں دیتا کُتّے کو اپنے توشۂ سفر سے جواب دیا کہ اس حد تک اس کی محبت مجھے نہیں ہے کہ اپنی روٹی بھی کھلا دوں۔

دست ناید بے درم در راہ ناں　　لیک ہست آب دو دیدہ رائگاں

اس شخص نے کہا کہ روٹیاں بغیر پیسے کے نہیں ملتی ہیں اور یہ آنسو جو اس کے غم میں گرا رہا ہوں مُفت کے ہیں۔

گُفت خاکت بَر سَر اے پُر بادِ مشک
کہ لبِ نان پیشِ تو بہتر زِ اشک

اُس نے کہا کہ خاک پڑے تیرے سر پر اے سراپا ہوا سے بھرے ہوئے مشک کہ روٹی کا ٹکڑا تیرے نزدیک بہتر ہے آنسو سے۔

اشکِ خُون است و بغم آبے شُدہ
مے نیرزد خُون بخاک اے بیہُدہ

اَرے ظالم آنسو تو خُون ہے جو غم اور صدمہ سے پانی بن جاتا ہے۔ پس اَے بیوقوف خُون کی قیمت خاک کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔ روٹی کو خاک سے تعبیر کیا کہ گندم زمین ہی سے تو پیدا ہوتا ہے۔

مَن غُلامِ آنکہ نفروشد وُجُود — جز بآں سُلطانِ با اَفضال و جُود

اب مولانا یہاں سے ارشادی مضمون بیان فرماتے ہیں کہ میں ایسے عالی حوصلہ شیخ (مرشد شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ) کا غُلام ہوں جو کہ اپنے وجود کو دُنیا کی بڑی سے بڑی دولت اور سلطنت کے عوض بھی نہیں فروخت کر سکتا۔ سوائے مولائے حقیقی کے عشق کے بدلے یعنی حق تعالیٰ ہی کی محبت سے میرا مرشد پاک اپنے جسم و روح کا سودا کرتا ہے۔ یعنی اولیائے پاک جو جانبازانِ الٰہی ہیں انھیں کی غُلامی کرنی چاہیئے ورنہ اگر کسی دُنیادار کے غلام ہو گئے تو وہی حشر تمھارا بھی ہو گا جو اس کُتّے کا ہوا کہ وہ اپنے نفاق کے دو آنسو گرا دے گا اور

کسی کام نہ آوے گا بسبب اپنی پست حوصلگی کے اور حوصلہ میں بلندی کیسے آ سکتی ہے جب کہ صرف زمینی ہے۔ اللہ والے چونکہ عرشی اور سماوی ہیں اس لیے ربُّ العرش کے رابطہ سے اُن کے حوصلے بھی ہفت افلاک سے زیادہ بُلند ہوتے ہیں۔ یہ خاص شرح حق تعالیٰ کا اس فقیر پر انعامِ خاص ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ وَلَا فَخْرَ۔

چُوں بنالد چرخ یارب خواں شود　　　چُوں بگرید آسماں گریاں شود

اَب مولانا فرماتے ہیں کہ اَے لوگو! تم نے ایک نوع آنسوؤں کی ابھی دیکھی جو روٹیوں سے بھی کمتر ہے اَور اب اولیائے پاک کے آنسوؤں کا مقام سُنو کہ جب ہمارا مرشد پاک شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ روتا ہے تو اس کے اخلاص و درد کی تاثیر سے آسمان بھی رونے لگتا ہے اور جب ہمارا مرشد آتشِ عشقِ حقیقی سے نالہ و فغاں کرتا ہے تو فلک بھی لرزہ براندام ہوکر یارب یارب کرنے لگتا ہے۔

دستِ اِشکستہ بَرآرد دَر دُعا
سُوئے اِشکستہ پَرد فضلِ خُدا

اور ہمارا شمس تبریزی نہایت بیکسی و تضرع سے دُعا کرتا ہے اور شکستہ (ٹوٹے ہوئے دلوں) کی فریاد کی طرف خُدا کا فضل اُڑ کر آجاتا ہے اور شرفِ قبولیت عطا کرتا ہے۔

حکایتِ ایاز اور حاسدین

شاہ محمود کے ایک مقرب درباری غلام ایاز نے ایک حجرہ تعمیر کیا اور اس میں اپنی گدڑی اور پرانی پوستین لٹکا دی اور اس حجرہ کو مقفل رکھتا تھا اور تنہا جاکر کبھی کبھی اپنی پھٹی پرانی گدڑی اور پوستین کو دیکھ کر رویا کرتا اور کہتا کہ اے اللہ! میں ایک غریب خاندان کا لڑکا تھا اور اس پھٹی حالت میں تھا کہ میرا لباس یہ تھا کہ جسے آج میں حیا و شرم سے مقفل رکھتا ہوں یعنی دوسروں کے سامنے پہننا تو درکنار دوسروں کو دکھانا اور دوسروں کے علم میں لانا بھی اپنی توہین اور ننگ سمجھتا ہوں اور اپنے کو سمجھایا کرتا تھا کہ اے ایاز! تو اب مقرب بارگاہِ سلطان ہے اس شان و شوکت پر ناز نہ کرنا کہ تیری حقیقت صرف یہی پوستین اور گدڑی ہے۔ عمائد اور وزراء اس راز سے بے خبر تھے وہ ایاز کو اس حجرہ کی طرف آتے دیکھتے اور طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے۔

ایک دن تمام ارکینِ سلطنت جمع ہو کر تبادلۂ خیال کرنے لگے کہ ایاز تنہا اس حجرہ میں کیوں جاتا ہے اور اس کو مقفل بھی رکھتا ہے اس قفل گراں کی کیا ضرورت ہے۔ شاہِ محمود اس کو عاشق اور درویش سمجھتا ہے اور یہ شاہ کی دولت اس حجرہ میں مخفی کر رہا ہے۔ اگر اس دفینہ کی خبر شاہ کو کر دی جاوے تو دو فائدے حاصل ہوں ایک تو یہ کہ ایاز کا تقرب ختم ہو جاوے گا دوسرے یہ کہ شاہ کو جب دفینہ مل جاوے گا تو ہم لوگوں کو انعام بھی ملے گا۔ چنانچہ یہ مشورہ طے پایا کہ شاہ محمود کو اطلاع کی جاوے پس ایک وفد نے شاہ سے کہا۔

شاہ را گفتند اُو را حجرہ ایست
اندر آنجا زر و سیم و خُمرہ ایست

(خُمرہ لغت میں بوریا کو کہتے ہیں)

عمائدِ سلطنت کے ایک وفد نے شاہ سے کہا کہ ایاز کے پاس ایک حُجرہ ہے اس کے اندر سونا چاندی اور بوریا ہے۔

راہ می نہ دہد کسے را اندرو بستہ میدارد ہمیشہ آن درِ او

اور وہ کسی کو اس حجرہ میں جانے کی اجازت نہیں دیتا ہمیشہ اس کے دروازہ کو تالہ دیئے رہتا ہے۔

شاہ نے یہ سُن کر اُن لوگوں سے کہا کہ اچھا ہم آج آدھی رات کو اس حُجرہ کا مُعائنہ کریں گے اور تُم سب لوگ ہمارے ساتھ رہنا۔ جو کچھ اِس میں سے دولت ملے ہماری طرف سے وہ سب تم لوگ تقسیم کر لینا۔

با چنین اکرام و لطفِ بے عدد از لئیمی سیم و زر پنہان کند

اور شاہ نے کہا افسوس ہے ایاز پر کہ اس قدر عزت و اکرام و الطافِ شاہی میسر ہوتے ہُوئے ایسی ذلیل حرکت کر خفیہ سونا چاندی جمع کر رہا ہے۔

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی کفر باشد پیشِ اُو جز بندگی

جو شخص عشق سے زندگی پا چکا ہو اس کے لیے بندگی کے علاوہ غیر اللہ میں مشغول ہونا ناشکری ہے۔

شاہ کو تو پہلے ہی سے ایاز کی مخلصانہ محبّت پر مکمل اعتماد تھا لیکن شاہ ان عمائد سے مذاق کر رہا تھا۔

۱ شاہ را بروے نبودہ این گمان　تسخرے می کرد بہرِ امتحان

۲ از ایاز این خود محال ست و بعید　کو یکے دریاست و قعرش ناپدید

۳ شاہِ شاہان ست بلکہ شاہ ساز　وز برائے چشم بد نامش ایاز

۴ شاہ میدانست خود پاکیِ او　بہرِ ایشان کرد او آن جستجو

ترجمہ: ۱: شاہ کو ایاز پر بدگمانی نہ تھی اور یہ معاملہ امتحان کے لئے حاسدین کے ساتھ بطورِ تمسخر تھا۔

۲: ایاز سے یہ فعل محال اور بعید تھا کیونکہ وہ بحرِ وفا ناپید اکنار تھا۔

۳: ایاز شاہوں کا شاہ بلکہ شاہ ساز ہے اور صرف چشمِ بد سے حفاظت کے لئے نام ایاز رکھا تھا۔

۴: شاہ محمود اس کی پاکدامنی سے باخبر تھا صرف حاسدین کی اصلاح کے لئے یہ تلاشی کی تھی۔

آخر آدھی رات کو حجرہ کھولا گیا لیکن ارکینِ سلطنت نے جب وہاں کچھ نہ پایا تو کہنے لگے کہ زمین کے اندر دفینہ ہوگا لہٰذا حجرہ کے اندر کھدائی کی گئی پھر بھی کچھ نہ نکلا۔

جملہ در حیرت کہ چہ عذر آورند　تا ازیں گرداب جان بیرون روند

سب لوگ سخت تعجب میں ہوئے کہ اب شاہ سے کیا معذرت کریں اور اس الزام تراشی کی پاداش سے اپنی جان کو کس طرح چھڑائیں۔

عاقبت نومید دست و لب گزان
دستہا بر سر زنان ہمچو زنان

بالآخر ناامیدی سے اپنے ہاتھ اور لب کاٹ رہے تھے اور اپنے سروں پر

عورتوں کی طرح ہاتھ رکھے ہوئے شرمسار تھے۔

شاہ کے سامنے سب حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اب حضور جو سزا بھی دیں ہم اس کے مستحق ہیں لیکن اگر آپ ہم کو معاف کردیں تو آپ شاہِ کرم ہیں۔

شاہ نے کہا جو فیصلہ ایاز کریں گے وہی فیصلہ ہمارا ہوگا کیونکہ تم لوگوں نے ایاز کی عزت وناموس کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے لہٰذا میں اس میں کچھ فیصلہ نہ کروں گا اور شاہ نے کہا۔

کُن میانِ مجرمان حکم اے ایاز　　اے ایازِ پاک با صد احتراز

اے ایاز! تم ان مجرمین پر حکم نافذ کرو اے ایاز تم اس الزام تراشی سے بالکلیہ پاک وصاف اور محترز تھے۔

زامتحان شرمندہ خلقے بیشمار　　زامتحانہا جملہ از تو شرمسار

اے ایاز تمہارے امتحان سے خلقِ کثیر شرمندہ اور نادم ہے اب ایاز کی سعادت اور اس کی فنائیت اور آداب عاشقانہ سنئے۔

گفت اے شہ جملگی فرمان تراست
باوجودِ آفتاب اختر فناست

ایاز نے کہا اے شاہ جملہ حکمرانی آپ کو زیبا ہے آپ کی نوازش ہے جو ایاز کو یہ عزت بخشی گئی ورنہ غلام تو غلام ہی ہے۔ آفتاب کے سامنے ستارہ کب اپنا وجود رکھتا ہے یعنی کالعدم ہوتا ہے۔

زہرہ کہ بود یا عطارد یا شہاب　　کہ بروں آید بہ پیشِ آفتاب

زُہرہ ہو یا عطارد ہو یا شہاب ثاقب یہ کب آفتاب کے سامنے اپنا وجود

پیش کر سکتے ہیں۔

شاہ اس بات سے خوش ہوا اور کہا

اَے ایاز از تو غلامی نور یافت
نورت از پستی سوئے گردوں شتافت

اے ایاز تیری عالی حوصلگی سے غلامی اور بندگی کو روشنی عطا ہوئی اور تیرا نور پستی سے فلک کی طرف تیز رفتار ہے۔

حسرتِ آزادگاں شد بندگی　　بندگی را چوں تو دادی زندگی

اے ایاز تیری غلامی نے وہ مقام حاصل کیا ہے جس پر آزادی بھی رشک و حسرت کر رہی ہے کیونکہ تُو نے بندگی کا حق ادا کر کے حقیقی زندگی حاصل کر لی ہے۔

ایاز نے کہا۔

گفت آں دانم عطائے تست ایں
ورنہ من آں چارقم و آں پوستیں

یہ سب عالی حوصلگی آپ ہی کی عطا اور آپ ہی کی صحبت کا فیضان ہے ورنہ میں درحقیقت وہی گھٹیا درجہ کا غلام ہوں جو کہ ابتداء میں پھٹی پرانی گدڑی اور پوستین میں حاضر ہوا تھا۔

چارقت نطفہ است و خونت پوستیں
باقی اَے خواجہ عطائے اوست ایں

اے مخاطب! تیری گدڑی نطفہ اور تیری پوستین خونِ حیض ہے باقی سب کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہے۔

فائدہ: اِس حکایت میں حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فنائیت کی تعلیم دی ہے کہ جس طرح ایاز عطائے شاہی کے تمام انعامات کے باوجود اپنے کو عجب و تکبر سے بچانے کے لیے ہر روز اپنی پرانی گدڑی اور پوستین کو دیکھتا اور اپنے کو نصیحت کرتا اور کہتا کہ اے ایاز تیری یہی اصل حقیقت تھی شاہ کے تقرب سے ناز نہ کرنا۔ اسی طرح سالکین و طالبینِ حق کو چاہیے کہ اپنی حقیقت پر ہمیشہ نظر رکھیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا انسان کو یہ نہیں معلوم کہ ہم نے اِس کو نطفہ سے پیدا کیا ہے۔ انسان کی اصل تخلیق باپ کے نطفہ اور ماں کے خونِ حیض سے ہوئی ہے اس کے علاوہ انسان کو ظاہری اور باطنی جو کچھ نعمتیں عطا ہوتی ہیں وہ سب حق تعالیٰ کی عطا ہیں۔ اللہ تعالیٰ کتنے ہی اعلیٰ مدارج کسی کو عطا فرما دیں مگر اپنی بنیادی حقیقت نطفہ پدر اور خونِ حیض مادر کا مراقبہ عجب اور تکبر سے حفاظت کا وقایہ اور ذریعہ ہے۔ یعنی اِنسان کو بار بار یہ دھیان دل میں رکھنا چاہیے کہ ماں کے پیٹ میں جب انسان کی تخلیق ہوتی ہے تو باپ کے نطفہ اور ماں کے خونِ حیض ہی سے اس کے اعضاء بنتے ہیں پھر ان اعضاء میں بینائی شنوائی۔ عقل و فہم کے خزانے کون رکھتا ہے۔

جان و گوش و چشم و ہوش پا و دست
جملہ از دُرہائے احسانت پُرست

ایک بزرگ سڑک سے گذر رہے تھے کہ ایک متکبر کے بدن کو ان کے جسم سے کچھ دھکا لگ گیا کیونکہ زیادہ عمر کے سبب بینائی کمزور ہو گئی تھی۔

اس متکبر نے اکڑ کر کہا کہ او اندھے! تجھے سوجھائی نہیں دیتا۔ تو نہیں

جانتا کہ میں کون ہوں ؟

اُن بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو کون ہے ؟ اگر تو کہے تو میں تجھے بھی بتا سکتا ہوں۔

اُس نے کہا اچھا بتائیے۔

ارشاد فرمایا کہ ہر زندگی تین زمانے پر مشتمل ہوتی ہے۔ ماضی۔ حال مستقبل میں تیرے تینوں زمانے بتائے دیتا ہوں۔

ماضی میں تو باپ کا ناپاک نطفہ اور ماں کا خونِ حیض تھا۔

حال میں تیرے پیٹ کے اندر پاخانہ اور پیشاب بھرا ہے۔

اور مستقبل میں تو قبرستان میں سڑی ہوئی لاش ہوگا۔

عجب و تکبر بیوقوفوں کو بہت ہوتا ہے ورنہ ذرا بھی عقل سے کام لیا جائے تو سمجھ میں آجائے گا کہ اِنسان کو تکبر کبھی زیبا نہیں۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں بڑائی میری چادر ہے جو اس میں گھسے گا میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔

"عجب اور تکبر کا فرق اور ان کی تعریف"

عجب کی حقیقت اِنسان کا اپنی کسی صفت پر اس طرح نگاہ کرنا کہ بجائے عطاءِ حق سمجھنے کے اس کو اپنا ذاتی کمال سمجھے جس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ منہ سے بجائے شکر نکلنے کے میں ایسا ہوں میں ویسا ہوں نکلتا ہے کیونکہ عطاءِ حق کا اسے استحضار نہیں رہتا اور دل ہی دل میں اپنے کو اچھا سمجھتا ہے۔

اور تکبّر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے کو بڑا سمجھے کسی کے مقابلہ میں پس تکبّر میں دوسرے کی تحقیر بھی لازم آتی ہے اور عجب میں دوسروں کی تحقیر لازم نہیں آتی۔

معجب اور متکبّر ان دونوں کلیوں کے درمیان نسبت اعم۔ اخص مطلق کی ہے متکبر اعم ہے اور معجب اخص ہے۔ اِس لئے کہ ہر متکبر میں عجب کا تحقق ضروری ہوتا ہے کیونکہ جب اپنی کسی صفت پر نظر کرکے اپنی اچھائی اور بڑائی کا تصوّر ہوگا تب ہی تو دوسرے کو حقیر سمجھے گا اور ہر عجب کے لئے تکبّر لازم نہیں کیونکہ کبھی انسان اپنی صفت پر نظر کرکے صرف اپنے ہی کو اچھا سمجھتا ہے اور اس وقت کسی کی تحقیر سے خالی الذہن ہوتا ہے۔ یہ علمی تحقیق حق تعالیٰ نے اس ناکارہ عبد کو عطا فرمائی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ وَلَا فَخْرَ۔

قلب و روح کے امراض میں سالکین کے لئے عجب اور تکبّر دونوں ہی مُہلک بیماریاں ہیں ان کی اصلاح میں تغافل نہ ہونا چاہیئے۔

ایک مثال سے اس کا ضرر سمجھ آجائے گا۔ وہ یہ ہے کہ کوئی عاشق اپنے محبوب کا مشتاق ہے لیکن بوقتِ مُلاقات یہ بے وقوف بجائے محبوب کو دیکھنے کے اپنی جیب سے آئینہ نکال کر اپنی ہی صورت اور اپنے ہی نقش و نگار دیکھ رہا ہے تو یہ شخص اس محبوب کی نظر میں کس قدر مُنافق فی المحبّت اور محروم سمجھا جاوے گا اسی طرح سالکین اور طالبینِ حق کو سوچنا چاہیئے کہ مولائے حقیقی ہر وقت اپنے بندوں پر ہزارہا الطاف و کرم سے متوجہ ہیں اور بندہ اگر بے وقوفی سے بجائے حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرف متوجہ ہونے کے اپنی ہی مستعار صفات

میں مشغول ہے تو یہ لمحات اس کے لئے نفاق فی المحبت اور فراق و محرومی کے ہوں گے یا نہیں؟ خود ہی فیصلہ کر لو۔ اور اس بیماری کی اہمیت اور اس کے ضرر کا اندازہ لگا لو۔ الحمد للہ کہ اس مثال سے عجب اور کبر کی مضرت بہت ہی واضح طور پر سمجھ میں آجاتی ہے اور عاشقوں کے لئے یہ مثالِ تازیانۂ عبرت ہے۔

اے اللہ! ہم سب کو عجب و کبر اور جملہ مہلکاتِ طریق سے محفوظ فرما۔ آمین حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ حضرت شیخ کی جوتیوں کے صدقے میں یہ مثالیں اور علوم عطا ہو رہے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لَکَ وَالشُّکْرُ لَکَ یَا رَبَّنَا۔ اے اللہ توفیقِ عمل عطا فرما۔

یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اھْدِنَا
لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنَا

حکایتِ جبری
جو خیر و شر میں خود کو مجبور سمجھتا تھا

ایک شخص بد عقیدہ کہتا تھا کہ بندہ مجبورِ محض ہے اور ذاتی طور پر اس کو کچھ اختیار نہیں۔ اس لئے خیر و شر کی کوئی ذمہ داری مجھ پر نہیں۔ ایک دن یہ ملعون ایک باغ میں پہنچا اور مالکِ باغ کی اجازت کے بغیر خوب پھل توڑ توڑ کے کھانے۔ مالک نے کہا او چور کمینے! یہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا۔

گفت از باغِ خدا بندۂ خدا　　گر خورد خرما کہ حق کردش عطا

یہ باغ خدا کا ہے اور میں خدا کا بندہ ہوں اور عطاءِ حق سے کھاتا ہوں تو کیا گناہ ہے۔

مالک نے اس کو پہلے درخت پر رسّی سے باندھا اور ایک موٹا مضبوط ڈنڈا اس کی پیٹھ پر رسید کرنا شروع کیا۔

گفت آخر از خدا شرمے بدار　　میکشی ایں بیگنہ را زار زار

اس نے کہا اے ظالم! مجھ بے گناہ کی اس بُری طرح کیوں پٹائی کر رہا ہے خدا سے شرم کر۔

گفت کز چوبِ خدا ایں بندہ اش
میزند بر پشتِ دیگر بندہ خوش

باغ کے مالک نے کہا یہ ڈنڈا بھی خدا کا ہے اور میں بھی خدا کا بندہ ہوں جو دوسرے بندہ کی پٹائی اچھی طرح کر رہا ہے۔ مجھے کچھ اختیار نہیں میں بھی مجبور ہوں، میرا ڈنڈا بھی مجبور ہے یہ سب خدا کر رہا ہے۔

گفت توبہ کردم از جبر اے عیّار
اختیار است اختیار است اختیار

اُس نے کہا توبہ کرتا ہوں اس بُرے عقیدۂ جبر سے بے شک اختیار ہے، اختیار ہے، اختیار ہے۔

فائدہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص نے سوال کیا کہ بندہ مجبور ہے یا مختار ہے۔

ع　ترازوے زرسنج (غیاث)

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک پاؤں اُٹھا اس نے اُٹھا لیا پھر ارشاد فرمایا اچھا دوسرا پاؤں بھی اُٹھا۔ اُس نے کہا دونوں کیسے اُٹھا سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بس یہی جواب ہے تیرے سوال کا کہ بندہ آدھا مختار ہے آدھا مجبور ہے نہ بالکلیہ مختار نہ بالکلیہ مجبور۔

اللہ تعالیٰ سے توفیقِ اعمالِ صالحہ اور فہمِ سلیم مانگتا رہے بعض گناہوں کی شامت سے عقل پر عذاب آجاتا ہے اس اُمت سے وہ عذاب جس سے ابدان مسخ ہوجاتے تھے اُٹھا لیا گیا ہے مگر فہم و عقل مسخ ہونے کا عذاب نازل ہوجاتا ہے۔

اندریں اُمت نہ بُد مسخِ بدن ۔۔۔ لیک مسخِ دل بُود اے بوالفطن

اللہ تعالیٰ ہم سب کو فہمِ سلیم اور نورِ عقل عطا فرمائیں اور عذابِ مسخِ دل اور مسخِ عقل و فہم سے محفوظ فرماویں۔ آمین

بزرگوں کا تجربہ ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اور ذکر اللہ کی پابندی کرنے والا مسخِ عقل کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔

حکایت ایک شخص کا اپنے ہاتھ پر شیر بنوانا

زمانہ جاہلیت میں کسی علاقہ کے لوگ اپنے ہاتھوں پر شیر یا چیتے کی تصویر بنوا لیا کرتے تھے۔

ایک شخص نے اسی طرح تصویر بنانے والے سے کہا کہ میرے ہاتھ پر شیر بنا دے۔ اس نے جب سوئی آگ میں گرم کر کے اس کے ہاتھ پر رکھی تو تکلیف

سے اس کی چیخ نکل گئی اور کہا ارے کیا بناتا ہے اس نے کہا دُم بناتا ہوں کہا ارے بغیر دُم کے بھی تو شیر بن سکتا ہے۔ اس مصوّر نے دوبارہ سوئی آگ میں گرم کی اور اس کی کھال پر رکھی۔ وہ پھر چلّایا اور کہا ارے کیا بناتا ہے۔ مصوّر نے کہا اب کان بناتا ہوں۔ کہا ارے ظالم بغیر کان کے بھی تو شیر ہوسکتا ہے۔ مصوّر نے پھر سوئی گرم کی اور اس کی کھال پر رکھی یہ پھر چیخا کہ اب کیا بناتا ہے اُس نے کہا اب شیر کا شکم بناتا ہوں۔ اس نے کہا رہنے بھی دے بغیر شکم ہی کے شیر بنا دے۔

اسی طرح جب سر بنانے سے بھی اس نے انکار کیا تو مصوّر نے غُصّہ سے جھنجلا کر سوئی پھینک دی اور کہا دور ہو۔

شیرِ بے دُم و سر و اِشکم کہ دید　　　　　 اینچنین شیرے خدا ہم نا فرید

بے دم و بے سر و بے شکم کا شیر کس نے دیکھا۔ اسی طرح کا شیر تو خدا نے پیدا ہی نہیں کیا۔

چوں نداری طاقتِ سوزن زدن
از چنیں شیرِ ژیاں پس دم مزن

(لغت ژیاں بکسرِ ژ تند خو دم زدن بات کرنا (دم مزن بات مت کر) اے شخص! جب تو سوئی کی تکلیف کا تحمّل نہیں کرسکتا تو ایسے تُند خو شیر بنوانے کی بات مت کر۔

اے برادر صبر کن بر دردِ نیش　　　　　 تا رہی از نیشِ نفسِ گبرِ کیش

اے بھائی! اُستاد یا مرشد کی تربیت میں سختیوں کو جھیل لے تاکہ نفس کے تقاضائے کُفر و فسق سے نجات پا جاوے۔

گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز
ہستیٔ ہمچون شب خود را بسوز

اگر تو مثلِ دن کے روشن ہونا چاہتا ہے تو اپنی ہستی کو مثلِ رات کے فنا کر دے یعنی جس طرح رات کے فنا ہونے سے دن روشن ہوتا ہے۔ اسی طرح تو اگر نفس کے بُرے تقاضوں کی اِصلاح کسی مرشدِ کامل سے کرا لے گا تو گویا اس کی ظلمت و تاریکی فنا ہو جاوے گی اور تیری حیات تعلق مع اللہ کے نُور سے روشن ہو جاوے گی۔

کاں گروہے کہ رہیدند از وجود
چرخ و مہر و ماہ شان آرد سجود

مثل اولیائے کرام کے اپنی ہستی کی قید سے خلاصی حاصل کر لے کیونکہ اس مُجاہدہ کے بعد ایسی تجلیاتِ قُرب ان کے باطن کو عطا ہوتی ہیں کہ انوارِ شمس و قمر و افلاک ان کے نُورِ باطن کے غُلام بن جاتے ہیں۔

چون بہ بینی کرّ و فرِ قُرب را جیفہ بینی بعد ازیں ایں شرب را

اے مُخاطب اگر تو حق تعالیٰ کے قرب کی شان و شوکت کا مشاہدہ اپنے باطن میں کر لے تو سارے جہان کو تو اس نُورِ حقیقی کے سامنے مردار اور بے قدر دیکھے گا۔

فائدہ: تصویر کشی اسلام میں حرام ہے لیکن مولانا نے اس حکایت میں زمانۂ جاہلیت کا واقعہ بیان فرمایا جس سے مقصود مولانا کا سالکین کو اس بات کی ہدایت دینا ہے کہ اگر مرشدِ کامل یعنی شیخ متبعِ سُنّت تمھاری اِصلاح کے لئے دار و گیر اور کچھ سختیاں کرے تو اس کی ہر ڈانٹ ڈپٹ کو خوشی خوشی برداشت کرو

تاکہ تمھارے اندر اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حمیدہ کی خُو راسخ ہو جاوے۔

گر بہر زخمے تو پُر کینہ شوی　　پس چرا بے صیقل آئینہ شوی

اگر شیخ کی ہر ڈانٹ سے تم پُر کینہ ہو جاؤ گے تو بغیر رگڑے ہوئے کس طرح آئینہ بن سکتے ہو۔

یہ مجاہدہ چند دن کا ہوتا ہے پھر راحت ہی راحت ہوتی ہے۔

حکایتِ اژدہا افسردہ در شہرِ بغداد

ایک سانپ پکڑنے والا ایک دفعہ پہاڑ کی طرف گیا برف باری سے دامنِ کوہ میں بڑے بڑے اژدہے بے حس و حرکت پڑے تھے۔

مار گیر اندر زمستانِ شدید　　مار می جست اژدہائے مردہ دید

سپیرے نے سخت سردی کے موسم میں ایک مرے ہوئے اژدھے کو دیکھا۔

مارگیر آں اژدہا را بر گرفت
سوئے بغداد آمد از بہرِ شگفت

سانپ والے نے اس کو اُٹھا لیا اور شہرِ بغداد میں تماشے کے لئے لے آیا۔

اژدہائے چوں ستونِ خانۂ　　می کشیدش از پئے دانگانۂ

(دانگاہ متاعِ قلیل۔ حبّہ)

وہ اژدہا مثلِ ستونِ خانہ عظیم القامت تھا سانپ والا اس کو اپنی کمائی کے لئے گھسیٹ رہا تھا۔

اَو ہمی مُردہ گمان بُردش ولیک　　زندہ بُود و اُو ندیدش نیک نیک

اس سانپ والے نے اس کو مُردہ گمان کیا اور وہ زندہ تھا مگر سردی سے بے جان ہو رہا تھا لیکن اس کی خبر اُسے نہ تھی۔

کاژدہائے مُردہ آوردہ اَم
دَر شکارش مَن جگرہا خوردہ اَم

سانپ والے نے تماشائیوں سے کہا کہ میں یہ مردہ اژدہا لایا ہوں اس کے شکار میں مجھے بڑی جانفشانی اور خون پسینہ بہانا پڑا ہے۔

اُو زِ سرما ہا و برف افسردہ بُود　　زندہ بُود و شکلِ مُردہ می نمُود

وہ اژدہا موسمِ سرما اور برف سے بے جان سا ٹھٹھرا ہوا تھا درحقیقت زندہ تھا لیکن مُردہ معلوم ہو رہا تھا۔

تا بہ بغداد آمد آں ہنگامہ جُو　　تا نہد ہنگامہ بر چارسُو

یہاں تک کہ وہ اس اژدھے کو بغداد تک گھسیٹ لایا اور اپنی تشہیر اور کمالات کے خوب چرچے کر رہا تھا اور خلقِ کثیر جمع ہوگئی اطراف و جوانب میں خبر گرم ہوتی کہ

مار گیرے اژدہا آوردہ است
بوالعجب نادر شکارے کردہ است

مارگیر (سپیرا) ایک اژدہا لایا ہے بہت ہی نادر اور قابلِ حیرت اس نے شکار کیا ہے

جمع آمد صد ہزاراں خام ریش
صیدِ اُو شد ہم چو اُو از ابلہیش

ہزاروں ناتجربہ کار اور بے عقل لوگ جمع ہوگئے اور وہ سب اس سانپ والے کے چکر میں پھنس رہے تھے۔

صُبح کا وقت تھا۔ جب آفتاب بُلند ہوگیا اور اس کی شعاعوں کی تمازت نے اس اژدہے کو گرم کیا تو اس کے جسم سے افسردگی اور ٹھنڈک کے آثار ختم ہونے شروع ہوئے اور رفتہ رفتہ اس میں زندگی کے آثار دکھائی دینے لگے۔

آفتابِ گرم سیرش گرم کرد　　رفت از اعضائے او اخلاطِ سرد

آفتاب کی گرمی نے اس میں زندگی کے آثار نمایاں کر دیئے اور اس کے اعضا سے ٹھنڈک ختم ہوگئی۔

مُردہ بُود و زندہ گشت او از شگفت
اژدہا بر خویش جُنبیدن گرفت

اژدہا مردہ تھا زندہ ہوگیا اور اس نے حرکت کرنا شروع کیا۔

خلق را از جنبشِ آں مُردہ مار　　گشت شاں آں یک تحیر صد ہزار

خلق اس مردہ اژدہے کی حرکت سے حیرت میں ہوگئی اور اس کی یہ حرکت باعثِ صد ہزار حیرت ہوتی۔

با تحیر نعرہا انگیختند　　جملگاں از جنبشش بگریختند

تماشائیوں نے حیرت کے ساتھ نعرے بُلند کئے اور سب کے سب راہِ فرار اختیار کرنے لگے۔

جب وہ اژدہا مثلِ شیرِ غرّاں حرکت کرنے لگا تو بہت سی مخلوق بھاگتے وقت ایک دوسرے سے ٹکرا کر زخمی ہوگئی اور وہ سانپ والا بھی وہیں خوف سے دم بخود ہوگیا۔

نفس اژدہا ست او کے مردہ است
از غمِ بے آلتی افسردہ است

اب مولانا اس قصّے کے بعد ارشادی مضمون بیان فرماتے ہیں کہ اے سالکین خوب سمجھ لو کہ نفس گناہوں کے سامان نہ ہونے سے افسردہ اور بے جان معلوم ہوتا ہے لیکن خلوت میں کسی اجنبیہ یا امرد کے پاس اس کا کیا حال ہوتا ہے۔

گر بیابد آلتِ فرعون او   کہ بامرِ او ہمی رفت آبِ جو

اگر نفس فرعون جیسا سامان و اسباب عیش و طاقت پا جاوے

آنگہ او بنیادِ فرعونی کند   راہِ صد موسیٰ و صد ہارون زند

اس وقت تمہارا نفس بھی فرعونی بُنیاد پر سرکشی اور ارتکاب معاصی شروع کرے گا اور سیکڑوں داعین الی الحق کے ساتھ جنگ و گستاخی کرنے پر تُل کھڑا ہو گا۔

فائدہ: اس حکایت میں سالکین کے لئے نہایت ہی اہم سبق مولانا نے بیان فرمایا ہے کہ نفس پر کبھی اعتماد نہ کرو کہ وہ اصل فطرت کے اعتبار سے امّارہ بالسوء ہے۔ پس شیخ کی صحبت اور طویل عمر مجاہدات کی برکت سے اگر نفس کچھ نیک معلوم ہونے لگے پھر بھی اس سے مطمئن ہو کر بے فکر نہ ہونا یعنی احتیاط میں کوتاہی نہ کرنا جیسا کہ بعض بیوقوف جاہل صوفیوں نے جب ایک عرصۂ دراز تک اپنے نفس کو اذکار و اشغال کا پابند دیکھا تو مطمئن اور بے فکر ہو گئے اور اجنبیہ عورتوں اور امردوں سے اختلاط کرنے لگے اور سمجھے کہ اب ہمارے نفس کو گناہ کا تقاضا مغلوب نہ کر سکے گا لہٰذا کیوں نہ ان کو پاک نظر سے دیکھ کر کچھ نشاط حاصل کر لیا جاوے مگر ان کی پھر کیا حالت ہوئی کہ بُری طرح ذلیل ہوتے نفس جو

افسردہ تھا اسبابِ معصیت کو دیکھ کر زندہ ہونے لگا اور جس نظر کو پاک سمجھا تھا وہی نظر ناپاک اور حرام ثابت ہوئی۔

بالآخر نفس کے سانپ نے ڈس لیا اور راہِ حق میں مردود اور ذلیل ہوگئے۔

اسی وجہ سے ہمارے اکابر نے فرمایا ہے کہ کتنے ہی بڑے متقی ہو جاؤ مگر نفس سے مرتے دم تک بے فکر نہ ہونا حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بھروسہ کچھ نہیں اس نفسِ امّارہ کا اے زاہد

فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

نفس کا اژدہا دلا دیکھ ابھی مرا نہیں

غافل ادھر ہوا نہیں اس نے اُدھر ڈسا نہیں

کتا کتنا ہی تربیت یافتہ ہو جاوے مگر اس کی گردن سے زنجیر الگ نہ کرو

گر مُعَلَّم گشت ایں سگ ہم سگ است

تعلیم یافتہ کُتا کُتا ہی رہتا ہے۔

سِلسِلہ از گردنِ سگ وا مگیر

زنجیر کو اس کی گردن سے الگ نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نفس کی نگہبانی کی تادمِ آخر توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

دَر تحریصِ متابعتِ ولیِ مُرشد

سَایۂ یَزدَاں بُوَد بندۂ خُدا مُردۂ اِیں عالَم و زِندۂ خُدا

خُدا کا خاص بندہ یعنی مرشدِ کامل خُدا کا سایہ ہوتا ہے جو اس جہان کے تعلقات سے مردہ اور خُدا کے تعلقات سے زندہ ہوتا ہے۔

دامنِ اُو گیر زُو تَر بے گُماں تا رہی از آفتِ آخر زماں

جلد اور بلا تامل اس مرشد کا دامن پکڑ لے تا کہ آخری زمانے کی آفت سے نجات پا لے۔

اَندریں وادی مرَو بے ایں دلیل لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْن گو چُو خلیل

اس وادی (سلوک) میں مُرشد کے بغیر نہ چل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح لا احب الآفلین (نہیں محبوب رکھتا ہوں میں فنا ہونے والوں کو) کا قائل ہو اور غیر خُدا کا گرویدہ نہ ہو۔

رَو زِ سایۂ آفتابے را بیاب دامنِ شہ شمسِ تبریزی بتاب

ترجمہ: جاؤ ظل اللہ (مرشدِ کامل) کے توسّل سے آفتابِ حق سے جا ملو اور شاہ شمس تبریزی کا دامن پکڑ لو۔

چونکہ اتباعِ مرشد کا بیان ہو رہا تھا اس لئے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد کی یاد تازہ ہو گئی اور ان کا تذکرہ بے ساختہ غلبۂ محبت سے کر دیا۔

رَہ نَدانی جانبِ اِیں سور و عرش
اَز ضیاء الحق حسام الدیں بپرس

اگر تم کو صحبتِ شمس تبریزی کی پُر رونق اور بافیض مجلس کا راستہ نہ معلوم ہو تو ضیاء الحق حسام الدین سے پُوچھ لو۔

ضیاء الحق لقب ہے اور حسام الدین نام ہے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اعظم تھے جن کو پہلے حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض پہنچا پھر وہ مولانا سے مستفیض ہُوئے۔

وَر حَسَد گیرد تُرا دَر رَہ گلُو　　وَز حَسَد ابلیس را باشد غُلُو

اور اگر راستے میں تلاشِ مُرشد کے تجھے حسد حائل ہو اور حسد تیرا گلا گھونٹنے لگے تو یاد رکھ کہ حسد میں ابلیس تجھ سے زیادہ ترقی کر چکا ہے۔

مولانا نے غالباً یہ بات اپنے مریدین کی مجلس میں فرمائی ہوگی اس لئے اندیشہ ہوا کہ مولانا حسام الدین کے توسّل پر کسی کو حسد ہو گا۔ کیونکہ عام حالات میں حسد ہی مانع ہوتا ہے اہلِ علم اور اہلِ جاہ کو اللہ والوں کے پاس جانے میں۔ اس لئے اب مولانا حسد کا بیان فرماتے ہیں۔

کُو زِ آدم ننگ دارد از حَسَد　　با سعادت جنگ دارد از حَسَد

ابلیس حسد ہی کے سبب حضرت آدم علیہ السّلام کے سامنے بادب نہ ہو سکا اور حسد ہی کے سبب نیکی کی مخالفت کرتا رہتا ہے۔

خانماں ہا از حَسَد گردد خراب　　بازِ شاہی از حَسَد گردد غُراب

حسد سے گھر بار اُجڑ جاتے ہیں اور شاہی باز بوجہ حسد کی نحوست کے خصائل

کے اعتبار سے کوا بن جاتا ہے۔

خاک شو مردانِ حق را زیرِ پا   خاک بر سر کن حسد را ہمچو ما

مردانِ حق کے پاؤں کے نیچے خاک ہو جا یعنی اپنے کو مٹا دے اور حسد کے سر پر خاک ڈال دے ہماری طرح۔

حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان کی رحمتِ خاصہ کے صدقے اس ضعیف عبد سے حصہ اوّل حکایات کا تمام ہوا۔

اے اللہ محض اپنی رحمت سے اور اپنے نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے قبول فرما اور راقم الحروف اور ناظرین کو توفیقِ عمل عطا فرما۔

آمین یا ربّ العالمین

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ○

راقم الحروف محمد اختر عفا اللہ عنہ

۱۲ رجب المرجب ۱۳۹۲ھ

فِيْ لَيْلَةِ الْخَمِيْسِ

قُبَيْلَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ

تتمۂ حصّہ اوّل

"منظوم ارشادات حضرتِ اقدس حکیمُ الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ" نظم کنندہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

اصلاحِ جوشِ طبع

طبیعت کی رو زور پر ہے تو رُک نہیں تو یہ سر سے گذر جائے گی
ہٹا لے خیال اس سے کچھ دیر کو چڑھی ہے یہ ندی اُتر جائے گی

حقوقِ شیخ

شیخ کے ہیں تین حق رکھ ان کو یاد
اعتقاد و اعتماد و انقیاد

عِلاجِ سُستی

اصلاح میں اپنی کر نہ سُستی ہمّت پہ ہے منحصر درستی
فرما گئے ہیں حکیمُ الامت سُستی کا عِلاج بس ہے چُستی

احکامِ عقل طبع و شرع

طبع غالب نہ عقل پر ہو کبھی
اور نہ ہو عقل شرع پر غالب

سعیِ پیہم

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

علاجِ حیلۂ نفس

تو گناہوں کا خود ہے ذمّہ دار
آڑ تقدیر کی نہ لے زنہار

ترے اس عذر پر ہے یہ صادق
خوئے بدرا بہانۂ بسیار

فرق دِل لگنا اور لگانا

دِل کیوں نہیں لگتا طاعتوں میں
اس فکر کے پاس بھی نہ جانا

دل لگنا کہاں ہے فرض تجھ پر
تیرا تو ہے فرض دل لگانا

فرقِ اختیاری وغیر اختیاری

لگا رہ اسی میں جو ہے اختیاری
نہ پڑ امرِ غیرِ اختیاری کے پیچھے

عبادت کئے جا مزہ گو نہ آئے
نہ آدھی کو بھی چھوڑ ساری کے پیچھے

علاجِ وساوس

وساوس جو آتے ہیں اس کا ہو غم کیوں
عبث اپنے جی کو جلانا بُرا ہے

خبر تجھ کو اتنی بھی ناداں نہیں ہے
وساوس کا لانا کہ آنا بُرا ہے

رضا بالقضا

مالک ہے جو چاہے کرے تصرّف　　کیا وجہ کسی بھی فکر کی ہے
بیٹھا ہوں میں مطمئن کہ یا رب　　حاکم بھی ہے تُو حکیم بھی ہے

کیفیات کی ہوس

چاہیے اطمینان اگر مجذوب تو　　کر نہ کیفیات کی ہرگز ہوس
عقل و ایماں ہیں رفیق دائمی　　آنی جانی اور سب چیزیں ہیں بس

دعوۂ عمل

رہِ عشق میں ہے تگ و دو ضروری　　کہ یوں تا بمنزل رسائی نہ ہوگی
پہنچنے میں حد درجہ ہوگی مشقت　　تو راحت بھی کیا انتہائی نہ ہوگی

جذبۂ عمل کے بعد عمل کی ضرورت

جذبات ہی میں اپنے نہ مجذوب شاد رہ
جذبات ہیچ ہیں جو مرتّب عمل نہ ہو

پاداشِ عملِ بد

یہ اعمالِ بد کی ہے پاداش ورنہ
کہیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں ہل میں

حصّہ دوم

منظوماتِ مثنوی

①

رہ کے دُنیا میں بشر کو نہیں زیبا غفلت
موت کا دھیان بھی لازم ہے کہ ہر آن رہے

○

جو بشر آتا ہے دُنیا میں یہ کہتی ہے قضا
مَیں بھی پیچھے چلی آتی ہوں ذرا دھیان رہے

②

لُطف دُنیا کے ہیں گے دِن کے لِئے
کھو نہ جنّت کے مزے اِن کے لِئے

○

یہ کیا اَے دِل تو بس پھر یوں سمجھ
تُو نے ناداں گُل دیئے تنکے لِئے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

حمد

(۱) حَمْدُ لَکْ وَالشُّکْرُ لَکْ یَا ذَا الْمِنَنْ؟
حَاضِرِیْ وَ نَاظِرِیْ بَرْ حَالِ مَنْ

تمام تعریفیں اور شکر اے احسان والے رب آپ ہی کے لیے خاص ہیں اور آپ ہی ہمارے جملہ حالات پر حاضر و ناظر ہیں۔

(۲) وَاحِدْ اَنْدَرْ مُلْکْ اُورَا یَارْ نَے بَنْدَگَانَشْ رَا جُزْ اُو سَالَارْ نَے

وہ واحد ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے بندوں کا اس کے علاوہ کوئی سالار نہیں۔

(۳) خَالِقِ اَفْلَاکْ وَ اَنْجُمْ بَرْ عُلَا مَرْدُمْ وَ دِیْوْ وَ پَرِیْ وَ مُرْغْ رَا

آسمانوں اور ستاروں کا خالق ہے اور آدمی و جن و پری اور چڑیوں کا بھی۔

(۴) خَالِقِ دَرْیَا وُ دَشْت وَ کُوہ وَ تِیْہ مُمْلِکَتِ اُوْ بے حَدْ وْ بے شِبْہ

دریا و جنگل و پہاڑ و میدان کا خالق ہے اس کی سلطنت غیر متناہی اور بے نظیر ہے۔

(۵) شَاہِ مَا بِیْدَار وُ ہَرْ دَمْ ہُوشْیَار مِیْ رَسَانَدْ رُوْزِیِ ہَرْ مُوْر وُ مَار

ہمارا شاہِ حقیقی ہر وقت بیدار اور مخلوقات کا نگہبان ہے اور ہر چیونٹی و سانپ کا روزی دہندہ ہے۔

(۶) کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ بخواں مَرورا بے کار و بے فعلے مداں

ہر دِن وہ ایک شانِ خاص میں ہے اور اس ذاتِ پاک کو کسی لمحہ بھی امر و تدبیر سے بے پرواہ مت جانو۔

(۷) او مبدّل کردہ خاکے را بزر خاکِ دیگر را بکردہ بوالبشر

اس کی قدرتِ کاملہ خاک کے ایک جز کو سونا بنا دیتی ہے اور خاک کے دوسرے جز کو چند تبدیلیوں کے بعد انسان بنا دیتی ہے۔

(۸) تا قیامت گر بگویم زیں کلام صد قیامت بگذرد ویں ناتمام

قیامت تک اگر ہم اس کی حمد بیان کریں تو سو قیامتیں اور گذر جاویں مگر اس کی حمد ناتمام رہے گی یعنی ختم نہ ہوگی۔

نعت

(۱) سیّد و سرورِ محمد نورِ جاں بہتر و مہتر شفیعِ مجرماں

سید و سردار ہماری جانوں کے نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلائق سے افضل اور مجرمین کی شفاعت کرنے والے ہیں۔

(۲) آں چناں گشتہ پُر از اجلالِ حق
کہ درو ہم رہ نیابد آلِ حق

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلالتِ شان حق تعالیٰ شانہٗ کے ایسے اکمل و اتم مظہر ہیں کہ مخلوقاتِ الٰہیہ آپ کی بلندیٔ مقام کے فہم سے عاجز ہیں۔

(۳) زاں محمد شافعِ ہر داغ بود　　که زِ سُرمهٔ چشمِ اُو ما زاغ بود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر گنہگار اُمتی کے شافع ہیں کہ آپ سیّد العارفین صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ شانہ کا مشاہدہ اس طرح کیا کہ ذرا بھی اس رویت میں امکانِ خطا نہیں۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ (سورۂ نجم۔ پارہ ۲۷)

(۴) از الم نشرح دو چشمش سُرمه یافت
دید آنچه جبرئیل آں بر نه تافت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ سے وہ خاص نور عطا ہوا تھا جو مشاہدۂ جمال و تجلیاتِ الٰہیہ سے بھی خیرہ نہ ہوا اور آپ نے بوقتِ مشاہدہ ایسی قوی تجلیاتِ حق کا تحمل فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے بھی اس کا تحمل ممکن نہ تھا۔

(۵) مصطفیٰ را وعده کرد الطافِ حق　　گر بمیری تو نمیرد ایں سبق

الطافِ الٰہیہ نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ آپ جب دُنیا سے پردہ فرمالیں گے اس وقت بھی آپ کا دین زندہ رہے گا۔

(۶) من کتاب و معجزت را رافعم　　بیش و کم کُن را ز قرآں دافعم

حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں کتابِ وحی اور معجزات کو بلند کرنے والا ہوں اور کم و زیادہ کرنے والوں کو قرآن سے دور رکھنے والا ہوں

(۷) چاکرانت شہرہا گیرند و جاہ　　دینِ تو گیرد ز ماہی تا بماہ

آپ کے اصحاب و خدام بہت سے شہروں کے حاکم اور صاحبِ جاہ

ہوں گے اور آپ کا دین مچھلی سے چاند تک پھیلے گا یعنی آفاقِ عالم آپ کے نور سے منور ہوگا۔ جیسا کہ آج تمام کائنات میں آپ کے نام لیوا پھیلے ہوئے ہیں اور پانچ وقت اذانوں سے آپ کا نام روشن ہو رہا ہے۔

(۸) تا قیامت باقیش داریم ما　　　تو مترس از نسخِ دین اے مصطفٰے

ہم قیامت تک اس دین کو باقی رکھیں گے اور اے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس دین کے مٹ جانے کا خوف نہ کریں۔

(۹) گر بگویم تا قیامت نعتِ او　　　ہیچ آں را مقطع و غایت مجو

اگر میں قیامت تک مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہتا رہوں تب بھی آپ کی نعت ختم اور متناہی نہ ہوگی۔

منقبت اصحاب رضی اللہ عنہم

(۱) ما و اصحابیم چوں کشتیِ نوح　　　ہر کہ دست اندر زند یابد فتوح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم اور ہمارے اصحاب مثلِ کشتیِ نوح علیہ السلام ہیں جو شخص ہم سے اور ہمارے اصحاب سے رابطہ کرلے گا وہ کامیاب ہو جاوے گا۔

(۲) مونسِ احمد بہ مجلس چار یار　　　مونسِ بوجہل عتبہ ذوالخمار

مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے چار یار آپ کے مونس تھے اور ابوجہل کا مونس عتبہ شرابی تھا۔

۳) چشمِ احمد بر ابوبکرے زدہ — وز یکے تصدیق صدیق آمدہ

مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر ایسی نگاہ کیمیا اثر ڈالی کہ ایک نگاہ کے صدقے میں ایسی معیاری تصدیق کی توفیق ہوئی کہ امت میں آپ صدیق کے لقب سے مشرف ہوئے۔

۴) مصطفٰے زیں گفت با اسرار جو
مردہ را خواہی کہ بینی زندہ تو

مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سبب سے فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ کوئی مردہ زمین پر مثل زندہ چل رہا ہے تو میرے صدیق کو دیکھ لو۔

۵) میرود چوں زندگاں بر خاکدان — مردہ و جانش شدہ بر آسمان

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نفس کو اس طرح فنا کر چکے ہیں کہ زمین پر ان کا چلنا پھرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی مردہ چلتا پھرتا ہو اور ان کی روح ربُّ العرش سے قوی تعلق کے سبب عرش پر فائز ہے۔

۶) چوں عمر شیدائے آں معشوق شد
حق و باطل را چو دل فاروق شد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر فدا ہوئے تو اس عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے ان کا قلب حق و باطل میں فرق کرنیوالا ہو گیا۔

(۷) چونکہ عثمان آن جہان را عین گشت
نورِ فائز بود ذی النورین گشت

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس جہان کے لئے سرچشمۂ فیض ہوگئے تو آپ ذو النورین کے لقب سے مشرف ہوئے یعنی آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے عقد سے شرف حاصل ہوا۔

(۸) چو زِ رویش مرتضیٰ شد دُرفشان
گشت او شیرِ خدا در مرج جان

جب فیضِ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ درفشاں ہوئے اور علوم خاصہ کے مظہر ہوئے تو آپ دین کی چراگاہ میں شیرِ خدا کے لقب سے مشرف ہوئے۔

گفت ہر کو را منم مولیٰ و دوست
ابنِ عمّ من علی مولائے اوست

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا میں مولیٰ اور دوست ہوں میرے چچا کے بیٹے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولیٰ اور دوست ہیں۔

اِفتتاحیہ

(۱) بشنو از نے چون حکایت میکند
وز جدائیہا شکایت میکند

مولانا فرماتے ہیں کہ بانسری سے سنو کہ دردناک آواز میں کیا واقعہ بیان کرتی ہے اور اپنے مرکز کی جدائی سے کیا غم بیان کرتی ہے۔

فائدہ: مُراد بانسری سے یہاں انسان کی روح ہے جو عالمِ امر سے کٹ کر اس عالمِ فراق میں آئی ہے اور اس میں اَلَستُ بِرَبِّکُم کی چوٹ کا درد موجود ہے یہ روح اپنے اندر حق تعالیٰ کی جُدائی کے ہزاروں نغمات مضمر رکھتی ہے مگر جس طرح بانسری خود نہیں بجتی اگرچہ اس میں صدہا دردناک آوازیں مضمر ہیں جب کوئی بجانے والا اس کے ایک سرے کو مُنہ میں رکھ کر بجاتا ہے تو صدہا آہ و نالے دوسرے سرے سے برآمد ہوتے ہیں اسی طرح یہ روحِ انسانی بانسری کی طرح ہے جب اپنا ایک سرا شیخِ کامل کے مُنہ میں تفویض کرتی ہے تو اس کی تمام صلاحیتیں یعنی آہ و نالۂ جدائی کی صدہا دردناک آوازیں اس سے ظاہر ہو جاتی ہیں چنانچہ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے یہ ساڑھے اٹھائیس ہزار دردناک اشعار حضرت شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے فیوض و برکات سے برآمد ہوئے اس بانسری کی تشبیہ سے جوازِ بانسری کا شُبہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ عالم متبعِ شریعت صُوفی تھے جاہل صُوفی نہ تھے۔

(۲) کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

جب سے مجھے اصل مرکز سے جدا کیا گیا ہے میری آواز گریہ سے ہر مرد و عورت پر گریہ طاری ہے۔

(۳) سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق — تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

اے خدا میں اپنا سینہ آپ کی جُدائی کے غم سے ٹکڑے ٹکڑے چاہتا ہوں تاکہ آپ کی محبت کے دردِ اشتیاق کی شرح کو بیان کرسکوں۔

④ ہر کسے کو دور ماند از اصلِ خویش ۔۔۔ باز جوید روزگارِ وصلِ خویش

جو شے کہ اپنے اصل مرکز سے دُور ہو جاتی ہے وہ پھر اصل مرکز کی طرف وصال چاہتی ہے۔

⑤ من بہر جمعیتے نالاں شدم ۔۔۔ جفتِ خوشحالاں و بدحالاں شدم

میں نے ایسی جماعت کو اپنا نالۂ غمناک عشق الٰہیہ سُنایا جنہوں نے سُن کر اپنے سینے میں رقت اور دردِ محبت میں ترقی محسوس کی اور میں نے ایسی جماعت کو بھی سُنایا جنہوں نے میرے نالوں سے کوئی اثر قبول نہیں کیا۔

⑥ ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
وز درونِ من نجست اسرارِ من

ہر شخص نے اپنے گمان کے مطابق مجھ سے دوستی کی اور کسی نے میرے سینے کے رازِ مخفی (دردِ محبتِ الٰہیہ) کو نہ ڈھونڈا۔

⑦ سرِّ من از نالۂ من دور نیست
لیک چشم و گوش را آں نور نیست

حق تعالیٰ کی محبت کا جو راز میری روح میں مخفی ہے اس کے انوار و آثار میرے نالوں سے محسوس ہو سکتے ہیں لیکن سامعین کی آنکھیں اور کان اس نور کے ادراک سے قاصر ہیں۔

⑧ تن ز جاں و جاں ز تن مستور نیست
لیک کس را دیدِ جاں دستور نیست

لیکن یہ امر کہ میرے اسرارِ عشقِ حق سے میرے احباب کیوں بے خبر

ہیں کچھ قابلِ تعجب نہیں کیونکہ جسم اور جان کس قدر ایک دوسرے سے قریب ہیں مگر جان کی معرفت سے جسم کے آگاہ ہونے کا دستور نہیں ہے۔

(۹) نے حریفِ ہر کہ از یارے برید   پردہا رش پردہائے ما درید

روحِ عارف عاشق کا نالۂ غمناک ہر عاشق صادق کا غمخوار ہے اور اس کی دردناک آواز نے طالبین کے دلوں سے حجاباتِ دنیا و مافیہا اٹھا دیئے۔

(۱۰) نے حدیثِ راہ پرخوں میکند   قصہ ہائے عشقِ مجنوں میکند

جانِ عارفِ عاشق سلوک کے نہایت پرخطر اور پرخون راستہ کا فسانہ سناتی ہے اور ایسے عاشقانِ حق کے قصے سناتی ہے جن کے دل میں سوائے محبوبِ حقیقی کے کچھ اور نہ تھا یعنی اپنے رب کے مجنوں تھے اور جن کا مذاق یہ تھا۔

بن کے دیوانہ کریں گے خلق کو دیوانہ ہم

برسرِ منبر سنائیں گے ترا افسانہ ہم

(۱۱) دو دہاں داریم گویا ہمچو نے   یک دہاں پنہاں ست در لبہائے وے

اور مثلِ بانسری کے دو منہ رکھتے ہیں ایک منہ تو اس فیاضِ مطلق سے واصل ہے جس سے اسرارِ غیب القاء ہوتے ہیں۔

(۱۲) یک دہاں نالاں شدہ سوئے سما   ہائے و ہوئے درفگندہ درسما

اور دوسرا منہ اے لوگو تمھاری طرف نالہ اور آہ و فغاں سے ہلچل مچا کر تمھاری روحوں سے غفلت کے پردے چاک کر رہا ہے۔

(۱۳) لیک داند ہر کہ اُو را منظر ست
کایں فغانِ ایں سرے ہم زاں سرست

لیکن اہلِ نظر و اہلِ بصیرت عارفین کے مضامین کو سن کر سمجھ جاتے ہیں کہ ان کی روح کو یہ مضامین عالمِ غیب سے القاء ہو رہے ہیں۔

(۱۴) محرمِ ایں ہوش جز بیہوش نیست
مر زباں را مشتری جز گوش نیست

اس رازِ محبت کا محرم وہی ہوتا ہے جو ماسوائے حق سے اپنے کو بے خبر اور بے ہوش کرتا ہے جس طرح سے کہ زبان کی بات کا صرف کان ہی خریدار رہتا ہے۔

لہ یا تو خرد کو ہوش کو مستی و بےخودی سکھا
یا نہ کسی کو ساتھ لے اسکے حریم ناز میں

(۱۵) گر نبودے نالۂ نے را ثمر
نے جہاں را پُر نہ کردے از شکر

اگر عارفین کے نالوں میں اثر نہ ہوتا تو کیوں کر ان نالوں سے یہ ثمر ظاہر ہوتے کہ ان کے فیوض و برکات سے لاکھوں بندگانِ خدا اولیاء اللہ ہوتے رہتے ہیں۔

نے سے مراد روحِ عارف اور شکر سے مراد معرفت ہے۔

(۱۶) در غمِ ما روزہا بیگاہ شد
روزہا با سوزہا ہمراہ شد

ہمارے غم سے ہمارے ایامِ بے کیف ہو گئے اور ہمارے ایامِ زندگانی سوز و غم کے ہمراہ ہو گئے یعنی مجاہداتِ نفس سے یہ ہو رہا ہے۔

لہ مختل

بُلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا غم ہم کو دیا ایسا جو مشکل نظر آیا

(۱۷) رُوزہا گر رفت گو رَو باک نیست
تو بماں اے آنکہ چوں تو پاک نیست

اوپر کے شعر میں علاجِ عجب وخود بینی کے لئے مولانا نے اپنی بے کیفی کا اظہار کیا اور اب اس شعر میں شکر کا حق ادا کر رہے ہیں کہ مبادا یہ تواضع حدِ ناشکری تک مُفضی[1] نہ ہو جاوے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ ایامِ کیف ومستی اور بے خودی چلے گئے تو کیا غم اے خدائے پاک تو ہمارے دل میں رہے کہ مثل تیرے کوئی شے پاک نہیں اور تمام ماسوٰی مع ان ایامِ پُرکیف کے سب فانی اور متغیر اور حادث ہے۔ پس حالاتِ قبض وبسط پر نظر رکھنے کے بجائے سالک کو اُس خدا آپ کے تعلق ومعیتِ خاصہ پر نظر رکھنی چاہیئے اور ہر حالت پر آپ کی رضا کے لئے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیئے اسی مضمون کی تشریح ان اشعار میں موجود ہے۔

بے کیفی میں بھی ہم نے تو اک کیفِ مسلسل دیکھا ہے
جس حال میں بھی وہ رکھتے ہیں اس حال کو اکمل دیکھا ہے
جس راہ کو ہم تجویز کریں اس راہ کو اثقل دیکھا ہے
جس راہ سے وہ لے چلتے ہیں اس راہ کو اسہل دیکھا ہے
(مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ)

(۱۸) دَر نیابد حالِ پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

کوئی ناقص کسی کامل کے مقام کو سمجھ نہیں سکتا پس قصہ مختصر کرتا ہوں

[1] بڑھ جانا

ہمارا اسلام۔

(۱۹)

بادہ در جوشش گدائے جوشِ ماست
چرخ در گردش اسیرِ ہوشِ ماست

یہ فانی شراب ہماری مستی لازوال کی گدا ہے اور آسمان باوجود اپنی عظیم اور وسیع جسامت کے ہمارے ہوش کی وسعت کا قیدی ہے۔

عجب کیا گر مجھے عالم باین وسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

(مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

(۲۰)

بادہ از ما مست نے کہ ما ازو
قالب از ما ہست نے کہ ما ازو

خود بادہ ہم سے اپنی مستی حاصل کرتی ہے نہ کہ ہم اس سے مست ہوتے ہیں یعنی عشق مجازی کی کیفیات فی نفسہٖ اپنا کچھ وجود نہیں رکھتی ہیں. لہٰذا جب رُوح نکل جاتی ہے تو وہ عشق اور کیف بھی فنا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اجسام دراصل اپنے وجود میں ارواح کے محتاج ہیں پس قالب ہم سے ہے نہ کہ ہم قالب سے ہیں۔

(۲۱)

بر سماعِ راست ہر کس چیر نیست
طعمہ ہر مرغکے انجیر نیست

حق بات کو سُننے کے لئے ہر شخص نہیں ہے اور ہر حقیر چڑیا کی غذا انجیر نہیں ہے۔

(حیبر۔ اہلیت)

(۲۲) بند بگسل باش آزاد اے پسر　چند باشی بندِ سیم و بندِ زر

قید کو توڑ دے اور آزاد ہو جا اے پسر کب تک سونے چاندی کا غم کھاتا رہے گا یعنی ماسویٰ اللہ سے تعلقات نہ رکھے جائیں اور حرصِ دُنیا (حُبِّ مال و حُبِّ جاہ) سے خلاصی حاصل کر لو۔

(۲۳) گر بریزی بحر را در کوزۂ　چند گنجد قسمتِ یکروزۂ

زندگی کا سامان اِتنا کرو جس سے ضرورتیں پوری ہوتی رہیں اور ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ جس کے بغیر ضرر ہو یعنی تن ڈھاکنے کو کپڑا اور پیٹ پالنے کو ۲ روٹیاں ملتی رہیں اس سے زیادہ حرص فضول ہے۔

(۲۴) کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نشد　تا صدف قانع نشد پُر دُر نشد

حریص لوگوں کی بھوکی آنکھ کا کوزہ کبھی پُر نہ ہو گا۔ جب تک سیپ نے قناعت نہ کی موتیوں سے مالا مال نہ ہوا۔ یعنی سیپ ایک قطرہ لیتا ہے اور منہ بند کر لیتا ہے اور اس قناعت کی برکت سے وہی قطرہ موتی بنتا ہے۔ اگر وہ حریص ہوتا اور ایک قطرہ پر منہ نہ بند کرتا تو موتی سے محروم رہتا۔

(۲۵)
ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد
او ز حرص و عیب کُلّی پاک شد

عشقِ حقیقی ہی تہذیبِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کے لئے بہترین ذریعہ ہے کہ اس کی برکت سے انسان حرص اور جملہ عیوب سے پاک ہو جاتا ہے۔

(۲۶) شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما
اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

اے عشق تو بہت ہی اچھی بیماری ہے کہ جسے لگ جاتی ہے اس کے لئے تو اس کی جملہ بیماریوں کی طبیب بن جاتی ہے۔

(۲۷) اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

اے عشق تو ہماری جاہ و تکبر کی بہترین دوا ہے اور تو ہی ہمارے لئے افلاطون اور جالینوس ہے۔

(۲۸) با لبِ دمسازِ خود گر جفتمے
ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے

اگر میں بھی اپنے یارِ دمساز کے لب سے ملا ہوتا تو مثلِ بانسری کے نالۂ دردناک میری زبان سے بھی جاری ہوتا یعنی جس طرح بانسری میں تو نغمات درد بھرے ہیں مگر یہ نغمات نکلتے اسی وقت ہیں جب اس کے ایک سرے کو کوئی منہ میں رکھ کر بجاتا ہے اسی طرح جب اے طالب تو اپنی روح کی بانسری کے ایک سرے کو شیخِ کامل کی روح کے منہ میں پکڑا دے گا یعنی تفویض و تسلیم کا قوی رابطہ مرشدِ کامل سے کرلے گا تو پھر تیری روح سے عجیب و غریب نالے نکلیں گے کہ خلق محوِ حیرت ہوگی جس طرح حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ نے شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے خود کو کر دیا تو روحِ شمس نے اپنا درد روحِ جلال الدین میں منتقل کر دیا اور ساڑھے اٹھائیس ہزار اشعار مثنوی کے حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے برآمد ہوئے جو آج خلق کو

مست اور بے خود کر رہے ہیں۔

(۲۹) ہر کہ او از ہمزبانے شد جدا   بے نوا شد گرچہ دارد صد نوا

جو شخص اپنے ہمزبان سے (ہم مشرب و ہم مسلک سے) جدا ہو جاتا ہے تو وہ بے زبان ہو جاتا ہے اگرچہ سینہ میں صدہا آوازیں اور مضامین رکھتا ہے یعنی اسرارِ عشق بیان کرنے کے لئے سامعین کی صلاحیت لازم ہے۔

(۳۰) چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

جب پھول کا موسم جاتا رہا اور باغ تباہ ہو گیا تو ہم پھول کی خوشبو کس سے ڈھونڈیں؟ عرقِ گلاب سے؟

(۳۱) چونکہ گل رفت و گلستان در گذشت
نشنوی زیں پس ز بلبل سرگذشت

جب پھول کا موسم جاتا رہا اور باغ اجڑ گیا تو اب بلبل سے عشق کے رموز و اسرار کے چہچہے نہ سنو گے۔

(۳۲) جملہ معشوق ست و عاشق پردۂ   زندہ معشوق ست و عاشق مردۂ

ہر طرف حق تعالیٰ ہی کے مظاہر جلوہ گر ہیں۔ عاشقوں کا اپنا ہی وجود پردہ ہے اگر اپنے انا کو فنا کر دیں تو اللہ تعالیٰ ہی کی تجلّی ہر طرف نظر آئے گی۔

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

اس شعر میں ترمیم کی گئی ہے جو عارفین کے مذاق کے مطابق ہے اور عین حقیقت ہے۔

صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات زندۂ حقیقی ہے اور باقی تمام جہاں اور اہلِ جہاں فانی ہیں۔

چو سلطانِ عزت علم برکشد
جہاں سر بجیبِ عدم درکشد
اگر ہفت دریاست یک قطرہ نیست
وگر آفتاب است یک ذرہ نیست

(۴۳) چوں نباشد عشق را پروائے او — او چو مرغے ماند بے پروائے او

عشق ہی وصول الی الحق کا ذریعہ ہے کیونکہ عشق کی وجہ سے محبوبِ حقیقی کی توجہ عاشقین پر ہوتی ہے اور یہی عنایت اور توجہ سلوک طے ہونے کا اصل سبب ہے اگر محبوبِ حقیقی کی طرف سے عنایتِ خاصہ نہ ہو تو وہ مرغِ روح مثلِ بے بال و پر قابلِ افسوس حالت میں ہے۔

(۴۴)
پر و بالِ ما کمندِ عشقِ اوست
موکشانش میکشد تا کوئے دوست

حق تعالیٰ کی محبت اور جذب و توجہ کی کمند ہمارے لئے بال و پر کا کام دیتی ہے جو عاشقوں کو کوچۂ یار تک پہنچا دیتی ہے۔

نہ میں دیوانہ ہوں اصغر نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لئے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

(۳۵) مَن چہ گویم ہوش دارم پیش و پس
چوں نباشد نورِ یارم پیش و پس

اگر خداوند تعالیٰ کا نور میری رہنمائی کرنے والا نہ ہو تو مجھے اپنے پیش و پس کی کیا خبر رہے اور مکرِ شیطان و نفس سے کس طرح محفوظ رہوں گا۔

(۳۶) نورِ او در یمن و یسر و تحت و فوق
بر سرم بر گردنم مانندِ طوق

اس کا نور دائیں بائیں اور نیچے اوپر ہر طرف جلوہ گر ہے اور میرے سر و گردن پر مانند طوق حاوی ہے یعنی حق تعالیٰ کی معیتِ خاصہ مجھے حاصل ہے۔

(۳۷) عشق خواہد کایں سخن بیروں زود
آئینہ اَت غماز نبود چوں بود

عشق تو چاہتا ہے کہ میرا یہ درد اور مخلوق میں بھی منتقل ہو مگر کیا کروں کہ جب (ضمیر) عکس نما نہ ہو اور مکدر و خراب ہو۔

(۳۸) آئینہ اَت دانی چرا غماز نیست
زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

کیا تجھ کو معلوم ہے کہ تیرا آئینۂ دل کیوں عکس نما نہیں ہے اس لئے کہ اس کے چہرہ سے زنگار دور نہیں کیا گیا یعنی اے مخاطب تو اسرارِ حقائق کو اس لئے نہیں سمجھ پاتا کہ تیرے آئینہ قلب پر زنگِ غفلت چڑھا ہوا ہے۔

(۳۹) آئینہ کز زنگ و آلائش جدا ست
پر شعاعِ نورِ خورشیدِ خدا ست

جو آئینۂ قلب زنگِ غفلت سے پاک و صاف ہے وہ نورِ آفتابِ حق سے روشن ہو رہا ہے۔

(۴۰) رو تو زنگار از رخِ اُو پاک کن　　　بعد ازاں آں نور را ادراک کن

اے طالب جا پہلے دل کے آئینہ کو تعلقاتِ ماسوی اللہ سے پاک کر پھر اس نورِ حقیقی کا مشاہدہ کر۔

اے دِرو کر تو آئینہ دل کو پاک و صاف

پھر ہر طرف نظارۂ حُسن و جمال کر

(۴۱) ایں حقیقت را شنو از گوشِ دل

تا بروں آئی بکلی ز آب و گل

اس سچی بات کو دل کے کان سے سُنو تاکہ آب و گل کے تعلقات سے خلاصی پا جاؤ۔

(۴۲) فہم گر دارید جاں را رہ وہید

بعد ازاں از شوقِ پا در رہ نہید

اگر تجھے دونوں جہان کی فلاح مطلوب ہے تو اپنی رُوح کو ترقی کا راستہ دے اور اس کو تنزّل اور پستی کی راہ پر نہ لگنے دے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مسائل و اصطلاحاتِ تصوّف

ذات وصفاتِ باری تعالیٰ

ہر چہ اندیشی پذیرائے فناست	۱	واں کہ در اندیشہ نایدآں خداست
پس نہانیہا بضد پیدا شود	۲	چوں کہ حق را نیست ضد پنہاں بود
مرترا باشد ز سینہ فتح باب	۳	او ز ہر ذرّہ ببیند آفتاب
نورِ نورِ چشم خود نورِ دل است	۴	نورِ چشم از نورِ دلہا حاصل است
باز نورِ نورِ دل نورِ خداست	۵	کو ز نورِ عقل و حس پاک جداست
حق پدیداست از میانِ دیگراں	۶	ہمچو ماہ اندر میانِ اختراں

ترجمہ و تشریح:

① اِنسان مخلوق ہے اور اس کے اندر جو افکار پیدا ہوتے ہیں وہ بھی مخلوق ہیں. پس اے مخاطب تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھنے کے لئے جو کچھ فکر کرے گا وہ فکر بھی مخلوق ہوگی اور فانی ہوگی اور خوب جان لے کہ تیرے احاطہ فکر میں خدا کی ذات نہیں آسکتی. کیونکہ اس سے لامحدود کا محدود میں آجانا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ذاتِ حق میں فکر و خوض کو ممنوع قرار دیا گیا (کیونکہ امر محال کے

پیچھے پڑا تھا) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے ان کی مخلوقات میں فکر و غور کرو اور حق تعالیٰ شانہ نے یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا ہے فی اللہ نہیں فرمایا پس قرآن سے بھی یہ مدلول ثابت ہو گیا کہ تفکر فی خلقِ اللہ مفید ہے۔

② بہت سے مخفی اُمور اپنی ضد سے ظاہر ہو گئے جیسا کہ یہ قاعدہ مشہورہ مسلّمہ ہے کہ وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ اشیاء اپنی ضد سے ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اور چونکہ حق تعالیٰ کی ضد نہیں ہے اس لئے وہ ذاتِ پاک پنہاں اور مخفی ہے۔

③ جس شخص کے سینے میں نورِ حق داخل ہو گیا وہ ہر ذرۂ کائنات میں آفتابِ حق کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔

④ آنکھ کی روشنی کی صحتِ ادراک (بصارتِ صحیحہ) دل کی بصیرت کی روشنی کے تابع ہے قلب جس قدر نورانی ہوتا جاتا ہے اسی قدر بصارت نورِ فراست سے مشرف ہوتی جاتی ہے۔

⑤ اور قلب کو نور ذکر اللہ کی کثرت سے عطا ہوتا ہے جس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کے خوف اور ان کی محبت کا نور جس قدر ہو گا اسی قدر اس کا دل نورانی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا نور عقل و حواسِ خمسہ کے نور سے جدا اور پاک ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ آنکھ کائنات سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اُس وقت حاصل کرنے کے قابل ہوتی ہے جب اس کی روشنی دِل

کی روشنی سے وابستہ ہو اور دل کی روشنی وہ معتبر اور مفید ہے جو نورِ خدا سے حاصل ہوتی ہو۔ پس خدا کا نور دل میں اور دل کا نور آنکھوں میں ہو تو کائنات کا ہر ذرّہ خدا کے وجود پر گواہ نظر آئے گا۔

(۶) حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں اس طرح ظاہر ہیں جس طرح ستاروں میں چاند نمایاں اور ممتاز ہوتا ہے اور جنّت میں اسی طرح مشاہدۂ جمال عطا ہو گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا کہ جنّت میں ہم اپنے رب کو اتنے اژدہام و ہجوم میں کس طرح دیکھ سکیں گے۔ ارشاد ہوا کہ جس طرح تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو اور یہ اژدہام خلق کچھ مضر نہیں ہوتا۔

گر تو آں را می نہ بینی در نظر	۷	فہم کن آں را باظہارِ اثر
پس یقیں در عقلِ ہر دانندہ ہست	۸	ایں کہ با جنبیدہ جنبانندہ ہست
تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں	۹	لیک از جنبیدنِ تن جاں بداں
دستِ پنہاں و قلم بیں خط گزار	۱۰	اسپ در جولاں و ناپیدا سوار
خاک را بینی بہ بالا اے علیل	۱۱	باد را نے جز بہ تعریف و دلیل
تیر پیدا بیں و ناپیدا کماں	۱۲	جانہا پیدا و پنہاں جانِ جاں
صورتِ دیوار و سقفِ ہر مکاں	۱۳	سایۂ اندیشۂ معمار داں
خود نباشد آفتابے را دلیل	۱۴	جز کہ نورِ آفتابِ مستطیل
جسم ظاہر روح مخفی آمدست	۱۵	جسم ہمچوں آستیں جاں ہمچو دست

ایں سخن و آواز از اندیشہ خاست	۱۶	تو ندانی بحرِ اندیشہ کجاست
در گذر از ذات و بنگر در صفات	۱۷	تا صفاتت رہ نماید سوئے ذات
زاں کہ نامحدود ناید در حدود	۱۸	بحرِ مطلق چوں در آید در قیود

ترجمہ و تشریح :

(۷) اگر تو اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھتا ہے ظاہری آنکھوں سے تو آثارِ قدرۃ الٰہیۃ سے مؤثرِ حقیقی کی معرفت حاصل کر۔

(۸) ہر عاقل یہ بات بخوبی سمجھتا ہے کہ ہر متحرّک کے لئے کوئی محرّک ہوتا ہے یعنی کوئی شے اگر حرکت کرتی ہے تو اس کو حرکت میں لانے والا بھی کوئی موجود ہوتا ہے۔

(۹) جسم کی حرکت رُوح کے سبب سے ہے لیکن تم روح کو نہیں دیکھتے اور جب کسی جسم میں حرکت کے آثار دیکھو تو اس کی روح کے وجود پر تم یقین کر لو۔

(۱۰) بعض وقت ہاتھ پوشیدہ ہوتا ہے اور قلم خط لکھتے والا معلوم ہوتا ہے۔ گھوڑا میدان میں تیز دوڑتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور گرد و غبار سے سوار نہیں دکھائی دیتا۔

(۱۱) خاک کو فضا میں اُڑتے ہوئے دیکھتے ہو لیکن اس خاک کو جو ہوا اُڑا رہی ہے وہ نظر سے مخفی ہے۔ اس کو صرف دلیل ہی سے سمجھتے ہو۔

(۱۲) کمان بعض وقت چھپی ہوتی ہے اور اس سے نکلا ہوا تیر دکھائی دیتا ہے۔ روح کو تو جسم کی حرکت سے سمجھ لیتے ہو مگر روح الارواح کو

سمجھنا مشکل ہے کہ وہ مخفی در مخفی ہے۔

⑬ ہر مکان کی چھت اور دیوار کا نقش آنکھوں کے سامنے ہے مگر یہ نقش جس معمار کے سایۂ فکر کا عکس ہے وہ مخفی ہے۔

⑭ آفتاب کے وجود کی دلیل کے لئے اس کا نورِ مستطیل کافی ہے اور ایسی روشن دلیل کے بعد پھر بھی اس کے لئے دلیل کی ضرورت محسوس کرنا طبع خفاشیت[1] کی دناءت و ذلّت کے سوا کچھ نہیں۔

⑮ جسم ظاہر ہے روح مخفی ہے جس طرح ہاتھ مخفی ہے اور آستین ظاہر ہے۔

⑯ یہ گفتگو اور آوازِ تکلّم دماغی فکر سے پیدا ہوتی ہے مگر آواز اور سخن تو ظاہر ہے اور فکر کا سمندر مخفی ہے۔ حتّٰی کہ آپریشن کے بعد بھی دماغ میں فکر کا خزانہ نظر نہیں آتا۔

⑰ ذات باری تعالیٰ کی معرفت کے لئے صفات باری تعالیٰ کے اندر تفکر کرو تاکہ یہی تفکّر فِی الصِّفات تمہارے لئے معرفتِ ذات کا سبب بن جائے۔

⑱ کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ غیر محدود ہے اور تمہاری عقل و فکر کا پیالہ محدود ہے پس غیر محدود سمندر محدود ظرف میں کیسے آسکتا ہے۔

نبوّت و وحی

چُوں خُدا اَندر نَیایَد دَر عِیَاں	۱	نَائِبِ حَقّنَد اِیں پیغمبَراں
نُورِ خُواہ اَز مَہہ طَلَب خواہی زِ خُور	۲	نُورِ مَہہ ہَم زِ آفتاب ست اے پسر

[1] چمگادڑ کا مزاج رکھنے والی طبیعت کی کمینگی

اَنْبِیَا را دَر دَرُوں ہم نَغْمَہاسْت	۳	طَالِبَاں را زاں حیاتِ بے بہاسْت
بے تَعَلُّم حَق دِہَد اُو را عُلُوم	۴	عِلْمِہائے بَرتَر از دَرکِ فُہُوم
آئینۂ دِل چُوں شَوَد صَافِی وپاک	۵	نَقْشِہا بِینَد بَرُوں اَز آب وخاک
فَلْسَفِی کُو مُنْکِر حَنّانہ اَسْت	۶	اَز حَوَاسِّ اَنْبِیَا بیگانہ اَسْت
قَابِلِ تَعْلِیم وفَہم سْت ایں خِرَد	۷	لِیک صَاحِب وَحیٔ تَعْلِیمَش دِہَد

ترجمہ وتشریح:

① کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات بندوں کی نگاہوں سے پردۂ غیب میں ہے اس لئے براہِ راست تکلم و ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کو منتخب فرمایا اور انہیں رشد و ہدایت کے لئے اپنا نائب قرار دیا۔

② جب چاند کی روشنی اس کی ذاتی نہیں ہے بلکہ آفتاب کے نور کی عکاسی سے وہ روشن ہے تو چاند کو دیکھنا گویا کہ خورشید ہی کو دیکھنا ہے اور خورشید کی روشنی کا تحمّل نہ ہونے سے اس کا دیکھنا بھی مشکل تھا۔

③ انبیاء کرام علیہم السلام کے سینوں میں دردو عشقِ الٰہی کے نغمات پوشیدہ ہیں جن سے طالبینِ حق کو حیاتِ بے بہا عطا ہوتی ہے۔

④ انبیاء علیہم السلام کو بغیر کسی اُستاد سے پڑھے ہوئے حق تعالیٰ براہِ راست علوم عطا فرماتے ہیں اور ایسے علوم کہ وہاں تک غیر نبی کی عقل وفہم رسا ہی نہیں ہوسکتی۔

⑤ جب دِل کا آئینہ صاف ہوجاتا ہے تو آب و گل سے بالاتر عالمِ غیب کے مناظر کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔

(۶) جو فلسفی واقعہ استوانۂ حنانہ کا منکر ہے تو اس انکار کا سبب اس نورِ ادراک سے اس کی بیگانگی اور محرومی ہے جو انبیاء علیہم السلام کو عطا کی جاتی ہے۔

(۷) تعلیم وفہم کی صلاحیت عقل کو ہوا کرتی ہے لیکن خود عقل کو عقل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے عطا ہوتی ہے۔

معجزہ

بر زند از جانِ کاملِ معجزات	۱	بر ضمیرِ جانِ طالب چوں حیات
معجزہ از بہرِ قہرِ دشمن است	۲	بوئے جنسیت سوئے دل بردن است
موجبِ ایماں نباشد معجزات	۳	بوئے جنسیت کند جذبِ صفات
بیشتر احوال بر سنت رود	۴	گاہ قدرت خارقِ سنت شود
ایں سببہا بر نظرہا پردہ ہاست	۵	کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزاست
ہست بر اسباب اسبابِ دگر	۶	در سبب منگر بداں افگن نظر
ایں سبب را محرم آمد عقلہا	۷	واں سببہا راست محرم انبیاء
از مسبب می رسد ہر خیر و شر	۸	نیست اسباب و وسائط را ضرر
اے ز غفلت از مسبب بے خبر	۹	بندۂ اسباب گشتستی چو خر
چشم بکشا و مسبب را نگر	۱۰	تا شوی فارغ ز اسبابِ ضرر

ترجمہ و تشریح :

(۱) حضراتِ انبیاء علیہم السّلام جو کاملین عباد اللہ ہیں طالبینِ حق پر اُنکے مُعجزات کا اثر مثلِ آبِ حیات ہوتا ہے۔

(۲) اور مُعجزہ کفّار پر قہر کے لئے بھی ظاہر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السّلام کی محبوبیّت او مُحبّیت کا اثر دوستوں کے لئے مخصوص ہوتا ہے جس سے عاشقوں کے دِل پے در پے رسُولِ خُدا پر فدا ہونے لگتے ہیں۔

(۳) معجزات سے ایمان کا عطا ہونا ضروری نہیں ہوتا ورنہ سارے ہی کافر مُسلمان ہوجاتے۔ ایمان کے لئے قلوب میں ایک خاص صلاحیت درکار ہوتی ہے جس کی برکت سے صفاتِ نبوّۃ اس کے اندر اپنا اثر داخل کر دیتی ہیں جیسا کہ موسمِ بہار میں ایک ہی پانی زمین کو سرسبز و شاداب کرتا ہے اور وہی پانی پتھر پر کوئی اثر نہیں ظاہر کرتا۔

(۴) اکثر حالات میں تو اسبابِ ہدایت اسبابِ عادیہ ہی ہوتے ہیں البتہ گاہ گاہ حق تعالیٰ کی قدرت عادت کے خلاف معجزات کو ظاہر کرتی ہے۔

(۵) یہ اسبابِ نظر کے لئے حجاب ہیں کہ مسببِ حقیقی کی صنعت کے مُشاہدہ سے حائل اور مانع بنے ہُوئے ہیں۔

(۶) حالانکہ یہ جُملہ اسباب کسی اور سبب کے تابع ہیں جس کی انتہا مسببِ الاسباب حق تعالیٰ کی ذات پر ختم ہوتی ہے۔ پس اسباب سے نظر ہٹا لو۔ جس طرح دیوار میں ایک کیل ٹھونکنے والے سے دیوار فریاد نہ کرے بلکہ کیل سے فریاد کرے کہ میرے اندر مت داخل ہو

مجھے مت تکلیف دے تو کیل یہی کہے گی کہ بھائی میرا کچھ اختیار نہیں مجھ سے فریاد عبث ہے کیل ٹھونکنے والے سے فریاد کرو کہ وہ اگر ہاتھ روک لے تو میں خود بخود رک جاؤں گی۔

⑦ ان اسبابِ ظاہرہ کے ماہرین تو دُنیا کے عقلاء ہوتے ہیں مگر ان اسباب کے اسباب سے صرف انبیاء علیہم السّلام آگاہ ہوتے ہیں۔

⑧ دراصل ہر خیر و شر مسبّبِ حقیقی کے حُکم سے ہم تک پہنچتا ہے۔ اسباب اور وسائط کو فاعلِ مختار سمجھ کر ان کی پرستش کرنا حماقت ہے یعنی تدابیر اور اسباب کو محض حق تعالیٰ کا حُکم سمجھ کر اختیار کرو مگر ان کو مؤثر نہ جانو اور نتیجہ کو صرف خُدائے تعالیٰ کے قبضہ میں سمجھو۔

⑨ اے مخاطب! تو مسبّبِ حقیقی سے بے خبر ہے اور بندۂ اسباب بنا ہوا ہے مثلِ خر کے۔

⑩ آنکھیں کھول اور مسبّبِ حقیقی پر نظر کرتا کہ اسبابِ ضرر سے فارغ ہو جاتے۔

تقدیر

اَندریں شہرِ حوادث میرِ اُوست	۱	دَر ممالک مالکِ تدبیرِ اُوست
ہیچ برگے بر نیفتد اَز درخت	۲	بے قضا و حُکمِ آں سُلطانِ بخت
اَز دہاں لقمہ نشد سُوئے گلو	۳	تا نگوید لقمہ را حق کادخلوا

دَر زَمِیں وَ آسماں تنہا ذَرّہ ۴ بَر نَجُنبَد تا نَگَردَد دُ یَرَّہ
مَعنیِ جَفَّ القَلَم کَے ایں بُوَد ۵ کِہ جَفاہا با وَفا یکساں شَوَد

ترجمہ و تشریح:

① اس شہرِ حوادث یعنی کائنات میں تمام تر حاکمیت خاص ہے اللہ تعالیٰ کو اور وہی اِنتظامِ کائنات کا حقیقی فرمانروا ہے۔

② کوئی پتہ درخت سے جُدا نہیں ہوسکتا بغیر اِس سُلطانِ حقیقی کے حُکم و فیصلے کے۔

③ کوئی لقمہ مُنہ سے گلے کی طرف نہیں بڑھ سکتا جب تک کہ حق تعالیٰ اس کو حکم نہیں فرماتے کہ داخل ہوجا۔

④ زمین و آسمان میں کوئی ذرّہ بغیر حُکمِ الٰہی کے نہ تو اپنی جگہ سے حرکت کرسکتا ہے اور نہ اُڑ سکتا ہے۔

⑤ نوشتۂ تقدیر کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ہم خیر و شر میں مجبور ہیں تقدیرِ الٰہی کا مفہوم صرف یہ ہے کہ ہم اپنے اختیار و ارادہ سے جو خیر و شر کرنے والے تھے حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے علمِ ازلی ابدی سے اس کو محفوظ فرمادیا ہے۔ پس اسی علمِ الٰہی کا نام تقدیرِ الٰہی ہے۔ اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اُنھوں نے ہمیں مجبور کردیا۔ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہیں ان کو بندوں کی ہدایت اگر عزیز تر نہ ہوتی تو سیّد الانبیاء مُحمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وہ خونِ مُبارک جس کا ہر قطرہ بھی امام ہے تمام انسانیت کے قطراتِ لہو کا، بازارِ طائف میں ہماری ہدایت کے

لئے نہ بہتا۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں سورۃ احزاب میں وہ ایسا رحیم ہے کہ وہ خود بھی اور اس کے فرشتے بھی تم پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں تاکہ حق تعالیٰ تم کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آوے اور اللہ تعالیٰ مؤمنین پر بہت مہربان ہے۔ (آیت ۴۳)

جبر و اختیار

جبریش گوید کہ امر و نہی لاست ١ اختیارے نیست ایں جملہ خطاست

گر نباشد فعلِ خلق اندر میاں ٢ پس مگو کس را چرا کردی چناں

جملۂ عالم مقر در اختیار ٣ امر و نہیِ ایں بیاد آں میار

ترجمہ و تشریح:

(١) جبری فرقہ والا کہتا ہے کہ امر و نہی سب بیکار ہے کیونکہ ہمارے اندر اختیار ہی نہیں ہم تو مجبورِ محض ہیں۔

(٢) اگر انسان کے افعال سب غیر اختیاری ہیں تو آپس میں کیوں یہ کہتے ہو کہ یہ کام تو نے ایسا کیوں کیا داروگیر اور احتساب کا کائنات میں وجود ہی نہ ہوتا۔

(٣) تمام کائنات میں اختیار کا ثبوت تمہارے اوامر و نواہی تسلیم کر رہے ہیں یعنی اگر اختیار نہ ہوتا تو آپس میں کیوں یہ کہتے ہو کہ یہ کام کر لو اور یہ کام نہ کرو۔

(نوٹ) مولانا نے ایک مثال یہ بھی دی ہے کہ اگر تندرست آدمی ہاتھ کی حرکت سے تمہارا شیشے کا گلاس توڑ دے تو اس کو ڈانٹتے ہو اور اگر رعشہ کے مریض سے جس کا ہاتھ بیماری سے کانپتا رہتا ہے کوئی چیز گر کر ٹوٹ جاوے تو اُسے معذور سمجھتے ہو اگر اختیار و عدمِ اختیار سب برابر ہے تو تم دونوں مثالوں میں کیوں فرق کرتے ہو۔

خیر و شر

نیست باطل ہر چہ یزداں آفرید	۱	از غضب و از حلم و ز نصح و مکید
خلقِ آبی را بود دریا چو باغ	۲	خلقِ خاکی را بود آں درد و داغ
زید اندر حقِ آں شیطاں بود	۳	در حقِ شخصِ دگر سلطاں بود
کفر ہم نسبت بخالق حکمت است	۴	چوں بما نسبت کنی کفر آفت است
عیب شد نسبت بمخلوقِ جہول	۵	نے بہ نسبت با خداوندِ قبول

ترجمہ و تشریح :

(۱) حق تعالیٰ نے دُنیا میں کوئی چیز بھی حکمت سے خالی نہیں پیدا فرمائی چنانچہ غصہ و شہوت علم و مکر وغیرہ اخلاقِ حمیدہ و اخلاقِ رذیلہ سب میں حکمتیں مضمر ہیں۔ بُری خواہشات کی حکمت مولانا نے دُوسرے مقام پر بیان بھی فرمائی ہے۔

شہوتِ دُنیا مثالِ گلخن است	کہ ازو حمامِ تقویٰ روشن است

کہ دُنیا کی خواہشیں (حُبِّ جاہ و مال وزن) یہ ایندھن ہیں حمامِ تقویٰ کے لیے تقویٰ کا حمام انھیں سے روشن ہوتا ہے جب ان کے تقاضوں پر عمل نہ کیا جاوے اور ان تکالیف پر صبر کرلیا جاوے جو ان خواہشات کے خُون سے ہوتا ہے۔

ہزار خُونِ تمنا ہزار ہا غم سے　　دلِ تباہ میں فرمانروائے عالم ہے

میکدہ میں نہ خانقاہ میں ہے (اختر)

جو تجلّی دلِ تباہ میں ہے

دِلِ تباہ سے مُراد وہ دل ہے جس نے مولیٰ کو راضی کرنے کے لئے اپنی تمام ناجائز خواہشات پر صبر کیا ہے۔

(۲) پانی کی مخلوق دریا کو باغ سمجھتی ہے اور خاکی مخلوق دریا کو اپنے لئے دردو تکلیف کا سبب سمجھتی ہے۔

(۳) مثلاً زید اپنے حاسد و دشمن کی نگاہ میں شیطان ہے تو اپنے دوستوں کی نظر میں وہی زید سُلطان نظر آتا ہے۔

(۴) کُفر کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ حق تعالیٰ اس کے خالق ہیں دوسری حیثیت یہ ہے کہ انسان اس کُفر کا کاسب یعنی اختیار کرنے والا ہو پس پہلی صورت میں حکمت ہے اور دوسری صورت میں آفت ہے۔

(۵) ہر شر اور عیب اپنی پیدائش کے لحاظ سے حکمت کا حامل ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہونا محال ہے لیکن اسی شر و عیب کو جب مخلوق اختیار کرتی ہے تو یہی عیب و شر ضرر رساں بن جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ خلق اور کسب کا فرق ضروری ہے۔ مرتبۂ خلق میں ہر شر حکمت رکھتا ہے اور مرتبۂ کسب میں وہی شر کاسب کے لئے آفت بن جاتا ہے۔ مزید تفصیل علمائے ربانیین سے سمجھ سکتے ہیں۔

موت و معاد

مرگِ ہر یک اے پسر ہم رنگِ اوست	۱	پیشِ دشمن دشمن و بر دوست دوست
اولیاء را چوں بوصل افتد نظر	۲	واں کہ ایشاں را اجل باشد شکر
جاں مجرد گشتہ از غوغائے تن	۳	می پرد با پرِّ دل بے پائے تن
ہست ما را خواب و بیداریٔ ما	۴	بر نشانِ مرگ و محشر دو گوا

ترجمہ و تشریح:

① اے مخاطب! ہر شخص کو موت اس کی ہم رنگ شکل میں پیش آتی ہے اگر دوست ہے یعنی اللہ کا ولی ہے تو موت بھی دوست کی شکل میں آتی ہے اور اگر دشمن ہے یعنی کافر یا نافرمان ہے تو موت بھی دشمن بن کر سامنے آتی ہے۔

② اولیاء اللہ چونکہ موت کو محبوبِ حقیقی کی ملاقات و دیدار کا ذریعہ سمجھتے ہیں اس لئے ان کے لئے موت شکر کی طرح شیریں ہوتی ہے

③ عارف کی جان جسم کے حواسِ خمسہ ظاہرہ و باطنہ کے ہنگاموں سے آزاد ہو کر دل کے پر سے حق تعالیٰ کی طرف ہر لحظہ اُڑتی رہتی ہے بغیر جسم کے پاؤں کے۔

(۴) ہمارا سونا اور بیدار ہونا یہ دونوں گواہ ہیں موت اور حشر پر، حدیث شریف میں وارد ہے کہ اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ۔ (شعب الایمان ج۴ ص۱۸۳) نیند موت کا بھائی ہے جس نے کسی کو نہ دیکھا ہو اس کے بھائی کو دیکھ لے (یہ مقولہ مشہور ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیثِ پاک میں حشر و نشر کا مشاہدہ کرادیا کیونکہ سونے کے بعد مردہ اور سویا ہوا دونوں یکساں ہوجاتے ہیں۔

شب زِ زنداں بے خبر زندانیاں شب زِ دولت بے خبر سلطانیاں

رات کو سوجانے کے بعد قیدی قید خانے کے الم سے اور سلاطین اپنی سلطنت و دولت کے احساس سے بے خبر ہوجاتے ہیں۔

سوکر اُٹھنے کے بعد کی حدیث شریف میں دُعا کا مضمون بھی ایک استدلالی مضمون کا حامل ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ (الحدیث) (بخاری شریف ص۹۳۶ ج۲)

ترجمہ: شکر اس مالکِ حقیقی کا جس نے ہم کو زندہ کردیا بعد مردہ کردینے کے اور اسی کی طرف ہمارا ایک دن حساب کتاب کے لئے جمع ہونا ہے۔

علمِ نافع

خاتمِ مُلکِ سلیمان ست علم	۱	جملہ عالم صورت و جان ست علم
آدمِ خاکی زحق آموخت علم	۲	تا بہفتم آسماں افروخت علم
بوالبشر چوں علم الاسماء گشت	۳	صد ہزاراں علمش اندر ہر رگ ست

عِلم خو بزدِل زنی یارے شود	۴	عِلم چوں برتن زنی مارے شود
ہیں منقش بہر ہوا آں بارِ عِلم	۵	تا بہ بینی از دروں انبارِ عِلم
بینی اندر دِل علومِ انبیاء	۶	بے کتاب و بے معید و اوستا
قال را بگذار مردِ حال شو	۷	پیشِ مردِ کاملے پامال شو
حکمتِ دُنیا فزاید ظن و شک	۸	حکمتِ دینی برد فوقِ فلک
جانِ جملہ علمہا این ست این	۹	کہ بدانی من کیم در یومِ دین
دانش نور ست در جانِ رجال	۱۰	نے زدفتر نے بہ زراہِ قیل و قال

ترجمہ و تشریح:

(۱) حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاتم (انگوٹھی) عِلم تھا۔ یعنی اسماءِ الٰہیہ سے اسمِ اعظم تھا۔ جملہ کائنات صُورت اور جسم ہے اور علم ہی اس کے اندر روح ہے۔

(۲) سیّدنا آدم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے علم سیکھا کما قال اللہ تعالیٰ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا اس علم نے آپ کو فلکِ سابع (ساتواں آسمان) تک روشن کر دیا۔

(۳) سیّدنا آدم علیہ السلام کو علم حق تعالیٰ نے عطا فرمایا اور وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ کُلَّہَا سے آپ کی ہر رگ میں لاکھوں انوارِ عُلوم بھر دیئے۔

(۴) عِلم کو اگر دِل کی اصلاح میں استعمال کرو تو یہ بہترین یار ہے اور اگر تن پروری، عیش کوشی، جاہ طلبی، مجادلہ میں صرف کیا تو یہی علم سانپ

بن جاتا ہے۔

⑤ اے مخاطب خبردار علم کو خواہشاتِ نفس کی پیروی میں مت استعمال کرنا تاکہ اس اخلاص کی برکت سے اپنے سینہ میں علمِ حقیقی کا انبار (ذخیرہ) پالو۔

⑥ اپنے اندر علومِ انبیاء کا فیضان موجزن پاؤ گے اور بے کتاب اور بے استاد یہ نعمت میسّر ہوگی بشرطیکہ کسی اللہ والے سے تعلّق کرلو۔

⑦ قیل وقال اور محض الفاظ کو مقصود مت بناؤ ان الفاظ کے معانی اور حقائق کا پتہ لگانے کے لئے صاحبِ حال بنو، نرے صاحبِ قال ہی نہ رہو اور صاحبِ حال بننے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی مردِ کامل کے پاؤں کے نیچے اپنے نفس کو رکھ دو یعنی دِل سے اس کے تابعدار بن جاؤ اور اطلاعِ حالات و اتّباعِ تجویزات سے سُلوک طے کرنا شروع کردو۔

نجانے کیا سے کیا ہوجائے میں کچھ کہہ نہیں سکتا
جو دستارِ فضیلت گم ہو دستارِ محبّت میں

⑧ حکمتِ دنیویہ پڑھنے سے ظن وشک میں اضافہ ہوتا ہے اور حکمتِ دینیہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تک رسائی عطا ہوتی ہے۔ مافوق الفلک سے مُراد یہی ہے۔

⑨ تمام علوم کی رُوحِ اصلی صرف یہ دولتِ فکر ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے دِن ہم کو کس نظر سے دیکھیں گے۔ رضائے الٰہی کی طلب اور ناراضگی سے پناہ میں دِل کو گُھلانا اصل علم ہے۔ سیّدنا محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ (بخاری شریف ج ۱) وَاَنَا اَخْشٰکُمْ۔ (شعب الایمان ج ۳) اے لوگو!

میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور اسی سبب سے تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ کَانَ مُتَوَاصِلَ الْاَحْزَانِ دَائِمَ الْفِکْرَۃِ شمائل ترمذی ص ۱۴[1] ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل غمگین اور فکر مند رہتے تھے۔ آخرت کا خوف اور اُمت کا غم آپؐ کو اس حال میں رکھتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہونے کے باوجود عرض کرتے ہیں وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ سورۃ الشعراء[2] اے ہمارے رب میدانِ محشر میں ہمیں رُسوا نہ کیجیے گا۔ تفسیر خازن میں ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام غلبہ خوفِ خُداوندی سے سکڑ کر گوریا کے برابر ہو جاتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوف سے فرماتے ہیں کہ کاش مَیں کوئی درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا۔ مقبولانِ بارگاہ کا یہی حال ہوتا ہے عظمتِ الٰہیہ کا جس قدر انکشاف ہوتا جاتا ہے ہیبتِ حق کا غلبہ ہوتا جاتا ہے اور جن کی آنکھیں اندھی ہیں اُنھیں اپنے علوم سے صرف حلوا، مانڈا اور معاش کی ضروریات حاصل کرنا ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین کی صُحبت نہ ملنے سے یہی حشر و انجام ہوتا ہے۔ بقول حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے کہ نورِ نبوّت کے بغیر علومِ نبوّت پڑھ لینے سے عملی زندگی کبھی درست نہیں ہو سکتی اس لئے فراغِ درسیات اور علومِ ظاہری کے بعد اہل اللہ کی صُحبت میں حاضری ضروری ہے

---

[1] شمائل ترمذی ص ۱۴ [2] سورۂ شعراء آیۃ ۸۷

جس کی مدت حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے چھ ماہ تجویز فرمائی ہے۔

(۱۰) اللہ والوں کی جانوں کو نورِ فراست عطا ہوتا ہے جو قیل و قال اور کتب خانوں کے دفتر سے نہیں ملتا بلکہ کسی اللہ والے کی صحبت میں ایک عمر محنت و مجاہدہ سے ملتا ہے۔

مرتبۂ قیاس بمقابلہ نصِّ صریح

مجتہد ہر گہ کہ باشد نص شناس	۱	اندر آں صورت نیندیشد قیاس
چوں نیابد نص اندر صورتے	۲	از قیاس آں جا نماید عبرتے
گفت نار از خاک بیشک بہتر ست	۳	من ز نار و او ز خاکِ اکدر ست
پس قیاس فرعِ بر اصلش کنیم	۴	او ز ظلمت ما ز نورِ روشنیم
گفت حق نے بلکہ لا انساب شد	۵	زہد و تقویٰ فضل را محراب شد
زادۂ خاکی منور شد چو ماہ	۶	زادۂ آتش توئی اے رو سیاہ
ایں قیاسات و تحری روزِ ابر	۷	یا بشب مر قبلہ را کرد ست جبر
لیک با خورشید و کعبہ پیشِ رو	۸	ایں قیاسات و تحری را مجو

ترجمہ و تشریح :

(۱) مجتہد فقیہہ اجتہاد و قیاس اس وقت کرتا ہے جب کہ نصِ صریح کسی فرع میں نہیں پاتا۔

(۲) جب کسی جزئیہ میں نص نہیں پاتا اس وقت قیاس کے لیے کلیاتِ منصوصہ میں غور کرتا ہے۔

(۳) ابلیس نے کہا میں ناری ہوں خاک سے میرا مقام بلند ہے کیونکہ کرۂ ناری کا کرۂ خاکی سے مافوق ہونا مسلّمات سے ہے۔

(۴) اور ابلیس نے کہا کہ میں اس حکمِ سجدہ کو کہ فرع ہے قیاس کرتا ہوں اسکے اصل پر یعنی میری اصل حقیقت نار ہے اس لئے میں روشن ہوں اور حضرت آدم علیہ السّلام کی اصل خاک ہے اور خاک میں ظلمت اور تاریکی ہوتی ہے۔

(۵) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یہ انساب ہمارے یہاں لاشے ہیں زہد و تقویٰ ہی ہمارے یہاں معیار شرف و عزّت ہے۔

(۶) زادۂ خاکی سیّدنا حضرت آدم علیہ السّلام نورِ تقویٰ سے منوّر ہو گئے اور اے ابلیس ملعون تو نافرمانی کی ظلمت سے سراپا تاریک اور روسیاہ ہو گیا۔

(۷) قیاس اور تحرّی ابر میں اور رات کی تاریکی میں کیا کرتے ہیں قبلہ درست کرنے کے لئے بوجہ مجبوری۔

(۸) لیکن آفتاب اور کعبہ کے سامنے ہوتے ہوئے پھر بھی قبلہ درست کرنے کے لئے قیاس اور تحرّی کرنا جس طرح جہل اور حماقت ہے اسی طرح صریح حکم اور فرمانِ الٰہی کے ہوتے ہوئے ابلیس کا یہ قیاس بھی احمقانہ تھا۔

تصوّف و صُوفی

کارِ درویشی وَرائے کارہا ست	۱	دم بدم از حق مرایشاں را عطا ست
گر تنِ خاکی غلیظ و تیرہ ہست	۲	صیقلے کُن زانکہ صیقل گیرہ ہست
پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی	۳	صیقلی کن صیقلی کن صیقلی
صُوفیِ ابن الوقت باشد اے رفیق	۴	نیست فردا گفتن از شرطِ طریق
ہر کہ عاشق گشت رست از وقت و حال	۵	غرقہ شد در بحرِ عشقِ ذوالجلال
نورِ حق ظاہر بود اندر ولی	۶	نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی
کاں گروہے کہ رہیدند از وجود	۷	چرخ و مہر و ماہ شاں آرد سجود
ہر چہ گیرد علّتی علّت شود	۸	کفر گیرد کاملے ملّت شود
جہل آید پیشِ او دانش شود	۹	جہل شد علمے کہ در ناقص رود

ترجمہ و تشریح :

(۱) اللہ کے عاشقوں کی کائنات ہی الگ ہے ان کے کاروبار عام عقول و افہام سے مافوق ہیں یعنی ہر وقت ان کے باطن کو جو قرب پیہم عطا ہو رہا ہے اس راز سے اہلِ ظاہر بے خبر ہیں۔

(۲) اے مخاطب تو اگر تاریک باطن اور سخت بے حس ہے تو قلعی کرالے کہ یہ خاکی تن صیقل قبول کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اور قلب کے قلعی گر یعنی اللہ والے ہر دور میں موجود ہیں۔

(۳) پس اگر تو مثلِ لوہے کے سیاہ دِل ہے تو جلد اپنے نفس کی اصلاح میں

مشغول ہوجا۔

(۴) صُوفی ہر وقت رضائے الٰہی کے تابع ہوتا ہے یعنی ہر وقت کی آنِ بندگی اور عنوانِ غلامی کو سمجھ کر فوراً طاعات میں تغیر و تبدل کرلیتا ہے مثلاً بچہ یا بیوی بیمار ہے اور دوا لانا ضروری ہے اور نوافل اور ذکر کا بھی یہی وقت تھا تو حق تعالیٰ کی مرضی سمجھ کر دوا لانے چلا جاوے گا اور جاہل صُوفی کو حقوق العباد کی مطلق پروا نہیں ہوتی اور یہ مُعاملات اس قدر نازک ہیں کہ جب تک طویل عمر کسی اللہ والے کی جوتیاں نہ سیدھی کی جاویں جام و سنداں باختن نہیں آتا یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد اور حقوق النفس میں اعتدالی توازن برقرار رکھنے کی فہم نہیں پیدا ہوتی اور شیخ بھی شیخ مبصر و محقق ہونا چاہیے جو خود بھی کسی بزرگ کی اچھی طرح معتدبہ صُحبت میں رہا ہو۔ صُوفی کا مسلک یہ نہیں ہوتا کہ جس کام کو حق تعالیٰ ہم سے آج اور اس وقت چاہتے ہوں اور ہم اس کو کل پر ٹال دیں۔ اس شعر میں بعض سطحی لوگ ابن الوقت سے مُراد رفتار زمانہ کی غلامی لیتے ہیں حاشا وکلّا اس جہل سے اس شعر کا کیا واسطہ۔ زمانہ سے بے خوف ہوکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا جذبہ ایمان کی ضمانت ہوتا ہے۔

زمانہ سے اگر ڈرتا رہے گا   زمانہ تجھ پہ ہنستا ہی رہے گا
ہم کو مٹا سکے یہ زمانہ میں دم نہیں   ہم سے زمانہ خود ہے زمانہ سے ہم نہیں
سیکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو   اک ترا غم ہے ترے ناساز کو

(اخترؔ)

⑤ جو عاشقِ حق ہوگیا وہ زمانے کی غلامی سے آزاد ہوگیا اور بحرِ عشقِ ذوالجلال میں غرق ہوگیا یعنی ماسوی اللہ سے اس کی طبیعت مرعوب نہیں ہوتی۔

سیکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو اک ترا غم ہے ترے ناساز کو

ہو آزاد فوراً غمِ دو جہاں سے ترا ذرّۂ غم اگر ہاتھ آئے

(اختر)

⑥ اولیاء اللہ کے چہروں سے اللہ کا نور روشن ہوتا ہے مگر یہ نور معاند کو نظر نہیں آتا۔ طالبانِ حق مثلِ مجنوں کے اللہ تعالیٰ کی خوشبو سونگھ کر بتا دیتے ہیں کہ اس عارف و عاشق کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت کی آگ موجود ہے۔

⑦ اولیاء اللہ کی یہ جماعت جنہوں نے اپنی مرضیات کو مرضیاتِ حق کے تابع کر دیا اور اس مجاہدہ میں وہ نیم جاں ہوگئے مگر حق تعالیٰ کی رحمت نے انھیں وہ اعزاز بخشا کہ ان کی عظمت کا آسمان و شمس و قمر بھی ادب کرتے ہیں یعنی انھیں کے دم سے خود ان کی حیات قائم ہے کیونکہ جب روئے زمین پر اللہ اللہ کرنے والے نہ رہیں گے اسی دم قیامت آجاوے گی اور شمس و قمر و افلاک ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جاویں گے۔

⑧ قلب کے بیماروں کا حال یہ ہے کہ جو کچھ ان کے دل میں خیالات آتے ہیں وہ علت بن جاتے ہیں اور کاملین اگر کفر کو بھی ہاتھ میں لیتے ہیں تو وہ ملّت بن جاتا ہے یعنی فساق و فجار اچھی باتیں بھی اپنے نظریات معتقداتِ قبیحہ کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں اور اللہ والے بری باتوں

سے بھی اچھے اسباق حاصل کر لیتے ہیں جیسا کہ مثنوی شریف میں کیسے کیسے واقعات اور قصے ہیں مگر اُن سے جو نصائح مولانا نے بیان فرمائے ہیں وہ محوِ حیرت کر دیتے ہیں۔

⑨ اللہ والوں کی کرامت سے جہل بھی ان کے سامنے عقل و دانش بن جاتا ہے اور بُرے لوگوں کے پاس اگر علم بھی پہنچ جاتا ہے تو ان کی نحوست سے وہ ان کے حق میں جہل ہو جاتا ہے اور اس علم سے وہ فتنہ ہی پیدا کرتے ہیں۔

تخلیقِ عالم

شُد جہاں آئینۂ رخسارِ دوست	۱	ہر دو عالم در حقیقت عکسِ اوست
یافت از نورش جماد افتادگی	۲	گرد از مہرش نبات استادگی
جنبشِ کفہا زِ دریا روز و شب	۳	کف ہمی بینی نہ دریا اے عجب
گرد و چشمِ حق شناس آمد ترا	۴	دوست پر بیں عرصۂ ہر دو سرا

① یہ کائنات صفاتِ الٰہیہ کا مظہر ہے اور دونوں جہاں عکسِ جمال دوست ہیں۔

② حق تعالیٰ شانہٗ کے نورِ پاک سے جمادات نے شانِ افتادگی پائی ہے کہ جہاں ڈال دیئے گئے وہیں پڑے ہیں تسلیم و رضا کے ساتھ اور انہیں کی عنایت سے نباتات نے اُگنا اور اُگ کر کھڑا ہونا سیکھا ہے۔

۳ دریا میں جھاگ کی حرکت تو نظر آتی ہے مگر جو امواج اس جھاگ کی حرکت کا اصل سبب ہیں وہ جھاگ کے نیچے روپوش ہیں۔

۴ اے مخاطب اگر تیری دونوں آنکھیں حق شناس یعنی دولتِ عرفانِ حق سے مشرف ہوجائیں تو تجھے سارا جہاں دوست کی نشانیوں سے پُر معلوم ہو۔

عَالَمِ امر

بے جہت داں عالمِ امر و صفات	۱	عالمِ خلق است جہتہا و جہات
غیب را ابرے و بادے دیگر ست	۲	آسماں و آفتابے دیگر ست
ہست بارانہا جز ایں باراں بداں	۳	می نہ بینند ایں دو را جز چشمِ جاں

عالم کی دو قسمیں ہیں: عالمِ امر۔ عالمِ خلق

۱ عالمِ امر و صفات جہات و حسیات سے معرّیٰ ہے اور عالمِ خلق عالمِ جہات اور عالمِ محسوسات ہے۔

۲ عالمِ غیب کے ابر و باد عالمِ دُنیا کے ابر و باد سے الگ ہیں اور وہاں کے آسمان اور آفتاب بھی الگ ہیں۔

۳ عالمِ غیب کی بارش اس عالم کی بارش سے مختلف ہے مگر ان تمام اُمور مذکورہ کا انکشاف صرف انھیں کو ہوتا ہے جن کی ارواح تعلق مع اللہ (معیتِ خاصہ) کی دولت سے نورِ خاص پاچکی ہیں، ان ظاہری آنکھوں

سے اُس عالم کا ادراک ناممکن ہے بصیرۃ قلب کی ضرورت ہے جس کے حصول کا ذریعہ کسی بزرگِ کامل کی صحبت ہے۔

231

تخلیق انسان و مرتبۂ آں و غرض ازاں

وَجہِ آدم آئینہ اسما کند
عکسِ خود در صورتش پیدا کند

وجہ آدم علیہ السلام کو اپنے اسماء کا آئینہ بنایا یعنی اپنی جملہ صفات کا سیدنا آدم علیہ السلام کو مظہر بنایا۔

جملۂ عالم ہست حاجتمندِ تو
تو گدایا نہ چہ گردی کو بکو

تمام کائنات کو انسان کی خدمت کے لئے خلق فرمایا ہے پس اے انسان تو جب پوری کائنات کا مخدوم ہے تو کائنات کا اپنے کو محتاج مت سمجھ اور گلی در گلی رُسوا مت پھر بلکہ خالق کائنات سے رشتہ جوڑ تاکہ تو اپنے صحیح مقصد میں مصروف ہو کر دونوں جہان کی دولت سے مالا مال ہو جاوے۔

ہستِ انساں مرکزِ دورِ جہاں
نیست بے انساں مدارِ آسماں

یہ کائنات انسان کامل ہی کے دم سے قائم ہے جب روئے زمین پر کوئی اللہ، اللہ کرنے والا نہ رہے گا تو افلاک اپنی گردش سے محروم کر دیئے جائیں گے اور انھیں ریزہ ریزہ کر دیا جاوے گا اور قیامت قائم ہو جاوے گی۔

از کمالِ قدرتش ہیں بے شکے
کو دو عالم می نماید در یکے

یہ کمال قدرۃ الٰہیہ تو دیکھو کہ بلا شبہ دونوں جہان کا نمونہ بنا دیا ایک انسان کو۔

یعنی انسان کامل ہی مظہر ہر دو جہان اور مقصد ہر دو جہان ہے اس جہان کو اس کے لئے عالم عمل بنادیا اور اُس جہان کو اس کے لئے عالم جزا بنادیا پس دونوں جہان اسی کے لئے بنائے گئے۔

لامکانی اندر مکاں گردہ مکاں　　　　بے نشاں گشتہ مقید در نشاں

عجیب قدرت ہے اس کی کہ خود لامکان ہے مگر ہمارے قلوب اور ارواح کو جو مکانی ہیں کس طرح اپنا تعلق خاص عطا فرما رکھا ہے اور خود بے نشان ہیں اور بانشانوں کو کس طرح اپنا تعلق بخشا ہوا ہے۔

صد ہزاراں بحر در قطرہ نہاں　　　　ذرۂ گشتہ جہاں اندر جہاں

لاکھوں سمندر ایک قطرہ میں مخفی ہو گئے اور ایک ذرّہ اپنے اندر کائنات در کائنات رکھتا ہے۔

ہیچ کوزہ گر کند کوزہ شتاب　　　　بہرِ عین کوزہ نے از بہرِ آب

کوئی کوزہ گر کسی کوزہ کو صرف کوزہ مقصود بنا کر نہیں بناتا بلکہ یہ مقصد ہوتا ہے کہ خلق اس میں پانی پئے گی۔

ہیچ کاسہ گر کند کاسہ تمام　　　　بہرِ عین کاسہ نے بہرِ طعام

کوئی کاسہ گر اگر پیالہ بناتا ہے تو اس کا مقصد صرف پیالہ نہیں ہوتا بلکہ اس لئے کہ لوگ اس میں کھانا کھاویں۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ ایں بخواں
جز عبادت نیست مقصود از جہاں

حق تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو خلق فرما کر ان کا بھی مقصد بیان فرما دیا کہ ان

کو اس لئے نہیں پیدا کیا کہ یہ بس کھاتے پیتے زندہ رہیں اور مر جائیں بلکہ انھیں عبادت کے لئے پیدا کیا ہے یعنی ان کی زندگی بہر زندگی نہیں بلکہ بہر بندگی ہے۔

تشبیہ و تمثیل ذاتِ حق

اُو بروں از وہم و قال و قیلِ من
خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من

وہ ذات پاک ہے ہمارے وہم اور قیل وقال سے اور ہمارے اوپر اور ہماری تمثیلات پر بھی خاک پڑے۔

یک مثل آورد ابلیس لعیں
تا کہ شد ملعون حق تا یوم دیں

ابلیس لعین نے ایک مثال دی تھی قیامت تک کے لئے وہ ملعون بارگاہ ہو گیا۔

روحِ انساں

جانِ گرگاں و سگاں ہر یک جدا ست	۱	متحد جانہائے شیرانِ خدا ست
جاں چہ باشد با خبر از خیر و شر	۲	شاد از احسان و گریاں از ضرر
مردِ خفتہ روح او چوں آفتاب	۳	در فلک تاباں و در تن جامہ خواب
مرد اول بستۂ خواب و خور است	۴	آخر الامر از ملائک بہتر است
روحِ من چوں امرِ ربی مختفی است	۵	ہر مثالیکہ بگویم منتفی است

ترجمہ و تشریح :-

① کتوں اور بھیڑیوں کی روحوں میں اختلاف ہے مگر شیرانِ خدا کی ارواح سب متحد ہیں۔

② روح کی تعریف یہ ہے کہ وہ خیر و شر سے باخبر ہو اور نیکی سے خوش ہو اور برائی سے غمگین اور خدا کے حضور میں رونے والی ہو۔

③ آدمی سوتا ہوتا ہے اور اس کی روح مثلِ آفتاب کے فلک پر تاباں ہوتی ہے اور جسم لباس خواب میں ہوتا ہے۔

④ انسان پہلے صرف کھانا اور سونا جانتا ہے مگر ایمان۔ اسلام۔ اخلاص کی دولت سے مشرف ہو کر پھر ملائک سے بازی لے جاتا ہے۔

⑤ ہماری روح کو جب حق تعالیٰ نے امر رب فرمایا ہے اور کوئی تفصیل نہ بیان کر کے اس کو پردۂ اختفا میں رکھا ہے تو ہم کہاں سے اس کے لئے مثال بیان کر سکتے ہیں اور جو مثال بھی ہوگی وہ لغو اور بے معنی اور غیر حقیقی ہوگی۔

فنا و بقا

آئینۂ ہستی چہ باشد نیستی نیستی بگزیں گر ابلہ نیستی

زندگی کا آئینہ کیا ہے فنا ہونا ہے پس اپنے کو فنا کر دے اگر تو احمق نہیں ہے۔

گرچہ آں وصلت بقا اندر بقاست   لیک اوّل آں بقا اندر فناست

اگرچہ قربِ مالکِ حقیقی کا ہمارے لئے بقا اور آبِ حیات ہے مگر وہ قرب فنائیت کے بعد ہی عطا ہوتا ہے یعنی بقا سے پہلے فنا ضروری ہے۔ بقا و فنا اصطلاحاتِ تصوف ہیں۔

فنا کا مفہوم، خواہشات نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کرنا ہے۔

بقا کا مفہوم، نفس امّارہ کا لوّامہ سے بڑھ کر مطمئنہ راضیہ مرضیہ ہو جانا ہے اور یہی مقام قُربِ خاص کہلاتا ہے۔

چوں زخود رستی ہمہ برہاں شدی   چونکہ گفتی بندہ ام سلطاں شدی

جب اپنی ہوائے نفس سے خلاصی پا جاؤ گے تو سراپا برہان ہو جاؤ گے یعنی خود بھی صاحبِ یقین ہو گے اور تم سے دوسرے بھی یقین کی دولت سے مُشرف ہوں گے جب تم اپنے کو غلام و بندہ تسلیم کر لو گے تو اسی بندگی میں سُلطانی مضمر ہے۔

چوں بمردم از حواسِ بوالبشر   حق مرا شد سمع و ادراک و بصر

جب اپنے نفس کو مٹا دو گے کسی مُرشد کامل کی صُحبت کے فیض سے تو حق تعالیٰ کے نور سے تم سُنو گے اور اسی کے نور سے دیکھو گے اور اسی نورانی فراست سے ادراک کے حواس خمسۂ ظاہرہ و حواس باطنہ اپنے افعال انجام دیں گے۔

چوں پری غالب شود بر آدمی   گم شود از مرد وصفِ آدمی

جب کسی آدمی پر جن مُسلط ہو جاتا ہے تو آدمی کے اوصاف اس سے گُم

ہو جاتے ہیں یعنی اس کی گفتگو اور اس کے حرکات سب جن کی طرف سے متصور ہوتے ہیں اسی طرح جب حق تعالیٰ کی محبت غالب ہو جاتی ہے اور انوارِ ذکر و طاعت آنکھوں میں کانوں میں اور جسم کے ذرّہ ذرّہ میں سرایت کر جاتے ہیں تو خدا کے نور سے مومن کامل دیکھتا ہے اور اسی کے نور سے سنتا ہے جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے۔

كُنْتُ سَمْعَهٗ يَسْمَعُ بِيْ وَبَصَرَهٗ يَبْصُرُ بِيْ ۔

اس کی تفصیل معیتِ الٰہیہ میں موجود ہے۔

راہِ فانی گشتہ راہِ دیگر است　　زاں کہ ہشیاری گناہِ دیگر است

فانی فی اللہ کا راستہ ایک خاص راستہ ہے اس راہ میں ہشیاری گناہ ہے یعنی انہماک فی غیر اللہ مضر ہے۔

منتہائے سیرِ سالک شد فنا　　نیستی از خود بود عینِ بقا

سالک کے لئے آخری منزل فنا ہو جانا ہے اور یہی فنائیت ذریعۂ حصول بقاء و قربِ خاص ہے۔

نیست گشت باشد روشنی ندہد تیرا　　کردہ باشد آفتاب اُورا فنا

ستارے دن میں مغلوب النور ہیں مفقود النور نہیں اگر ان کی روشنی کا وجود ختم ہو جاتا تو رات کو کیوں ان کی روشنی تم کو نظر آتی ہے معلوم ہوا کہ وجود ہے لیکن آفتاب کے نور سے ان کی روشنی مغلوب کالعدم ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ والوں کی فنائیت کو سمجھ لیا جاوے کہ حق تعالیٰ کی عظمت کے مشاہدہ سے اپنے وجود اور اس کی صفات سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آئے

یہی مفہوم وحدۃ الوجود کا ہے جسے جہلائے صوفیہ نے ہوّا بنا رکھا ہے۔

اِنَّ لِرَبِّکُمْ نَفَحَاتٍ

گفت پیغمبر کہ نفحتہائے حق　　اندریں ایام می آرد سبق

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ

اے لوگو! تمہارے ایام زمانہ یعنی انھیں شب و روز میں حق تعالیٰ کی طرف سے کرم کے جھونکے چلا کرتے ہیں۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ انھیں لمحات میں پڑھا کرتے تھے۔

کیوں بادِ صبا آج بہت مشکبار ہے
شاید ہوا کے رُخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

گوش ہش دارید ایں اوقات را　　در ربائید ایں چنیں نفحات را

اے لوگو! ان قیمتی لمحات کی طرف دل و جان سے منتظر رہا کرو اور جب ان کے لطف و کرم کی وہ ہوا آجائے تو اس سے فیضیاب ہوا کرو اور اللہ والوں کے قلوب ان نفحاتِ کرم کو اپنی لطافت طبع اور نورانی قلب سے سمجھ لیتے ہیں۔

میل تو سوئے مغیلان ست و ریگ　　تا چہ گل چینی زخار اے مردہ ریگ

اے اہلِ دنیا! تمہیں حق تعالیٰ کی نسیم کرم کے ان جھونکوں کا پتہ اس لئے نہیں چلتا کہ تمہاری جانیں مغیلاں (کانٹے دار درخت) اور بالو کی طرف مائل ہیں (یعنی دُنیائے حقیر کی طرف) پس اے مردہ دِلو! تم کانٹوں سے پھول کیسے چُن سکتے ہو۔ یعنی زمین سے چپکے ہُوئے ہو تمہیں کیا خبر کہ آسمان کی طرف کیا ہو رہا ہے۔ جانور بھی کھاتے بگتے ہیں اور غافلین حق بھی کھاتے بگتے ہیں پس کیا فرق ہے دونوں میں بلکہ حق تعالیٰ نے جانوروں سے بھی بدتر ان کفار کو فرمایا ہے بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (الآیۃ) حق تعالیٰ ہم سب کو غفلت کی زندگی سے پناہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ

معیتِ خاصہ

گر بجہل آئیم آں زندانِ اوست	۱	ور بعلم آئیم آں ایوانِ اوست
گر بخواب آئیم مستانِ وئیم	۲	ور به بیداری بدستانِ وئی ایم
ور بگرئیم ابرِ پر زرقِ وئی ایم	۳	ور بخندیم آں زماں برقِ وئی ایم
ور بخشم و جنگ عکسِ قہرِ اوست	۴	ور بصلح و عذر عکسِ مہرِ اوست
یک سببدی ناں ترا بر فرقِ سر	۵	تو ہمی جوئی لبِ ناں در بدر
تا بسرت ناں نشست و پائیت اندر آب	۶	وز عطش وز جوع گشتستی خراب

ترجمہ و تشریح:

(۱) اگر ہم جہالت میں مُبتلا ہو جاتے ہیں تو گویا ان کے قید خانے میں ہوتے

ہیں اور اگر علم کی روشنی میں آجاتے ہیں تو گویا اُن کے شاہی محل میں آ جاتے ہیں۔

(۲) اگر خواب میں ہوتے ہیں تو ان کے مست ہوتے ہیں اور اگر بیداری میں ہوتے ہیں تو اُن کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔

(۳) اور اگر روتے ہیں تو ان کے ابر پُرآب صاف ہوتے ہیں اور اگر ہم ہنستے ہیں تو ہم ان کی برق ہوتے ہیں۔

(۴) اور غُصّہ اور جنگ کی حالت میں صفت قہر کے مظہر ہوتے ہیں اور صُلح ومعذرت خواہی کے وقت ان کی مہربانی وکرم کے مظہر ہوتے ہیں۔

(۵) اے مخاطب! ایک ٹوکرا روٹی کا بھرا ہوا تیرے سر پہ ہے اور تو روٹی کا کنارا (ٹکڑا) دربدر ڈھونڈتا پھر رہا ہے۔ یعنی تیرے باطن میں حق تعالےٰ کی محبّت کا خزانہ موجود ہے اور تو بس کھانے مانگنے میں لگا ہے اور دربدر ذلیل پھرتا ہے۔

کہیں کون مکاں میں جو نہ رکھی جا سکی اے دل
غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی (مجذوبؒ)

(۶) تیرے سر پر روٹی کا ٹوکرا ہے اور تیرا پاؤں پانی کے اندر ہے لیکن تو بوجہ جہل اور بے خبری کے بھوک اور پیاس سے تباہ ہو رہا ہے۔

حاصل یہ کہ کسی اللہ والے سے تعلق قائم کرو اور چندے مجاہدات کے بعد پھر تمہیں اپنے قلب میں ایسے باطنی خزائن منکشف ہوں گے جن کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت گرد معلوم ہوگی

ایمان بالغیبؒ

مؤمنون بالغیب می باید مرا	۱	زاں ببستم روزنِ فانی سرا
پیش شہ او بہ بود از دیگراں	۲	کہ بخدمت حاضر اند و جانفشاں
پس بغیبت نیم ذرہ حفظ کار	۳	بہ کہ اندر حاضری زاں صد ہزار
طاعت و ایماں کنوں محمود شد	۴	بعد مرگ اندر عیاں مردود شد
گویدش بگذر ز من اے شاہ زود	۵	ہیں کہ نورت سوز نارم را ربود
پس ہلاک نار نور مومن است	۶	زاں کہ بے ضد دفع ضد لایمکن است
گر ہمی خواہی تو دفع شر نار	۷	آب رحمت بر دل آتش گمار
تا ہوی تازہ ست ایماں تازہ نیست	۸	کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

ترجمہ و تشریح :

(۱) مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت کرتے ہیں کہ اے لوگو! ہمیں ایمان بالغیب تم سے مطلوب ہے اور اسی حکمت سے ہم نے اس کائنات کو ہر طرف سے بند کر دیا کہ کسی سوراخ سے تمھیں عالمِ غیب نظر نہ آوے۔

(۲، ۳) شاہ کے سامنے جو حاضر ہوتا ہے وہ تو دوسرے غیر حاضروں سے اچھا کام کرتا ہی ہے کمال تو یہ ہے کہ شاہ کو نہ دیکھ رہا ہو اور پھر بھی اس کے احکام کا حفظ و اہتمام کر رہا ہو اور اس صورت میں آدھا ذرہ عمل بھی افضل ہو گا ان سو ہزار اعمال سے جو شاہ کو دیکھ کر کیے جاویں گے

یعنی شاہ کو بدون دیکھے اس کے احکام کو بجالانا زیادہ واضح اور قوی اخلاص و بندگی کی دلیل ہے۔

④ طاعت اور ایمان لانا بدون دیکھے ہوئے مقبول اور محمود ہے اور مرنے کے بعد جب عالمِ غیب سامنے آجائے گا اس وقت کا ایمان قبول نہیں ہوگا۔

⑤ جہنم مومن سے کہے گا کہ جلد میرے اوپر سے گذر جا کہ تیرا نور میری آگ بجھائے ڈالتا ہے۔

⑥ پس جہنم کی آگ کو بجھانے والا مومن کا نورِ ایمان ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد ہی سے دفع ہوتی ہے۔

⑦ اے مخاطب اگر تو چاہتا ہے کہ دوزخ کی آگ تجھے نہ جلائے تو اس پر رحمت کا پانی ڈال دے یعنی کثرت سے استغفار و آہ وزاری کر کے حق تعالیٰ کی رحمت کو اپنے اوپر متوجہ کرلے۔

⑧ جب تک خواہشاتِ نفسانیہ تازہ ہیں ایمان میں تازگی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ خواہشاتِ نفس ہی حق تعالیٰ کے قرب کے دروازہ کیلئے قفل ہیں۔

توبۂ نصوح

توبہ کُن مردانہ سر آور بَرہ ۔۔۔ کہ فَمَنْ یَّعْمَلْ بِمِثْقَالٍ یَّرَہٗ
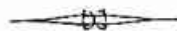
اے مخاطب مردانہ وار توبہ کر گناہوں سے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں قدم

رکھ دے کیونکہ کب تک خدا سے دور رہ کر گناہ کرتا رہے گا اور جبکہ ہر ذرّہ ذرّہ عمل کو تو قیامت کے دن اپنے اعمال نامہ میں موجود پاوے گا۔

وَز پِدَر آموز کآدم از گناہ — خوش فرود آمد بسوئے پایگاہ

اور اپنے باپ سیدنا آدم علیہ السلام سے یہ سبق سیکھ لے کہ انھوں نے اپنے قصور سے کس طرح توبہ کی اور اپنے رب کے سامنے اپنے کو جھکا کر عالی منصب حاصل کرلیا۔

لغت ۔ پایگاہ = قدر و مرتبہ و منصب (غیاث)

آنکہ فرزندانِ خاصِ آدم اند — نفخۂ اِنّا ظلمنا میدمند

جو لوگ خاص اولاد ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی وہ بھی اپنے بابا کی تقلید کرتے ہوئے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کہتے ہیں۔

عمرِ بے توبہ ہمہ جاں کندن است — مرگِ حاضر غائب از حق بودن است

بغیر توبہ کے جو زندگی گناہوں میں غرق ہے وہ خود وبالِ جان ہے کیونکہ حق تعالے نے ارشاد فرمایا کہ جو ہماری نافرمانی کرتا ہے ہم اس کی زندگی کو تلخ کردیتے ہیں اور خدا سے غافل ہونا مترادف موت عاجلہ کے ہے۔

سجدہ گہہ را تر کُن از اشکِ رواں — کہ خدایا وا رہانم زیں گماں

سجدہ گاہ کو اپنے آنسوؤں سے تر کرو اور فریاد کرو کہ اے خدا مجھ کو خیالاتِ فاسدہ سے رہائی عطا فرما۔

جملہ ماضیہا از و نیکو شوند — زہر پارینہ ازیں گردد چو قند

توبہ کے آنسو ماضی کی تمام برائیوں کو بھلائیوں سے تبدیل کردیتے ہیں اور گناہوں

کے پُرانے زہر کو بھی مثل شکر کر دیتے ہیں۔

سیئاتت را مبدّل کرد حق　تا ہمہ طاعت شود آں ما سبق

توبہ کی برکت سے حق تعالیٰ تیری سیئات کو حسنات سے تبدیل فرمادیں گے تاکہ تیرا زمانہ ماضی سب کا سب طاعت میں شمار کیا جاوے۔

ہیں بہ پشتِ آں مکن جرم و گناہ　کہ کنم توبہ در آیم در پناہ

خبردار! توبہ کے سہارے پر گناہ کی ہمت مت کرنا کہ توبہ کر کے پھر پناہ میں آ جائیں گے۔

زانکہ استغفار ہم در دست نیست　ذوقِ توبہ نقل ہر سرمست نیست

کیونکہ استغفار و توبہ کی توفیق تیرے ہاتھ میں نہیں ہے ممکن ہے کہ گستاخی اور مسلسل سرکشی کی نحوست سے توفیقِ توبہ سلب کر لی جاوے ذوق توبہ ہر سرمست کا حصّہ نہیں ہے۔

اندریں امت نہ بد مسخِ بدن　لیک مسخِ دل بود اے بو الفطن

اس اُمت محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسخ صورت ظاہری کا عذاب تو تو معاف کر دیا گیا ہے مگر مسخ عقل و فہم اور مسخ صلاحیت و سلامتی سب کا عذاب جاری ہے۔

فوائدِ صحبت

صحبتِ مرداں از مرداں کند　نارِ خنداں باغ را خنداں کند

کاملین کی صحبت تجھے بھی کامل بنادے گی اور انار خنداں پورے باغ کو خنداں کر دیتا ہے۔

راہِ سُنّت با جماعت خوش بود   اسپ با اسپاں یقیں خوشتر رود

سنّت کا راستہ جماعت کے ساتھ راحت اور عافیت سے طے ہوتا ہے جس طرح ایک نئے گھوڑے کو چال سکھانے کے لئے پرانے گھوڑوں کے ساتھ کر دیتے ہیں اور اس طرح بدون مارپیٹ کے وہ نیا گھوڑا آسانی سے اور جلد پرانے گھوڑوں کی خوش رفتاری کی مشق کر لیتا ہے۔

رو بجو یارِ خدائی را تو زود   چوں چنیں کردی خدا یارِ تو بود

جاؤ کسی اللہ والے کو ڈھونڈ لو اور اگر اس سے دوستی تم نے کر لی تو اس کی غلامی کے صدقے میں تم بھی خدا کے یار ہو جاؤ گے۔

ہمنشینِ مقبلاں چوں کیمیاست   چوں نظرشاں کیمیائے خود کجاست

مقبول بندوں کی صحبت مثل کیمیا ہے کہ فرشی کو عرشی بنا دیتی ہے یعنی مجرمین کو اللہ والا بنا دیتی ہے اور جب ان کی نظر میں یہ کیمیا ہے تو ان کی ذاتِ گرامی خود کس قدر بابرکت ہوگی۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا   (اکبر)

یک زمانہ صحبتِ با اولیا   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ایک زمانہ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھ کر دین کی صحیح فہم حاصل کرنا بہتر ہے سو برس کی عبادت بے ریا سے۔

صُحبتِ صالح تُرا صالح کُند　　صحبتِ طالح تُرا طالح کُند

نیک انسان کی صُحبت تجھے بھی نیک بنادے گی اور بروں کی صُحبت تجھے بھی بدکار بنادے گی ایک شخص نے احقر سے کہا کہ ایک آم کے درخت کی شاخ کے ساتھ نیم کی شاخ لگ گئی اور بالکل متصل ہو گئی انجام یہ ہوا کہ تمام پھل اس آم کے نیم کی تلخی سے تلخ اور کڑوے ہونے لگے۔ یہ صُحبت کا اثر ہے۔

ہر کہ باشد ہمنشینِ دوستاں　　ہست در گلخن میانِ بوستاں

جو شخص کہ مقبول بندوں کی صُحبت میں رہتا ہے اگر آتش کدہ میں بھی ہے تو وہ بھی اس کے حق میں باغ ہے۔ لُغت گلخن بضم گاف وغا معجمہ مفتوح آتش خانہ و مجازاً جائے انداختن خس وخاشاک (غیاث)

مہرِ پاکاں درمیانِ جاں نشاں　　دل مدہ الّا بمہرِ دل خوشاں

اللہ تعالیٰ کے پاک اور مقبول بندوں کی محبت کو جان کے اندر پیوست کر لو اور اپنا دل کسی کو مت دینا سوائے اُن کے جن کے دل خُدا کی محبت سے اچھے ہو گئے ہیں۔

دل ترا در کوئے اہلِ دل کشد　　تن ترا در حبسِ آب و گل کشد

اے مخاطب! تیرا دل تجھے اہل دل کی مجلس کی طرف کھینچتا ہے مگر تیری خاک تن کے تقاضے (خواہشات نفسانیہ) تجھے پانی اور کیچڑ (دُنیائے حقیر) کی طرف کھینچتے ہیں۔

گر تو خواہی آں بصحبت قائم ست　　نہ زبانت کار می آید نہ دست

اگر باطنی دولت یعنی خاص تعلق مع اللہ حاصل کرنا ہے تو وہ صُحبتِ کاملین

ہی سے ملتی ہے نہ تیری زبان سے یہ کام ہوگا اور نہ ہاتھ سے۔

ناریاں مر ناریاں را جاذب اند ۔۔۔ نوریاں مر نوریاں را طالب اند

دوزخیوں کو دوزخی اپنی طرف کھینچتے ہیں اور نورانیوں کو نورانی لوگ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

طیبات آمد بسوئے طیبیں ۔۔۔ للخبیثین الخبیثات ثبت ہیں

پاک عورتیں پاک مردوں کو دی جاتی ہیں اور خبیث مردوں کے لئے خبیث عورتیں مخصوص ہوتی ہیں۔

چونکہ در یاراں رسی خامش نشیں ۔۔۔ اندراں حلقہ مکن خود را نگیں

جب اللہ والوں کی مجلس میں حاضری ہو تو خاموش بیٹھو اور اپنے کو ان کی مجلس میں نگ کی طرح ممتاز مت کرو یعنی خود کو مٹا کر رکھو۔

گفت پیغمبر کہ در بحر ہموم ۔۔۔ در دلالت دان تو یاراں را نجوم

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بحر افکار میں فکر صحیح پر دلالت ہدایت کے لئے میرے اصحاب کو مثلِ نجوم سمجھو۔

اجتناب از صحبتِ بد

ہیں کہ ہر گمراہ را ہمرہ مداں ۔۔۔ غافلانِ خفتہ را آگہ مداں

خبردار! ہر گمراہ کو اپنا رفیقِ سفر مت سمجھو اور جو خدائے تعالیٰ سے غفلت کی نیند سو رہے ہیں ان کو آگاہ حق نہ سمجھ لینا۔

ہم نشینِ نیک جوئید اے مہاں لِ اے فغاں از یارِ ناجنس اے فغاں

بُرے ساتھی سے اللہ بچائے بُرے ساتھی سے اللہ بچائے نیک ساتھی ڈھونڈو اے معززین۔

جاہل ار با تو نماید ہمدلی عاقبت زخمت زند از جاہلی

جاہل اگر تیرے ساتھ دوستی اور ہمدردی کا اظہار بھی کرے تو تم اس سے ہوشیار رہو اور دور رہو، کیونکہ اس کی دوستی کا بھی انجام بُرا ہی ہوگا۔ دشمنی خرد منداں بہ از دوستی ناداں۔

حقِ ذاتِ پاکِ اللہ الصمد کہ بود بہ مارِ بد از یارِ بد

چونکہ بُرا سانپ بہتر ہے بُرے دوست سے اس لئے میں اللہ پاک بے نیاز کی حرمت عزت وجلال کے صدقہ میں بُرے ساتھی سے پناہ مانگتا ہوں۔

مارِ بد جانے ستاند از سلیم یارِ بد آرد سوئے نارِ جحیم

زہریلا سانپ اپنے کاٹنے سے جان لے لیتا ہے اور بُرا ساتھی جہنم کی طرف کشاں کشاں لاتا ہے۔

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد در وجودِ زندہ پیوستہ شد

جو مرنے والا اپنے وجود کو زندگی ہی میں حق تعالیٰ کی رضا کے لئے مٹا دے اور اس مقصد کے لئے کسی زندہ یعنی مردِ کامل سے وابستہ ہوجاوے اے اللہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست مردہ گشت و زندگی از وے بجست

افسوس ہے اس نیک شخص پر بھی جو کسی بُرے ساتھی کی ہمنشینی سے

اپنی صالحیت کو تباہ کر بیٹھا اور حقیقی زندگی سے محروم ہو کر غفلت کی موت سے مُردہ ہو گیا۔

طلب و عشق محبوبِ حقیقی

تُو بہر جا یے کہ باشی می طلب   آب می جُو دائماً اے خشک لب

جہاں بھی رہو حق تعالیٰ کے لئے بے چین رہو اور اے خشک لب تو آب قربِ الٰہی کی تلاش میں ہمیشہ بے چین رہنے کی خو پیدا کر اور کسی بے چین ہی کی صحبت سے یہ تڑپ تجھے ہاتھ لگے گی۔

گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے   عاقبت بینی ازاں در ہم سرے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی دروازہ کو کھٹکھٹاتے رہو گے تو ایک دن ضرور اس در سے کسی کا سر نمودار ہو گا۔

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اس پہ ہو کیوں تری نظر
تُو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا
بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرے میں پھڑپھڑائے جا   (مجذوبؒ)

چوں نشینی بر سرِ کوئے کسے   عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

اگر تم کسی گلی کے کنارے اُمید لگائے بیٹھے رہو گے تو یقیناً تم کسی کا چہرہ اس گلی میں مُشاہدہ کرو گے مراد یہ کہ حق تعالیٰ کی راہ میں اُمید لگائے مجاہدات کی

تکالیف جھیلتے رہو ایک دن ضرور میاں تمھیں مل جاویں گے یعنی قلب میں معیتِ خاصہ کا انکشاف عطا ہو جاوے گا۔

اندریں رہ می تراش و می خراش　　تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

حق تعالیٰ کی راہ میں مشقت اور محنت اصلاحِ نفس کی خاطر برداشت کرتے رہو اور آخری سانس تک اپنے کو فارغ مت سمجھو وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ اپنے رب کی بندگی میں لگے رہو یہاں تک کہ وہ یقینی چیز یعنی موت آجاوے۔

دوست دارد دوست ایں آشفتگی　　کوششِ بیہودہ بہ از خفتگی

محبوبِ حقیقی اپنے طالبین کی حیرانی اور عاجزی اور درماندگی کو محبوب رکھتے ہیں اور ٹوٹی پھوٹی ناکارہ کوشش کو بھی بیکار سمجھ کر مت چھوڑ بیٹھو کہ بالکل سو رہنے سے یہ بھی غنیمت ہے۔

نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو　　تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی　　کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے

حاصل آنکہ ہر کہ او طالب بود
جانِ مطلوبش برو راغب بود

خلاصہ یہ کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کا طالب ہوتا ہے اس کی جان پر حق تعالیٰ بھی توجہِ خاص فرماتے ہیں اور اپنا بنا لیتے ہیں۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

پیاسے اگر پانی کو جہان میں تلاش کرتے ہیں تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو ڈھونڈتا ہے۔

گر چہ تو طالب نہ ، تو ہم بیا ‏ ‏ تا طلب یابی ازیں یار وفا

اے مخاطب! اگر تو طالب نہیں ہے تو بھی مایوس نہ ہو اللہ والوں کے پاس آ یہاں طلب بھی حق تعالیٰ ان کی برکتِ فیضِ صحبت سے عطا فرما دیں گے۔

ہر کرا بینی طلب گار اے پسر ‏ ‏ یار او شو پیش او انداز سر

جس شخص کو خدا کا طالب دیکھو اور ان کے لئے بے چین دیکھو اسی کے پاس رہ پڑو اور اسی کو اپنا حقیقی دوست سمجھو اور اس کے سامنے اپنے کو مٹا دو۔

گرفتن پیرِ کامل

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد ‏ ‏ او ز غولاں گمرہ و در چاہ شد

جو شخص بغیر مرشد کے راہِ حق کو طے کرتا ہے وہ شیاطین کی گود میں پہنچ کر گمراہ اور چاہِ ضلالت میں گر جاتا ہے۔

گر تو بے رہبر فرود آئی براہ ‏ ‏ گر ہمہ شیری فرو افتی بچاہ

اگر تو بے رہبر کے راہِ حق میں اُترے گا تو شیر جیسی عالی ہمت ہونے کے باوجود بھی گمراہی کے کنوئیں میں گر پڑے گا۔

ہر کہ تنہا نادر ایں رہ را برید ‏ ‏ ہم بعونِ ہمتِ مرداں رسید

جس شخص نے نادر طور پر تنہا یہ راستہ قطع بھی کیا ہو تو وہ بھی یقیناً کسی کامل وقت کے غائبانہ توجہ و فیضان ہی سے منزلِ مقصود تک پہنچا ہوگا۔

کور ہرگز کے تواند رفت راست ‏ ‏ بے عصا کش کور را رفتن خطاست

اندھا آدمی کبھی سیدھا راستہ طے نہیں کر سکتا اس لیئے بغیر لاٹھی پکڑنے والے راہبر کے کسی اندھے کا چلنا ہی خطا ہے۔

دستِ پیر از غائبان کوتاہ نیست ‏ دستِ او جز قبضۂ اللہ نیست

پیر کا ہاتھ (اس کی توجہ وفیضان) غائبین تک بھی اثر کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا گویا کہ حق تعالیٰ ہی سے بالواسطہ توبہ اور عہد کرنا ہے۔

پیر باشد نردبانِ آسماں ‏ تیر پرّاں از کہ گردد از کماں

پیر آسمان کے لیئے یعنی خدا تک پہنچنے کے لیئے مثلِ سیڑھی کے ہے کیا یہ نہیں دیکھتے ہو کہ تیر کہیں بدون کمان بھی اُڑ سکتا ہے۔ تیر اگر قیمتی ہو اور کمان معمولی ہو تب بھی تیر کا کام چل جاوے گا پس اگر مرید عالم اور فقیہ اور مُفسر اور محدّث ہو اور شیخ بقدرِ ضرورت ہی علمِ دین جانتا ہو مگر اس کی صُحبت سے یہ کامل ہو جاوے گا۔ مُرغی کے پروں میں مور کا انڈا رکھ دینے سے مور پیدا ہو جاتا ہے اور وہ مُرغی کا ممنون تربیت واحسان ہو گا اور اگر خود بینی اور تکبّر سے مُرغی کے پروں سے یہ مور کا انڈا دور رہے گا تو ہزار سال بھی مردہ ہی رہے گا اور جان نہ آئے گی پس صُحبتِ شیخ سے صحیح زندگی عطا ہوتی ہے میرے شیخ ومرشد رحمۃ اللہ علیہ نے عیدگاہ سرائے میر کی محراب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا کہ یہ میری جائے پیدائش ہے پھر خود ہی توضیح فرمائی کہ یہاں ہی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بیعت فرمایا تھا۔

صُورتش بر خاک و جاں بر لامکاں ‏ لامکانے فوقِ وہمِ سالکاں

یہ اللہ والے بزرگانِ دین اگرچہ صُورۃً زمین پر نظر آتے ہیں مگر ان کی روحیں عرش والے

کے پاس ہوتی ہیں بوجہ خاص تعلق و رابطہ کے اور یہ باتیں یعنی ان اولیائے پاک کے مقاماتِ رفیعہ جو عالمِ لامکاں سے ہیں ہمارے وہم و تصور سے مافوق و بالاتر ہیں۔

ماہیانِ قعرِ دریائے جلال　　بحرِشاں آموختہ سحرِ حلال

یہ دریائے جلال کی گہرائیوں کی مچھلیاں ہیں اور حق تعالیٰ کے بحرِ قرب نے انھیں سحرِ حلال یعنی کلامِ مؤثر عطا فرمایا ہے۔

شیخ نورانی ز رہ آگہ کند　　نور را با لفظہا ہمرہ کند

اللہ والے نورانی مشائخ حق تعالیٰ کے راستہ سے بھی آگاہ کرتے ہیں اور آپنے ارشادات کے الفاظ کے ہمراہ اپنے انوارِ قلوب بھی شامل کر دیتے ہیں۔

کارِ مرداں روشنی و گرمی ست　　کارِ دوناں حیلہ و بے شرمی ست

مردوں کا کام روشنی و گرمی ہے یعنی سرگرمی عمل ان کا شیوہ ہوتا ہے اور کمینوں کا کام حیلہ و بہانہ سازی اور بے شرمی ہے یعنی مجاہدات سے جان چراتے ہیں۔

از حدیثِ شیخ جمعیت رسد　　تفرقہ آرد دمِ اہلِ جسد

اللہ والوں کی باتیں قلب کو سکون عطا کرتی ہیں اور اہلِ ظاہر کی باتیں دِل میں انتشار اور بے اطمینانی پیدا کرتی ہیں۔

چونکہ دستِ خود بدستِ او نہی　　پس ز دستِ آکلاں بیروں جہی

اور جس دِن تو کسی مرشدِ کامل کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کرے گا اسی دِن گمراہ کرنے والے تمام طبقات اور ان کے نظریات باطلہ اور افکار کاسدہ کے دام سے خلاصی پا جاوے گا۔

رہبرِ راہِ طریقت آں بُود　　کُو بہ احکامِ شریعت می رَود

طریقت اور سلوک باطنی کا راہبر وہی ہوسکتا ہے جو احکامِ شریعت کا خود بھی پابند ہو اور طالبین کو اس پابندی کی ہدایت کرتا ہو۔ وہ جہلائے صوفیہ جنہوں نے شریعت اور طریقت کا فرق بیان کرکے شریعت کے جوئے کے بار کو کندھوں سے اتار پھینکا ہے اور خوب حلوے مانڈے اُڑا کر اپنی توندیں پھُلا رکھی ہیں مولانا نے اس شعر میں ان کی قلعی کھول دی ہے کسی کا اچھا شعر ہے۔

بپھر گئے ہو مزاروں کی روٹیاں کھا کر　　تمہاری توند کمر سے لگا کے چھوڑوں گا

دست زن در دامنِ ہر گو ولی ست
خواہ از نسلِ عمرؓ خواہ از علیؓ ست

جب کسی ولی اللہ سے مناسبت محسوس ہو تو فوراً اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دو اور یہ نہ دیکھو کہ اس کا کیا نسب ہے اور کس خاندان سے ہے۔

گر نباشد در عمل ثابت قدم　　چوں رَہاند خلق را از دستِ غم

اگر کوئی مُرشد خود ہی اعمال میں سُست ہوگا تو مخلوق کو غفلت کے غم سے کیسے چھڑا سکتا ہے۔

گر تو گوئی نیست پیرے آشکار　　تو طلب کن در جہاں اندر جہاں

اگر تو کہتا ہے کہ ہم کو تو کوئی اللہ والا نظر ہی نہیں آتا تو اے شخص تو برابر تلاش جاری رکھ۔

زانکہ گر پیرے نباشد در جہاں　　نے زمیں بر جائے ماند نے مکاں

کیونکہ اگر اللہ والے زمین پر نہ ہوتے تو یہ زمین اور یہ کون و مکان بھی اپنی جگہ قائم

نہیں رہ سکتے تھے یعنی جب اللہ اللہ کرنے والے نہ ہوں گے تو قیامت آجائے گی۔

دستِ گیرد بندۂ خاصِ الٰہ　　طالباں را می برد تا پیشگاہ

جب حق تعالیٰ کے خاص بندے طالبین کے ہاتھوں کو پکڑ لیتے ہیں یعنی بیعت کر لیتے ہیں تو اپنی اصلاحات اور ارشادات و صُحبت کی برکت سے طالبین کو مولیٰ تک پہنچا دیتے ہیں۔

مَنْ جَدَّ وَجَدَ

(جوئندہ یابندہ)

چوں زِ چاہے می کنی ہر روز خاک　　عاقبت اندر رسی در آبِ پاک

اگر تم کسی کنوئیں کے لئے ہر روز مٹی نکالتے رہو گے تو انجام کار ایک دن ضرور یہ ہوگا کہ پانی سے تمہارا وصال ہوگا۔

آدابُ المُریدین

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش　　سُست ریزندہ چو آب و گل مباش

جب پیر کو پکڑ لیا تو اب نازک دِل مت بنو اور سُست و کاہل مت پڑے رہو۔

گر بامرِ پیر رفتی ایں طریق — مست گردی عاقبت ہم زیں رحیق

اگر حکم شیخ کے غلام و تابعدار بن کر اس راہ کو طے کرلیا تو انشاء اللہ تعالیٰ خالص شرابِ معرفت سے ایک دن ضرور مست ہوجاؤ گے۔

گر ہزاراں طالب اند و یک ملول — از رسالت باز می ماند رسول

اگر مجلس میں ایک ہزار طالبینِ حق ہوں اور ایک معترض معاند بھی ہو تو اس کی عدم طلب و اعراض کی نحوست مضامین کی آمد میں حائل ہوگی۔

نخوتے دارند و کبر چوں شہاں — چاکری خواہند از اہلِ جہاں

اولیائے حق طالبین کے ساتھ بظاہر نخوت و کبر کا معاملہ کرتے ہیں (مثلاً ڈانٹ ڈپٹ اور اصلاح کے لئے سختیاں کرنا وغیرہ) اور باطن میں اپنے کو خادم سمجھتے ہیں اور طالبین کیا سارے جہان سے اپنے کو کمتر سمجھتے ہیں۔

ازیں برملائک شرف داشتند — کہ خود را بہ از سگ نہ پنداشتند

اور اہلِ جہاں سے ان کو دولت باطنی دینے کے لئے چاکری و مشقت کراتے ہیں۔

کے رسانند ایں امانت را بتو — تا نباشی پیشِ شاں راکع دوتو

حق تعالیٰ کی محبت و خشیت کی امانت کو اللہ والے طالبین کے حوالے اسی وقت کرتے ہیں جب اپنے سامنے طالب میں تواضع و اخلاص۔ ادب و نیازمندی دیکھتے ہیں۔

گڑگڑا کے جو مانگتا ہے جام — ساقی دیتا ہے اس کو مے گلفام
نازو نخرے کرے جو مے آشام — ساقی رکھتا ہے اس کو تشنہ کام

مُستمعے چوں تشنہ و جوئیندہ شُد — واعظ اگر مُردہ بُوَد گوئیندہ شُد

سامعین میں اگر تشنگی وطلب ہو تو واعظ اگر مردہ بھی ہو تو زندہ ہو جاتا ہے یعنی اگر مضامین کی آمد نہ ہو رہی ہو تو ہونے لگتی ہے۔

ہر چہ را خوب و خوش و زیبا کنند — از برائے دیدۂ بینا کنند

جو شخص زیبائش اور آرائش کرتا ہے وہ اندھوں کے لئے نہیں کرتا دیدۂ بینا کے لئے کرتا ہے۔

جوشش نطق از دلِ نشانِ دوستی ست — بستگی نطق از بے الفتی ست

کسی سے مل کر گویائی کا تقاضا اندر سے اُٹھنا علامت باطنی وقلبی تعلق و دوستی کی ہے اور گویائی میں رُکاوٹ پیدا ہونا علامت بے الفتی ہے جیسا کہ بعض طالبین کی مناسبت سے عجیب مضامین حق تعالیٰ بیان کرا دیتے ہیں اور بعض کی عدمِ مناسبت سے زبان بند بندسی اور مضامین کی آمد رُکی رُکی سی معلوم ہوتی ہے اس وقت تکلف ہی سے کچھ بولنا ممکن ہوتا ہے مگر بے کیف ہوتا ہے۔

اجتناب از صُوفیانِ مزوّر (نقلی)

اے بسا ابلیسِ آدم روئے ہست — پس بہر دستے نباید داد دست

اے لوگو! بہت سے ابلیس خصلت صُوفیوں کی شکل میں موجود ہیں اس لئے ہر ہاتھ میں ہاتھ جلدی سے نہ دے دینا چاہیئے۔

حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دوں — تا بخواند بر سلیمے زاں فسوں

کبھی کبھی نقلی لوگ بھی بزرگوں کی باتیں اور چند حروف چُرا لیتے ہیں یعنی یاد کر لیتے ہیں تاکہ اس طرح عوام طالبین کو دھوکہ دیں اور اپنا اُلّو سیدھا کریں۔

اُو ندا کردہ کہ خوان بنہادہ ام　　نائبِ حقم خلیفہ زادہ ام

یہ نقلی صُوفی بھی اعلان کرتا ہے کہ میں نے بھی تصوف کا دستر خوان بچھایا ہے اور میں بھی نائب حق اور خلیفہ زادہ ہوں۔

دائم اندر آب کارِ ماہی ست　　مار را با اُو کجا ہمراہی ست

ہمیشہ پانی میں رہنا یہ مچھلیوں ہی کا کام ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ہر وقت رابطہ رکھنا اور غافل نہ ہونا اہل اللہ ہی کا کام ہے۔ سانپ اگر مچھلی پن ظاہر بھی کرے خلق کو دھوکہ دینے کے لئے تو کب تک پانی میں رہ سکے گا آخر کار گھبرا کر پانی سے بل میں بھاگ جائے گا اسی طرح نقلی صُوفی مخلوق کے سامنے تو سر جھکائے مراقبہ اور ذکر ہُو کرتا ہے مگر جب خلوت میں جاتا ہے تو فرائض بھی ادا نہیں کرتا۔

گرچہ در خشکی ہزاراں رنگہا ست　　ماہیاں را با یبوست جنگہا ست

خشکی میں ہزاروں نقش و نگار ہوں مگر مچھلیوں کو خشکی سے جنگ و عداوت ہے اور ان کو انھیں نقش و نگار میں موت نظر آتی ہے برعکس پانی میں انھیں طوفان سے بھی خوف نہیں اسی طرح اللہ والے اسباب غفلت و تشویش سے گھبراتے ہیں اگرچہ ہفت اقلیم کی مملکت ہی کیوں نہ ہو۔ اور نقلی صُوفی چند ٹکوں اور تھوڑی سی دُنیا کے عوض بِک جاتا ہے۔

مجاہدہ و ریاضت

راہِ دُور است اے پسر ہشیار باش
خواب با گور افگن و بیدار باش

اے مخاطب راستہ بہت دور دراز کا ہے ہوشیار ہو جا۔ نیند کو اعتدال اور درجۂ ضرورت تک محدود کر اور باقی آرام کی نیند قبر کے لئے چھوڑ دے اور رضائے دوست کے لئے بیداری اختیار کر۔

ہر کہ جہدے کرد او حدے رسید
ہر کہ رنجے دید گنجے شد پدید

جس نے کوشش اور مجاہدہ کیا وہ قربِ حق پا گیا اور جس نے بھی مشقت رنج برداشت کیا اس نے خزانہ باطنی پا لیا۔

ایں ریاضتہائے درویشاں چراست
کہ فنائے تن بقائے جانہاست

درویشوں کو ریاضتیں کیوں کرنی پڑتی ہیں تاکہ فنائے خواہشات تن سے بقاءِ روح کی نعمت حاصل ہو۔

چوں زچاہے می کُنی ہر روز خاک
عاقبت اندر رسی در آبِ پاک

جب ہر روز خاک کنوئیں کے لئے نکالتے رہو گے تو ایک دن ضرور پانی تک رسائی حاصل ہو گی۔

گر تو خواہی حُری و دِل زندگی
بندگی کُن بندگی کُن بندگی

اے مخاطب اگر تو ہوائے نفس سے آزادی اور دل کی حیات بے بہا کا طالب ہے تو بندگی کر، بندگی کر، یعنی سراپا اطاعتِ حق میں لگ جا۔

ذکر و فکر و مراقبہ

اُذْکُرُوا اللہ شاہِ ما دستور داد ۔ اندر آتش دید ما را نورِ داد

حق تعالیٰ نے ہم کو اپنی کثرت یاد کا دستور عطا فرما دیا۔ ہم خواہشات نفسانیہ کی آگ میں جل رہے تھے ہم کو اپنے حکم اذکروا اللہ سے نور کی طرف طلب فرما لیا یعنی جس طرح دوزخ کی آگ فریاد کرے گی کہ اے مومن جلد مجھ پر سے گذر جا کہ تیرا نور میری آگ کو بجھائے دیتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ دنیا میں بری خواہشات کی آگ میں جل رہے ہیں جب وہ کسی اللہ والے سے تعلق مشورہ کا قائم کر کے ذکر شروع کر دیتے ہیں تو اس نار شہوت سے نجات پا جاتے ہیں۔

نارِ شہوت چہ کُشد نورِ خدا ۔ نورِ ابراہیم را ساز اوستا

شہوت کی آگ کو کون ختم کر سکتا ہے سوائے نورِ خدا کے پس اس نور کو تو بھی حاصل کر لے کہ اسی کی برکت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتشِ نمرود ٹھنڈی ہوئی تھی۔

ذکرِ حق پاک است چوں پاکی رسید ۔ رخت بر بندد برون آید پلید

ذکر حق پاک ہے اور جب یہ نام پاک تو لے گا تو تیری ناپاکی راہ فرار اختیار کرنے کے لئے بستر باندھ لے گی۔

می گریزد ضدہا از ضدہا ۔ شب گریزد چوں بر افروزد ضیا

ہر شے اپنی ضد سے بھاگتی ہے جس طرح شب بھاگتی ہے جب دن روشن ہو جاتا ہے۔

چوں در آید نامِ پاک اندر دہاں ۔ نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

جب اللہ تعالیٰ کا نام پاک تیرے منہ سے جاری ہوگا اسی وقت نہ پلیدی باقی رہے گی اور نہ وہ ناپاک منہ ہی باقی رہے گا یعنی اس پاک نام کی برکت سے تیرا منہ بھی پاک ہو جاوے گا۔

اللہ اللہ ایں چہ شیریں ست نام ٭ شیر و شکر می شود جانم تمام

اللہ اللہ یہ نام اللہ کیسا شیریں نام ہے کہ اس سے تو میری جان شیر و شکر ہوتی جاتی ہے۔

گفت ابلیسش کہ اے بسیار گو ٭ ایں ہمہ اللہ را لبیک کو

ایک دن کسی صوفی ذاکر حق سے ابلیس نے کہا کہ اے بہت ذکر اللہ کرنیوالے تجھے کبھی اللہ سے بھی کوئی جواب ملا ہے؟

گفت آں اللہ تو لبیک ماست ٭ آں نیاز و درد و سوزت پیک ماست

اس صوفی کو غیب سے آواز آئی کہ اے شخص ایک بار اللہ کے بعد جب تجھے دوسری مرتبہ میں اللہ کہنے کی توفیق دیتا ہوں تو یہی میرا لبیک ہے کیونکہ اگر پہلا تیرا قبول نہ ہوتا تو دوسرا اللہ تیری زبان سے نہ نکلتا۔

ترس و عشق تو کمند شوق ماست ٭ زیر ہر لبیک تو لبیکہا ست

اے مخاطب! تیرا یہ عشق اور تیرا یہ خوف جو میرے ساتھ تجھے وابستہ کئے ہوئے ہے یہ دراصل میری ہی عطا ہے یعنی یہ تیری محبت میری ہی محبت کا پرتو ہے تیرے ہر لبیک کے اندر میری طرف سے بہت سے لبیک موجود ہیں۔

ایں قدر گفتیم باقی فکر کن ٭ فکر اگر جامد بود رو ذکر کن

اس قدر تشریح کے بعد بھی اگر تجھے ابھی فہم نہیں عطا ہوئی ــــ تو میری باتوں میں غور و فکر کر اور اگر تیری فکر ہی جامد ہے تو جا ذکر شروع کر کہ ذکر کی گرمی سے فکر کا جمود ختم ہو جاوے گا۔

ذکر آرد فکر را در اہتزاز ذکر را خورشید ایں افسردہ ساز

گرمی ذکر فکر کو حرکت میں لاتی ہے اور اپنی فکر سے جمود دور کرنے کے لیے ذکر کو مثل آفتاب سمجھو۔

فکر آں باشد کہ بکشاید رہے راہ آں باشد کہ پیش آید شہے

فکر مفید وہ فکر ہے جو راستہ دکھادے اور راستہ مفید وہ ہے جو شاہ حقیقی سلطان السلاطین یعنی حق تعالیٰ تک تجھے واصل کردے۔

تضرّع و گریہ

زور را بگذار زاری را بگیر رحم سوئے زاری آید اے مہیں

اے مخاطب مکرم! طاقت پر ناز نہ کر اور اپنی عاجزی و درماندگی کا اقرار کرتے ہوئے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کر کہ رحمتِ الٰہیہ رونے والوں ہی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

اے خنک آں کو نکوکاری گرفت زور را بگذاشت او زاری گرفت

اس شخص کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں جس نے نیک اعمال اختیار کیے اور زور کو چھوڑ کر یعنی ناز ترک کر کے راہ نیاز اختیار کرتے ہوئے گریہ وزاری شروع کر دی۔

با تضرّع باش تا شاداں شوی گریہ کن تا بے دہاں خنداں شوی

جو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں تضرع و گریہ وزاری پیش کرتا ہے وہ نتیجہ میں مسرور ہوتا ہے۔ پس گریہ اختیار کرو تا کہ بے دہاں خنداں ہو جاؤ یعنی قلب میں مسرتِ دائمی عطا ہوگی۔

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند　　میلِ ما را جانبِ زاری کند

جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ ہم پر اپنا فضل فرماویں تو ہم کو گریہ وزاری کی طرف متوجہ اور مائل کر دیتے ہیں۔

ایں دلِ ما باغ است و چشمم ابر وش　　ابر گرید باغ خندد شاد و خوش

یہ ہمارے دل مثل باغ کے ہیں اور آنکھ مثل ابر کے ہے اور ابر کے رونے ہی سے باغ ہرا بھرا ہوتا ہے۔

ز ابر گریاں باغ سبز و تر شود　　زانکہ شمع از گریہ روشن تر شود

ابر کے رونے ہی سے باغ ہرا بھرا ہوتا ہے جیسا کہ موم بتی جب پگھلتی ہے تبھی روشن ہوتی ہے۔

تا نہ گرید ابر کے خندد چمن　　تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن

جب تک ابر نہیں روتا ہے چمن کب ہنستا ہے یعنی شاداب ہوتا ہے اور جب تک بچہ روتا نہیں ہے ماں کا دودھ کب جوش کرتا ہے۔

طفل یک روزہ ہمی داند طریق　　کہ بگریم تا رسد دایہ شفیق

ایک دن کا بچہ بھی یہ راستہ جانتا ہے کہ ہم جب تک نہیں روئیں گے دودھ پلانے والی دایہ مہربان ہمارے پاس نہ آئے گی۔

اے خوشا چشمے کہ آں گریانِ اوست　　وائے ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

کیا ہی خوش بخت و مبارک وہ آنکھیں ہیں جو محبوبِ حقیقی کی یاد میں رونے والی ہیں اور کیا ہی مبارک وہ دل ہے جو اس محبوبِ حقیقی کے عشق سے تڑپ رہا ہے۔

اے دریغا اشکِ من دریا بدے　　تا نثارِ دلبرِ زیبا شدے

اے کاش کہ ہمارے آنسو مثلِ دریا کے کثیر مقدار میں جاری ہو جاتے تاکہ ان کو محبوبِ حقیقی پر فدا کر دیتا۔

نالۂ ما را ازاں خوش آیدش | از دو عالم نالہ و غم بایدش

میں اس محبوبِ حقیقی کے لئے روتا ہوں کہ ان کو ہمارا نالہ اچھا معلوم ہوتا ہے اور دونوں عالم سے وہ نالہ و غمِ عشق ہی چاہتے ہیں۔

آخرِ ہر گریہ آخر خندہ ایست | مردِ آخر بیں مبارک بندہ ایست

ہمارے ہر گریہ کا انجام مسرت ہے اور جو انجام بیں ہوتا ہے وہ مبارک بندہ ہے۔

ہر کجا آبِ رواں خضرت بود | ہر کجا اشکِ رواں رحمت بود

جہاں بھی پانی جاری دیکھو گے سبزہ موجود ہوگا اسی طرح جہاں آنسو رواں ہوتے ہیں وہیں رحمت ہوتی ہے۔

اشک کاں از بہرِ او بارند خلق | گوہر است و اشک پندارند خلق

جو آنسو حق تعالیٰ کے لئے مخلوق بہاتی ہے وہ آنسو موتی ہیں اور مخلوق آنسو سمجھتی ہے

کہ برابر می کند شاہِ مجید | اشک را در وزن با خونِ شہید

کیونکہ حق تعالیٰ گنہگاروں کے آنسوؤں کو شہیدوں کے خون کے برابر وزن کرتے ہیں۔

زاری و گریہ عجب سرمایہ ایست | رحمتِ کلی قوی تر دایہ ایست

گریہ وزاری عجیب سرمایہ ہے رحمتِ کلی قوی تر مہربان و پاسبان ہے۔

خواب را بگذار اے چشمِ پدر | یک شبے در کوئے بے خواباں گذر

اے چشمِ پدر! ایک رات کو اپنی نیند قربان کر کے اللہ والوں کی گلی میں جا کہ کس طرح اپنے مولیٰ کے لئے بے خواب ہو رہے ہیں۔

مایۂ دَر بازارِ دُنیا اِیں زَر سْت　مایۂ اِینجا عِشق و دُو چشمِ تر سْت

بازارِ دُنیا کی پونجی یہ سونا ہے اور بازارِ آخرت کا سرمایہ عِشقِ حق اور حق کے لیے اشکبار آنکھیں ہیں۔

فوائدِ خلوت

قعرِ چہ بگزید ہر کو عاقل سْت　زانکہ دَر خلوت صفاہائے دِل سْت

جو عقلِ سلیم رکھتا ہے وہ خلوت اختیار کرتا ہے کیونکہ تنہائی میں قلب کی صفائی ہوتی ہے۔

خلوت اَز اغیار باید نے زِیار　پوستیں بہرِ دے آمد نے بہار

خلوت اغیار سے ہوتی ہے نہ کہ یار سے یعنی عاشقینِ حق کی صحبت تو مثل بہار ہے پس پوستین موسمِ سرما میں استعمال کرتے ہیں نہ کہ موسمِ بہار میں۔

با جمالِ جاں چو شُد ہمکاسۂ　باشَدش زِ اَخبار و دانش تاسۂ

جو شخص جمالِ روح کے مشاہدہ میں مصروف ہوگا وہ دُنیا کی فضول خبروں سے بیگانہ ہوگا۔

تو کرے بے خبر ساری خبروں سے مجھکو　الٰہی رہوں اِک خبردار تیرا

(حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ)

فائدہ: خلوت مفید وہ خلوت ہے جو اللہ کے لئے ہو۔ ایک شخص خلوت میں بیٹھ کر بالاخانہ سے سڑک پر گزرنے والی عورتوں کو گھورا کرتا تھا ایسی خلوت تو وبال ہی ہے۔

ع کنوئیں کی گہرائی۔

فوائدِ خاموشی وحفظِ لسان

کودکِ اوّل چو زاید شیر نوش | مدّتے خامش بود او جملہ گوش

بچہ نوزائیدہ دودھ پینے والا ایک مدّت تک خاموش اور سراپا کان رہتا ہے اسی طرح سلوک کی ابتدا میں سالک کو ایک مدّت خاموش اور سراپا کان رہنا چاہیئے اور اپنے مرشد کی باتیں غور سے سُنتے رہنا چاہیئے۔

فائدہ: حضرتِ شیخ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مجلس میں نئے آنے والے سالکین کو یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ کچھ مدّت کان بن کر رہو زبان مت بنو۔

مدّتے می بایدش لب دوختن | از سخن تا او سخن آموختن

ایک مدّت اس بچہ کو خاموش رہنا پڑتا ہے تاکہ بولنے والوں کی باتیں سُنتا رہے اور اندر ہی اندر سیکھتا رہے اسی طرح ایک مدّت سالک کو خاموش رہنا چاہیئے تاکہ مرشدِ کامل سے اچھی اچھی باتیں کرنے کا سلیقہ اندر ہی اندر پیدا ہو۔

زانکہ اوّل سمع باید نطق را | سوئے منطق از رہِ سمع اندر آ

اس واسطے کہ گویائی کے لئے پہلے سماعت کی ضرورت ہے پہلے کچھ دن مجلس اہلِ ارشاد میں سماعت کرو پھر سماعت کی راہ سے گویائی کی طرف داخل ہو۔

ظالم آں قومے کہ چشماں دوختند | زاں سخنہا عالمے را سوختند

وہ قوم کس قدر ظالم ہے کہ آنکھیں بزرگوں کی طرح بند کر کے زبان سے ایسی بکواس کرتی ہے جس سے ایک عالم گمراہ ہو جاتا ہے۔

نکتہ کاں جست ناگہ از زباں | ہمچو تیرے داں کہ جست آں از کماں

جو بات زبان سے نکل گئی وہ مثل اس تیر کے ہے جو کمان سے نکل گیا یعنی منہ سے نکلی ہوئی بات واپس نہیں آتی جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا۔

حفظِ اسرار

چونکہ اسرارت نہاں در دل شود ۔۔۔ آں مرادت زود تر حاصل شود

جب تیرے اسرار دل میں پوشیدہ ہوگئے تو تیری مراد جلد حاصل ہو جاوے گی۔

گفت پیغمبر کہ ہر کو سر نہفت ۔۔۔ زود گردد با مرادِ خویش جفت

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنا راز چھپایا وہ اپنی مراد کو پا گیا۔

دانہ چوں اندر زمیں پنہاں شود ۔۔۔ سرِ آں سر سبزیِ بستاں شود

جب دانہ زمین میں پوشیدہ ہو جاتا ہے تو وہی دانہ باغ کی تازگی و شادابی بن جاتا ہے۔

زر و نقرہ گر نبودندے نہاں ۔۔۔ پرورش کے یافتندے زیرِ کاں

سونا اور چاندی اگر مخفی نہ ہوتے تو کس طرح کان کے اندر پرورش پاتے۔

تا توانی پیش کس مکشائے راز ۔۔۔ بر کسے ایں در مکن زنہار باز

جہاں تک ہو سکے کسی کے سامنے اپنا راز مت ظاہر کرو کسی پر راز کا دروازہ ہرگز مت کھولو۔

بر لبم قفل ست و در دل رازہا ۔۔۔ لب خموش و دل پر از آوازہا

میرے لب پر قفل ہے اور دل میں راز مخفی ہیں لب خاموش ہیں مگر دلِ نغمہائے عشقِ حق سے پر ہے۔

عارفاں کہ جامِ حق نوشیدہ اند　رازہا دانستہ و پوشیدہ اند

عارفین جو جامِ محبتِ حق پیئے ہوئے ہیں رازہائے عشق سے باخبر ہیں مگر مخفی رکھتے ہیں۔

نفس کشی و سلوک

دشمنِ ار چہ دوستانہ گویدت　دام داں گرچہ زدانہ گویدت

دشمن یعنی نفس اگرچہ دوستی کی صورت میں کوئی بات کہے تو اس کو بھی جال سمجھنا اگرچہ دانہ دکھا رہا ہو۔

گر ترا قندے دہد آں زہر داں　گر ترا لطفے کند آں قہر داں

نفس دشمن اگر تجھے گناہوں کی شکر پیش کرے تو اس کو زہر سمجھ اور اگر تجھ پر مہربانی ظاہر کرے تو اس کو قہر سمجھ۔

تو خلافش کن کہ از پیغمبراں　ایں چنیں آمد وصیت در زماں

تو نفس کے خلاف کیا کر کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح وصیت آئی ہے۔

مشورت با نفس خود گر میکنی　ہر چہ گوید کن خلاف آں دنی

تو اپنے نفس سے اگر مشورہ کرے تو جو کچھ وہ ذلیل کہے اس کے خلاف ہی کر۔

نفس میخواہد کہ تا ویراں کند　خلق را گمراہ و سرگرداں کند

نفس چاہتا ہے کہ تجھے ویران کر دے اور خلق کو گمراہ اور سرگرداں کر دے۔

ہیں مرو اندر پئے نفس چو زاغ　کو بگورستاں برد نے سوئے باغ

خبردار یہ نفس جو مثل کوّے کے غلاظت خور ہے یعنی معاصی کو محبوب رکھتا ہے اس کے پیچھے مت چل کیونکہ کوّا تو قبرستان مردہ خوری کے لیے جائے گا نہ کہ باغ کی طرف۔

ہیں بکُش اُو را کہ بہرِ آں دَنی ہر دمے قصدِ عزیزے می کُنی

خبردار! اس نفس کو فنا کر دے کیونکہ اسی کی خاطر تو ہر وقت اپنے کسی عزیز کی برائی کا قصد کرتا ہے۔

مادرِ بُت ہا بُتِ نفسِ شُماست زانکہ آں بُت مار و ایں بُت اژدہاست

تمام بتوں کی ماں تمہارا نفس ہے اس واسطے کہ اور بت تو سانپ ہیں اور نفس اژدہا ہے۔

بُت شکستن سہل باشد نیک سہل سہل دیدن نفس را جہل ست جہل

بُت توڑ دینا آسان ہے لیکن نفس کے توڑنے کو آسان سمجھنا جہالت در جہالت ہے۔

آتشت را ہیزمِ فرعوں نیست زانکہ چوں فرعون او را عوں نیست

تیری آتش شہوت کے لئے فرعون والا ساماں میسر نہیں ورنہ فرعون کے اسباب تیرے پاس ہیں۔

آنچہ در فرعون ہست آں در تو ہست لیک اژدرہات محبوس چہ ہست

جو شرارتیں فرعون میں تھیں تیرے اندر بھی پوشیدہ ہیں لیکن تیرے تمام اژدہے کنوئیں میں بند ہیں۔

نفست اژدرہاست او کے مُردہ است از غمِ بے آلتی افسُردہ است

تیرا نفس بھی اژدہا ہے وہ کب مردہ ہے مگر غم بے سامانی سے افسردہ ہے۔

کُشتنِ ایں کار عقل و ہوش نیست　　شیرِ باطن سخرۂ خرگوش نیست

اس نفس کو زیر کرنا عقل و ہوش کا کام نہیں یہ شیر باطن خرگوش کے قبضہ میں نہیں آسکتا۔

سہل شیرے داں کو صفہا بشکند　　شیر آں باشد کہ خود را بشکند

اس شیر کو معمولی سمجھ جو صف کی صف ایک حملہ میں صفایا کر دیتا ہے اصل شیر وہ ہے جو اپنے نفس کو توڑ دے۔

نفس نتواں کشت الّا ظلِ پیر　　دامنِ آں نفس کش را سخت گیر

بغیر شیخ کامل کے نفس زیر نہیں ہو سکتا اس نفس کش یعنی پیرِ کامل کا دامن مضبوط پکڑ لو۔

فوائدِ جوع و احتما

نفسِ فرعون ست ہیں سیرش مکن　　تا نیارد یاد زاں کفرِ کہن

نفس فرعون خصلت ہے خبردار اسے ضرورت سے زائد موٹا مت کرو تاکہ اس کو اپنی شرارتیں پھر نہ یاد آنے لگیں۔

قوتِ معدہ زیں کہ وجو باز کن　　خوردن ریحان و گل آغاز کن

اے مخاطب ظاہری غذاؤں سے ذرا توجہ کچھ کم کر کے ریحان و گل کھانا شروع کر یعنی ذکر و عبادت کر۔

معدہ را خو کن بدیں ریحان و گل　　تا بیابی حکمت و قوتِ رُسل

اپنے معدہ کو عادی بناؤ ریحان و گُل کی غذا کا یعنی انوارِ ذکر کی غذا کھانا شروع کردو۔ تاکہ انبیاء علیہم السلام کی غذا، اور حکمت (دینی فہم) سے تجھے کچھ عطا ہو جاوے۔

گر خوری یکبار از ماکولِ نور　　خاک ریزی بر سرِ نانِ تنور

اگر ایک بار بھی تو یہ نورانی غذائیں کھالے گا یعنی حلاوت ذکر و طاعت و مناجات کا لُطف پا جاوے گا تو ان روٹیوں سے تجھے اس درجہ شغف بیجا نہ رہے گا۔ بس بقدرِ ضرورت خوردن برائے زیستن کرے گا جب کہ اس وقت تو زیستن برائے خوردن پر عمل کر رہا ہے۔

قرباں وہ کر دیتا ہے جنت کی بہاریں　　پاتا ہے جو قسمت سے مُناجات کا عالم

(مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی)

جملہ ناخوش از مجاعت خوش شود　　جملہ خوشہا بے مجاعت ز و بود

اگر بھوک ہو تو ہر کھانا اچھا معلوم ہوتا ہے اور بغیر بھوک اچھے سے اچھا کھانا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

لب فرو بند از طعام و از شراب　　سوئے خوانِ آسمانی کن شتاب

نفلی روزوں سے کھانے پینے کا انہماک غیر ضروری ختم کر دے اور آسمانی دسترخوان کی طرف رُخ کر۔

تا غذائے اصل را قابل شوی　　لقمہائے نور را آکل شوی

تاکہ اصل غذائے روحانی کے تو قابل ہو جاوے اور نورانی لقموں کا کھانے والا ہو جاوے یعنی خلوئے معدہ میں ذکر و دُعا و طاعت میں دل خُوب لگے گا اور پیٹ بھرے پر تو رونا بھی نہیں آئے گا۔

فائدہ: ذکر و عبادت کا بہترین وقت وہ ہے کہ نہ بالکل پیٹ بھرا ہو کہ کسل ہو رہا ہو اور نہ بھوک لگی ہو کہ اس وقت دل کھانے میں لگا ہو بس درمیان کی حالت ہونی چاہیئے۔

اجتناب از معصیت

ہر کہ او عصیاں کند شیطاں شود　　کو حسودِ دولتِ نیکاں شود

جو نافرمانی کرتا ہے وہ شیطان کے طریق پر ہو جاتا ہے کیونکہ شیطان ہی نیکوں کی دولت کا حاسد ہوتا ہے۔

دیو سوئے آدمی شد بہرِ شر　　سوئے تو ناید کہ از دیوی تبر

شیطان نیک آدمی کی طرف شر کے لئے آتا ہے اور اے شخص تیری طرف نہیں آتا۔ کہ تو اس بھی بدتر ہے شر میں۔

چوں شدی در خوی دیوی استوار　　می گریزد از تو دیو نابکار

جب تو شیطان کی بری عادتوں کو اپنا لینے میں پختہ کار اور استاد ہو جاتا ہے تو تیرے پاس سے وہ نالائق شیطان بھاگ جاتا ہے اور دوسرا شکار ڈھونڈتا ہے۔

ہر کہ او بنہاد ناخوش سنتے　　سوئے او نفریں رود ہر ساعتے

جو شخص کہ کسی گناہ کا طریقہ رائج کرتا ہے ہر وقت اس کی طرف لعنت آتی ہے۔

نیکواں رفتند و سنتہا بماند　　و از لئیماں ظلم و لعنتہا بماند

نیک لوگ چلے گئے اور ان کے اچھے طریقے باقی رہ گئے اور کمینے لوگ بھی چلے

گئے اور ان کے ظلم و لعنت باقی رہ گئے۔

آنچہ بر تو آید از ظلماتِ غم ۔ آں ز بیباکی و گستاخیٔ است ہم

جو کچھ تجھ پر غم کی ظلمتیں آتی ہیں وہ سب تیری بے باکی اور گستاخی سے آتی ہیں۔

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق ۔ باشد اندر وادیٔ حیرت غریق

جو شخص خداوند تعالیٰ کی راہ میں گستاخی کرتا ہے وہ ہمیشہ وادیٔ حیرت میں غرق رہتا ہے گستاخی سے مُراد اصرار علی المعصیت ہے اور غریقِ وادیٔ حیرت سے مُراد نور ہدایت سے محرومی ہے۔

چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش ۔ زانکہ تخم ست و بر ویاند خداش

جب تُم نے نافرمانی کرلی تو بے خوف مت رہو بلکہ ڈرتے رہو اور استغفار کرتے رہو کیونکہ حق تعالیٰ کی قدرت تیرے اس بُرے بیج کو اُگا سکتی ہے۔

بارہا پوشد پئے اظہارِ فضل ۔ باز گیرد از پئے اظہارِ عدل

حق تعالیٰ اکثر تو ہمارے گناہوں کی اپنے فضل سے ستاری فرماتے ہیں اور جب ہم حد سے بڑھ جاتے ہیں تو عدل کے اظہار کے لئے گرفت بھی کرتے ہیں۔

تاکہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود ۔ آں مبشر گردد ایں منذر شود

تاکہ دونوں صفتوں کا ظہور ہوجاوے اور پہلی صفت بشارت دینے والی ہو اور دوسری صفت ڈرانے والی ہو۔

مقام و حال

ہست بسیار اہلِ حال از صوفیاں ۔ نادر ست اہلِ مقام اندر میاں

اہلِ حال صوفیہ بہت ہیں مگر اہلِ مقام نادر ہوتے ہیں یعنی کم ہوتے ہیں۔

اہلِ حال وہ صوفیہ ہیں جن کے حالات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور اپنے حال سے مغلوب ہوجاتے ہیں۔

اہلِ تمکین و مقام وہ صوفیہ ہیں جن کے حالات میں ٹھہراؤ اور رسوخ پیدا ہوچکا ہے اور وہ حالات پر غالب رہتے مغلوب نہیں ہوتے ایسے ہی لوگوں کی صُحبت مُفید ہوتی ہے۔

یارِ غالِب جو کہ تا غالِب شوی　　یارِ مغلوباں مشو ہیں اے غوی

مرشد اور رہبر ہمیشہ غالب علی الاحوال تلاش کرو تاکہ اس کی صُحبت سے تم بھی غالب ہوجاؤ اور جو مغلوب الحال ہیں اُن کی صُحبت سے احتیاط کرو ورنہ تم بھی مغلوب ہوجاؤ گے۔

عقل

گُفت پیغمبر کہ احمق ہر کہ ہست　　اُو عَدُوِّ ما و غُولِ رہزن ست

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو احمق ہوتا ہے وہی ہمارا دُشمن ہوتا ہے اور ابلیس کا ساتھی ہوتا ہے۔

ہر کہ اُو عاقل بُوَد اُو جانِ ما ست　　رُوحِ اُو و رَوحِ اُو ریحانِ ما ست

جو شخص عاقل ہوتا ہے وہ ہماری جان ہے اور اس کی روح ہمارے لئے مثلِ ریحان ہے۔

آفتِ مُرغ ست چشمِ کامِ بیں مُخلصِ مُرغ ست عقلِ دامِ بیں

مُرغ کی آفت اس کی آنکھ ہے جو دانہ پر حریص ہے اور اس کی خلاصی وہ عقل ہے جو جال کو دیکھ لے۔

عقلِ خود زیں فکرہا آگاہ نیست در دماغش جز غمِ اللہ نیست

عقل کامل ان افکار لایعنی سے فارغ ہوتی ہے اور اس کے اندر سوائے اللہ کے غم کے اور کچھ نہیں ہے۔

اے خنک آنکس کہ عقلش نر بود نفسِ زشتش مادہ و مضطر بود

مُبارک ہے وہ شخص جس کی عقل نر ہو اور اس کا نفسِ آمارہ مادہ اور مغلوب ہو۔

ہست عقلے ہمچو قرصِ آفتاب ہست عقلے کمتر از ذرّہ شہاب

بعض عقل مثل قرص آفتاب کے قوی النُور ہے اور بعض عقل ذرّہ شہاب سے بھی کمتر ہے۔

عقلِ خود با عقلِ یارے یار کن امرہم شورٰی بخواں و کار کن

اپنی عقل کو کسی شیخِ کامل کی عقل کی غلامی میں ڈال دے اور حکم مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اپنے تمام کاموں کو انجام دے۔

چشم غرّہ شد بخضرائے دمن
عقل گوید بر محک ماش زن

آنکھ تو غلاظت کے ذخیرہ پر اُگے ہوئے لہلہاتے سبزہ پر فریفتہ ہوگئی مگر عقل کہتی ہے کہ اِس فیصلہ کو میری کسوٹی پر جانچ کرو۔

محبّت و عشق

عاشقم بر رنج خویش و دردِ خویش ‌‌‌‌‌‌ بہرِ خوشنودیٔ شاہِ فردِ خویش

میں اپنے رنج و درد پر بھی عاشق ہوں اور یہ صبر و تسلیم اپنے شاہِ حقیقی کو راضی کرنے کے لئے اختیار کرتا ہوں۔

ناخوشِ او خوش بود بر جانِ من ‌‌‌‌‌‌ جاں فدائے یار دل رنجانِ من

اپنی مرضی سے ان کی مرضی زیادہ عزیز تر ہے میری جان میں میری جان فِدا ہو اُن پر اور میرا دل بھی۔

از محبت تلخہا شیریں شود ‌‌‌‌‌‌ از محبت مسہا زریں شود

محبّت سے تمام تلخیاں شیریں ہوجاتی ہیں اور محبت سے تانبہ سونا بن جاتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی محبّت دل میں حاصل کر لینے کے بعد تمام احکامِ الٰہیہ پر عمل اور ممنوعاتِ شرعیہ سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔

از محبت نار نورے می شود ‌‌‌‌‌‌ از محبت دیو حورے می شود

محبّت سے نار نور بن جاتی ہے اور محبّت سے مکروہ بھی محبوب ہوجاتا ہے یعنی محبّتِ حق سے شہوت کی آگ مغلوب ہوکر نورِ تقویٰ بن جاتی اور ہر مجاہدہ لذیذ ہوجاتا ہے اور یہ مذاق ہوجاتا ہے ؎

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

عشق آں شعلہ ست کو چوں بر فروخت ‌‌‌‌‌‌ ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

عشقِ حق کا شعلہ جس دل میں روشن ہو جاتا ہے تو وہ عشق دل میں بجز خدا کے سب غیر کو جلا کر خاک کر دیتا ہے غیر سے مراد وہ علائق ہیں جو مضر آخرت ہوں اور بیوی بچوں کے اور عزیز و اقربا کے حقوق کی فکر معین آخرت ہے۔

عِشق جوشد بحر را مانندِ دیگ ۔۔۔ عِشق سَاید کوہ را مانندِ ریگ

عشق سمندر کو مثل دیگ جوش دیتا ہے اور پہاڑ کو مثل ریت پیس دیتا ہے یعنی عشقِ حق عطا ہونے کے بعد حق تعالیٰ شانہ کی راہ میں کوئی مانع اپنا وجود باقی نہیں رکھ سکتا جس سے راستہ بالکل بے غبار اور صاف اور سہل ہو جاتا ہے۔

تیغِ لا در قتلِ غیرِ حق براند ۔۔۔ در نگر زاں پس کہ بعد لا چہ ماند

لا الٰہ کی لا تلوار ہے تو اس لا سے غیر حق کو قتل کرے یعنی قلب سے نکال دے پھر دیکھ کہ اس لا کے بعد دل میں صرف الا اللہ ہی نظر آئے گا۔

عشق و ناموس اے برادر راست نیست ۔۔۔ بر در ناموس اے عاشق مایست

عشق اور جاہ پسندی اے بھائی دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتی ہیں اس لئے اگر عاشق بننا ہے تو ناموس کے دروازہ پر کبھی مت کھڑے ہونا۔

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما ۔۔۔ اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

اے عشق تو خوش رہے کہ تو ہماری بہت ہی اچھی بیماری ہے اور تو ہی ہماری جملہ روحانی بیماریوں کی دوا ہے۔

اے دوائے نخوت و ناموسِ ما ۔۔۔ اے تو افلاطون و جالینوسِ ما

اے عشق تو ہی ہمارے ناموس و نخوت کی دوا ہے اور تو ہی ہمارے لئے افلاطون و جالینوس ہے۔

عاشقی پیداست از زاریِ دل
نیست بیماری چو بیماریِ دل

عاشقی وجود پاتی ہے جب دِل روتا ہے اور دِل کی بیماری جیسی کوئی بیماری نہیں۔

(نوٹ) ہمارے مُرشد رحمۃ اللہ علیہ اِس شعر کو تہجد کے وقت اکثر پڑھا کرتے تھے۔

ہر کجا شمعِ بلا افروختند
صد ہزاراں جانِ عاشق سوختند

جہاں بھی اِس محبوبِ حقیقی نے امتحانِ محبّت کا چراغ روشن کیا وہیں ہزاروں عاشقوں نے اپنی جانیں نثار کر دیں۔

عشق از اوّل چرا خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

عشق پہلے خونی نظر آتا ہے تاکہ غیر مخلص دربارِ عشق الٰہی میں نہ داخل ہو سکے لیکن عاشقین صادقین داخل ہی ہو جاتے ہیں اور پھر لُطف ہی لُطف حاصل کرتے ہیں۔

آں طرف کہ عشق می افزود درد
بو حنیفہ شافعی درسے نہ کرد

جس راہ میں عشق درد بڑھاتا ہے اس راہ کی تعلیم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں دی اور یہ حضرات بڑے درجے کے اولیاء اللہ ہیں اور عاشقین حق ہیں مگر ان سے تدوینِ فقہ ظاہری کا کام لیا گیا اور ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ (اَلْاٰیَۃ) سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی معاصی دونوں ہی کے ترک کا حکم فرمایا ہے پس ظاہری گُناہوں کے احکام کو شریعت اور باطنی گناہوں کے احکام کو طریقت کہتے ہیں یہ استدلال حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور اسی آیت سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ثابت فرماتے تھے کہ جو لوگ شریعت اور طریقت میں مخالفت اور مغایرت ثابت کرتے ہیں وہ انتہائی اندھیرے میں ہیں۔ پس فقہ باطنی کی تدوین

کے لئے حق تعالیٰ نے صوفیائے کرام کو پیدا فرمایا اور چار امام فِقہ ظاہری کی خدمت پر مامور فرمائے تو چار ہی امام فِقہ باطنی کی خدمت پر مامور فرمائے فِقہ ظاہری شریعت کے چار امام یہ ہیں۔ حضرت امام ابُو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ' حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ' حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فِقہ باطنی کے چار امام یہ ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ' حضرت شیخ خواجہ معینُ الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ' حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

عاشقاں را شُد مدرس حُسنِ دوست　　دفتر و درس و سبق شاں رُوئے اُوست

عاشقوں کے لئے مدرس حُسن محبُوب ہوتا ہے اور دفتر و درس سب محبوب کا چہرہ ہوتا ہے۔ محبُوب سے مُراد جس طالب کو شیخ سے مناسبت قویہ کے سبب محبّت شدیدہ ہو جاوے جیسے جلالُ الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ اَپنے شیخ حضرت شمسُ الدین تبریزی پر عاشق تھے اور حضرت مولانا حسامُ الدین اپنے خلیفہ پر بھی غایت مناسبت سے عاشق تھے۔

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیاں　　چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں

میں جو کچھ کہ عشق کی شرح بیان کرتا ہوں جب عشق مجھ پر طاری ہوتا ہے تو میں اس کے کروفر اور شان و شوکت کے مُشاہدہ سے اَپنے بیان کو قاصر پاکر شرمسار ہو جاتا ہوں۔

شرحِ عشق ار من بگویم بر دوام　　صد قیامت بگذرد واں ناتمام

اگر میں شرحِ عشق ہمیشہ بیان کرتا رہوں تو سو قیامت گذر جاوے اور وہ بیان مکمل نہ ہوگا کیونکہ وہ محبوبِ حقیقی غیر متناہی صفات والا ہے پس اس کی شرح کیسے متناہی ہو سکتی ہے۔

عشق دریائیست قعرش ناپدید　　در نگنجد عشق در گفت و شنید

عشق گفت و شنید میں نہیں سما سکتا وہ تو ایک دریائے ناپیدا عمیق ہے۔

شرحِ عشق و عاشقی ہم عشق گفت　　عقل در شرحش چو خر در گل بخفت

عقل عشق کی شرح کرتے کرتے مثلِ گدھے کے مٹی میں سو گئی یعنی عاجز ہو گئی اس کے بعد شرحِ عشق و عاشقی کو خود عشق ہی نے تمام کیا۔

گر دلیلت باید از وے رو متاب　　آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

آفتاب کا طلوع ہونا خود آفتاب کے لئے دلیل ہے اگر پھر بھی تجھے دلیل چاہیئے تو آفتاب سے اپنا چہرہ کیوں پھیرتا ہے جب اس کی شعاعوں کی تیری آنکھیں متحمل نہیں ہوتیں۔

صاف گر باشد ندانم چوں کند　　جرعہ خاک آلود چوں مجنوں کند

جب جرعہ خاک آمیز (ارتکابِ گناہ کی ظلمت اور طاعتوں کا نور) مجنوں کر رہا ہے تو صاف ہو گئے تو نہ جانے کیا اثر کرے گا یعنی تقویٰ کامل کے ساتھ ذکر و عبادت کا نورِ خالص تو کس قدر تم کو پُر کیف کرے گا۔

صید بودن بہتر از صیادی ست　　عشق میگوید بگوشم پست پست

عشق میرے کان میں آہستہ آہستہ یہ کہہ رہا ہے کہ صید ہونا صیادی سے بہتر ہے یعنی حق تعالیٰ کی محبت کا شکار ہو جانا بہتر ہے اس بات سے کہ اپنے لئے ہم

خود اپنے چاہنے والے تیار کریں۔

بر درم ساکن شو و بے خانہ باش　　دعویٰ شمعی مکن پروانہ باش

عشق کہتا ہے کہ اے عاشق میرے دروازہ پر پڑا رہ اور بے گھر رہ اور شمع ہونے کا دعویٰ مت کر بلکہ پروانہ بن کے رہ ۔

دِل چاہتا ہے در پہ کسی کے پڑا رہوں

سر زیر بار منت درباں کیے ہوئے

عشق آں گزیں کہ جملہ انبیاء　　یافتند از عشق او کار و کیا

حق تعالیٰ کا عشق حاصل کرو کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ ہی کے عشق سے لازوال سلطنت عطا ہوئی۔

کار کیا ۔ بادشاہی۔

عشق زندہ در رواں و در بصر　　ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر

عشق زندہ حقیقی یعنی حق سبحانہٗ تعالیٰ کا ہمیشہ ہماری رگوں میں اور آنکھوں میں پھولوں کی کلیوں سے بھی زیادہ تازہ تر ہے۔

دانکہ عشق مردگاں پایندہ نیست　　زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست

یقین کر لو کہ دُنیا والوں کا عشق باقی رہنے والا نہیں کیونکہ یہ ایک دِن مرنے والے ہیں اور مرنے والا ہماری طرف آنے والا نہیں بلکہ ہم سے جانیوالا ہے۔

عشقہائے کز پئے رنگے بود　　عشق نبود عاقبت ننگے بود

وہ عشق جو ان صورتوں کے نقش و نگار کے لئے ہوتا ہے وہ عشق نہیں محض نفس کی خواہش ہے پس یہ فسق بصورتِ عشق ایک دن رسوائی کا سبب ہوتا ہے۔

عشق نبود آنکہ در مردم بود ⁂ ایں فساد از خوردن گندم بود

جو عشق کسی عورت یا لڑکے سے کیا جاتا ہے وہ دراصل عشق نہیں بلکہ گیہوں کھانے کا فساد ہے یعنی اگر روٹیاں نہ ملیں تو یہ عشق غائب ہو جاوے جیسا کہ دمشق میں جب قحط پڑا اور کئی فاقہ پر فاقہ ہوئے تو عاشقوں سے پوچھا گیا کہ روٹی لاؤں یا معشوق؟ تو عاشقوں نے کہا روٹی لاؤ جان جا رہی ہے۔

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو فرمایا ہے ؎

چناں قحط سالی شد اندر دمشق ⁂ کہ یاراں فراموش کردند عشق

چوں رود نورِ رو شود پیدا دخاں ⁂ بفسرد عشقِ مجازی آں زماں

جب معشوق کا حسن عارضی ختم ہو جاتا ہے اور دھواں ظاہر ہو جاتا ہے یعنی وہی صورت مکروہ معلوم ہونے لگتی ہے تو اسی وقت یہ عشق مجازی ختم ہو جاتا ہے۔

عشق با مردہ نباشد پائیدار ⁂ عشق را با حیّ با قیوم دار

عشق مرنے والوں سے پائیدار نہیں ہوتا عشق ہمیشہ حقیقی زندہ اور سارے جہان کے سنبھالنے والے سے کر وہ تمہیں بھی سنبھال لے گا۔

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مرنے والوں پہ مر رہا ہے

جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوقِ نظر نہیں ہے (مجذوب)

نکالو یاد حسینوں کی دِل سے اے مجذوب

خدا کا گھر پئے عشقِ بتاں نہیں ہوتا

عشق ز اوصافِ خدائے بے نیاز ⁂ عاشقی بر غیرِ او باشد مجاز

عشق حق تعالیٰ کے اوصاف سے کرنا حقیقی ہے اور غیر اللہ سے دل لگانا مجازی ہے۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں　　آب ہم جوید بعالم تشنگاں

پیاسے اگر جہان میں پانی ڈھونڈتے ہیں تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو جہان میں تلاش کرتا ہے۔

میلِ معشوقاں نہاں است و ستیر　　میلِ عاشق با دو صد طبل و نفیر

معشوقوں کی محبت مخفی اور مستور ہوتی ہے اور عاشق کی فطرت سیکڑوں طبل و نفیر بجاتی ہے۔

مُراد یہ ہے کہ مُرشد کی شانِ محبوبیت اظہارِ محبت اگر طالب پر نہ کرے تو یہ اس کی شان کو زیبا ہے مگر طالب کے لئے اظہارِ محبت ہی میں نفع ہے حتیٰ کہ حضرت حکیم الاُمّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ کے ساتھ تملق کو جائز فرمایا ہے کیونکہ تملق مذموم وہ ہے جو دُنیا کے لئے ہو اور یہ تملق دین کے لئے ہے اس لئے محمود ہے۔

دیو اگر عاشق شود ہم گوئی بُرد　　جبرئیلے گشت آں دیوی بمُرد

ابلیس بھی اگر حق تعالیٰ شانہٗ کا عاشق ہو جاوے تو میدان سے گیند لیجاوے اور جبرئیل ہو جاوے اور اس کی ابلیسیت ختم ہو جاوے۔

عشق را صد ناز و استکبار ہست　　عشق با صد ناز می آید بدست

عشق کو سیکڑوں ناز اور شان استغنا ہے عشق سیکڑوں ناز اُٹھانے کے بعد ہاتھ آتا ہے۔

تو بیک زخمے گریزانی ز عشق　　تو بجز نامے نمیدانی ز عشق

اگر شیخ کی ایک مرتبہ ڈانٹ لگانے سے تو بھاگ نکلتا ہے تو عشق کا دعویٰ مت

کر تو نے صرف عشق کا سُن لیا ہے۔ حقیقتِ عشق سے تو واقف نہیں۔

گر بہر زخمے تو پُر کینہ شوی　　پس کجا بے صیقل آئینہ شوی

اگر اسی طرح ہر زخم سے تو پر کینہ ہوتا رہے گا تو شیخ کی سختیوں کے بغیر کیسے آئینہ ہو گا۔

؎ آئینہ بنتا ہے رگڑے لاکھ جب کھاتا ہے دِل
کچھ نہ پُوچھو دِل بہت مشکل سے بن پاتا ہے دِل

نافِ ما بر مہرِ خود ببریدہ اند　　عشقِ خود در جانِ ما کاریدہ اند

ہماری ناف کو اپنی محبّت کی شرط پر کاٹا ہے اور ہماری جان میں اپنے عشق کا بیج بو دیا ہے۔

؎ دِل ازل سے تھا کوئی آج کا شیدائی ہے
تھی جو اک چوٹ پرانی وہ اُبھر آتی ہے　(مجذوبؔ)

اے عدوِ شرم و اندیشہ بیا　　کہ دریدم پردۂ شرم و حیا

اے عشق تو دُشمنِ شرم و اندیشہ ہے تو اب میرے دِل میں آجا کیونکہ مَیں نے پردۂ شرم و حیا کو پھاڑ دیا ہے ؎

ہمارا کام انکی یاد اور انکی اطاعت ہے
نہ بدنامی کا خطرہ اب نہ پروائے ملامت ہے

(نوٹ) یہاں شرم و حیا سے مُراد حمیت الجاہلیہ ہے یعنی وہ شرم و عار جو اللہ و رسُول کی اطاعت میں حائل اور مانع ہو اور جو شرم و حیا گناہوں سے حفاظت کرے وہ تو ایمان کا شعبہ ہے اور مطلوب و محمود ہے۔ حق تعالیٰ نے لَا

یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہما کی شان میں فرمایا ہے وہاں ان کی یہی شانِ عشق بیان فرماتی ہے کہ ان کو ہماری اطاعت میں مخلوق کی ملامت وطنز واعتراض کا خوف نہیں ہوتا اسی مفہوم کو مولانا نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ؎ کہ دریدم پردہ شرم وحیا

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم　　تا ابد جاناں چنیں می بایدم

اے محبوب حقیقی آپ کی یاد میں نعرۂ مستانہ مجھے بہت ہی محبوب ہے اور قیامت تک آپ سے یہی چاہتا ہوں کہ اسی طرح نعرۂ مستانہ لگاتا رہوں۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم　　جسم بگذارم سراسر جاں شوم

اب وہ وقت آپہنچا کہ میں اس جسم کے لباس کو اتار دوں اور سراسر جان ہو کر اپنے محبوبِ حقیقی سے جاملوں ۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　راحت جاں طلبم از پئے جاناں بروم

وجد وحال وکیفِ عاشقی ودیوانگی

ہر چہ غیر شورش و دیوانگی ست　　اندریں رہ دوری و بیگانگی ست

حق تعالیٰ کی رضا اور رضا کے اعمال کے علاوہ جو بھی فضولیات اور لغویات ہیں وہ سلوک میں دوری اور بیگانگی کا باعث ہوتی ہیں۔

تو کر بے خبر ساری خبروں سے مجھکو　　الٰہی رہوں اک خبردار تیرا

(حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

(نوٹ) شورش و دیوانگی اور غیر حق سے بے خبری کا مفہوم یہ نہیں جو جہلائے صوفیہ سمجھے ہوئے ہیں کہ بیوی بچّوں کو دوسروں کے رحم و کرم کے حوالے کر کے خود چلّوں اور مراقبوں میں آنکھیں سُرخ کئے یا حق کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں مولانا کا مفہوم صرف یہ ہے کہ بیوی بچّوں اور دیگر حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد وقت کو فضول خبروں اور گپ شپ میں ضائع نہ کیا جاوے اور احباب سے قدرے خوش طبعی اور مزاح کی بھی اجازت ہے البتہ کثیر مزاح ممنوع ہے

اِیَّاکُمْ وَکَثْرَةَ الْمَزَاحِ اے لوگو! کثرتِ مزاح سے بچو۔

بازِ دیوانہ شُدم مَنْ اے طبیب　　بازِ سودائی شُدم مَنْ اے حبیب

پھر اے مرشد میں دیوانہ ہو رہا ہوں اور اے محبوب پھر مجھے عشق سودائی بنا رہا ہے۔

بارِ دیگر آمدم دیوانہ وار　　زود زود اے جاں زُود زنجیرے بیار

دوسری بار پھر دیوانہ وار حاضر ہُوا ہوں آ اے میری جان جا اور جلد عشق کی زنجیر لا کر میرے پاؤں میں ڈال دے۔

غیرِ آں زنجیرِ زلفِ دلبرم　　گر دو صد زنجیر آری بردرم

سوائے محبوبِ حقیقی کی زنجیرِ محبت کے اگر دُنیا کے علائق کی دو سو زنجیریں بھی تو لائے گا تو میں اسے توڑ دوں گا۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم　　مستِ آں ساقی وآں پیمانہ ایم

ہم اگر قلاش اور دیوانہ ہیں تو کیا مضائقہ! ہمیں تو اس خوش قسمتی پر مسرت ہے کہ ہم اس ساقی الست اور اس پیمانہ کے مست ہیں۔

آزمودم عقلِ دور اندیش را　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

میں نے عقل دور اندیش کو بہت آزمایا مگر اس سے منزل نہ ملی اس کے بعد اپنے کو دیوانہ بنا لیا۔

یا تو خرد کو ہوش کو مستی و بیخودی سکھا
یا نہ کسی کو ساتھ لے اسکے حریم ناز میں
بچہاں خرد ہے کہاں ہے نظام کار اُس کا
یہ پوچھتی ہے تری نرگس خمار آلود

ہیں مَنہ بر پایم آں زنجیر را　　کہ دریدیم سِلسلہ تدبیر را

ہاں خبردار اے لوگو! مجھ دیوانہ کے پاؤں میں علائق دُنیا کی زنجیر نہ ڈالو کہ مَیں نے اسباب و تدابیر کے پردوں سے ماوراء مسببِ حقیقی اور مدبرِ حقیقی سے رابطہ کر لیا ہے۔

(نوٹ) مولانا کی مُراد انہماک فی الدُنیا کے اس درجہ سے بچانا ہے جو آخرت کو تباہ کرنے والا ہے ورنہ اجمالی طلب کے ساتھ بقدرِ ضرورت دُنیا کا کسب تو مطلوب اور مامور شرعی ہے۔ اَجْمِلُوْا فِی الطَّلَبِ (حدیث)

البتہ اگر حقوق واجبہ کسی کے ذمّے نہ ہوں تو وہ مستثنیٰ ہے۔

زیں خرد جاہل ہمی باید شدن　　دست در دیوانگی باید زدن

اِس خرد سے جو آخرت کے لیے مُضر ہو رہی ہے جاہل ہی رہنا اچھا ہے اور ہاتھ دیوانگی کی دولت پر مارنا چاہیے۔

مَن چہ گویم یک رگم ہشیار نیست　　شرحِ آں یارے کہ اُورا یار نیست

میں کیا کہوں کہ میری اِک رگ بھی ہشیار نہیں پھر کس طرح اس محبوبِ حقیقی کی محبت کی شرح کروں جس کا کوئی مثل و شریک و ہمسر نہیں۔

چوں زنم دم کاتشِ دل تیز شد　　　شیرِ ہجر آشفتہ و خونریز شد

مگر کس طرح میں خاموش رہوں کہ دِل کی آگ بھی تیز ہوتی جا رہی ہے اور جدائی کا دُودھ جوش کر کے خونریز ہوتا جا رہا ہے۔

خاصہ آں بادہ کہ از خمِ نبی ست　　　نے مئے کہ مستیٔ او یک شبی ست

خاص کر وہ بادۂ محبت جو نبی علیہ السلام کے خم سے عطا ہو رہی ہو اس کا کیف تو لازوال ہے برعکس دُنیاوی شراب کی مستی کے کہ وہ صرف ایک رات رہتی ہے۔

قُرب و اُنس

قُرب بر انواع باشد اے پسر　　　می زند خورشید بر کہسار و زر

قُربِ حق ہر بندہ کے ساتھ الگ الگ ہے جس طرح آفتاب کا نور کہسار و زر پر مختلف دکھائی دیتا ہے۔

قُربِ خلق و رزق بر جملہ ست عام　　　قُربِ وحیِ عشق دارند ایں کرام

مخلوق ہونے اور رزق پانے کا قُرب تو سب پر عام ہے مگر قربِ وحیِ الٰہی اور عشقِ الٰہی انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو عطا کیا جاتا ہے۔

قُرب نے بالا و پستی رفتن ست　　　قُربِ حق از قیدِ ہستی رستن ست

قُرب اوپر نیچے چلنے کا مفہوم نہیں ہے بلکہ قربِ حق اپنے نفس کی قید سے آزاد ہونا ہے۔

آنکہ شد ہمدمش با شاہِ فردِ خویش　یافت دَرماں ہائے جُملہ دَردِ خویش

جو شخص کہ اپنے شاہِ حقیقی سے اپنے قلب و روح کو مانوس کرلے تو وہ حقِ تعالیٰ کے پاس اپنے ہر درد کی دوا پائے گا۔

چوں ازاں اقبال شیریں شد دہاں　سرد شد بر آدمی مُلکِ جہاں

جب حق تعالیٰ کی محبّت کا لُطف مل جاتا ہے تو پھر اس جہان کی سلطنت بھی اسے سرد معلوم ہوتی ہے۔

تسلیم و رضا بالقضا و توکل

لے بھی آپ کی مرضی پہ سونپتا ہوں میں
دیا ہے آپ نے جو کچھ بھی اختیار مجھے　(اخترؔ)

شرطِ تسلیم است نے کارِ دراز　سود نبود در ضلالت ترکتاز

حق تعالیٰ کی راہ میں تسلیم و تفویض شرط ہے نہ کہ کار دراز غلط سمت کو کتنی ہی دوڑ دھوپ اور مشقت اُٹھائی جاوے مگر کچھ فائدہ نہیں بجز دُوری کے۔

ہمچو اسماعیل پیشش سر بنہ　شاد و خنداں پیشِ تیغش سر بنہ

مثلِ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق تعالیٰ کے سامنے سر رکھ دو اور خوش خوش تیغِ تسلیم کے سامنے گردن پیش کر دو۔

اے جفائے او ز دولت خوب تر   وانتقامِ او ز جاں محبوب تر

اے شخص اس محبوب حقیقی کی جفا دولت سے بہتر ہے اور اس کا انتقام عشق جان سے محبوب تر ہے یعنی اس کا کرم کبھی بصورت ستم ہوتا ہے جیسے بیماری اور حزن اضطراری سے قرب میں ترقی ہونا پس اس حالت سے بھی گھبرانا نہ چاہیئے۔

عاشقم بر رنجِ خویش و دردِ خویش   بہرِ خوشنودیٔ شاہ فردِ خویش

اس محبوب حقیقی کی خوشنودی کے لیئے میں اپنے رنج و درد پر بھی عاشق ہوں یہ تسلیم و رضا ان کو محبوب ہے۔

فائدہ: مُراد یہ ہے کہ شکایت و ناگواری نہیں البتہ اظہار عبدیت کے لیئے دُعائے عافیت کرنا منصوص اور دین کی اعلیٰ فہم ہے۔ اگر بعض اکابر نے دُعا بھی نہیں کی تو یہ فعل قابلِ تقلید نہیں بس ان کو مغلوب الحال سمجھ کر معذور سمجھا جاوے گا۔

عاشقم بر قہر بر لطفش بجد   اے عجب من عاشقِ ایں ہر دو ضد

میں اس محبوب کے لُطف اور قہر دونوں پر عاشق ہوں اے لوگو! یہ کیسی عجیب بات ہے کہ میں ہر دو ضد پر عاشق ہوں۔

فائدہ: یہ اولیائے کرام ہی کا حصہ ہے کہ دو کیفیات متضادہ پر عاشق ہوں۔

مُردہ باید بود پیشِ امرِ حق   تا نہ آید زخم از ربّ الفلق

حق تعالیٰ کے حُکم کے سامنے سراپا غلام بن جاؤ جس طرح مُردہ زندہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے تاکہ تجھے اپنی رائے و انانیت کے سبب قضائے حق زخم نہ لگا دے۔

با قضا ہر کہ شبیخوں آورد   سرنگوں آید زِ خونِ خود خورد

جو شخص کہ قضا سے جنگ کرتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے اور اپنا ہی خون اس کو

پینا پڑتا ہے۔

چوں قضا آید طبیب ابلہ شود — ہر دوا از نفعِ خود گمرہ شود

جب قضا آتی ہے تو طبیب بھی بے عقل ہو جاتا ہے اور ہر دوا بجائے مُفید ہونے کے مضر ہو جاتی ہے۔

از قضا سرکنگبیش صفرا فزود — روغنِ بادام خشکی می نمود

قضا سے سکنجبین جو صفرا کا قاطع ہے صفرا کو بڑھا دیتا ہے اور روغن بادام جو دافع خشکی ہے خشکی کو زیادہ کرتا ہے۔

گر قضا صد بار قصدِ جاں کند — ہم قضا جانت دہد درماں کند

اگر قضا سو مرتبہ جان کا قصد کرتی ہے تو قضا ہی تجھے جان بھی عطا کرتی ہے اور درماں بھی کرتی ہے۔

رزق از وے جو مجو از زید و عمر — مستی از وے جو مجو از بنگ و خمر

رزق اللہ تعالیٰ سے تلاش کر اور زید و عمر سے مت بھیک مانگ۔ مستی اللہ تعالیٰ سے طلب کر بھنگ اور شراب سے مت طلب کر۔ یعنی اس کی محبت میں لازوال کیف ہے۔

ہیں از و خواہید نے از غیرِ او — آب در یم جو مجو در خشک جو

خبردار صرف خدا ہی سے طلب کرو نہ کہ اس کے غیر سے۔ پانی سمندر سے حاصل کر نہ کہ خشک نہر سے۔

گفت پیغمبر باآوازِ بلند — باتوکل زانوئے اشتر بہ بند

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ توکل کا مفہوم یہ نہیں کہ تدبیر کو ترک کردو

جیسا کہ ایک صحابی نے عرض کیا کہ ہم نے اونٹ کو بدون باندھے ہوئے خدا کے بھروسہ پر چھوڑ دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلے اونٹ کو رسی سے باندھ دو کہ تدبیر اختیار کرنا بھی خدا ہی کا حکم ہے۔ اس کے بعد بھروسہ صرف خدا پر کرو اپنی تدبیر اور رسی پر نہ کرو۔

گر توکل می کنی دَر کار کُن ۔۔۔ کسب کُن ہم تکیہ بر جبار کُن

اگر توکل اختیار کرنا ہے تو دو کام کرنے ہوں گے تدبیر بھی کرو اور بھروسہ صرف خدا پر کرو۔

رمزِ الکاسب حبیب اللہ شنو ۔۔۔ از توکل در سبب کاہل مشو

کسب و تدبیر کرنے والا حق تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ لِقَوْلِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ كَسْبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ (اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ) اس لئے توکل کا سہارا لیکر اسباب میں کاہلی مت اختیار کرو۔

زہد و فقر

حق ہمی خواہد کہ تو زاہد شوی ۔۔۔ تا غرض بگذاری و شاہد شوی

حق تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تو پرہیزگار اور متقی ہو جاوے تاکہ نفس کے رذائل و غوائل سے تزکیہ عطا ہونے کے بعد تجھے ایمان تقلیدی سے ترقی ہو کر ایمان تحقیقی عطا ہو جاوے۔

ع بعض نسخوں میں درکار ہے لیکن میرے مرشد رحمۃ اللہ علیہ نے دو کار پسند فرمایا تھا۔

اِیں جہاں دام است و دانہ ش آرزو　　در گریز از دانہائے دامِ اُو

یہ دنیا جال ہے اور دانہ آرزو ہے پس اس جال کے دانوں سے تو اپنے کو دور رکھ۔

ہر چہ غیرِ اوست استدراج تست　　گرچہ تخت و ملکِ تست تاجِ تست

جو نعمت بھی تجھے منعم حقیقی سے غافل کر کے صرف اپنا ہی بنائے تو وہ نعمت نہیں استدراج ہے اگرچہ تخت و تاج سلطنت ہی کیوں نہ ہو۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم ان کفار کو بتدریج لئے جارہے ہیں اس طور پر کہ انکو خبر نہیں۔ یعنی نافرمانی کے باوجود نعمتوں کی فراوانی رحمت نہیں ہے بلکہ عذاب کے لئے ایک قسم کی ڈھیل ہوتی ہے۔

دیو می ترساندت ہر دم ز فقر　　ہمچو کبکش صید کن اے بازِ صقرؑ

شیطان تجھے تنگدستی سے ہر وقت ڈراتا ہے اے باز شکاری تو اس کو مثل کبک شکار کرلے یعنی اس مردود کی بات کو حقیر سمجھ کر التفات نہ کر۔

ہر دکاں را ہست سودائے دگر　　مثنوی دکانِ فقر است اے پسر

اے لڑکے! ہر دکان میں دوسرے سامان ہیں اور مثنوی فقر و بے سروسامانی کی دوکان ہے۔

چونکہ کشتی می رہد اشکستہ شو　　امن در فقر است اندر فقر رو

جب کشتی شکستہ ہونے سے محفوظ ہوگئی ظلم سے تو سمجھ لے کہ امن فقر میں ہے پس فقر اختیار کر۔ کشتی کو حضرت خضر علیہ السلام نے شکستہ کیا تھا کہ ساحل بحر پر ظالم بادشاہ اچھی کشتی کو غصب کر رہا تھا۔

ؑ صقر۔ شکاری

چونکہ شاہے دشت یابد بر شہے ۔۔۔ بکشدش یا باز دارد در چہے

جب جنگ میں کوئی بادشاہ کسی بادشاہ کو گرفتار کرتا ہے تو یا اسے قتل کرتا ہے یا پھر قید خانہ میں ڈالتا ہے۔

در بیابد خستہ افتادہ را ۔۔۔ مرہمش سازد شہہ و بدہد عطا

اور اگر شاہ کسی زخمی کو راہ میں پڑا دیکھتا ہے تو اس کے مرہم بھی لگاتا ہے اور اس کو انعام بھی دیتا ہے۔

فائدہ: مطلب جاہ و مرتبہ کی فکر نہ کرو اپنے کو مٹا کر رکھو۔

تقویٰ

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید ۔۔۔ ترسد ازوے جن و انس و ہر کہ دید

جو شخص حق تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے اس سے جن و انسان اور جو بھی اس کو دیکھتا ہے ہیبت زدہ اور مرعوب ہوتا ہے۔

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست ۔۔۔ ہیبتِ ایں مرد صاحب دلق نیست

یہ رعب حق تعالیٰ کے تعلق کا ہوتا ہے اس گدڑی پوش فقیر کا نہیں ہوتا۔

چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام ۔۔۔ جہل و غفلت زاید آں را داں حرام

جب کوئی لقمہ تیرے اندر مادہ حسد پیدا کرے اور جہل و غفلت بڑھاوے تو سمجھ لے کہ وہ لقمہ حرام ہے۔

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال ۔۔۔ عشق و رقت زاید از لقمہ حلال

لقمہ حلال سے علم و حکمت اور عشق و رقت میں ترقی عطا ہوتی ہے۔

مُرغ با پرمی پرد تا آشیاں　　پرِّ مردم ہمت است اے مردماں

مُرغ پر سے اُڑکر آشیاں تک پہنچتا ہے اور آدمی کا پر ہمت ہے اسی ہمت سے سلوک طے ہوتا ہے اور ہمت حلال لقمہ سے پیدا ہوتی ہے۔

باز اگر باشد سپید و بے نظیر　　چونکہ صیدش موش باشد شد حقیر

باز اگر سفید اور بے نظیر ہو لیکن بجائے شیر نر کے چوہے کا شکار کرتا ہو تو حقیر اور ذلیل سمجھا جاوے گا۔ اسی طرح اگر انسان صرف دُنیائے حقیر میں لگ رہا تو جس طرح حقارت صید کی حقارت صیّاد پر دلالت کرتی ہے یہ انسان بھی حقیر اور رسوائے دوجہاں ہوگا۔

خوف و رجا

چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش　　زانکہ تخم است و بروید اند خداش

جبکہ تو نے گناہ کیا تو بے خوف مت رہ کیونکہ وہ گناہ تخم ہے حق تعالیٰ اس کی پاداش کا درخت اُگا دیں گے۔ یعنی جلد توبہ کرلے اور حق تعالیٰ کو راضی کرلے۔

راز ہا را می کند حق آشکار　　چوں بخواہد رست تخمِ بد مکار

حق تعالیٰ رازوں کو ظاہر کر دیتے ہیں اس لئے بے خوف نہ ہونا چاہیئے کہ ہمارے گناہ کو کوئی دیکھ نہیں رہا ہے اور جب بُرے اعمال کے تخم اُگ سکتے ہیں اور اپنے کو ظاہر کر سکتے ہیں تو بُرائی کے تخم مت بونا۔

چند گاہے او بپوشاند کہ تا
آید آخر زاں پشیمانی ترا

حق تعالیٰ چند بار تمہارے گناہوں کو چھپاتے ہیں تاکہ تم کو شرمندگی وندامت لاحق ہو اور تم باز آجاؤ۔

ہر کہ ترسد مرد را ایمن کنند
مرد دل ترسندہ را ساکن کنند

جو شخص ڈرتا ہے حق تعالیٰ اس کو امن عطا فرماتے ہیں اور ایسے ہی دلوں کو سکون بخشتے ہیں جو ڈرنے والے ہیں۔

انبیاء گفتند نومیدی بد است
فضل و رحمتہائے باری بے حد است

انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ نا اُمیدی کفر ہے رب کے افضال اور رحمتیں غیر متناہی ہیں۔

از چنیں محسن نشاید نا اُمید
دست در فتراک ایں رحمت زنید

ایسے محسن رب سے نا اُمید نہ ہونا چاہیئے اس محسن کے دامن رحمت کو مضبوط پکڑنا چاہیئے۔

بعد نومیدی بسے اُمید ہاست
از پس ظلمت بسے خورشید ہاست

نا اُمیدی کے بعد بہت اُمیدیں ہیں یعنی کسی معاملہ میں ناکامی ہو تو دِل چھوٹا کر کے ہمت نہ ہارو کہ اُمیدوں کی اور بہت سی راہیں ہیں اور ایک تاریکی کے پیچھے امیدوں کے بہت سے خورشید روشن ہیں بارگاہ رحمت کی طرف سے۔

نا اُمیدی را خدا گردن زدست
چوں گنہ مانند طاعت آمدست

حق تعالیٰ نے نا اُمیدی کی گردن اڑا دی ہے اس طرح کہ اس کو کفر قرار دیا اگرچہ کسی کے گناہ اتنے کثیر ہوں جس طرح کثرت سے نیکی کی جاتی ہے۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
بر کریماں کارہا دشوار نیست

تو یہ مت کہہ کہ ہم جیسے بُروں کی گنجائش اس کی بارگاہ میں نہیں کیونکہ وہ کریم ہے

اور کریموں پر اپنے کرم کا اظہار کچھ دشوار نہیں ہوتا۔

کوئے نومیدی مرو اُمیدہاست — سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

نا امیدی کی راہ تاریک مت چل کہ بارگاہِ رحمت میں اُمیدوں کے لاکھوں آفتاب طُلوع ہیں۔

صدقِ مقال و حُسنِ گفتار

رنگِ صدق و رنگِ تقویٰ رنگِ دیں
تا ابد باقی بُود بر عابدیں

رنگ صدق (اعمال کا مُطابق سُنّت ہونا) رنگ تقویٰ اور رنگ دین قیامت تک عابدین کی ارواح پر قائم رہے گا برعکس تن پرستوں کے عیش کا فنا ہر وقت مُشاہدہ کر سکتے ہو۔

دل بیارامد ز گفتارِ صواب — آنچناں کہ تشنہ آرامد بآب

صحیح باتوں سے دِل کو اس طرح سکون مِلتا ہے جس طرح پیاسے کو پانی سے۔

آدمی مخفی ست در زیرِ زباں
ایں زباں پردہ ست بر درگاہِ جاں

آدمی پوشیدہ ہوتا ہے جب تک گفتگو نہیں کرتا۔ یہ زبان باطن کے لئے پردہ ہے۔ جب زبان کھلی پردہ کُھلا اور باطن اچھا یا بُرا بے پردہ ہوا۔

اخلاقِ حسنہ

کہ باحساں بس عدو گشتست دوست ۔۔۔ در عدو باشد ہمیں احساں نکوست

دشمن کے ساتھ احسان ہی کرنے میں خیر ہے کیونکہ بہت سے دشمن احسان سے دوست ہوگئے۔

زانکہ احساں کینہ را مرہم شود ۔۔۔ ور نہ گردد دوست کینش کم شود

اور بوجہ خباثتِ طبع وہ دشمن اگر دوست نہ ہو سکے گا تو اس کا کینہ ہی کم ہو جاوے گا اس واسطے کہ احسان کینہ کا زخم اچھا کرنے کے لیے مرہم کا کام کرتا ہے۔

چوں بود خلقش نکو در پاش میر ۔۔۔ ور بود صورت حقیر و ناپذیر

اور اگر کسی کی صورت مکروہ اور حقیر معلوم ہو لیکن اگر اس کے اخلاق اچھے ہیں تو اسی کے پاس مرنا یعنی تادم آخر اس کی صحبت کو لازم کرلو۔

از صدف دُر را گزیں گر عاقلی ۔۔۔ صورتش دیدی زمعنیٰ غافلی

اس کی صورت کو تو نے دیکھا اور سیرت سے تغافل برتا تجھے تو سیپ کے خول سے موتی کی تلاش مناسب ہوتی اگر تو عاقل ہوتا۔

آدمی با خلقِ بد حیواں شود ۔۔۔ خلقِ نیکو وصفِ انسانی بود

اچھے اخلاق انسانیت کے اوصاف ہیں اور بد اخلاق آدمی صرف جانور رہتا ہے۔

ہشت جنت خوتو گردد اے نیک خو ۔۔۔ چوں شود اخلاق و اوصافِ نکو

اگر تیرے اخلاق پاکیزہ اور اچھے ہو جائیں (اور جو عادۃً بدون کسی پیر کامل کے ممکن نہیں) تو دنیا ہی میں تجھے لطف جنت ملنے لگے۔

گر گرفتارِ صفاتِ بد شدی　　ہم تو دوزخ ہم عذاب سرمدی

اے مخاطب! اگر تو نے اپنی اصلاح کسی شیخ کامل سے نہ کرائی اور برے اخلاق اور برے اعمال میں مبتلا رہا تو دنیا ہی میں تجھے دوزخ کی کلفت اور بے چینی محسوس ہونے لگے گی۔

ہر کہ دارد در جہاں خلقِ نکو　　مخزنِ اسرارِ حق شد جانِ او

جس شخص کے اندر اخلاقِ حسنہ دیکھو تو سمجھ لو کہ اس کی جان اسرارِ عشق الہیہ کی حامل ہے

آنچہ گفتم ہست از عین الیقیں　　نے ز استدلال و تقلید ست ایں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ کہتا ہوں عین الیقین کے مقام سے کہتا ہوں میری باتیں محض عقلی دلائل اور تقلیدی نہیں ہیں مولانا نے اس شعر میں اپنا مقام قرب و مشاہدہ بیان کر دیا۔

فائدہ: ذکر و مجاہدہ اور صحبت شیخ کے فیضان سے جب قلب مصفّٰی و مجلّٰی ہو جاتا ہے تو عالم غیب کی باتوں کو سمجھنے کی خاص صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور حق تعالےٰ کے ساتھ قلب کو معیتِ خاصہ عطا ہوتی ہے اور اسی مشاہدۂ بصیرۃ قلب کا نام عین الیقین ہے ورنہ بصارت سے مشاہدہ مغیبات کا اس عالم میں محال اور ممتنع ہے۔

صبر

صد ہزاراں کیمیا حق آفرید　　کیمیائے ہمچو صبر آدم نہ دید

لاکھوں کیمیا حق تعالیٰ نے پیدا فرماتے مگر صبر جیسی کیمیا کسی انسان نے نہ دیکھی۔

مکرِ شیطان ست تعجیل و شتاب　لطفِ رحمان ست صبر و احتیاب

عجلت اور جلد بازی عکس مکر شیطانی ہے اور صبر اور احتیاط فیض لطف رحمانی ہے۔

با سیاستہائے جاہل صبر کن　خوش مدارا کن بعقلِ من لدن

خوش تدبیری سے جاہل کی ایذا پر صبر کرتے رہو اور خوش اخلاقی سے اس کی مدارات و دلجوئی خداداد عقل سے کرتے رہو۔

مدارات ـــــ وہ خوش اخلاقی جو دین کے لیے کی جاوے۔

تملّق ـــــ وہ خوش اخلاقی جو تحصیلِ دُنیا کے لئے ہو۔

پس مدارات محمود اور تملّق مذموم ہے۔

قناعت

از قناعت ہیچکس بے جاں نشد　وز حریصی ہیچکس سُلطاں نشد

قناعت کی تعریف تھوڑی چیز پر راضی رہنا اور آخرت کی نعمتوں کو سوچ کر دُنیا اور اہلِ دُنیا سے سیر چشم رہنا قناعت ہے۔

ترجمہ: کوئی شخص قناعت کی برکت سے احساسِ کمتری اور کمزوری میں مُبتلا نہیں ہوتا اور حرص کے سبب کوئی شخص سُلطان نہیں ہوجاتا بلکہ اگر سُلطان بھی حریص ہو تو اسے بھی سیر چشمی نہ ہوگی اور شانِ استغنائے سُلطانی سے محروم ہوگا۔

عاقل اندر بیش و نقصاں ننگرد　زانکہ ایں ہر دو چو سیلے بگذرد

عاقل انسان نفع و نقصان کمی و بیشی سے اس درجہ خائف نہیں ہوتا جو عقل و حواس

میں فتور پیدا کردے یا اعمال اور اخلاق کو اعتدال سے دور کردے (البتہ کچھ طبعی تاثر کا ہونا بمقتضائے بشریت کچھ مضر نہیں بلکہ بوجہ مجاہدہ ترقی درجات کا سبب ہوتا ہے) اور کمی و بیشی کے سیلاب کو آنی جانی چیز سمجھتا ہے۔ جس طرح سمندر میں مدوجزر ہوا ہی کرتا ہے۔ سیلاب چڑھتا ہے تو اترتا بھی ہے۔

گر بریزی بحر را در کوزۂ   چند گنجد قسمتِ یک روزۂ

اے مخاطب! اگر تو حرص کے سبب سمندر کو ایک کوزہ میں بھرنا چاہے گا تو اس کوزہ میں ایک ہی دن کا حصّہ آسکے گا اس لیے حرص کا فائدہ بجز ذہنی انتشار اور فقدان جمعیت قلب کے اور کچھ نہیں۔

کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نہ شُد   تا صدف قانع نہ شُد پُر دُر نہ شُد

حریصوں کی آنکھیں کبھی سیر نہیں ہوتی ہیں (جس کے نتیجہ میں ایسے لوگ ہمیشہ بے سکون رہتے ہیں) حالانکہ ان کو صدف سے سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ وہ بارش سے صرف ایک قطرہ لیتا ہے اور منہ بند کرلیتا ہے اور اس قناعت پر حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہی قطرہ موتی بنتا ہے۔ اگر وہ ایک قطرہ پر قناعت نہ کرے تو پانی اس کے منہ سے باہر آنے لگے گا اور موتی سے بھی محروم ہوگا۔

شُکر

شُکرِ مُنعم واجب آمد در خرد   ورنہ بگشاید درِ خشمِ ابد

منعِم (نعمت دینے والا) کا شکر عقلاً واجب ہے ورنہ ناشکری کے سبب حق تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

شکرِ جانِ نعمت و نعمت چو پوست زانکہ شکر آرد ترا در کوئے دوست

شکر جان نعمت ہے اور نعمت مثل پوست ہے کیونکہ شکر تجھے محبوب تک پہنچا دیتا ہے حاصل یہ کہ شکر سے قرب میں ترقی ہوتی ہے اور ناشکری سے حاصل شدہ قرب بھی چھن جاتا ہے۔

نعمت آرد غفلت و شکر انتباہ صیدِ نعمت کن بدامِ شکرِ شاہ

نعمت غفلت پیدا کرتی ہے اور شکر اس غفلت کو دور کرتا ہے، پس نعمت کا شکار دامِ شکر شاہ سے کر یعنی جس قدر شکر کرے گا نعمت میں ترقی کا وعدہ ہے۔

رحمتِ مادر اگرچہ از خدا ست خدمتِ او ہم فریضہ ست سزا ست

ماں کی رحمت اگرچہ حق تعالیٰ ہی کی مخلوق و عطا ہے مگر حق تعالیٰ ہی نے ماں کی خدمت کو بھی فرض کر دیا۔

ترکِ شکرش ترکِ شکرِ حق بود حقِ او لاشک بحق ملحق بود

ماں کی شفقت و رحمت کا شکر نہ ادا کرنا ترک شکر حق قرار دیا گیا اور ماں کا حق حق تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ملحق فرما دیا اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے انسان کا شکر نہ ادا کیا اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہ کیا۔

جان و گوش و چشم و ہوش و پا و دست جملہ از دریائے احسانت پر است

جان و گوش و چشم و ہوش و دست و پا سب کے سب اے خدا آپ کے

احسان کے موتی سے پُر ہیں۔

اینکہ شُکرِ نعمتِ تو می کُنم　　اینہم از تو نعمتے شد مُغتنم

یہ شکر نعمت جو میں کرتا ہوں یہ بھی تو اے خدا آپ ہی کی نعمت توفیق ہے۔

شُکر آں شُکر از کجا آرم بجا　　مَن کجیُم از تُست توفیق اے خدا

اس شکر کی توفیق کا شکر میں کیسے بجا لاؤں کہ ہر شکر کے بعد پھر اس شکر کا شکر واجب ہوتا ہے اور تسلسل لازم آتا ہے پس اے خدا میں کچھ نہیں ہوں صرف آپ ہی کی طرف سے سب توفیق ہے۔

سخاوت

گُفت پیغمبر کہ دائم بہرِ پند　　دو فرشتہ خوش منادی می کُنند

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ دو فرشتے یہ دُعا کرتے رہتے ہیں۔

کاے خدایا مُنفقاں را سیر دار　　ہر درمِ شاں را عوض دہ صد ہزار

کہ اے خدا! سخاوت کرنے والوں کو ہمیشہ سیر و آسودہ رکھ اور ان کے ایک درہم کے عوض ایک لاکھ درہم انھیں عطا فرما۔

شفقت علی الخلق

خیر کُن با خلق بہرِ ایزدت　　تا بیابی راحتِ جانِ خودت

صرف رضائے حق کے لئے مخلوق حق کے ساتھ خیر خواہی کرتا کہ حق تعالیٰ کی رحمت سے تو اپنی جان میں راحت محسوس کرے۔

سَبْقِ رَحْمَتْ بَرْ غَضَبْ ہَسْت اے فتیٰ
لُطْفِ غَالِبْ بُوْدْ دَرْ وَصْفِ خُدا

حق تعالیٰ کی رحمت غضب پر سبقت لے گئی اور لطف حق ان کے اوصاف پر غالب ہے۔

حُسنِ ظن

ظَنِّ نیکو بَر بَرا خوانِ صَفا   گرچہ آید ظاہر از ایشاں جفا

نیک گمان رکھو حق تعالیٰ کے خاص بندوں کے ساتھ اگرچہ بظاہر اُن کی کوئی بات تمہارے فہم میں جفا معلوم ہو کیونکہ حُسن ظن نصوص سے مامور بہ ہے اور بلا دلیل مقبول عمل ہے اور بدگمانی پر دلیل کا مواخذہ اور مطالبہ ہوگا پس کیوں محشر میں زحمت دلائل کا سامان کرو اور دلائلِ شرعیہ نہ پیش کر سکنے پر عذاب میں مبتلا ہو۔

مُشفقے گر کرد جور از امتحاں   عقل باید کو نباشد بدگماں

اگر کوئی مشفق مربی امتحان اخلاص و محبت کے لئے کچھ سختی کرے تو عاقل کو چاہیئے کہ بدگمان نہ ہو کہ بڑے بدخلق یا تند خو ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے۔

میں ہوں نازک طبع اور وہ تند خو
خیر یہ گذری محبت ہوگئی
لاکھ جھڑکو اب کہاں پھرتا ہے دل
ہوگئی اب تو محبت ہوگئی

(مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

ہیں زبد ناماں نباید ننگ داشت
گوشِ بر اسرارِ شاں باید گماشت

ہاں خبردار گمناموں کو حقیر مت سمجھنا کہ انھیں بے نام و نشان بندوں میں صاحبِ اسرار بھی ہیں پس ان کے اسرار سے استفادہ میں عار نہ کرو اور ان کے ارشادات کو بغور سنو بشرطیکہ یہ شخص کسی بزرگ متبع سنت کا تربیت یافتہ ہو۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید
کہ مسلماں مُردنش باشد امید

کسی کافر کو ذلّت اور حقارت کی نگاہ سے مت دیکھ کہ ممکن ہے کہ خاتمہ اس کا اسلام اور ایمان پر مقدر ہوچکا ہو۔ البتہ قلب میں اللہ کے لئے عداوت اور بغض مامور بہ ہے۔ اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ ط پس اعمال اور افعال کفر سے نفرت ہونا تو مطلوب ہے مگر ذات کو حقیر نہ سمجھا جاوے جس طرح کوئی حسین چہرہ پر سیاہی مل لے تو سیاہی کو کالا کہیں گے حسین کو نہ کہیں گے کیونکہ وہ حسین اگر سیاہی دھو ڈالے چہرہ پھر چاند کی طرح روشن ہو جائے گا اِسی طرح ہر کافر و فاسق کے لئے امکان موجود ہے کہ وہ کفر و فسق کی سیاہی کو توبہ کے پانی سے دھو کر حق تعالیٰ کا محبوب و مقبول بن جاوے۔

عدل

عَدل چِہ بُوَد وَضع اَندر مَوضعش   ظُلم چِہ بُوَد وَضع دَر نامَوقعش

عدل کیا ہے کسی شے کو اس کے مقام پر رکھنا اور ظلم کیا ہے کسی شے کو اس کے مقام سے ہٹا کر بے موقع رکھ دینا۔

عَدل چِہ بُوَد آب دِہ اَشجار رَا   ظُلم چِہ بُوَد آب دادن خار رَا

عدل کیا ہے درختوں کو پانی دینا اور ظلم کیا ہے کانٹوں کو پانی دینا۔

اَدَب

اَز اَدَب پُر نُور گَشتَست اِیں فَلَک   اَز اَدَب مَعصُوم وَ پاک آمَد مَلَک

ادب ہی کی برکت سے فلک پُرنور ہے اور ادب ہی کی برکت سے ملائکہ معصوم پاک ہیں۔

اَز خُدا جُوئیم تَوفِیقِ اَدَب   بے اَدَب مَحرُوم گَشت اَز لُطفِ رَب

ہم خدا ہی سے توفیقِ ادب طلب کرتے ہیں کیونکہ بے ادب شخص لُطفِ رب سے محروم ہوتا ہے۔

بے اَدَب تَنہا نَہ خُود رَا داشت بَد   بَلکِہ آتَش دَر ہَمَہ آفاق زَد

بے ادب تنہا اپنے کو تباہ نہیں کرتا ہے بلکہ تباہی کی آگ آفاق عالم میں لگاتا ہے۔

دِل نَگَہدارِید اَے بے حاصِلاں   دَر حُضُورِ حَضرَتِ صاحِبدِلاں

اے محروم لوگو! جب کسی اللہ والے کے پاس جاؤ تو اپنے قلب کو اعتراض و بدگمانی سے محفوظ رکھو ورنہ اس کا عکس ان کے قلوب مصفّٰی پر پڑے گا اور ان کی اذیت باعثِ وبال ہوگی۔

جز خضوع و بندگی و اضطرار   اندراں حضرت ندارد اعتبار

بجز خضوع و بندگی و اضطرار حق تعالیٰ کی راہ میں اور کسی چیز کا اعتبار نہیں۔

اخلاص

از علی آموز اخلاصِ عمل   شیرِ حق را داں مطہّر از دغل

اخلاص عمل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیکھ اور اس شیرِ خدا کو پاکان حق سے سمجھ۔

گفت من تیغ از پئے حق میزنم   بندۂ حقّم نہ مامورِ تنم

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تلوار خدا کی رضا کے لیے چلاتا ہوں میں بندۂ حق ہوں نہ کہ بندۂ تن۔

شیرِ حقّم نیستم شیرِ ہوا   فعلِ من بر دینِ من باشد گوا

میں شیر حق ہوں شیر خواہش نفس نہیں میرا فعل میرے دین کی صداقت پر گواہ ہے۔

تا اُحِبُّ لِلّٰہ آید نامِ من   تا کہ اَبْغَضُ لِلّٰہ آید کامِ من

تاکہ اس حدیث کے مطابق کہ جو شخص اللہ ہی کے لیے محبت کرے اور اللہ ہی کے لیے عداوت کرے اور اللہ ہی کے لیے کسی کو کچھ عطا کرے اور اللہ ہی کیلئے کسی کو کچھ نہ دے اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا میرا بھی نام من احب للّٰہ

اور ابغض للہ میں داخل ہو۔

تاکہ اَعطٰی لِلّٰہ آید جُودِ مَن ۔۔۔ تاکہ اَمسَک لِلّٰہ آید بُودِ مَن

تاکہ من اعطٰی للہ میں ہماری سخاوت داخل ہو اور تاکہ من امسک للہ میں ہمارا امساک یعنی خرچ کو روک دینا داخل ہو۔

ذوق باید تا دِہد طاعات بر ۔۔۔ مغز باید تا دِہد دانہ شجر

نورِ اخلاص چاہیے طاعات میں تاکہ اس کا پھل ملے دانہ کے اندر مغز ہونا چاہیے تاکہ اس دانہ سے شجر پیدا ہو۔

دانۂ بے مغز کے گردد نہال ۔۔۔ صورتِ بے جاں نباشد جز خیال

دانۂ بے مغز کب سرسبز و شاداب ہوتا ہے اور صورت بغیر روح کے بے حقیقت اور محض خیال ہے۔

ما دریں انبارِ گندم می کنیم ۔۔۔ گندمِ جمع آمدہ گم میکنیم

ہم یہاں گندم کا ذخیرہ یعنی طاعات جمع کر رہے ہیں مگر جمع کیا ہوا یہ گندم (ذخیرۂ طاعات بہ سبب عدم اخلاص) گم اور ضائع کر رہے ہیں۔

موش تا انبارِ ما حفرہ زدست ۔۔۔ وز فنش انبارِ ما خالی شدست

ابلیس نے ہمارے ذخیرۂ طاعات میں مثل چوہے کے راستہ بنا لیا ہے اور اس کی خفیہ تدبیر سے ہماری نیکیاں ضائع ہو رہی ہیں عجب و ریا وغیرہ شامل کر دینے کے سبب۔

اول اے جاں دفعِ شرِ موش کن ۔۔۔ بعد ازیں انبارِ گندم کوش کن

پہلے اے روح سالک اپنے رذائل کا تزکیہ کر لے اور اصلاح کا زیادہ اہتمام کر تاکہ ابلیس موش خصلت کے شر کا دفعیہ ہو جاوے پھر طاعات کے ذخیرہ کی سعی کر۔

فائدہ: یہی وجہ ہے کہ جاہل صوفیہ اذکار اشغال اور مراقبات وغیرہ پر زیادہ توجہ کرتے ہیں اور محققین صوفیہ اصلاحِ نفس کی ضرورت پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور ذکر و وظائف کو بطور اعانت بتاتے ہیں اور جہلاء کے یہاں اصلاح کا باب ہی نہیں بجز چلّوں اور مراقبوں کے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عمر بھر کی عبادت کو عجب و ریا اور اظہار و تفاخر وغیرہ ضائع کر دیتے ہیں

ریزہ ریزہ صدقِ ہر روزے چرا　　جمع می ناید دریں انبارِ ما

اور اگر یہ بات نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے اعمال کے انوار مفقود ہوتے ہیں چونکہ سلوک کا اوّل ہی قدم سیر من المخلوق الی الخالق ہے اور یہاں عمر بھر طاعات کثیرہ کے باوجود سیر من المخلوق الی المخلوق ہی ہے کیونکہ ان طاعات و حسنات سے وہ مخلوق ہی میں جاہ و مرتبہ چاہتا ہے اور حق تعالیٰ اخلاص والی عبادت قبول فرماتے ہیں اور اخلاص بدون کسی محقق شیخ کی صحبت کے عادۃً حاصل نہیں ہوتا۔

اخلاق رذیلہ و مُضراتِ طریق

گر گرفتارِ صفاتِ بد شدی　　ہم تو دوزخ ہم عذابِ سرمدی

اے مخاطب! اگر تو اخلاق رذیلہ میں گرفتار رہے گا اور اصلاح کی فکر و اہتمام میں مجاہدہ نہ کرے گا تو تیری زندگی خود دوزخ اور عذابِ سرمدی بن جاوے گی۔

مایۂ دوزخ چہ باشد خلقِ بد　　خلقِ بد آمد براہِ دوست سد

اخلاق رذیلہ ہی دوزخ کا سرمایہ ہے اور اخلاق رذیلہ ہی محبوبِ حقیقی کے راستے

میں رُکاوٹ ہے۔

چُوں بعادت گشت محکم خوئے بد　　خشمت آید از کسے کو وا کشد

جب تیری کوئی عادت جڑ پکڑ لیتی ہے تو اس بُری عادت کو دُور کرنے والے ہی پر تجھے غصہ آتا ہے۔

چُوں خلافِ خوئے تو گوید کسے　　کینہا خیزد ترا با او بسے

جب تیرے بُرے اخلاق کے خلاف کوئی نصیحت کرتا ہے تو تجھے اس ناصح ہی سے سخت کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔

بارہا از خوئے خود خستہ شدی　　حس نداری سخت بے حس آمدی

بارہا تو اپنی بُری عادتوں سے ذلیل ہوا لیکن تو ایسا بے حس ہے کہ تجھے کچھ احساس ہی نہیں ہوتا۔

آں درختِ بد جواں تر می شود　　ویں کنندہ پیر و مضطر می شود

بُری عادت کا درخت تو مضبوط ہوتا جاتا ہے اور اس کا اکھاڑنے والا روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے (بوجہ زیادتی عمر کے)

یا تبر برگیر و مردانہ بزن　　تو علی وار ایں درِ خیبر بکن

یا تو تبر اٹھا اور مردانہ حملہ کر دے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح اس درِ خیبر کو جڑ سے اکھیڑ ڈال۔

یا بگلبن وصل کن ایں خار را　　وصل کن با نورِ یار ایں نار را

اور یا اگر اتنی ہمت نہیں کہ نفس کو توڑ سکے تو اپنے خار رذیلہ کو کسی اللہ والے کی صحبت کے پھول سے ملا دے اور اس یار باوفا کے نور سے اپنی نارِ شہوت

کو ملادے۔

تاکہ نورِ اُو کُشد نارِ تُرا — وصلِ اُو گلشن کُند خارِ تُرا

تاکہ اس اللہ والے کا نور تیری نارِ شہوت کو مغلوب اور کمزور کردے اور اس کی صحبت کی برکت تیرے خار کو گلشن بنادے۔

کبر و عُجب

علّتے بدتر زِ پندارِ کمال — نیست اندر جانت اے مغرورِ حال

اپنے کو کامل سمجھنے کی بیماری سے بڑھ کر کوئی بیماری نہیں پس اے وہ شخص جو موجودہ حالت سے اپنے کو بڑا سمجھ رہا ہے اپنے انجام پر نظر کر کہ نہ جانے خاتمہ کیسا ہو۔

کسی کو آہ فریبِ کمال نے مارا
میں کیا کہوں مجھے فکرِ مآل نے مارا (اختر)

زاں نمی پرّد بسوئے ذُوالجلال — کو گمانے می بُرد خود را کمال

ایسا شخص جو اپنے کو کامل سمجھ لیتا ہے وہ حق تعالیٰ کی راہ میں سُست رفتار اور کاہل ہوجاتا ہے اور اس کی ترقی ختم ہوکر زوال پذیر ہوجاتی ہے۔

علّتِ ابلیس انا خیر بُدست — ویں مرض در نفسِ ہر مخلوق ہست

ابلیس کی بیماری یہی تھی کہ وہ انا خیر (میں اچھا ہوں سیّدنا آدم علیہ السلام سے) کہتا تھا اور یہ مرض ہر شخص میں ہے۔

چند دعویٰ و دمِ و بادِ و بروت — اے ترا خانہ چو بیتُ العنکبوت

اے شخص جب تیرا گھر مثل مکڑی کے جالے کے کمزور ہے تو کب تک دعویٰ اور فخر کی بات کرتا رہے گا۔

اِبْتِدَائے کِبْر وَ کِیں اَزْ شَہْوَت سَت
رَاسِخیٔ شَہْوَتْ اَزْ عَادَتْ سَت

تکبر اور کینہ کی ابتدا شہوت سے ہوتی ہے یعنی نفس بڑا بننا چاہتا ہے اور بُری خواہش کا رسوخ بُری عادت سے ہوتا ہے۔

زِلَّتِ آدم زِ اَشْکَم بُوْد وَ بَاہ
وَانِ اِبْلِیْس اَزْ تَکَبُّر بُوْد وَ جَاہ

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کی لغزش کا تعلق خواہشِ شکم اور خواہشِ باہ سے تھا اور ابلیس لعین کی آن سرکشی تکبّر اور جاہ کے سبب تھی۔

لَا جَرَمْ اُوْ زُوْد اِسْتِغْفَار کَرْد
وَاں لَعِیْں اَزْ تَوْبَہ اِسْتِکْبَار کَرْد

سیدنا آدم علیہ السلام نے بہت جلد اپنے قصور کا اعتراف کرکے ربنا ظلمنا کہنا شروع کردیا اور گریہ وزاری واستغفار میں مصروف ہوگئے اور اس ملعون ابلیس نے توبہ کرنے سے عار وننگ محسوس کیا اور باغیانہ روش اختیار کی۔

فائدہ: حضرتِ اقدس حکیمُ الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہر گُناہ اور نافرمانی کا سبب یا باہ ہوتا ہے یا جاہ ہوتا ہے۔

گُناہ باہی وہ گُناہ ہے جو خواہش نفس سے مغلوبیت کے سبب صادر ہوتا ہے اس گُناہ پر ندامت اور پھر توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے اور عجب تکبّر اور تقدس کا احساس ختم ہوکر عبدیت وتذلل کی شان پیدا ہوجاتی ہے۔

گُناہ جاہی جس گُناہ کا منشا حُبِ جاہ اور تکبر ہوتا ہے مثلاً کسی کو

حقیر سمجھنا اور اس کی غیبت کرنا۔ اللہ والوں کی خدمت سے دل میں اپنی ذلّت محسوس کرنا یا غریبوں اور مسکینوں، طالب علموں اور مسجد کے خدام کو بنگاہ حقارت دیکھنا اور انھیں اپنا محتاج سمجھنا یا ان پر اپنی برتری کا احساس ہونا اپنی خطا کو تسلیم نہ کرنا اور اپنے ظلم کے باوجود مظلوم سے مُعافی مانگنے میں شرم مانع ہونا یہ سب جاہی گُناہ کہلاتے ہیں اور چونکہ جاہی گناہ کا اصل سبب تکبر و نخوت ہے اس لئے ایسے لوگوں کو ندامت اور توبہ سے اکثر محرومی رہتی ہے پس خلاصہ یہ نِکلا کہ گُناہ جاہی اشد ہے گُناہ باہی سے۔ ان دونوں بیماریوں کی صحت مطلوب ہے اور ان کی صحت موقوف ہے اہل اللہ کی صُحبت اور ان سے قوی اور صحیح تعلق پر جس کا ثمرہ اطلاعِ حالات اور اتباعِ تجویزات ہے۔

تُو بِداں فخر آوری کز ترس و بند	چاپلوست کرد مردم روز چند

تو اس جاہ پر فخر کرتا ہے کہ مخلوق تیرے خوف اور اثر سے چند دِن کے لئے تیری چاپلوسی میں مشغول ہے جیسا کہ حکام دُنیا کا حال ہے لیکن حکومت سے برطرف پر ان کا کیا حشر و انجام ہوتا ہے۔

ہر کرا مردم سجودے می کنند	زہر اندر جانِ اُو می آگنند

جس شخص کے قدموں پر مخلوق بہت زیادہ استقبال اور احترام کے لئے سر جُھکاتی ہے تو سمجھ لو کہ اس کی جان میں تکبر اور فرعونیت کا زہر گھولتی ہے۔

اے خنک آں را کہ ذِلّت نفسہٗ	وائے آں کز سرکشی شد خوئے اُو

اس شخص کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں جس کا نفس ذلیل اور تابع ہو اور ہلاکت ہو اس شخص پر کہ جس کی عادت ہی سرکشی کی پڑ گئی ہو۔

خد خود بشناس و در بالا مپر　　　تا نیفتی در نشیبِ شور و شر

اپنی حقیقت (ناپاک نطفہ) کو پہچانو اور تکبّر و بڑائی کی راہ پر مت چلو تاکہ شور و شر کے گڈھے میں نہ گر جاؤ۔

خود چہ باشد پیشِ نورِ مستقر　　　کرّ و فرِّ اِفتخارِ بوالبشر

حق تعالیٰ شانہٗ کے نورِ مطلق دائم و قائم کے سامنے انسان کے فخر کا کرّ و فر کیا حقیقت رکھتا ہے۔

ریا و نفاق

خواجہ پندارد کہ طاعت میکند　　　بے خبر کز معصیت جاں می کند

ریاکار سمجھتا ہے کہ میں عبادت میں مشغول ہوں اس بے خبر کو یہ نہیں معلوم کہ ریا کے جُرم سے اپنی جان کو عذاب کی راہ پر لے جا رہا ہے۔

گر بصورت آدمی انساں بُدے　　　احمد و بوجہل ہم یکساں شدے

ریا والی عبادت کی صورت تو عبادت کی ہے مگر اس عبادت میں روح نہیں ہے جس طرح آدمی صرف صُورت سے آدمی نہیں ہوتا۔ ایک انسانی صُورت کفر میں مُبتلا ہو کر ذلیل و خوار ہے دوسری صُورت انسانی اپنی حقیقت کے سبب یعنی تاجِ نبوت سے امام الانبیاء ہے۔

فائدہ: اکثر عبادت میں سالک کو شبہ ہوتا ہے کہ میں دکھاوا کر رہا ہوں اور خویش و اقارب اور احباب کے سامنے خوفِ ریا سے ذکر و معمولات کو

ملتوی کر دیتا ہے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ ریا ایسی بیماری نہیں ہے کہ بدون قصد آکر ہم سے پٹ جائے۔ ریا سے بچنے کے لئے یہی کافی ہے کہ ریا کا ارادہ نہ کرے یعنی مخلوق کو دِکھانے کا اِرادہ نہ کرے اور اگر حق تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے عبادت کی نیت کر کے عبادت شروع کی جاوے اور پھر بھی وسوسہ ریا کا آوے تو یہ ریا نہیں صرف وسوسہ ریا ہے۔ جس طرح مکھی آئینہ کے اوپر ہوتی ہے مگر اندر معلوم ہوتی ہے اسی طرح یہاں قلب میں اخلاص ہے مگر قلب کے باہر وسوسہ ریا پریشان کرتا ہے اور وہ اندر معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ اندر نہیں اِس لئے سالک کو پریشان نہ ہونا چاہئے اور نہ خوف ریا سے معمولات کو ترک کرنا چاہیئے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس طرح مخلوق کو دِکھانے کے لئے عبادت کرنا ریا ہے اِسی طرح مخلوق کے سامنے خوف ریا سے عبادت کا ترک کرنا بھی ریا ہے۔ پس ہر حال میں ذکر و معمولات کی پابندی کرنی چاہیئے خواہ خلوت ہو یا احباب کی معیت سے جلوت ہو۔ البتہ احتیاطاً استغفار ضرور کرتے رہنا چاہیئے۔

شہوت

مارِ شہوت را بکش در ابتدا ورنہ اینک گشت مارت اژدہا

خواہش کے سانپ کو ابتدا ہی میں مار دینا چاہیئے ورنہ اگر دیر کرو گے تو یہ بڑھتے بڑھتے اژدہا ہو کر تمہارے قابو سے باہر ہو جاوے گا۔

آفتِ دیں در ہوا و شہوت ست ورنہ اینجا شربت اندر شربت ست

دین کی آفت خواہشات نفسانیہ ہیں اگر ان کی اصلاح کرالی جاوے تو پھر دین کی راہ نہایت پُرلطف اور لذیذ راہ ہے۔

نارِ شہوت می نیارامد بآب زانکہ دارد طبع دوزخ در عذاب

شہوت اور خواہشِ نفسانی کی آگ کو دنیا کا پانی نہیں بجھا سکتا کیونکہ اس کی خاصیت عذاب دینے میں دوزخ کی طرح ہے۔

نارِ شہوت چہ کشد؟ نورِ خدا نورِ ابراہیم را ساز اوستا

شہوت کی آگ کو کیا چیز بجھا سکتی ہے صرف نور خدا اور یہ نور اللہ والوں کی صحبت التزام ودوام ذکر واتباع سُنّت سے حاصل کیا جاتا ہے نور ابراہیمی کو اپنا امام بنالو یعنی حق تعالیٰ سے قوی اور صحیح تعلق کرلو بس صاحب نور ہو جاؤ گے۔

ترکِ خشم و شہوت و حرص آوری ہست مردی و رگِ پیغمبری

غصّہ اور شہوت اور حرص کا ترک کرنا یہ مردوں کا کام ہے اور پیغمبرانہ حوصلہ ہے اور اتباعِ سُنّت کی برکت سے غلاموں کو بھی اس نعمت سے حصّہ عطا ہوتا ہے۔

خشم و شہوت مرد را احول کند ز استقامت روح را مبدل کند

غُصّہ اور شہوت آدمی کو احول بنا دیتا ہے احول وہ بیماری ہے جس میں آدمی کو ایک چیز دو نظر آتی ہے یعنی ہر شے خلافِ حقیقت نظر آنے سے روح استقامت سے محروم ہو جاتی ہے۔

عقل ضدِ شہوت ست اے پہلواں آنکہ شہوت می تند عقلش مخواں

عقل شہوت کی ضد ہے پس اے پہلوان اگر تجھ پر شہوت غالب ہے تو تیرے اندر عقل کہاں سے ہو گی غلبۂ شہوت میں جو فعل صادر ہو اس کو عاقلانہ فعل مت کہو۔

حرص و طمع

حرصِ تو چوں آتش ست اندر جہاں
باز کردہ بہرِ خوردن صد دہاں

تیری حرص مثل آگ کے ہے جہان میں اور سیکڑوں منہ کھولے ہوئے ہے کھانے کے لئے۔

حرص کورت کرد و محرومت کند　　دیو ہمچو خویش مرجومت کند

حرص تجھ کو اندھا کر کے محروم کرتی ہے اور ابلیس تجھے حرص میں مبتلا کر کے اپنی طرح مردود کرتا ہے۔

حرص کور و احمق و ناداں کند　　مرگ را بر احمقاں آساں کند

حرص اندھا اور احمق اور نادان کر دیتی ہے اور احمقوں پر موت کو بھی آسان کر دیتی ہے۔

حرص نابیناست بیند مو بمو　　عیبِ خلقاں و بگوید کو بکو

حریص اپنے عیب سے نابینا اور دوسروں کے عیب پر باریک بیں ہوتا ہے اور مخلوق کا عیب گلی در گلی بکتا رہتا ہے۔

عیبِ خود یکذرہ چشمِ کورِ او　　می نہ بیند گرچہ ہست او عیب جو

حریص اپنا عیب ایک ذرّہ بھی نہیں دیکھتا بوجہ حرص سے اندھا ہونے کے اگرچہ دوسروں کی عیب جوئی خوب کرتا ہے۔

بند بگسل باش آزاد اے پسر　　چند باشی بندِ سیم و بندِ زر

حرص کی قید کو توڑ دے اور آزاد ہو جا ارے لڑکے کب تک چاندی اور سونے کی قید میں مُبتلا رہے گا۔

گر بریزی بحر را در کوزۂ　　چند گنجد قسمتِ یک روزۂ

اگر سمندر کو ایک کوزے میں بھرے گا تو ایک ہی دن کا حصہ اس میں آسکے گا۔

کوزۂ چشمِ حریصاں پُر نہ شُد
تا صدف قانع نہ شُد پُر دُر نہ شُد

حریصوں کی آنکھ کا کوزہ کبھی پُر نہیں ہوا اور جب تک صدف ایک قطرہ پر قناعت کر کے مُنہ بند نہیں کرتا اس میں موتی نہیں بنتا۔

صاف خواہی چشم و عقل و سمع را　　بر دراں تو پردہائے طمع را

اگر تو نورِ بصارت اور نورِ عقل و سماعت کی صفائی چاہتا ہے تو ان کے اوپر سے حرص و طمع کے پردے پھاڑ دے۔

بدگمانی کردن و حرص آوری　　کفر باشد پیشِ خوانِ مہتری

بدگمانی اور حرص نہایت ناپسندیدہ اور حق تعالیٰ کے نزدیک کُفرانِ نعمت ہیں۔

پیشِ چشمِ اُو خیالِ جاہ و زر　　ہمچناں باشد کہ مُو اندر بصر

حریص کی آنکھوں کے سامنے جاہ اور مال کا خیال اس طرح اس کو قلق اور کرب میں مُبتلا رکھتا ہے جس طرح کسی کی آنکھ میں بال کھٹکتا ہو۔

ہر کرا جامہ ز عشقش چاک شُد　　اُو ز حرص و عیب کُلّی پاک شُد

جس شخص کا لباس عشقِ حق سے چاک ہو گیا وہ حرص اور جملہ عیوب سے پاک ہو گیا۔

حسد

عقبۂ زیں صعب تر در راہ نیست   اے خنک آنکس حسد ہمراہ نیست

سخت تر مشکل گھاٹی سلوک میں حسد ہے مبارک ہے وہ شخص جس کے اندر حسد نہیں ہے۔

خانماہاں از حسد گردد خراب   باز و شاہین از حسد گردد غراب

آتشِ حسد سے گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور باز و شاہین جیسے مردانِ طریق کوا بن گئے یعنی راہِ حق سے ہٹ کر راہ باطل پر جا گرے۔

یوسفاں از مکرِ اخواں در چہند   کز حسد یوسف بگرگاں می دہند

بہت سے یوسف اپنے بھائیوں کے مکر سے کنوئیں میں ہیں کیونکہ حسد ہی سے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈال کر بھیڑیوں کے کھا لینے کی طرف بہانہ کیا گیا تھا۔

وز حسد گیرد ترا در رہ گلو   وز حسد ابلیس را باشد غلو

حسد ہی کے سبب ابلیس تیری گردن راہ حق سے ہٹانے کے لئے پکڑتا ہے اور حسد ہی سے ابلیس حد سے متجاوز ہوتا ہے۔

کو ز آدم ننگ دارد از حسد   با سعادت جنگ دارد از حسد

حسد ہی کے سبب ابلیس سیدنا آدم علیہ السلام کی تعظیم سے شرم و عار محسوس کرتا تھا اور حسد ہی کے سبب سعادت سے اسے عداوت ہے۔

آں ابوجہل از محمد ننگ داشت   وز حسد خود را بہ بالا می فراشت

اس ابوجہل نے سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ننگ و عار محسوس کیا اور خود کو حسد ہی کے سبب بالاتر محسوس کیا۔

بوالحکم نامش بُد و بوجہل شُد　　اے بسا اہلِ از حسد نااہل شُد

اس کا ابوالحکم نام تھا مگر حسد کے سبب اس کا نام ابوجہل ہوا اے لوگو! بہت سے اہل حسد کے سبب نااہل قرار دیئے گئے۔

ہر کرا باشد مزاج و طبع سُست　　او نخواہد ہیچ کس را تندرست

جس شخص کا مزاج فاسد اور طبیعت بیمار ہوتی ہے وہ کسی کی تندرستی پسند نہیں کرتا۔ یہاں بیماری سے مراد روحانی بیماری ہے۔

ہر کرا دید او کمال از چپ و راست
از حسد قولنجش آمد درد خواست

حاسد جس کا کمال گردوپیش سے دیکھتا ہے تو حسد سے اسے دردِ قولنج شروع ہوجاتا ہے۔

ہیں کمالے دست آور تا تو ہم　　از کمالِ دیگراں نافتی بغم

ہاں اے حاسد تو بھی کوئی کمال حاصل کرلے تاکہ دوسروں کے کسی کمال سے تو غم میں نہ مبتلا ہو۔

ہاں وہاں ترکِ حسد کن باشہاں　　ورنہ ابلیسے شوی اندر جہاں

خبردار! خبردار! حسد کو اللہ والوں سے ترک کرو ورنہ دُنیا میں مثلِ ابلیس کے ذلیل اور رحمتِ حق سے دور ہوجاؤ گے۔

از خدا می خواہ دفعِ ایں حسد　　تا خدایت وا رہاند از حسد

خدا ہی سے اس حَسَد سے نجات طلب کر تاکہ تجھے حق تعالیٰ اس حَسَد سے خلاصی عطا فرمائیں۔

پَرِ طاؤسِ مَبیں وَ پائے بیں | تاکہ سُوءُ العَین نَگشاید کَمیں

اپنے پر طاؤسی کو مت دیکھ بلکہ اپنا پیر دیکھ تاکہ آنکھ کی بیماری (عجب و حسد) اللہ والوں سے تیرے دل میں کینہ نہ پیدا کرے یعنی جس طرح بقول مشہور طاؤس اپنے پروں کے حُسن سے مست و بے خود رہتا ہے اور جب اپنے پیر کی سیاہی دیکھتا ہے تو شرمندہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تم اپنی صفات حسنہ پر نظر نہ کرو اور ان کو عطائے حق سمجھ کر شکر ادا کرو اور اپنی برائیوں پر نظر ڈال کر اپنی نگاہ میں اپنے کو حقیر اور ذلیل سمجھو اور نگاہ خلق میں ذلیل ہونے سے پناہ مانگتے رہو کہ پردۂ ستاریت کہیں نحوست اعمال سے اُٹھ نہ جائے۔

خاک شو مَردانِ حق را زیرِ پا | خاک بر سر کُن حَسَد را ہمچو ما

اللہ والوں کے پیروں کے نیچے خاک بن جاؤ اور اپنے حَسَد کے سر پہ خاک ڈالو ہماری طرح یعنی خود بینی اور خود رائی ترک کر کے کسی کامل کا دامن پکڑ لو اور اپنے کو اس رائے پر اس طرح ڈال دو جس طرح مردہ فی ید الغسال عہ ہوتا ہے۔

خشم و غصّہ

ترکِ خشم و شہوت و حرص آوری | ہست مردی و رگِ پیغمبری

عہ نہلانے والے کے ہاتھ میں۔

غصہ و شہوت اور حرص کا ترک کرنا مردانِ حق کا شیوہ ہے اور پیغمبرانہ سنّت ہے

خشم و شہوت مرد را احول کند　　ز استقامت روح را مبدّل کند

غصہ اور شہوت مرد کو احول[ع] کرتا ہے اور روح کو استقامت سے ہٹا دیتا ہے۔

گفت عیسیٰ را یکے ہشیار سر　　چیست در ہستی ز جملہ صعب تر

کسی عاقل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ زندگی کے لئے سب سے مشکل امر کیا ہے۔

گفتش اے جاں صعب تر خشمِ خدا　　کہ ازاں دوزخ ہمی لرزد چو ما

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے جان! سب سے مشکل تر خدا کا غصہ ہے کہ اس سے دوزخ بھی ہماری طرح لرزتا ہے۔

گفت ز اں خشمِ خدا چہ بود اماں　　گفت ترکِ خشمِ خویش اندر زماں

اس عاقل نے کہا کہ خدا کے غصہ سے امان و حفاظت کی کیا تدبیر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے غصہ کو پی جانا اور اس کو مخلوقِ خدا پر نافذ نہ کرنا۔

فائدہ: ترکِ غصہ سے مراد یہاں وہ غصہ ہے جو اپنے نفس اور اپنے حقوق کے لئے ہو لیکن دین کے لئے غصہ کی جہاں ضرورت ہو وہاں غصہ نہ کرنا گناہ ہوگا ان مواقع کو سمجھنے کے لئے کسی شیخ کامل کی صحبت ضروری ہے۔ ورنہ اہلِ علم بھی نفسانی غصہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ عمل کے لئے علم محض کافی نہیں ہوتا صحبتِ اہل اللہ بھی ضروری ہے۔

ع احول وہ بیماری جس میں ایک چیز دو دکھائی دیتی ہے۔

ظُلم

اے کہ تو از جاہ ظلمے میکنی
از برائے خویش چاہے میکنی

اے مخاطب تو جاہ اور حکومت کے سبب مخلوقِ خدا پر ظلم کرتا ہے اور اپنے لئے عذاب و رسوائی کا کنواں کھودتا ہے۔

چاہِ مظلم گشت ظلمِ ظالماں
اینچنیں گفتند جملہ عالماں

ظالموں کا ظلم خود ظالم کے لئے تاریک کنواں بن جاتا ہے اسی طرح علمائے دین فرماتے ہیں۔

گر ضعیفے در زمیں خواہد اماں
غلغل افتد در سپاہِ آسماں

اگر کمزور مظلوم ظلم سے تنگ آکر زمین میں امان تلاش کرتا ہے تو آسمان پر ملائک میں غلغلہ مچ جاتا ہے۔ غلبۂ ترحم و درد سے۔

گر بنالد آسماں گریاں شود
ور بگرید چرخ یارب خواں شود

اگر مظلوم آہ و نالہ کرتا ہے تو آسمان بھی اس کے ساتھ روتا ہے اور اگر مظلوم روتا ہے تو آسمان بھی اس کی مدد کے لیے حق تعالیٰ سے فریاد کرتا ہے۔

تا دلِ مردِ خدا نامد بدرد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

جب تک کسی قوم نے کسی اللہ والے کا دل نہیں دکھایا اس وقت تک حق تعالیٰ نے اس قوم کو رسوا نہیں کیا۔

جاہ و منصب و طلبِ شہرت

مال و منصب ناکسے آرد بدست طالبِ رسوائیِ خویش او شدست

جو شخص مال اور منصب کا حریص اور طالب ہوتا ہے تو وہ دراصل اپنی رسوائی کا طالب ہوتا ہے۔

فائدہ: مگر حق تعالیٰ بدون طلب اگر کسی کو منصب ارشاد پر فائز فرماتے ہیں تو خود ہی اس کو اپنی خصوصی حفاظت میں رکھتے ہیں۔

یا کند بخل و عطا ہا کم دہد یا سخا آرد بنا موضع نہد

ایسا شخص یا تو بخل کرے گا اور بخششِ مخلوق پر نہ کرے گا یا اگر سخاوت کرے گا بھی تو بے موقع اور نااہل پر کرے گا۔

سروری را کم طلب درویش بہ
بارِ خود بر کس منہ بر خویش نہ

سرداری مت طلب کرو اور فقیرانہ سادی زندگی اختیار کرو اپنا بوجھ کسی پر رکھنے کے بجائے اپنے ہی اوپر رکھو یعنی اپنے کاموں کو خادموں سے لینے کے بجائے خود کرنے کی عادت ڈالو۔

اشتہارِ خلق بندِ محکم ست بندِ ایں از بندِ آہن کے کم ست

مخلوق میں مشہور ہوجانا یہ سخت ترقید ہے اور یہ قید قید آہنی سے کم نہیں ہے۔

فائدہ: یعنی شہرت کو اپنی طرف سے طلب نہ کرے مگر جب حق تعالیٰ کسی بندے پر اسمِ ظاہر کی تجلّی فرماتے ہیں تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اس سے خلق کو

استفادہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

میں تو نام و نشاں مٹا بیٹھا　　میرا شہرہ اڑا دیا کس نے

دانہ باشی مرغکانت برچینند　　غنچہ باشی کودکانت برکنند

دانہ کی طرح زمین پر ظاہر ہوگا تو چڑیاں چُگ لیں گی اور اگر کلی کی طرح اپنے کو شاخوں سے ظاہر کرے گا تو لڑکے تجھے تماشہ بنائیں گے اور اُچک لیں گے۔

او چو بیند خلق را سرمستِ خویش　　از تکبر می رود از دستِ خویش

جب ہر طرف سے خلق کو اپنا دیوانہ و مست دیکھتا ہے تو تکبّر کے فتنہ میں مبتلا ہو کر اپنے ہاتھ سے بھی بے قابو ہو جاتا ہے۔

لطف و سالوسِ جہاں خوش لقمہ ایست
کمترش خور کاں پر آتش لقمہ ایست

نفس کو دنیا والوں کی تعریف اور خوشامد بہترین لقمہ معلوم ہوتا ہے ایسے لقمہ کو مت کھاؤ کہ یہ لقمہ آگ سے پُر ہے یعنی تکبر میں مبتلا کر کے دوزخ تک لے جاوے گا۔

آدمی فربہ شود از راہِ گوش　　جانور فربہ شود از حلق و نوش

انسان (تعریف سن کر) کان کے راستے موٹا ہوتا ہے اور جانور بھوسہ کھلی سے موٹا ہوتا ہے۔

نفس از بس مدحہا فرعون شد　　کُن ذلیل النفسِ ہونًا لا تَسُد

نفس زیادہ تعریف سن کر فرعون ہو جاتا ہے اس لئے اپنے کو مٹا کر رہو اور سرداری مت تلاش کرو۔

طلبِ دُنیا

اَنبیا را کارِ عُقبےٰ اِختیار　　جاہلاں را کارِ دُنیا اِختیار

انبیاء علیہم السلام نے آخرت کا کام اختیار کیا اور دُنیا کو آخرت کے تابع رکھا اور جاہلوں نے کارِ دُنیا اختیار کیا اور آخرت کو پسِ پُشت ڈال دیا۔

گر بہ بینی میلِ خود سُوئے سَما　　پَرِ دولت برکُشا ہمچو ہُما

اگر اپنے قلب میں حق تعالیٰ کی طرف رجحان و میلان محسوس کرو تو حق تعالیٰ کے اِس جذبِ خفی کا شُکر اَدا کرو اور اَپنے دل کے پروں کو سیر الی اللہ کے لئے کشادہ کر لو مثل ہما کے۔

ہُما کی تشبیہ محض عظمت شان کے لئے ہے کہ دُنیا میں تمام طائروں میں افضل اور مُبارک مشہور ہے اور سالکین کی ارواح بھی سیر الی اللہ کی نسبت سے دیگر اِرواح کے مُقابلے میں اشرف اور افضل اور مبارک ہوتی ہیں۔

خَلق اَطفالند جز مستِ خُدا　　نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

مخلوقِ خدا سب اطفال ہیں سوائے عاشقانِ خُدا کے اور کوئی شخص بالغ نہیں بجز ان خاصانِ حق کے جو خواہشاتِ نفسانیہ کو تابع شریعتِ الٰہیہ کر چکے ہیں۔

ہر چہ از وَے شاد گردی در جہاں　　از فراقِ آں بیندیش ایں زماں

آج جو چیزیں تجھے مسرور کر رہی ہیں ان کی جُدائی کو اسی وقت سوچنا چاہیے کہ یہ چیزیں ہم سے جُدا ہونے والی ہیں۔ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ اے شخص جس سے تو چاہے دُنیا میں دل لگا

ے اور محبّت کرے مگر تجھے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ تو اِس سے ایک دن جُدا ہوگا یا وہ تجھے ایک دِن چھوڑ دے گی باب مفارقت جانبین کی طرف سے جُدائی کو ثابت کرتا ہے یعنی یا تو محب پہلے مرے گا یا محبُوب پہلے مرے گا اور دونوں صُورتوں میں جُدائی لازم ہے۔

پس نتیجہ یہ نِکلا کہ ؏ عشق را باحیّ باقیوم دار

اِیں جہاں زنداں وَ مازِنْدانیاں ۔۔۔ حُفرہ کُن زِندانِ خُود رَا وَارہاں

یہ جہاں قید خانہ ہے اور ہم سب قیدی ہیں قید خانہ سے کوئی راہ پیدا کرا ور خلاصی حاصل کر اور راہ سے مُراد سیرالی اللہ اور تعلق مع اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ ایک قیدی دوسرے قیدی کو رہا نہیں کرا سکتا ہے۔ اس لِئے ایسے کاملین کی صُحبت تلاش کرلو جن کے اجسام تو دُنیا کے قید خانے میں ہیں مگر ان کی روحیں عالم بالا سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ اپنی روحانی طاقت سے دوسری روحوں کو بھی علائقِ دُنیا سے چھڑا لیتے ہیں۔

کے دِہد زِندانیئے دَر اقتناص ۔۔۔ مَرد زِندانیئے دِیگر را خلاص

ایک قیدی دوسرے قیدی کو کب رہا کرا سکتا ہے قید خانے سے۔

ع اقتناص شکار کرنا و کسب کرنا (غیاث)

جُز مگر نادر یکے فردانیئے ۔۔۔ تَن بزنداں رُوح اُو کیواِنیئے

ہاں مگر وہ نادر ہستی جس کا جسم تو دنیا میں ہو لیکن اس کی رُوح تعلق مع اللہ کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو وہ دوسرے گرفتار دُنیا کو دُنیا سے آزاد کرا سکتی ہے۔

مُرغِ کُو اَندر قفس زندانی ست ۔۔۔ می نجوید رستن از نادانی ست

جو چڑیا قفس میں قید ہو اور خلاصی نہ ڈھونڈے تو یہ اس کی نادانی ہے۔

بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر

گو نہ نکل سکے مگر پنجرے میں پھڑپھڑاتے جا

زر نبہد از جاں نست پیشِ ابلہاں　　زر نثارِ جاں بود پیشِ شہاں

اللہ والوں کی جانوں پر تو دولت خود نثار ہوتی ہے اور اہلِ دُنیا اپنی جانوں کو دولت پر قربان کرتے ہیں۔

ترکِ دُنیا ہر کہ کرد از زہدِ خویش　　بیش آمد پیشِ او دُنیا و بیش

جو شخص اللہ کے لئے دُنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتا ہے اس کے قدموں پر دُنیا پہلے سے بھی زیادہ گرتی ہے۔

چیست دُنیا از خدا غافل بدن　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دُنیا کیا ہے؟ خدا سے غفلت کا نام دُنیا ہے نہ کہ سونا چاندی اور اولاد و بیوی کا نام دُنیا ہے یعنی ان تعلقات میں رہتے ہوئے حق تعالیٰ کے تعلق کو اگر غالب رکھے تو یہ دُنیا نہیں بلکہ دین ہے۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی ست　　آب اندر زیرِ کشتی پشتی ست

مولانا دُنیا کے استعمال کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح کشتی کی روانی کے لئے پانی ضروری ہے اسی طرح ہماری حیات کے لئے دُنیا ضروری ہے لیکن کشتی کے اندر اگر پانی داخل ہو جاوے تو یہی پانی کشتی کی ہلاکت کا سبب بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دُنیا اگر آخرت کے مقابلہ میں مغلوب رہے اور دل کے باہر رہے تو آخرت کے لئے معین ہے لیکن اگر دل میں گھس جاوے اور آخرت پر غالب ہو

جاوے تو ہماری ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔ بس اس کا صحیح استعمال ضروری ہے جو کچھ مدت کسی صاحبِ ہمت مردِ کامل اللہ والے کی صحبت میں رہ کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

مال را کز بہرِ دیں باشی حمول   نعم مالِ صالح گفت آں رسول

مال کو اگر حق تعالیٰ کی مرضیات میں صرف کرنے کے لئے اور ان کی رضا جوئی کے لئے کسب کیا تو ایسے مال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نعم المال فرمایا ہے۔ یعنی ۔ اگر دارد برائے دوست دارد ۔ دنیا رکھے تو اللہ ہی کی رضا کے لئے رکھے نہ کہ محض اپنے تعیُّش و تن پروری کے لئے ہو۔

ظہورِ قدرت در معجزات

ایں جہاں محدود آں خود بے حد ست   نقش و صورت پیشِ آں معنیٰ سد ست

یہ جہاں محدود ہے اور وہ جہاں غیر محدود ہے مگر اس جہاں کے نقش و نگار اس عالمِ معنی کے آگے دیوار کی طرح حائل ہیں جو اس کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتے۔

صد ہزاراں نیزۂ فرعون را   در شکست آں موسیٰ با یک عصا

وہ وزیر تو کیا چیز تھا فرعون کے لاکھوں نیزے اس ایک لاٹھی والے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توڑ ڈالے یعنی اس کی طاقت تباہ کر دی۔

صد ہزاراں طبِ جالینوس بود   پیشِ عیسیٰ و دمش افسوس بود

اور جالینوس کی لاکھوں طبابتیں تھیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی پھونک

کے آگے ایک کھیل ثابت ہوئیں۔

صد ہزاراں دفترِ اشعار بود   پیشِ حرفِ اُمّیئے اَش عار بود

اور عربی شاعری کے لاکھوں دفتر تھے جن پر فخر کیا جاتا تھا۔ مگر اللہ کے ایک اُمّی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سُناتے ہوئے کلام اللہ کے آگے موجبِ عار تھے۔

تعلیمِ فنائیت

با چناں غالب خداوندے کسے   چوں نمیرد گر نباشد اُف خسے

اگر کوئی شخص کمینہ اور کوتاہ اندیش نہ ہو تو ایسے غالب خُداوند کے آگے کیوں نہ اپنے کو فنا سمجھے۔

بس دلے چوں کوہ را انگیخت اُو   مرغِ زیرک با دو پا آویخت اُو

اس نے بہتیرے پہاڑ کے سے مضبوط و قوی دلوں کو اکھیڑ دیا ہے چالاک پرندے کو دو پاؤں سے اُلٹا لٹکا دیا ہے۔

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ
جز شکستہ می نہ گیرد فضلِ شاہ

فہم و عقل کے گھوڑے دوڑانا یا قوت استدلال کو ترقی دینا حق تعالیٰ تک پہنچنے کی راہ نہیں یہاں تو عجز و شکستگی کی ضرورت ہے کہ خُدا کا فضل عاجزوں کے سوا کسی کی دستگیری نہیں کرتا۔

ترغیب بسوئے آخرت

گاو کہ بود تا تو ریشِ اُو شوی　　　خاک کہ بود تا حشیشِ اُو شوی

بھلا بیل بھی کوئی چیز ہے کہ تو اس کی داڑھی بنے۔ مٹی بھی کچھ حقیقت رکھتی ہے کہ تو اس کی گھاس بنے۔

زر و نقرہ چیست تا مفتوں شوی　　　چیست صورت تا چنیں مجنوں شوی

سونا چاندی کیا مال ہے کہ تو اس کا دلدادہ ہو اور عالمِ صورت یعنی دُنیا کی کیا حقیقت ہے کہ تو اس پر اس قدر فریفتہ ہو۔

ایں سرا و باغِ تو زندانِ تست　　　ملک و مالِ تو بلائے جانِ تست

یہ تیرے محل اور باغ تیرا قید خانہ ہیں تیرا ملک و مال تیرے لئے بلائے جان ہے۔

روح می پرّد سوئے عرشِ بریں　　　سوئے آب و گل شدی در اسفلین

تیری روح عرشِ بریں کی طرف پرواز کرنا چاہتی ہے اور تو آب و گل کی طرف یعنی تنزل اور بُعد عن الحق کے گڑھے میں گرا پڑتا ہے۔

اسپِ ہمت سوئے آخر تاختی　　　آدمِ مسجود را نشناختی

تُو نے اپنی ہمت کا گھوڑا چراگاہِ لذات کی طرف دوڑایا اور اپنے باپ آدم علیہ السلام کی منزلت کو نہ پہچانا جن کے آگے فرشتے سربسجود ہو چکے ہیں۔

لُغت : آخر مخفف آخور جانوروں کے چرنے کی جگہ

آخر آدم زادۂ اے ناخلف　　　چند پنداری تو پستی را شرف

اَے ناخلف آخر تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے کہاں تک تحصیلِ دُنیا

کی پستی کو بزرگی سمجھتا رہے گا۔

ذکرِ حق

یادِ او سرمایۂ ایماں بود ‏ ‏ ‏ ہر گدا از یادِ او سلطاں بود

یادِ حق آمد غذا ایں روح را ‏ ‏ ‏ مرہم آمد ایں دلِ مجروح را

نامِ او چوں بر زبانم می رود ‏ ‏ ‏ ہر بنِ مو از عسل جوئے شود

ترجمہ و شرح: اوپر کے پہلے دو شعر مولانا رومی کے ہیں تیسرا شعر حضرت مُفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی خاتمِ مثنوی کا ہے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد ایک نورجاں پیدا ہوگا جو میری مثنوی کا بقیہ حصّہ پورا کرے گا۔ فرماتے ہیں۔

ہست باقی شرحِ ایں لیکن درُوں ‏ ‏ ‏ بستہ شد دیگر نمی آید بروں

باقیِ ایں گفتہ آید در زباں ‏ ‏ ‏ در دلِ آنکس کہ دارد نورِ جاں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں اشعار میں حضرت مولانا مُفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی کے متعلق جو پیشین گوئی فرمائی تھی اس کا ظہور پانچ سو برس کے بعد ہوا کیونکہ مولانا رومی ساتویں صدی کے ہیں اور حضرت مُفتی صاحب خاتمِ مثنوی بارھویں صدی کے ہیں۔

شعرِ اوّل: مولانا رومی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی یاد ہی ایمان کا کُل سرمایہ ہے یعنی حاصلِ ایمان ہے اور ان کی یاد میں ایسی لذت ہے کہ ہر گدا ان

کی یاد کی برکت سے بادشاہ بلکہ رشکِ سلاطین ہوجاتا ہے۔

جو اُن کی یاد میں بیٹھے ہر اک سے بے غرض ہوکر
تو اپنا بوریا بھی پھر ہمیں تختِ سُلیماں تھا

جس وقت بندہ کسی چٹائی پر اپنے اللہ کا نام پاک لیتا ہے تو اس وقت اس کی وہ چٹائی یا بوریا بادشاہوں کے تخت کے لئے قابلِ رشک ہے۔

اگر اک تُو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تُو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

تمنا ہے کہ اب ایسی جگہ کوئی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے رہتے یاد ان کی دلنشیں ہوتی

بلکہ دُنیا کے سلاطین تو افکارِ دنیویہ سے غمگین رہتے ہیں اور غلبۂ فکر سے جب ان کو نیند نہیں آتی تو قصہ گو مقرر کئے جاتے ہیں تاکہ قصے سُن کر نیند آجائے اس کے برعکس اللہ والوں کی سُلطانیت عجیب اطمینان اور بے فکری کی ہوتی ہے۔ حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

بسودائے جاناں زجاں مشتغل ۔۔۔ بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل
بیادِ حق از خلق بگریختہ ۔۔۔ چناں مستِ ساقی کہ مے ریختہ

اللہ تعالیٰ کے عاشق بندے محبوبِ حقیقی کے عشق میں اپنی جان سے بھی بے پروا ہیں اور ذکرِ محبوب کی لذت نے ان کو دُنیا کے تمام مشاغل سے مستغنی کردیا ہے یادِ حق میں خلق سے کنارہ کش ہیں تاکہ تعلقاتِ غیر ضروریہ سے ذکرِ حق میں خلل واقع نہ ہو اور حق تعالیٰ کی یاد سے ایسے مست اور بے خود ہیں کہ غیر حق سے بالکل التفات

باقی نہ رہا اگرچہ وہ مباح الاصل ہی کیوں نہ ہوں یا کسی درجۂ مرجوحہ میں مستحسن ہی کیوں نہ ہوں لیکن ان اُمور کی طرف اُن عاشقین کو بالکل التفات نہیں رہا۔ کیونکہ دست بوسی شاہ کے میسر ہوتے ہوئے پابوسی شاہ کی طرف التفات قربِ اعلیٰ سے قربِ ادنیٰ کی طرف نزول کے مترادف ہے۔

شعرِ ثانی :

یادِ حق آمد غذا ایں روح را الخ مولانا فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی یاد روحِ انسانی کی اصل غذا ہے اور قلبِ مجروح یعنی عشقِ حق سے زخمی دِل کے لیے یادِ حق بمنزلہ مرہم ہے کیونکہ عاشق کو اپنے محبوب کے ذکر ہی سے سکون ملتا ہے۔ بات یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کا خلقتہً وفطرۃً عاشق پیدا فرمایا ہے یعنی ہر انسان مرتبۂ فطرۃِ انسانیت میں عاشقِ حق ہے۔ حق تعالیٰ نے اس دعویٰ پر ایک دلیلِ مُثبت قرآن پاک میں ارشاد فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝

اے ہمارے بندو! خوب کان کھول کر سن لو کہ تمہارے سینوں میں جو قلوب رکھے گئے ہیں ان کو سکون اور چین صرف ہماری یاد ہی سے مل سکتا ہے۔ ہم تمہارے اور تمہارے قلوب کے خالق ہیں۔ ہم نے تمہارے سینوں میں ایک ایسا مضغۂ لحمیہ یعنی گوشت کا ٹکڑا رکھ دیا ہے جس کی غذا صرف میری یاد ہے۔ رہی یہ بات کہ پھر اہلِ سلطنت اور اہلِ دولت خدا تعالیٰ کی یاد سے غافل ہونے کے باوجود خوش وخرم کیوں نظر آتے ہیں تو درحقیقت ان کی یہ خوشی ہماری ظاہری آنکھوں سے معلوم ہوتی ہے ان کے دِلوں کو اگر ٹٹولا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ

ہرگز مطمئن اور چین سے نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ فسق و فجور کی گندگی سے ان کے دِل بیمار ہوتے ہیں قلبِ سلیم کی غذا صرف ذکرِ حق ہے۔ بیمار قلب کا تو احساس بھی غلط ہوتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ ہم آپ اگر پاخانہ کا ٹوکرا دیکھ لیں یا سُونگھ لیں تو فوراً متلی و قے بلکہ بے ہوشی تک لاحق ہونے کا امکان ہوتا ہے لیکن بھنگی رات دن پاخانہ کے پاس رہتا ہے اس کے باوجود اس کی بدبُو سے اس کے احساس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ اس بھنگی کا احساسِ سلیم پاخانہ کی گندگی سے رفتہ رفتہ زائل ہوگیا۔ اب آپ چاہیں تو تجربہ کے طور پر اس امر کو آزمالیں کہ دُنیائے مردار کی لذات میں رات دِن غرق رہنے والے کسی انسان کو چند دن کے لئے کسی اللہ والے کی صُحبت میں رکھیں اور یہ شخص حق تعالیٰ کی یاد میں لگ جائے پس رفتہ رفتہ اس کا وہ سابق فطری اور طبعی مذاق اس کے قلب میں بیدار ہونا شروع ہوجائے گا اور ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ ایک دن ضرور ایسا آئے گا کہ اسی شخص کو اب ذکر چھوڑ کر مشاغلِ دُنیوی میں لگنا بہت مُشکل اور دوبھر ہوجائے گا اب اس کے شب و روز غفلت میں نہیں گذر سکتے۔ شب و روز کیا معنی ایک لمحہ اور ایک سانس غفلت میں گذارنا اس کو موت سے بدتر نظر آئے گا۔ ہر وقت ایک کیفیتِ حُضوری اس کے قلب کو میسّر ہوگی گویا دل ہر وقت اللہ کو دیکھ رہا ہے اس کرّوفرّ قرب کے سامنے بھلا پھر دُنیائے فانی کی لذّتوں کی طرف اس کا قلب کب رجوع کر سکتا ہے؟ اس وقت اس کو تمام مجموعۂ لذاتِ کائنات مردار نظر آئے گا اور اللہ کی یاد کی برکت سے ایسی سلطنتِ قلب کو ملے گی کہ اس کے سامنے

سلطنت ہفت اقلیم ہیچ نظر آئے گی ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض سلاطین کو جب ذکر کا مزہ مل گیا تو آدھی رات کو چپکے سے گدڑی اوڑھی اور جنگل میں نکل گئے ۔

آں دمے کز دل بعشق دہی خوش دمے بود
در کارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست

چونکہ زد عشقِ حقیقی بر دلش
سرد شد ملک و عیال و منزلش

نیم شب دلقے بپوشید و برفت
از میانِ مملکت بگریخت تفت

ترجمہ: جب عشقِ حقیقی نے اس بادشاہ کے دل پر اثر کیا تو اس پر ملک اور محل شاہی اور اولاد کا لطف سرد پڑ گیا پس آدھی رات کو اٹھا گدڑی اوڑھی اور اپنی سلطنت سے باہر نکل گیا اور بزبان حال کہا ۔

ترے تصور میں جانِ عالم مجھے یہ راحت پہنچ رہی ہے
کہ جیسے مجھ تک نزول کرکے بہارِ جنت پہنچ رہی ہے (اختر)

شعرِ ثالث:

نام او چوں بر زبانم می رود الخ خاتم مثنوی مولانا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ کا نام پاک زبان پر جاری ہوتا ہے تو میاں کے نام کی مٹھاس اور شیرینی ایسی محسوس ہوتی ہے گویا میرے جسم کے ہر بال کے سوراخ سے شہد کی نہریں جاری ہوگئیں ۔ اس لطف کی وجہ حق تعالیٰ کا وہی احسان کرم ہے کہ بوقت آفرینش ہمارے خمیر میں اپنی محبت و طلب پیاس کی تخم ریزی فرمادی تھی یعنی ہمارے جسم خاکی میں ایک مضغۂ دل رکھ دیا جس کی اصل غذا صرف اپنی یاد مقرر فرمادی ہے ۔

نہ کبھی تھے بادہ پرست ہم نہ ہمیں یہ شوق شراب ہے

لبِ یار چوسے تھے خواب میں وہی ذوق مستی خواب ہے

حتیٰ کہ ذکر کی لذت ذاکر کو راہِ حق میں اپنی جان دینا بھی آسان کر دیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

ھٰکَذَا مَرْدِ مُجَاہِدْ نَان دِہَدْ   چُوْں بَرُوْزَدْ نُورِ طَاعَتْ جَاں دِہَدْ

یعنی بندہ پہلے نان سے پیدا شدہ قوتوں کو اللہ کی نافرمانیوں میں خرچ کرنے کے بجائے اللہ کی اطاعت فرماں برداری کے راستہ میں خرچ کرنے کی مشقت کرتا ہے۔ نان سے پیدا شدہ قوتیں جب اس نے اللہ کے راستہ میں دیں تو گویا اس نے روٹی ہی اللہ کے راستہ میں دے دی۔ اس مسلسل مجاہدہ سے انوارِ ذکر و اطاعت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ یہ انوار جب اس پر پورا اثر کر دیتے ہیں تو غلبۂ محبت میں وہ مرد مجاہد اپنی جان بھی اللہ کے راستہ میں قربان کر دیتا ہے۔

ان تینوں اشعار مثنوی کو احقر کی اُردو مثنوی میں ملاحظہ فرمائیے۔

یادِ حق سرمایۂ ایمان ہے   یادِ حق سے ہر گدا سلطان ہے

یادِ حق ہی ہے غذا اس روح کی   اور مرہم ہے دلِ مجروح کی

ہے زباں پر ان کا نام ذوالجلال   شہد کی نہریں ہیں میرے بال بال

پروازِ روحِ عارف مع اتصالِ جسدِ خاکی بسوئے محبوبِ حقیقی

جَانِ مُجَرَّدْ گَشْتَہ اَزْ غَوْغَائے تَنْ   مِیْ پَرَدْ بَا پَرِّ دِلْ بے پَائے تَنْ

مردِ خفتہ روحِ او چوں آفتاب ۔۔۔ در فلک تاباں و در تن جامۂ خواب

اتصالے بے تکیف بے قیاس ۔۔۔ ہست رب الناس را با جانِ ناس

ظلِ او اندر زمیں چوں کوہِ قاف ۔۔۔ روحِ او سیمرغِ بس عالی طواف

ترجمہ وضروری شرح :

شعرِ اوّل : ایک زمانہ مجاہدہ وصحبت پیرِ کامل کے بعد عارف کی روح اس جسدِ خاکی کے ہنگاموں (خواہشات نفسانیہ) سے آزاد ہو کر حق تعالیٰ کی طرف اُڑتی رہتی ہے یعنی حضورِ تام و استحضارِ تام کے فیوض و انوار میں عارف کی روح دل کے پیر سے (نہ کہ جسم کے پیر سے) مسافت سیر الی الحق سے مسافت سیر فی الحق قطع کرتی ہے۔ پس ہر لحظہ روح عارف کو صفاتِ الٰہیہ کی تفصیلی سیر عطائے حق سے نصیب ہوتی ہے۔ کما قال حضرت رومی رحمۃ اللہ علیہ فی مقامِ آخر۔

سیرِ زاہد ہر مہے یک روزہ راہ ۔۔۔ سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

زاہد ایک ماہ میں ایک دن کی مسافت طے کرتا ہے اور روح عارف باللہ ہر سانس میں باعتبار سیر باپرِ دل بے پائے تن تختِ محبوبِ حقیقی تک اُڑتی رہتی ہے۔

(من فیوض مرشدی رحمۃ اللہ علیہ)

شعرِ ثانی : انسان سویا رہتا ہے اور اس کی روح مثل آفتاب کے فلک پر تاباں رہتی ہے۔ چنانچہ بحالت خواب یہ میرۃ روح عارف اگر مشرف بالولایت ہے تو القاء والہام ورویاء صالحہ سے فائز ہو جاتی ہے اور جسم کے اندر یہی روح باعتبار تصرف فی الجسد کے جامۂ خواب میں ہوتی ہے یعنی خفتہ انسان بظاہر بالکل بے حس وحرکت ہوتا ہے۔

شعر ثالث : ارواح انسانیہ کا حق تعالیٰ سے اتصال بے تکیف اور بے قیاس ہے یعنی اس اتصال کا عقول انسانی ادراک نہیں کر سکتی ہیں۔ کیونکہ مخلوق کی صفات محدودہ کے لئے خالق کی صفات غیر محدودہ کا احاطہ محال ہے۔

شعر رابع : عارف کا جسم زمین پر مثل کوہ قاف کے ہے یعنی باعتبار اپنے حُسن اخلاق صبر و حلم و کرم کے استقامت کا پہاڑ ہے اور اس کی روح مرتبۂ حضور مع الحق میں مثل سیمرغ کے عالی طواف ہے (من فیوض مرشدی رحمۃ اللہ علیہ)

ان اشعار کی مثنوی اُردو :

جاں مجرّد ہو کے از غوغائے تن — پَر دل سے اڑتی ہے بے پائے تن

روحِ مردِ خفتہ مثلِ آفتاب — ہے فلک پر ضو فگن در تن بخواب

روحِ انسانی کو ربّ الناس سے — بے تکیّف قرب ہے ہر سانس سے

جسمِ عارف ہے زمیں پر کوہ قاف — جان اسکی عرش پر عالی طواف

اِصلاحِ علمائے بے عمل

صَد ہزاراں فَضل دارَد از عُلوم — جانِ خُود را می نَدانَد ایں ظَلُوم

جانِ جُملہ عِلمہا ایں است و ایں — کہ بدانی مَن کِیَم در یَومِ دِیں

عِلمِ نَبوَد اِلّا عِلمِ عاشِقی — ما بَقی تَلبیسِ اِبلیسِ شَقی

خُم کہ از دَریا دَرو راہے شَود — پیشِ اُو جیحُونہا زانُو زَنَند

قال را بگذار مَردِ حال شَو — پیشِ مَردِ کامِلے پامال شَو

شعرِ اوّل : مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ علمائے ظاہر سینکڑوں اور ہزاروں علوم وفنون اپنے سینوں میں رکھتے ہیں لیکن ان علوم کی اصلی رُوح یعنی تعلق مع اللہ اور محبت الٰہیہ اپنی جانوں میں حاصل کرنے کا یہ ظالم اہتمام نہیں کرتے۔

شعرِ ثانی : یاد رکھو کہ تمام علوم کی روح صرف یہ ہے کہ تم یہ جان لو کہ کل قیامت کے دن ہم کس بھاؤ میں خریدے جائیں گے یعنی اگر اخلاص قلب میں نہ ہوا اور مخلوق میں ہاتھ پیر اس وقت چومے جارہے ہیں تو قیامت کے دن یہ مقبولیت بین الخلق سود مند نہ ہوگی۔

شعرِ ثالث : علمِ حقیقی صرف اللہ سے قوی رابطہ قائم کرنا ہے اور اگر یہ دولت حاصل نہ ہوئی تو پھر یہ علم ابلیس لعین کا دھوکہ و فریب ہے یعنی جس طرح ابلیس باوجود علم تمام علوم شریعت اُمّت موجودہ و امم سابقہ کے مردود ہے اسی طرح وہ علوم محضہ جو مقرون بالعمل نہ ہوں اور تعلق مع اللہ ان سے حاصل نہ ہو تو ان پر ناز و پندار و قناعت سخت دھوکہ ہے۔ علمِ مقبول کی لازمی صفت خشیت الٰہیہ ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (الآیۃ) اور خشیت مستلزم ہے عمل کو۔ پس بدون خشیت کے علوم پر مُطمئن رہنا سخت نادانی ہے۔

شعرِ رابع : جس طرح کسی مٹکے کو اگر سمندر سے تعلق اور رابطہ عطا ہو جائے تو اس مٹکے کے سامنے بڑے بڑے دریائے جیحون زانوئے ادب طے کرتے ہیں۔ اسی طرح جب ان علوم ظاہرہ کے ساتھ اے علماء تم حق تعالیٰ سے قوی رابطہ قائم کرلو گے تو تمہارے ان علوم میں بھی چار چاند لگ جائیں گے یعنی

عجیب عجیب علوم و معارف افاضۂ غیبیہ سے اپنے اندر پے در پے محسوس کروگے اور بڑے بڑے علمائے ظاہر تمہارے سامنے زانوئے ادب طے کریں گے کیونکہ تعلق من البحر کے فیض سے یہ مشکا خشک نہ ہوگا اور دریائے جیحون خشک ہو سکتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات ایک سوال کے جواب کے وقت اتنے عنوانات و دلائل القاء ہوتے ہیں کہ میں حیران ہو جاتا ہوں کہ کس دلیل کو پہلے بیان کروں اور کس کو بعد میں۔

شعر خامس: مگر اس مشکے کو تعلق من البحر کس طرح حاصل ہوگا۔ حق تعالیٰ سے رابطۂ قویہ اور محبّت مطلوبہ حاصل ہونے کا صرف یہ طریقہ ہے کہ اپنے قیل و قال کو کچھ دن کے لئے ترک کر کے کسی اہلِ دل عالم باعمل کی خدمت و صحبت میں رہ پڑو تب صحیح طور پر صراطِ مستقیم پر عمل نصیب ہوگا۔ صراطِ مستقیم مبدل منہ ہے جس کا بدل صراطِ منعم علیہم ہے اور منعم علیہم نبیین صدّیقین اور شہدا و صالحین ہیں۔ وَكُلُّ هٰذَا مَنْصُوْصٌ فِي الْقُرْاٰنِ اور مقصود کلام میں بدل ہوتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ کسی منعم علیہ بندے کی صحبت اختیار کرنے سے دین کی صحیح روح اخلاص و احسان کی نعمت کا عطا ہونا عادۃ الٰہیہ ہے اور شاذ و نادر اس عادت کا تخلّف کالمعدوم ہے (مثل حضرت خضر علیہ السّلام) عام قانون کی پابندی مامور بہ اور مطلوب ہے۔

مردِ کامل سے مُراد وہ متبع سُنّت ہے جو کسی بُزرگ کا صحبت یافتہ اور اجازت یافتہ بھی ہو مردِ کامل کے سامنے پامال ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی رائے و تجویز کو فنا کر کے اس کی رائے اور تجویز پر چند دن مجاہدہ کر کے عمل کیا جائے۔

تب یہ قال اس منعم علیہ مردِ کامل کی صحبت سے حال بن جاوے گا۔ خلاصہ یہ کہ صاحبِ قال اگر صاحبِ حال بننا چاہے تو کسی اہلِ دل کی صحبت اختیار کرے۔ مردِ کامل میں کمال کلّی مشکک ہے ورنہ کمال بالمعنی الحقیقی صرف سرورِ عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے لیکن مجازاً اولیاء اللہ کے لئے بھی بوجہ کمال اتباعِ سُنّتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم بمقابلہ عامۃ الناس مستعمل ہوتا ہے۔ (من فیوض مُرشدی)

ولنعم ما قال مولانا محمد احمد صاحب (پرتاب گڈھی)

جو دستارِ فضیلت گُم ہو دستارِ محبت میں　　نہ جانے کیا سے کیا ہو جائیں مُجھ کہہ نہیں سکتا

اِن اشعار کی مثنوی اُردو

گرچہ سیکھے سینکڑوں علم و ہنر　　جان سے اپنی مگر ہے بے خبر

جانِ جُملہ علم و فن یہ جان لو　　کل قیامت میں نہ تُم رنجان ہو

علم ہے دراصل علمِ عشقِ حق　　یہ نہ ہو تو ہے وہ قفلِ راہِ حق

وصل ہو دریا سے مٹکے کا اگر　　سامنے جیحون کا جُھک جائے سر

چھوڑ کر کے سب تو اپنا قیل و قال　　جا تو رہتا ہو جہاں مردِ کمال

کسی کافر کو بھی بہ نگاہِ حقارت مت دیکھو کیونکہ اپنے خاتمہ کی حالت کا تم کو علم نہیں

ہیچ کافر را بخواری منگرید　　کہ مسلماں بودنش باشد اُمید

چہ خبر داری زِ ختمِ عمرِ اُو　　تا بگردانی ازو یکبارہ رُو

شعرِ اوّل : مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی کافر کو کبھی حقارت کی نظر سے مت دیکھو کیونکہ اس کے مسلمان ہو کر مرنے کا احتمال ہوتا ہے۔

اللہ اکبر! جب کافر کو حقیر سمجھنے سے منع کیا گیا ہے تو گنہگار مسلمانوں کو حقیر سمجھنا کس درجہ برا ہوگا۔ البتہ کفار کے کفر سے اور فاسقوں کی نافرمانیوں سے بغض ہونا مطلوب ہے بلکہ ایمان کی نشانی ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ

ترجمہ: اور کفر و فسوق و عصیان سے تم کو نفرت دے دی پس ان افعال سے نفرت کا مطلوب ہونا منصوص ہوا۔

شعرِ ثانی : کیا تو اس کافر کے خاتمہ بالکفر کی خبر رکھتا ہے کہ تجھے اس سے نفرت و حقارت جائز ہو جائے۔

چونکہ اصل اعتبار خاتمہ کا ہے اس لئے کسی مومن کو اپنے موجودہ حال پر ناز و پندار درست نہیں کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال اس امر کا بھی ہے کہ کسی نافرمانی کی نحوست سے یہ ایمان مبدل بہ کفر ہو جائے اور خاتمہ بالکفر کا احتمال ہوتے ہوئے نہ تو اپنے ایمان پر ناز درست ہے اور نہ کسی کافر کو حقیر سمجھنا درست ہے۔ حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

ایماں چو سلامت بلبِ گور بریم　احسنت بریں چستی و چالاکیِ ما

ترجمہ: جب ہم ایمان کو سلامتی سے قبر کے اندر لے جائیں اس وقت بے شک ہم اپنی چستی و چالاکی یعنی اعمالِ حسنہ و احوالِ محمودہ کی تعریف کریں گے مرنے سے پہلے تو خطرہ لگا ہوا ہے کہ خاتمہ نہ جانے کس حال پر ہوگا۔

پس اللہ والے مرنے سے پہلے کفّار سے تو باعتبار انجام ومآل کے اور فساق مؤمنین سے باعتبار حال کے اپنے کو حقیر وذلیل وکمتر جانتے ہیں بلکہ جانوروں سے بھی خود کو بدتر سمجھتے ہیں کیونکہ جانوروں کے لئے قیامت کے دن جہنم کی سزا موعود نہیں ہے اور خاتمہ خراب ہونے پر (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ) یہ کُتّے اور سور بھی جہنّمی سے اچھے ہوں گے۔ ونعم ما قال سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ

اَزِیْں بَر مَلَائِک شَرَف دَاشْتَنْد کِہ خُوْدْ رَا بِہ اَزْ سَگْ نَپِنْدَاشْتَنْد

حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل اللہ فرشتوں سے اسی سبب سے سبقت لے جاتے ہیں کہ اپنے کو کُتّے سے بھی بہتر نہیں سمجھتے۔

البتہ خاتمہ حسن ہوجانے کے بعد ہمارا فرطِ مُسرت سے اچھلنا کودنا حق بجانب ہی نہیں بلکہ حق تشکر نعمت بھی ہوگا۔ پس اہل اللہ کفر وفسق سے نفرت بغض رکھنے کو اور کفار وفساق کو حقیر نہ سمجھنے کو اس طور پر یعنی مُطابق تقریر مذکورہ جمع کرتے ہیں۔ یہ خوش فہمی اللہ والوں ہی کی شان ہے ع

ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

اب اِن اشعار کو اُردو مثنوی میں ملاحظہ فرمائیے۔

تم کسی کافر کو مت جانو حقیر رحمتِ حق کیا عجب ہو دستگیر

خاتمہ ہونے سے پہلے ہے اُمید گبرِ صد سالہ ہو پَل میں بایزیدؒ

(من فیوض مرشدیؒ)

مزید تحقیق از حضرت حکیم الامّت مولانا تھانوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

متعلق تحقیر و اہانت کفار و فساق

یہاں مُراد تحقیر سے وہ اہانت نہیں جو کافر کے لئے مامور بہ اور شعبہ ہے بغض فی اللہ کا جس کا منشا حق تعالیٰ کی محبّت ہے بلکہ مُراد اس سے وہ تحقیر ہے جس کا منشاء اپنے ایمان پر عجب اور کبرِ نفس ہے۔

کیفیت تاثیر صُحبتِ شیخ کامِل

سَالہا بَایَد کہ تَا اَز آفتَابُ　لَعلُ یَابَد رَنگ رُخشَانِی وَتَابُ

ترجمہ و شرح : حق تعالیٰ شانہٗ آفتاب کی شعاعوں کو جن محدود ذرات جبل پر لعل سازی کا امر تفویض فرماتے ہیں تو یہ کام علی الفور نہیں ہوتا بلکہ کتنی سال تک یہ سِلسلہ فیضان شعاع آفتاب کا قائم رکھا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ بے قیمت پتھر لعل بن کر درخشاں ہوجاتا ہے۔ اسی طرح طالب اور سالک کو اپنے شیخ کے فیضان میں تعجیل مناسب نہیں کہ یہ عجلت اولاً مایوسی پھر حرمان کا سبب بن جاتی ہے اور بتدریج تربیت پختگی اور استقامت اور رسوخ پیدا کرتی ہے جو اس راہ میں مقصود ہے۔ پس طالب کا قلب جو قبلِ تربیت مثل بے قیمت پتھر ہے اور شیخ کا قلب جو انوارِ نسبت سے منور ہو کر مثل آفتاب بلکہ قابلِ رشک

صَد آفتاب ہے طویل مدت تک فیضانِ صُحبت سے ایک دن طالب کا دل بھی نسبت مع اللہ کے رسوخ اور استحکام کی نعمت سے مشرف ہو کر رشکِ صَد لعل و گہر ہو جاتا ہے۔ دیر ہونے سے گھبرانا نہ چاہیے اور دوسرے پیر بھائیوں کی جلد کامیابی پر مایوس نہ ہونا چاہیے کہ ہر شخص کی صلاحیت جداگانہ ہے۔ خشک لکڑی جلد اور گیلی لکڑی دیر سے جلتی ہے۔ ہمارا کام صرف طلب میں مُجاہدہ اور سعی کرنا ہے اور یہی طلب مقصود ہے جو ایک نہ ایک دن ضرور وصول سے ہمکنار ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا جو لوگ ہماری راہ میں مصائب اور محنتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کے لیے اپنے ملنے کا ایک راستہ نہیں بلکہ بہت سے راستے کھول دیتے ہیں۔ یہ ترجمہ بزبانِ عشق کیا گیا ہے۔ ہدایت کا مفہوم اراءۃ طریق اور ایصال الی المطلوب دونوں پر مشتمل ہے۔

در تضاد تازگی ایمان اور تازگی نفس

تا ہَوا تازہ ست ایماں تازہ نیست
کیں ہَوا جز قفلِ آں دروازہ نیست

نفسِ تو تا مست در نقل و نبیذ　داں کہ روحت خوشۂ غیبی ندید

(۱) جب تک نفس کے رذائل تم پر غالب ہیں تو سمجھ لو کہ تمہارے ایمان میں اس وقت تک تازگی نہیں آسکتی ہے کیونکہ نفس کی خواہشات اللہ تعالیٰ

ہے دروازۂ قربِ پر مثلِ قفل کے ہیں۔

(۲) دُنیا سے شراب و کباب اور لذّاتِ فانیہ پر فریفتگی دلیل ہے اس بات کی کہ تمھاری روح بہارِ عالمِ غیب یعنی لذّتِ قربِ حق سے ناآشنا ہے۔

دَر تضادِ قُربِ حق و حُبِّ دُنیا

گر بہ بینی کرّ و فرِّ قُرب را
جیفہ بینی بعد ازیں ایں شرب را

گر بہ بینی یک نفس حُسنِ وَدُود
اندر آتش افگنی جانِ وَدُود

(۱) اگر تم اپنے قلب میں حق تعالیٰ شانہٗ کے قرب کی شان شوکت کا مُشاہدہ کر لو تو مجموعۂ لذاتِ کائنات تمھاری نظر میں جیفہ یعنی مردار معلوم ہو۔

(۲) اگر ایک لمحہ کو بھی تم اپنے باطن میں حق تعالیٰ شانہٗ کی تجلّیاتِ قرب کا مُشاہدہ کر لو تو تم اپنی جان محبوب کو خوشی خوشی نذرِ آتشِ محبّتِ حق کر دو گے یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا کے لیے ہر مُجاہدہ اور محنت کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ گے اور حق تعالیٰ کی راہ میں اگر جان بھی فدا کرنی پڑے تو بے دریغ جان دے کر زبانِ حال یہ کہو گے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

دَر بیانِ نارِ شہوت

نَارِ بیرونی بَآبے بِفْسُرَد | نَارِ شَہوَت تَا بَدُوزَخ مِی بُرَد
نَارِ شَہوَت مِی نیارَامَد بَآب | زَانکِہ دَارَد طبعِ دُوزَخ دَر عَذاب

ترجمہ و شرح :

(۱) دُنیا کی آگ کو پانی سے بُجھایا جا سکتا ہے لیکن شہوت اور خواہش کی آگ کو پانی سے سکون نہیں ملتا یہ آگ تو دُوزخ تک لے جاتی ہے۔

(۲) شہوت کی آگ کو پانی سے آرام کیوں نہیں ملتا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہوت کے اندر دُوزخ کا مزاج ہے یعنی دوزخ کے عذاب کا سبب چونکہ یہی شہوت پرستی ہے تو اِس کے اندر خاصیّت بھی دوزخ کے آلام وتکالیف کی پیدا ہوگئی۔ سبب اور مسبب، علّت اور معلول لازم اور ملزوم میں مناسبت کا ہونا ظاہر ہے۔

ایک شخص باغ کی طرف جا رہا ہے ہر قدم پر اس کو باغ کی ٹھنڈک اور خُوشبو کا لُطف مَست کئے دیتا ہے اور بقدرِ قرب اس لُطف میں ترقی ہوتی رہتی ہے چونکہ اس کا ہر قدم سبب ہے باغ میں پہنچنے کا اس لئے باغ کے انعام کا عکس اور پرتو فیضان اس کو ہر قدم میں محسوس ہو رہا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی ایسی منزل کی طرف جا رہا ہے جہاں آگ لگی ہوئی ہے تو ہر قدم پر اس کو آگ اور دھوئیں کی تکلیف میں اضافہ محسوس ہوتا رہے گا۔ پس ہر گناہ دُوزخ کی طرف اور ہر نیکی جنّت کی طرف بمنزلہ قدم ہے۔

در بیانِ علاجِ نارِ شہوت

چہ کُشد ایں نار را نورِ خدا　　نورِ ابراہیم را ساز اوستا

دشمنِ راہِ خدا را خوار دار　　دزد را منبر منہ بر دار دار

(۱) نارِ شہوت کی تشبیہ نارِ دوزخ سے دینے کے بعد اس کے بجھانے کا علاج یہ بیان فرمایا کہ دوزخ کی آگ کو جس چیز سے سکون ہوگا اسی سے نارِ شہوت کو بھی سکون مل سکتا ہے جیسا کہ دونوں کا رابطہ اور علاقہ اوپر مذکور ہو چکا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ دوزخ میں جب تمام اہلِ دوزخ بھر دیئے جائیں گے تب بھی دوزخ کا پیٹ نہ بھرے گا اور ھل من مزید کہتی رہے گی یعنی کیا اور کچھ بھی ہے کا نعرہ لگاتی رہے گی یہی حال ہمارے شہوات کا ہے کہ جتنا ہی گناہ کرتے جاؤ گے اتنا ہی گناہ کی خواہش بڑھتی جاوے گی اگرچہ شیطان کان میں یہی کہتا رہتا ہے کہ بس ایک مرتبہ یہ گناہ اور کر لو تو دل بھر جاوے گا۔ پھر کبھی مت کرنا لیکن اس فریب اور دھوکہ میں آنا سخت حماقت ہے ہر گناہ سبب مزید گناہوں کا ہو جاتا ہے تو دوزخ کے نعرۂ ھل من مزید کا علاج حق تعالیٰ کی طرف سے یہ کیا جاوے گا کہ حق تعالیٰ شانہٗ دوزخ پر اپنا قدم مبارک رکھ دیں گے جس کی حقیقت کا پتہ عالمِ آخرت ہی میں چلے گا کہ اس قدم کا کیا مفہوم ہے پس دوزخ کا پیٹ بھر جاوے گا اور ھل من مزید کا نعرہ، نعرۂ قط قط یعنی بس بس سے تبدیل ہو جاوے گا۔ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی علاج نفس کی خواہشات کے دوزخ کے لئے تجویز فرمایا ہے کہ اس آگ کو بھی تعلق مع اللہ کا نور ہی بجھا سکتا

ہے۔ نفس کا پیٹ بھرنے کا علاج کثرت گناہ ہرگز نہیں ورنہ ہر گناہ کے بعد ھل من مزید کہے گا۔ پس علاجِ واحد صرف یہی ہے کہ کسی صاحب نسبت بزرگ سے تعلق پیدا کیا جاوے اور اس کی صحبت سے انوارِ دل میں حاصل کیے جائیں۔ وہی بتائے گا کہ دِل میں نور کس طرح آتا ہے۔ اللہ کا نور اس قدر قوی ہوتا ہے کہ دوزخ کو بھی ٹھنڈک سے تبدیل کر دے یہی وجہ ہے کہ جب اہل ایمان دوزخ پر بذریعہ پل صراط عبور کریں گے تو دوزخ سے آواز آئے گی۔ جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَکَ تُطْفِئُ نَارِیْ اے مومن! جلد گذر جا تیرا نور میری آگ کو بجھائے دیتا ہے۔ اسی نورِ الٰہی کا اعجاز تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نمرود ملعون نے آگ میں ڈالا تو وہ آگ گلزار بن گئی۔

(۲) نفس جب دشمن راہ خدا ہے تو دشمن کو ذلیل وخوار رکھنا چاہیئے۔ اس کا کہنا مان کر اس کو خوش کرنا اور طاقت ور کرنا نادانی ہے۔ کہیں چور کو بھی منبر عزت پر بٹھاتے ہیں اس کی جگہ تو دار ہے۔ اسی مضمون کو ایک بزرگ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

بھروسہ کچھ نہیں اس نفسِ اَمّارہ کا اے زاہد
فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا
نفس کا مارِ سخت جان دیکھ ابھی مرا نہیں
غافل اِدھر ہوا نہیں اس نے اُدھر ڈسا نہیں

در بیانِ حصولِ رزق

اَے دَوِیدہ سُوئے دُکّاں اَز پگاہ — ہِیں بہ مسجد رَو بجو رِزق اَز اِلٰہ

آنکہ اُو اَز آسماں بَاراں دِہَد — ہم تُو اَند گُور رَحمت نَاں دِہَد

رِزقِ اَز وَے جُو مَجُو اَز زَید و بَکر — مَستی اَز وَے جُو مَجُو اَز بَنگ و خَمر

ترجمہ و شرح:

(۱) اے وہ شخص جو علی الصباح دوکان کھولنے کے لئے دوڑتا ہے تجھ کو چاہیئے کہ پہلے مسجد جاکر رزاق حقیقی سے روزی طلب کر رزق کی پریشانی دُور کرنے کے لئے صرف دروازہ اسباب کو نہ کھٹکھٹا بلکہ اسباب و تدابیر کے خالق سے رابطہ قائم کرتا کہ وہ مسبب حقیقی اس سبب کو مُفید نتیجہ سے ہم آغوش کر دے۔ فی نفسہ اسباب و تدابیر حکمِ الٰہی کے خلاف تجھ کو کچھ مُفید نہ ہوں گے۔ جس طرح ایک دیوار نے کھونٹے سے کہا کہ تو میرا جگر کیوں پھاڑے دیتا ہے مجھے اذّیت نہ دے۔ کھونٹے نے جواب دیا کہ مجھ سے کیا فریاد کرتی ہے اُس سے فریاد کر جو مجھے ٹھونک رہا ہے اگر وہ ٹھوکنا بند کر دے تو مَیں تیرے لئے کچھ بھی باعث اَلم نہیں کہ مجبُور بدست ٹھونکنے والے کے ہوں۔ اسی مضمون کو کسی عربی شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

قَالَ الْجِدَارُ لِلْوَتَدِ لِمَ تَشُقُّنِیْ
قَالَ الْوَتَدُ اُنْظُرْ اِلٰی مَنْ یَّدُقُّنِیْ

(۲) جو ذات پاک کہ آسمان سے بارش برساتی ہے وہ قادر ہے کہ اپنی رحمت

سے تجھے روٹی بھی عطا فرمادے۔

(۳) رزق کو رزّاق حقیقی سے طلب کرو محض زید و بکر پر نظر کو محصور و محدود مت رکھو یعنی رزق کے دروازوں سے نگاہ کو آگے بڑھاؤ اور ان تدابیر کے دروازوں سے جو ذات روزی دینے والی ہے اس سے رابطہ قائم کرو اور استغفار کر کے اس کو راضی کرو کہ یہ کمی کسی گناہ کے سبب نہ ہو اور کیفیاتِ مستی کو حق تعالیٰ سے طلب کرو کہ انہیں کی عطا فرمودہ کیفیات دائمی و سرمدی اور باعثِ فلاح ہو سکتی ہیں۔ بھنگ اور شراب کا نشہ تو عارضی باعث دردسری و رسوائی دوجہاں ہے۔ برعکس حق تعالیٰ شانہٗ کی محبت کا لطف اور اس کا نشہ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ کی غزلیات میں ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں ؎

از یں مے جرعۂ پاکاں چشیدند ۔۔۔ جنید و شبلی و عطار شد مست

نہ تنہا اندریں مے خانہ مستم ۔۔۔ ازیں مے ہمچو من بسیار شد مست

(۱) محبت الٰہیہ کی مے (شراب معرفت) پاک بندے پیتے ہیں چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اور بابا فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ وامثالہم اسی مئے معرفت سے مست ہوئے تھے۔

(۲) میں ہی تنہا مے خانہ محبت و معرفت الٰہیہ کا مست نہیں ہوں بلکہ مثل میرے اور بے شمار بندگان خدا اس نعمت رشکِ ہفتِ اقلیم سے باریاب ہوتے۔

عظمتِ شانِ عشقِ حقیقی و کیفیات احوالِ باطنی

بر کفِ من نِہ شرابِ آتشیں
بعد ازیں کرّ و فرِ مستانہ بیں

بادہ در جوشش گدائے جوشِ ماست
چرخ در گردش اسیرِ ہوشِ ماست

نعرۂ مستانہ خوش می آیدم
تا ابد جاناں چنیں می بایدم

ترجمہ و شرح :

(۱) اے اللہ! میرے ہاتھ پر شرابِ آتشیں (شرابِ محبّت و معرفت) رکھ دیجئے یعنی اپنی محبّت کا ایک ذرّہ درد ہماری جان میں ڈال دیجئے پھر ہماری مستی و دیوانگی کا تماشہ آپ دیکھیں ۔

تو نیز بر سرِ بام آکہ خوش تماشائے ایست

(۲) شرابِ دُنیا کی فانی مستی و بے خودی عارفینِ حق کی دائمی جوش و مستی کے سامنے مثلِ گدا و محتاج ہے ۔ چنانچہ جس وقت روئے زمین پر اللہ اللہ کرنے والے نہ رہیں گے تو قیامت آجاوے گی اس وقت اہلِ دُنیا لذاتِ دُنیا سے محروم ہوجاویں گے ۔ پس کافروں کا تمام ترعارضی عیش حتیٰ کہ ایک ٹکڑا روٹی اور ایک گھونٹ پانی کا ملنا بھی تقریرِ مذکور کی بناء پر اللہ والوں ہی کے وجود اور انہیں کے دم پر موقوف اور آسمان اپنی گردش کے وسیع دائرہ کے باوجود ہمارے ہوش کا قیدی ہے اور قیدی قیدخانہ سے چھوٹا ہوتا ہے پس مومن کی رُوحانی

وسعت کے سامنے وسعت ہفت آسمان بھی کمتر اور بے قدر ہے۔ حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

عجب کیا گر مجھے عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

حدیث قدسی میں ہے کہ میں نہیں سمایا آسمانوں اور زمینوں میں لیکن مومن کے دل میں مثلِ مہمان کے جلوہ گر ہوجاتا ہوں ۔

دَرْ دِلِ مُومِنْ بِگُنْجِیْدَمْ چُوْ ضَیْفْ

امانتِ الٰہیہ کو آسمانوں اور زمینوں نے اُٹھانے سے بوجہ ضعفِ تحمل ڈر کر اِنکار کردیا **وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ** اور انسان نے اس کو اُٹھالیا پس عارفین کی روحوں میں قربِ حق و رابطۂ خاص مع الحق کے فیضان سے جو وسعت پیدا ہوتی ہے اس کے سامنے تمام وسعت کائنات بے قدر ہوجاتی ہے ۔

دَرْ فَرَاخِ عَرْصَۂِ آں پَاکْ جَاں　　تَنْگْ آیَدْ عَرْصَۂِ ہَفْتْ آسْمَاں
چُوْ سُلْطَانِ عِزَّتْ عَلَمْ بَرْ کُشَدْ　　جَہَاں سَرْ بِجَیْبِ عَدَمْ دَرْ کُشَدْ

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
وہ ہم کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

وہ سلطانِ حقیقی جس دل میں اپنی محبت و معرفت کا جھنڈا نصب فرمادیتے ہیں اس کی شان و شوکت کے سامنے تمام کائنات جیبِ عدم میں اپنا سر ڈال دیتی ہے اسی حال کو وحدت الوجود سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی حق تعالیٰ کی جلالت و عظمت کا اس قدر قوی استحضار و مشاہدہ کہ تمام ماسویٰ سے نظر اُٹھ جاوے اور

دل بمصداق اس شعر کے ہو جاوے ۔

دِل مرا ہو جائے اِک میدان ہُو
تُو ہی تُو ہو تُو ہی تُو ہو تُو ہی تُو

ما ہمہ فانی و باقی نیستیم
پس چرا پیشت بہستی ایستیم

ترجمہ: جب ہم سب فانی ہیں اور ہمارے وجود کو بقاء و دوام نہیں تو اے اللہ! آپ کے سامنے اپنے فانی وجود کو ہم کس طرح وجود کا مصداق سمجھیں۔

رہتے ہیں ہم جہاں میں یوں جیسے یہاں کوئی نہیں

اسی حال کا نام غلبۂ توحید اور وحدۃ الوجود ہے۔ جہلاءِ صُوفیہ نے اس مسئلہ کو خواہ مخواہ ایک معمہ اور عجوبہ بنا رکھا تھا مگر حضرت حکیمُ الاُمّت مجدّدُ الملّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات سے یہ تمام عجوبے اور معمے جو مجالس صُوفیائے غیر محققین میں دقائق و اسرار و رموز صدریہ سے تعبیر کئے جاتے تھے وہ سب شریعت اور وحی کے غُلام بن کر اُمّت کے سامنے درخشاں ہو گئے۔

(۴) اے اللہ! آپ کی محبّت و معرفت کے سرمدی اور دائمی کیف بے خودی سے سرشار ہو کر نعرۂ مستانہ لگانے کے لئے میری جاں مضطر ہر وقت مشتاق رہنا چاہتی ہے اور قیامت تک اے محبُوبِ حقیقی! میری جان اسی نعمت دیوانگی رشکِ نعمت دو جہاں سے مشرف رہنا چاہتی ہے۔

دربیان راہ مخفی درمیان قلوب
برائے حصول فیضان

کہ ز دل تا دل یقیں روزن بود	نے جدا و دُور چوں دو تن بود
متصل نبود سفالِ دو چراغ	نورِ شاں ممزوج باشد در مساغ
شیخ نورانی ز رہ آگہ کند	نور را بالفظہا ہمرہ کند
گر تو سنگِ خارہ و مرمر بوی	گر بصاحبدل رسی گوہر شوی
مہر پاکاں درمیانِ جاں نشاں	دل مدہ الّا بمہرِ دل خوشاں

ترجمہ و شرح :

(۱) ایک دِل سے دوسرے دِل تک بالیقین مخفی راہ ہے اگرچہ جسم دونوں کے الگ الگ اور ایک دوسرے سے دور نظر آتے ہیں۔

(۲) مضمون بالا کو اس تمثیلی دلیل سے بخوبی واضح کیا جاسکتا ہے کہ دو چراغوں کے اجسام (دیئے) علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں لیکن فضاء میں دونوں کی روشنی مخلوط یعنی ملی جُلی ہوتی ہے اور کوئی ایسی حدِ فاصل نہیں ہوتی کہ امتیاز دونوں کی روشنی میں ظاہر کرے۔

(۳) شیخ صاحبِ نورِ باطن طالبین کو راہِ حق بھی دکھاتا ہے اور علوم ہدایت کے ساتھ ساتھ اپنے نورِ باطن کو بھی اپنے الفاظ کے ہمراہ طالبین کے قلوب میں داخل کردیتا ہے۔ یہی وہ تاثیرِ صحبت ہے جس کو کیمیا کہا جاتا ہے۔ اور لایشقی جلیسہم

کے پیغام کا مفہوم بھی واضح ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ ایسے رفقاء و جلساء ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا شقی نہیں رہتا یعنی ان کے انوار صدق و یقین سے شقاوت مبدّل بسعادت ہوجاتی ہے۔

(۴) پس اگر تمہارا دِل گناہوں کی نحوست اور ظلمت سے بالکل تباہ ہوکر مثلِ پتھر کے قبول ہدایت کی صلاحیت سے محروم ہوچکا ہو تب بھی تم مایوس نہ ہو تم کسی صاحب دِل خدا رسیدہ کی صُحبت میں چند دن رہ پڑو پھر دیکھو گے کہ وہی دل جو پتھر کی طرح بے قدر اور سخت قاسی و غافل تھا اب حق تعالیٰ کی محبت و معرفت و تعلق خاص سے مشرف ہوکر آبدار بیش بہا موتی بن گیا۔

(۵) جب اللہ والوں کی صُحبت میں ایسی تاثیر موجود ہے تو پھر ہمیں ان پاک بندوں کی محبت کو کہاں رکھنا چاہیئے؟ کیا زبان پر؟ نہیں آگے بڑھو! دماغ میں؟ نہیں اور آگے بڑھو! دِل میں؟ ابھی اور آگے بڑھو! جان میں؟ ہاں جان میں! مگر جان کی سطح ظاہر پر نہیں وسطِ جان میں ان کی محبّت کو پیوست کرلو۔ مہر پاکاں درمیان جاں نشاں کا یہ مفہوم ہے۔ اس کے بعد دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں، دل مدہ الا بمہر دل خوشاں۔ دل کسی کو مت دینا مگر انہیں پاک بندوں کو کہ جن کے دِل حق تعالیٰ کی محبّت اور تعلق خاص کے انوار سے اچھے ہوگئے ہیں یہ بڑے ہی باوفا دوست ہیں ان کی رفاقت کی تحسین پر قرآن پاک کی شہادت ہے۔ میاں فرمارہے ہیں۔ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ارے یہ انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین نہایت اچھے رفیق ہیں۔ یہ ایسے اچھے رفیق ہیں کہ اُن کی رفاقت فی الدُّنیا رفاقت فی الآخرۃ سے تبدیل ہوجاتی ہے یعنی جو دُنیا میں ان

کو اپنا رفیق بنالے گا اس کو جنت میں بھی انہیں کا ساتھ نصیب ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو جنّت کے اعلیٰ مقام پر ہوں گے اور ہمارے اعمال ہم کو اس مقام پر لے جانے کے قابل نہیں اور آپ سے دوری کا عذاب عشاق کے لئے عذاب دوزخ سے کم نہیں تو ہماری جنّت تو آپ کے بغیر جنّت نہ ہوگی۔

ارشاد فرمایا کہ گھبراؤ نہیں اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ہر شخص اسی کے ساتھ رہے گا جس سے اس کو محبت ہے۔

در بیانِ حکمتِ شقِّ جبلِ طور از تجلّیِ ربّانی بزبانِ عشقِ رومی رحمۃ اللہ علیہ

بر برونِ کُہ چو زد نورِ صمد	پارہ شد تا در درونش ہم زند
گرسنہ چوں بر کفش زد قرصِ ناں	واشگافد از ہوس چشم و دہاں
صد ہزاراں پارہ گشتن ارزدیں	از میانِ چرخ برخیز اے زمیں

ترجمہ و شرح:

(۱) طور پہاڑ کی سطح ظاہر پر جب حق تعالیٰ شانہٗ نے تجلّی فرمائی تو پارہ پارہ ہو گیا تا کہ نورِ محبوب حقیقی سطح ظاہری سے نزول کرکے اس کے باطن میں داخل ہو جائے اور ہر ذرہ طور کو شرفِ تجلّی حاصل ہو جائے۔

آجا مری آنکھوں میں سما جا مرے دِل میں

② اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیئے کہ کئی روز کے فاقہ زدہ بھوکے انسان کے ہاتھ پر اچانک روٹی رکھ دی جاوے تو غلبۂ حرص و شدتِ بھوک سے وہ اپنی آنکھیں اور مُنہ بھی پھیلا دیتا ہے۔ پس طور بھی میاں کی تجلّی کا مشتاق تھا موقع کو غنیمت سمجھ کر پارہ پارہ ہوگیا کہ تجلّی قلب طور تک داخل ہوجاوے۔

③ اس محبوبِ حقیقی کے لئے لاکھوں ٹکڑے ہوجانا بھی اولیٰ ہے۔ پس اے زمین تو آسمان کو تاریک مت کر۔ درمیان سے اُٹھ جا۔ اہلِ ہیئت کی تحقیق پر مولانا نے یہ مثال بیان فرمائی نُوْرُ الْقَمَرِ مُسْتَفَادٌ مِّنْ نُوْرِ الشَّمْسِ یعنی چاند کی روشنی ذاتی نہیں بلکہ آفتاب کی روشنی سے چاند روشن ہوتا ہے۔ اور زمین آفتاب اور چاند کے درمیان جس قدر حائل ہوتی جاتی ہے۔ چاند کا اس قدر ٹکڑا بے نور اور سیاہ ہوجاتا ہے یہاں تک کہ جب زمین کی حیلولت بالکل آفتاب اور چاند کے محاذاۃ میں ہوجاتی ہے تو چاند بالکل بے نور ہوجاتا ہے۔ اس مثال سے مراد مولانا کی یہ ہے کہ اے لوگو! تمہارا نفس مثل زمین کے تمہارے قلب اور آفتاب حق کے درمیان حائل ہے اس وجہ سے تمہارا دِل تاریک ہے۔ جس قدر تم اپنے نفس کو مٹاتے چلے جاؤ گے دل منوّر بنور آفتاب حقیقی یعنی نور باری تعالیٰ شانہٗ سے منور ہوتا چلا جاوے گا۔

جو حضرات منتہی صاحب ارشاد ہیں ان کے اندر بھی نفس کا جتنا حصہ باقی رہ گیا اور اس کے افناء میں انھوں نے مجاہدہ عبورِ دریائے خون سے تسامح اور تغافل اختیار کیا اور شیخ کامل کے قدموں سے اپنے نفس کو خوب پامال نہ کرایا ان

کے صاحب ارشاد و تلقین ہونے کے باوجود انکے علوم و معارف اور ارشادات اِس قدر خاک آلود ہوں گے جس قدر ان کا نفس زندہ ہے۔ برعکس جس نے مجاہدۂ تامہ سے نفس کو بالکلیہ فنا کر دیا اس کے دل کا چاند عدم حیلولۃِ زمینِ نفس سے پورے دائرہ کے ساتھ روشن ہو کر بدرِ کامل ہو جاتا ہے اور ایسے شخص کا ایک جملہ بھی دس گھنٹے کے وعظ سے زیادہ اثر رکھتا ہے اور اس کے ارشادات ظلمتِ نفس سے صاف محض نور ہی نور ہو کر طالبین کے دلوں اور ان کی جانوں میں عرفان و یقین کی وہ کیفیت راسخہ اتنی قلیل مدت میں پیدا کر دیتے ہیں کہ دوسروں کے پاس مدۃ العمر بھی وہ دولت نصیب نہیں ہوتی ہے پس یوں سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا شخص صدّیق ہوتا ہے۔ اس کے قلب کا پورا دائرہ فنائے نفس کے سبب نورِ یقین، نورِ صدق و اخلاص سے منور ہو جاتا ہے اِس قدر تفصیل کے بعد اب الفاظ سے اس نعمت کو نہیں بیان کیا جا سکتا۔ حق تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص فرما لیتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ اٰمین۔

در بیانِ احوالِ قیامت و شہادتِ اعضا برجرائم

روزِ محشر ہر نہاں پیدا شود ہم زخود ہر مجرمے رسوا شود

دست و پا بدہد گواہی در بیاں برفسادِ خود بہ پیشِ مستعاں

دست گوید من چنیں دزدیدہ ام لب بگوید من چنیں بوسیدہ ام

چشم گوید کردہ ام غمزہ حرام گوش گوید چیدہ ام سوء الکلام

پا بگوید من شدستم تا منیٰ　　فرج گوید من بکردستم زنا

عالمِ اوّل برائے امتحاں　　عالمِ ثانی جزائے این و آں

ترجمہ و شرح :

(۱) قیامت کے دن ہر مخفی عمل ظاہر ہو جاوے گا اور ہر مجرم خود اپنے اعضاء کی گواہی سے رسوا ہو جاوے گا۔ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ۔

ترجمہ : قیامت کے روز زبانوں پر مہر سکوت ثبت کر دی جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں ہم سے اپنے اعمال بیان کریں گے۔

(۲) ہاتھ اور پاؤں بولنے لگیں گے اور اپنے اعمالِ مجرمانہ حق تعالیٰ کے روبرو پیش کریں گے۔

(۳) ہاتھ کہے گا میں نے اس طرح چوری کی ہے۔ لب کہیں گے ہم نے اس طرح نامحرموں کا بوسہ لیا ہے۔

(۴) آنکھ کہے گی میں نے حرام اشارہ بازی کی ہے کان کہے گا میں نے بُرے بُرے گانے اور بُری باتیں سُنی ہیں۔

(۵) پاؤں کہے گا کہ میں گناہ کے مواقع تک چل کر گیا ہوں اور شرمگاہ کہے گی کہ میں نے زنا کیا ہے۔

(۶) یہ عالم دنیا امتحان کے لئے ہے دوسرا عالم آخرت جزاء و سزا کے لئے ہے۔

در بیانِ مذمّت حُبِ شہرت و نام و نمود

خویش را رنجور ساز و زار زار		تا ترا بیروں کنند از اشتہار
اشتہارِ خلق بند محکم است		قیدِ ایں از بندِ آہن کے کم است
آہ را جز آسماں ہمدم نبود		راز را غیرِ خدا محرم نبود

ترجمہ و شرح:

① اپنے کو شکستہ اور اس طرح بے سروساماں رکھو کہ مخلوق تم کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دے اور شہرت سے باہر نکال دے۔

② مخلوق میں مشہور ہوجانا اللہ کے راستہ میں بہت ہی مضبوط زنجیر ہے اور یہ زنجیر لوہے کی زنجیر سے کم نہیں ہے خلوۃ کا محبوب ہونا اور شہرت سے متوحش رہنا عین مذاق نبوۃ ہے اور عین مقامِ تبتّل ہے۔ البتہ منجانب اللہ بدون طلب شہرت مُضر نہیں ؎

ہم نے اپنے کو گُم کیا تھا آہ		میرا شہرہ اُڑا دیا کس نے

③ عاشق کو تنہائی ایسی درکار اور مطلوب ہے کہ اس کی آہ کا بجز آسمان کے کوئی اور سُننے والا نہ ہو اور اس کے رازِ محبت کا بجز محبوبِ حقیقی تعالیٰ شانہٗ دوسرا محرم نہ ہو۔

مشورہ با گروہِ صالحاں

مشورہ کن با گروہِ صالحاں		بر پیمبر امر شاورہم بداں

ایں خِرَدہا چوں مَصابیح اَنوَرَست	بِیست مِصباح از یکے رَوشن تَراَست
بَہرِ ایں کَردست مَنع آں باشکوہ	از تَرَہُّب وَز شُدَن خَلوَت بکوہ
رَاہِ سُنّت بَاجماعت خُوش بُوَد	اَسپ بَا اسپاں یقیں خُوشتَر رَوَد
تَا نَہ گَردد فَوت ایں نَوعِ اِلتقا	کاں نَظَر بَخت اَست وَ اکسیرِ بقا
غَیرتِ حق پَردۂ انگیختہ	سِفلی و عِلوی بَہم آمیختہ

ترجمہ و شرح:

① صالحین سے مشورہ کرتے رہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی مشورہ کرنے کا حکم نازل فرمایا گیا شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (الآیۃ)

② یہ عقلیں مثلِ چراغ کے روشنی رکھتی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک چراغ کی روشنی سے بیس چراغوں کی اجتماعی روشنی زیادہ اور قوی النور ہوگی۔ یہی صورت تازگی ایمان کی ہے کہ جب کوئی مومن ضعیف الایمان دوسرے مومن قوی الایمان و صاحب یقین کامل کی صحبت میں بیٹھتا ہے تو قوی ایمان کی روشنی سے ضعیف ایمان کی روشنی بھی قوی تر ہو جاتی ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے جب وہ عبادتِ نافلہ کے لئے اُٹھنے لگے تو میزبان صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنُ سَاعَةً میرے پاس بیٹھو ہم کچھ دیر تم سے ایمان تازہ کریں گے

③ اسی سبب سے اس باشکوہ ذاتِ گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رہبانیت کو اور خلق سے دور بھاگ کر پہاڑ اور جنگل میں خلوت نشین ہو جانے کو ممنوع فرما دیا کیونکہ صالحین کا گروہ وہاں کہاں ملے گا اور اس وجہ سے ہمیشہ

ضعیف النور رہے گا بلکہ اندیشہ ہے کہ یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی گل ہوجاوے۔

④ اور اسی سبب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری سُنّت کا راستہ جماعت کے ساتھ اچھا طے ہوتا ہے۔ جس طرح ایک گھوڑا تنہا سفر کرنے سے زیادہ چند گھوڑوں کے ساتھ عمدہ اور زیادہ خوش رفتاری سے سفر طے کرتا ہے بالخصوص جب کسی نئے گھوڑے کی چال (رفتار) درست کرتے ہیں تو پرانے گھوڑوں کے ہمراہ اس کو چلاتے ہیں اس طرح سے وہ نو آموز گھوڑا دوسرے گھوڑوں کی آواز (ٹاپ) سُن کر خود بخود بآسانی اپنے قدموں کو اسی انداز پر خوش رفتاری کا خوگر کرلیتا ہے اور تنہا گھوڑے کو اس کے بدون یہی مشق اور تمرین ہزاروں چابکوں کی ضرب سے بھی حاصل کرنا مشکل اور عادۃً محال ہوتی ہے بالکل اسی طرح جو شخص اللہ کے راستہ کو تنہا قطع کرنا چاہتا ہے عمر تمام ہوجاتی ہے اور منزل سے محروم رہتا ہے اور صالحین کی صحبت میں نہایت آسانی سے اور پُرلطف طور پر یہ راستہ طے ہوجاتا ہے اور اس طریق کی کامیابی پر قرآن واحادیث کے شواہد ہیں اور اولیاءِ اُمّت سے اس طریق پر کامیابی کا حصول تواتر سے ثابت ہے۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُجَرِّبْ۔

⑤ اور رہبانیت ومطلق خلوۃ نشینی بکوہ وبیابان کو ممنوع فرمانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ یہ صالحین کی صُحبت سے محرومی کا باعث ہوتی اور نظر مقبولانِ الٰہی سے جو تاثیر اور تبدیلِ احوال میں کیمیا ہے ایسی خلوۃ محروم کردیتی ہے۔

⑥ غیرتِ حق نے امتحان کے لئے پردہ ڈال دیا ہے اور نیکوں اور بدوں کو دُنیا میں مخلوط رکھا ہے یعنی دونوں گروہ اسی زمین پر ملے جُلے زندگی بسر کرتے

ہیں صرف اہلِ بصیرت مقبولانِ الٰہی کو پہچانتے ہیں ؎

قدر مجذوب کی خاصانِ خدا سے پوچھو
شہرۂ عام تو اِک قسم کی رسوائی ہے

دَر بَیَان تواضع بے محل و تکبّر بے محل

اے تواضع بُردہ پیشِ ابلہاں | اے تکبر کردہ تو پیشِ شہاں
سیر چشماں را گدا پنداشتن | وز حسد شاں خفیہ دشمن داشتن
گر گدایاں طامع اند و زشت خو | در شکم خواراں تو صاحبدل بجو
در تگ دریا گہر با سنگہاست | فخر ہا اندر میانِ ننگہاست
ہاں و ہاں ایں دلق پوشانِ من اند | صد ہزار اندر ہزاراں یک تن اند

ترجمہ و شرح:

(۱) اے شخص کہ تو تواضع کرتا ہے دُنیاداروں کے ساتھ تاکہ ان کو خوش کرکے حقیر دُنیا (جاہ یا مال) حاصل کرے اور تکبّر کرتا ہے ایسے مقبولانِ الٰہی سے جو بظاہر خستہ و شکستہ حال اور بباطن رشکِ سلاطین ہیں۔

(۲) یہ مقبولانِ الٰہی جن کے قلوب تمام دُنیا و مافیہا کی حرص و طمع سے آزاد ہو چکے ہیں اِن سیر چشموں کی ظاہری حالتِ فقر و مسکنت کو دیکھ کر تو ان کو گداگر اور بھک منگا سمجھتا ہے اور ان کے ساتھ حسد کے سبب دل میں ان سے دُشمنی رکھتا ہے جیسا کہ بعض اہلِ ظاہر علم کے باوجود مقبول بندوں کی مقبولیت پر حسد کرتے ہیں۔

③ اگرچہ گدایاں یعنی فقراء کی اکثریت لالچی اور بدخو ہے لیکن انہیں شکم خواروں میں اہلِ دل بھی تلاش کرنے سے مل جاتے ہیں یعنی اہلِ دل اور صاحبِ کمال بندے بھی انہیں فقیروں کے بھیس میں اپنے کو مٹاتے ہوئے چھپے ہوئے ہیں اگر تم گداگروں کی طمع اور زشت خوئی کے سبب سبھی سے متوحش اور متنفر ہو جاؤ گے تو اہلِ کمال اور اہلِ دل سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔

④ کیا تم دیکھتے نہیں کہ دریا کی گہرائی میں موتی دوسرے پتھروں کے ساتھ مخلوط ہوتا ہے پس اگر تم سبھی پتھروں اور کنکریوں کو نظر انداز کر دو گے تو موتی سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔ سمجھ لو کہ انہیں بے نام ونشان اور بے قدر خستہ حالوں میں بہت سے اہلِ فخر وصاحبِ کمال بھی موجود ہیں۔

⑤ مولانا رومی حکایۃً عن الحق بیان فرماتے ہیں کہ اے لوگو! خبردار! خبردار! یہ گدڑی پوش بندے ہمارے خاص بندے ہیں اور ہمارے تعلّق خاص کی برکت واعزاز سے ان کی تنہا شخصیت ایک لاکھ انسانوں کے برابر ہے۔

در بیانِ استقامت وسعیِ مسلسل واحتراز از مایوسی

گُفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے ۔۔۔ عاقبت بینی ازاں در ہم سرے

گر نشینی بر سرِ کوئے کسے ۔۔۔ عاقبت بینی تو ہم روئے کسے

تشنگاں گر آب جویند از جہاں ۔۔۔ آب ہم جوید بہ عالم تشنگاں

گر زچاہے می کُنی ہر روز خاک ۔۔۔ عاقبت اندر رسی در آبِ پاک

بالِ و پر ما کُند عشقِ اوست ۔۔۔ مُو کشانش می کشد تا کوئے دوست

گر تو طالب نیستی تو ہم بیا ۔۔۔ تا طلب یابی ازیں یارِ وفا

ترجمہ و شرح :

(۱) پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم مسلسل کسی دروازہ کو کھٹکھٹاتے رہو گے تو ایک دن ضرور ایسا آئے گا کہ تم اس دروازہ سے کوئی سر دیکھو گے۔

(۲) اگر تم کسی گلی کے سرے پر جم کر بیٹھ رہو گے تو اس گلی سے ضرور ایک دن تم کو کوئی چہرہ نظر آوے گا۔

نوٹ : دونوں اشعار کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی راہ میں مسلسل سعی کرتے رہو ایک نہ ایک دِن ضرور آغوشِ رحمت تمہارے لئے اپنا دامن وا کرے گی اور تم پر نظرِ عنایتِ خاص ضرور ڈالی جائے گی۔ مُجاہدہ شرط ہے ۔

در بعقل ادراک ایں ممکن بدے

قہرِ نفس از بہرِ چہ واجب شدے (رومی)

اگر اس قربِ خاص کا درجۂ تحقیق میں ادراک صرف عقل سے ممکن ہوتا تو نفس پر مُجاہدہ کیوں فرض ہوتا ۔

(۳) پیاسے اگر جہان سے پانی ڈھونڈتے ہیں تو پانی بھی اپنے پیاسوں کو تلاش کرتا ہے ۔

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے

قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں (جگرؔ)

نہ میں دیوانہ ہوں اصغرؔ نہ مجھ کو ذوقِ عریانی

کوئی کھینچے لئے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو　　(اصغرؔ)

(۴) اگر تم کسی کنوئیں سے مُسلسل مٹی نکالتے رہو گے تو ایک نہ ایک دن ضرور تم کو آبِ صاف کا وصال نصیب ہو جائے گا اور قبل وصول آثارِ وصول شروع ہو جائیں گے جن سے تم کو ہمت و حوصلہ افزائی اور ترقی فی المُجاہدہ کی توفیق ہوگی اور نااُمیدی سے حفاظت رہے گی۔ چنانچہ کنواں کھودنے والا جب مٹی میں نمی اور تری کا مشاہدہ کرتا ہے تو خوش ہو جاتا ہے کہ بس اب پانی قریب ہے۔ پھر پانی اور مٹی مخلوط یعنی کیچڑ جب نکالتا ہے تو سمجھتا ہے کہ بس اب پانی بہت ہی قریب ہے اور تھوڑی محنت کے بعد صاف پانی کا سرچشمہ پالیتا ہے۔ یہی حال سالک کا ہے سلوک میں اولاً بالکل خشک اور بے کیف ذکر اور مُجاہدہ شروع کرتا ہے۔ کچھ دن کے بعد اس کے ذکر میں حق تعالیٰ کی محبت کی نمی اور تری نمایاں ہونے لگتی ہے اور اس کی یہ لذت اور درد کی مٹھاس اس کی ہمت و حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ ایک مدت کے بعد کیچڑ کا درجہ آجاتا ہے۔ اب نمی سے ترقی ہوئی یعنی ذکر میں اللہ کی محبت کی حلاوت اور زیادہ ہو جاتی ہے لیکن انوارِ ذکر رُوح میں ابھی خالص نہیں ہوتے بلکہ ظلمتِ معاصی سے مخلوط ہوتے ہیں۔ اس حالت میں وہ اپنے نفس کی کھدائی اور تیز کر دیتا ہے یعنی مُجاہدہ تیز کر دیتا ہے اور تقویٰ کامل کا اہتمام کرتا ہے تاکہ اس آبِ غیر صاف سے (قربِ ناقص سے) مٹی (ظلمتِ معاصی) بالکلیہ الگ ہو جائے اور آبِ صاف (قربِ خاص) نصیب ہو جائے اور سالک سمجھ جاتا ہے کہ اب پانی کی منزل قریب تر ہے پھر کچھ مدت مُجاہدات

معمولات ذکر پر استقامت کی برکت سے یہ کیچڑ جس میں کہ پانی مغلوب اور مٹی غالب تھی ختم ہو جاتی ہے اور اب پانی غالب اور مٹی مغلوب ہو جاتی ہے جس کو گدلا پانی کہتے ہیں یعنی روح میں اب انوار ذکر غالب اور ظلمات معاصی مغلوب ہو جاتے ہیں۔ پھر کچھ دن کی محنت و مجاہدہ کے بعد یہ خاک آلود پانی بھی ختم ہو جاتا ہے اور سالک آبِ صاف سے (وصول تام اور قربِ خاص سے) مشرف ہو جاتا ہے۔ اِس کیفیت کو بس اتنا ہی سمجھ لینا چاہیئے کہ جب پانی اور مٹی مخلوط تھا اس وقت حالت سالک کی یہ تھی کہ مست ہو رہا تھا۔

جُرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کُند
صاف گر باشد ندانم چوں کُند

(رومیؒ)

خاک آمیز جُرعہ جب مجنوں کر دیتا ہے تو اگر صاف ہو گا تو نہ جانے کیا کچھ کیف پیدا کرے گا۔ اَللّٰھُمَّ اٰتِنَا نَصِیْبًا مِّنْہُ۔ اٰمِیْن۔ یہ صاف جُرعہ متقین کاملین اور صدیقین کا حصّہ ہے ورنہ معاصی ہمارے جُرعۂ نور کو خاک آلود اور ظلمت آلود کر دیتے ہیں اور صاف جُرعہ یعنی قُربِ خاص نصیب ہونے پر عُلوم خاصہ اور وارداتِ غیبیہ سے قلب مُشرف ہوتا ہے اور کدوراتِ نفسانیہ سے اس کے انوار علوم صاف ہوتے ہیں۔

۵ حق تعالیٰ کے راستہ میں ہمارے بال و پر خود حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے جذب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ترجمہ: حق تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد

فرمایا یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (الآیۃ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اولاً ہم محبت کرتے ہیں پھر ہماری محبت کا عکس تمہاری جانوں کو ہماری یاد کے لیے مضطر کرتا ہے اور تم اپنے دل میں ہماری یاد کا تقاضا محسوس کرتے ہو اور ہماری تلاش میں بے چین رہتے ہو۔ پس حق تعالیٰ کا یہ اجتذاب (کششِ غیبی) ہم کو موکشاں ان کے دربارِ خاص تک لے جاتا ہے۔

اس کی نگاہِ مہر خود مجھ کو اُڑا کے لے چلی
شبنمِ خستہ حال کو حاجت بال و پر نہیں (اصغر)

ترے کرم کی نظر کے صدقے تری نظر کے کرم کے صدقے
انوکھے ساغر ہیں جن سے مجھ کو مئے محبت پہنچ رہی ہے

محبت دونوں عالم میں یہی جا کر پکار آئی
جسے خود یار نے چاہا اسی کو یادِ یار آئی (بابا احسن)

(۶) اگر تم طالب نہیں ہو یعنی اپنے دل میں حق تعالیٰ شانہٗ کی طلب محسوس نہیں کرتے تو تم کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ تم کو بھی کسی اللہ والے کی صحبت میں جانا چاہیے تاکہ اس یارِ باوفا سے تمہیں حق تعالیٰ کی طلب و پیاس عطا ہو۔

احتراز از ترکِ عمل بسبب کوتاہیٔ عمل

دوست دارد دوست ایں آشفتگی — کوششِ بے ہودہ بہ از خفتگی

فہمِ خاطر تیز کردن نیست راہ — جز شکستہ می نگیرد فضلِ شاہ

گریۂ و زاریِ قوی سرمایہ است　　رحمتِ کُلّی قوی تر دایہ است

ترجمہ و شرح :

① بعض طالبین ذکر میں ناغہ یا وسوسوں سے تنگ آکر تمام معمولات چھوڑ بیٹھتے ہیں اس خیال سے کہ جب حضورِ قلب سے ذکر نہ ہوا یا ناغہ ہوتا رہتا ہے تو پھر اس ذکر سے کیا فائدہ ہوگا یا دل کو اطمینان نہیں فلاں کام کی فکر ہے اس فکر سے نجات حاصل کر کے پھر ذکر شروع کروں گا۔ یہ شیطان کا دھوکہ ہے اسی دھوکہ کا یہ علاج ہے۔ فرماتے ہیں حق تعالیٰ شانہٗ اپنے بندوں کی آشفتہ حالی و درماندگی اور عاجزی کو محبوب رکھتے ہیں لہٰذا اپنے اعمال کی کوتاہیوں اور ناغوں سے یا عدمِ حضورِ قلب اور کثرتِ وساوس سے تنگ آکر اعمال کو ترک نہ کرو یہ بے ہودہ اور نکمی کوشش بھی بالکل سو لیٹنے سے بہتر ہے ۔

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

ترجمہ : اللہ تعالیٰ کی راہ میں مسلسل کوشش کرتے رہو اپنی آخری سانس تک اپنے کو فارغ نہ سمجھو وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ (الآیۃ)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ناغہ بغیر کے معمولات کی پابندی یہ بھی ایک قسم ہے استقامت کی۔ نا امید نہ ہونا چاہئے کام میں بہر حال لگے رہنا چاہئے اور ارشاد فرمایا کہ اطمینان کا انتظار مت کرو جس حالت میں ہو ذکر شروع کردو۔ اطمینان خود موقوف ہے ذکر پر ذکر کامل پر اطمینانِ کامل اور ذکر ناقص پر اطمینان ناقص کا ثمرہ مرتب ہوتا ہے ۔

نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو　　تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے

ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی　　کبھی وہ دبا لے کبھی تو دبا لے

بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا ہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرے میں پھڑ پھڑائے جا
کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اس پہ ہو کیوں تری نظر
تُو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

کوتاہیٔ عمل کے سبب دل میں جو ندامت پیدا ہوتی ہے حق تعالیٰ اس ندامت اور شکستگی کو زیادہ پسند کرتے ہیں بجائے اس کے کہ اعمال کی کثرت ہو اور عجب وپندار وتکبر میں مُبتلا ہوان کی راہ میں آہ وزاری اور ندامت عاجزی ہی کام آتی ہے۔

(۲) حق تعالیٰ کی راہ میں فہم تیز کرنا کچھ کام نہیں آتا۔ شکستگی اور احساسِ ندامت ہی کی اس بارگاہ میں قدر ومنزلت ہے پس فضل شاہ حقیقی اپنے درماندوں اور عاجزوں کی دستگیری فرماتا ہے۔

(۳) ان کی راہ میں اپنی کوتاہیوں پر گریہ وزاری قوی سرمایہ ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت ایسے بندوں کے لئے جو اپنے کو ہیچ اور کمتر اور ذلیل سمجھتے ہیں قوی تر محافظ اور مربی ہے۔

شب فرقت کی تاریکی کو ہم یوں دُور کرتے ہیں
کہ اپنی آہ سے روشن چراغِ طور کرتے ہیں

در بیانِ اہتمامِ اصلاحِ باطن و اجتناب از صور پرستی کہ ایں صورِ اشیا در راہِ حق حجاب ہستند

زیں قدحہائے صور کم باش مست ۔ تا نہ گردی بت تراش و بت پرست

زیں قدحہائے صور بگذر مایست ۔ بادہ در جام است لیک از جام نیست

خانہ پُر نقشِ تصویر و خیال ۔ ایں صورہا پردہ بر گنجِ وصال

قصر چیزے نیست ویراں کن بدن ۔ گنج در ویرانی است اے میرِ من

راہِ لذت از دروں داں نز بروں ۔ ابلہی داں جستنِ قصرِ حصول

از بروں چوں گورِ کافر پُر حلل ۔ و اندروں قہرِ خدائے عزّ و جل

شاہِ جاں مر جسم را ویراں کند ۔ بعد ویرانیش آبا داں کند

قاطع الاسباب لشکرہائے مرگ ۔ ہمچو دے آید بقطعِ شاخ و برگ

آں زماں یک چاہِ شورے اندروں ۔ بہ ز صد جیحونِ شیریں از بروں

زلف جعد و مشکبار و عقل بر ۔ آخر او دُم زشتِ پیرِ خر

کودکے از حسن شد مولائے خلق ۔ بعد پیری شد خرف رسوائے خلق

چوں بہ بدنامی بر آید ریشِ او ۔ دیو را ننگ آید از تفتیشِ او

چوں رود نور و شود پیدا دخاں ۔ بفسرد عشقِ مجازی آں زماں

زیں سبب ہنگامہا شد کل ھدر ۔ تا نشد ایں ہنگامہ ہر دم گرم تر

چشم غرہ شد بخضرائے دمن ۔ عقل گوید بر محک ماش زن

زاں لقب شد خاک را دار الغرور ۔ کو کشد پارا سپس یوم العبور

عشق با مُردہ نہ باشد پائیدار　　عشق را با حَیّ و با قیّوم دار

ترجمہ و شرح :

(۱) ان صورتوں کے پیالوں سے مست مت ہونا تاکہ تم بُت تراش اور بُت پرست نہ شمار ہوسے

حُسنِ ظاہر پہ اگر تو جائے گا
یہ منقّش سانپ ہے ڈس جائے گا　　(مجذوبؒ)

(۲) ان صورتوں کے پیالوں سے آگے گذر جاؤ اور ان کو نظر انداز کر دو ان پر نظر کو ٹھہرانا دنیا اور دین کو تباہ کرنا ہے۔ ان پیالوں میں جو حُسن جھلک رہا ہے وہ کہیں اور سے آرہا ہے۔ آگے بڑھو۔ حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

ارے یہ کیا ظلم کر رہا ہے کہ مَرنے والوں پہ مَر رہا ہے
جو دم حسینوں کا بھر رہا ہے بلند ذوق نظر نہیں ہے

(۳) اگر انہیں صُورتوں کے تصورات اور خیالات تمہارے دِل میں بھرے رہے تو محبوب حقیقی کی تجلیات ابدی سے محروم ہو جاؤ گے کیونکہ یہ سب حجابات ہیں خزانۂ وصال پر۔ جس طرح چاند کا عکس پانی پر دیکھنے والا عاشق عکس ہونے کے سبب اصل چاند سے محروم اور ہر قدم عکس کی جستجو میں اصل سے دوری کا باعث ہوگا۔ اسی طرح عاشق مجاز محروم رہتا ہے عشق حقیقی سے۔ اگرچہ بعض جہلائے صوفیہ عشق مجازی کو عشق حقیقی کے حصول کا واسطہ سمجھ کر ضلّوا فاضلّوا کے مصداق ہیں عشق مجازی دراصل عشق نہیں فسق ہے۔

ایں نہ عشق است آں کہ در مردم بود　　ایں فساد از خوردنِ گندم بود

ترجمہ: یہ عشق نہیں ہے جس کو فاسقین عشق کہتے ہیں یہ صرف روٹی کا فساد ہے اگر چند دن کھانے کو نہ ملے تو تمام عشق ناک کے راستے نکل جاوے۔ جیسا کہ دمشق میں عشق بہت پھیل رہا تھا اسی زمانہ میں قحط پڑا۔ جب چند دِن کھانے کو نہ مِلا تو عاشقوں نے عشق سے توبہ کرلی۔

چناں قحط سالی شُد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق (سعدیؒ)

عشقِ مجازی کا فسق ہونا قرآنِ پاک سے منصوص ہے اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا (الاٰیۃ) تفصیل کے لئے تمیز العشق من الفسق مستقل رسالہ حضرت حکیم الاُمت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کیا جاوے۔

(۴) خزانہ ہمیشہ ویرانی میں دفن کیا جاتا ہے پس محل کوئی چیز نہیں۔ جسم کو اور اس کی طاقتوں کو تقویٰ کے حمام میں ویران کردو۔ پھر دِل کی خواہشات کا محل ویران کرنے کے بعد تعلق مع اللہ کا خزانہ اسی ویرانہ میں مشاہدہ کرلوگے۔ پہلے دِل کی خواہشات کا خُون کرنا ہوگا۔ ہر گُناہ خواہ کتنا ہی لذیذ معلوم ہو چھوڑنا پڑے گا۔

بہت گو ولولے دل کے ہمیں مجبور کرتے ہیں
تری خاطر گلے کا گھونٹنا منظور کرتے ہیں

مثلاً کوئی اجنبیہ یا لڑکا سامنے ہے دِل چاہتا ہے کہ ایک نظر اُس کو دیکھ لوں اسی وقت اللہ کا عاشق آسمان کی طرف دیکھتا ہے کہ دِل تو یہ چاہتا ہے مگر ہمارا مالک وخالق اور مولیٰ اوپر سے دیکھ رہا ہے۔ ان کو ناراض کرکے ہم کب چین سے رہ سکتے ہیں بس اپنی آنکھیں نیچی کرکے آگے گُذر جاتا ہے۔ اس وقت

دِل کا خُون ہوتا ہے مگر اسی وقت جو قربِ خاص عطا ہوتا ہے وہ ہزاروں ذکر و نوافل سے بھی عطا نہیں ہوتا کیونکہ ذکر میں تو لُطف آتا ہے اور یہاں دِل کی خواہش تباہ ہوتی ہے۔

میکدہ میں نہ خانقاہ میں ہے — جو تجلّی دِل تباہ میں ہے

خواہشاتِ نفسانیہ سے گھبرانا نہ چاہیئے انھیں کا خُون کر کے سالک خونبہائے قربِ خاص کا مستحق ہوتا ہے۔

تا بہا و خونبہا را یافتم — جانبِ جاں باختن بشتافتم

ترجمہ: ہم اپنے خُون کا خوں بہا یعنی مُجاہدات کا ثمرہ تعلق مع اللہ کا انعام پا چکے ہیں اس لیے ہم خوشی خوشی جان دینے کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔

⑤ لذت کا راستہ اندر سے ہے باہر سے نہیں ہے۔ محل و قلعہ کی جستجو بے کار ہے۔ بڑے بڑے محل والوں کو خودکشی پر آمادہ پایا گیا کیونکہ جب دِل میں کوئی خیالِ غم موجود ہوتا ہے تو بنگلے اور کار اور شراب و کباب سب تلخ معلوم ہوتے ہیں۔

دِل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہوگیا عالم بیاباں ہوگیا

⑥ کافر کی قبر پر بینڈ باجے بجائے جاتے ہیں اور پھولوں کی بارش کی جاتی ہے لیکن اندر خُدا کا قہر ہوتا رہتا ہے پس صرف ظاہر کا آرام مت دیکھو۔ دل کا اطمینان جو صرف حق تعالیٰ کے فرمانبرداروں کو نصیب ہوتا ہے وہ حاصل کرنا چاہیئے۔

(۷) جس طرح کسی مکان میں دفینہ ہو اور صاحب مکان مُفلس ہو اور اس کو کوئی صادق القول مشورہ دے کہ اس مکان کو تم ویران کر دو تو نیچے تمھارے دادا کا دفن کردہ خزانہ مل جاوے گا۔ پھر اس سے تمھارا افلاس بھی دُور ہو جاوے گا اور اس سے بہتر مکان بن جاوے گا اسی طرح اس جسم اور اس کی خواہشات کو حق تعالیٰ شانہٗ اولاً مجاہدات سے ویران کرتے ہیں اور اس کے بعد اپنے تعلق خاص کے خزانہ سے ایسی حیات عطا فرماتے ہیں کہ دُنیا ہی میں جنّت کا لُطف و چین معلوم ہونے لگتا ہے۔

ترے تصور میں جانِ عالم مجھے وہ راحت پہنچ رہی ہے
کہ جیسے مُجھ تک نزول کر کے بہار جنّت پہنچ رہی ہے (اخترؔ)

(۸) رحمت کے اسباب و وسائل کو ختم کرنے والی فوج یعنی موت مع اپنے لشکر کے مثل خزاں کے تم کو بے روح کر دے گی اور حیات عارضی کی بہار چند روزہ پر دائمی زندگی یعنی آخرت کا عیش تباہ کرنے والا اس وقت خزاں رسیدہٴ چمن ہو گا۔ (دَے بمعنی خزاں)

(۹) اس وقت جبکہ قلعہ کے اندر کوئی چشمہ نہ ہو اور اہل قلعہ صرف بیرونی نہروں سے پانی حاصل کرتے ہوں اور اچانک دُشمن کی فوج باہر سے نہروں کو بند کر دے تو اہل قلعہ کی زندگی کے لئے اسی قلعہ کے اندر ایک کھاری چشمہ بھی باہر کے سیکڑوں دریائے جیحون سے بہتر ہو گا اسی طرح زندگی میں حواسِ خمسہ کے ذریعہ انسان عیش حاصل کر رہا ہے اور موت آنکھ، کان، ناک، زبان اور جلد (باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، لامسہ) کے ذریعہ باطن میں درآمد ہونے والی لذتوں کے

راستوں کو کاٹ دیتی ہے اور یہ حواس دُنیا کی لذتوں کو محسوس کرنے سے عاجز اور مُعطل ہو جاتے ہیں۔

قضا کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبرؔ
کھُلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں (اکبرؔ)

اَب مُردہ کی زبان شامی کباب کے لطف سے مُعطل ہے اس کی آنکھیں بیوی بچّوں کو دیکھنے سے عاجز ہیں، کان ریڈیو کے نغمات نہیں سُن سکتے۔ زبان بے زبان ہو رہی ہے۔ کیا بیکسی کا عالم ہے اِس وقت اگر رُوح میں تعلق مع اللہ کا کوئی کھاری چشمہ بھی ہوتا یعنی ناقص طاعات کا ضعیف نور بھی ہوتا تو یہ لذاتِ فانیہ کے ان سینکڑوں دریائے شیریں سے جو بذریعہ حواسِ خمسہ اندر داخل ہو رہے تھے بہتر ہوتا اور اس بے کسی کے وقت روح کو اس سے اُنس و سکون حاصل ہوتا۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے سب مُسلمانوں کو چند روزہ بہارِ زندگی کے دھوکہ سے محفوظ فرماویں اور آخرت کی باقی و دائمی و غیر فانی نعمتوں کے لئے اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرماویں۔ آمین۔

(۱۰) وہ حسین جس کی زُلف آج گھونگھر والی، مُشکبار اور عقل کو اُڑانے والی ہے چند ہی دِن بعد بڑھاپا اسی زُلف کو بُوڑھے گدھے کی دُم بنا دیتا ہے اور بالکل بے قدر ہو جاتی ہے۔

(۱۱) وہ حسین بچّہ جس کو اہلِ ہوس اپنا سردار اور مولیٰ بناتے ہُوئے ہیں اور اس کی خوشامدیں اور تعریفیں اور خاطر و تواضع کر رہے ہیں۔ بُوڑھا ہونے کے بعد کھوسٹ بندر کی طرح رسوائے زمانہ ہو جاتا ہے۔

⑫ اور جب اسی بدنامی کی حالت میں اس حسین لڑکے کی ڈاڑھی نکل آتی ہے تو اب شیطان بھی اس کی خیریت معلوم کرنے سے شرماتا ہے۔

گیا حُسن خوبانِ دلخواہ کا ہمیشہ رہے نام اللہ کا

⑬ جب حُسن کا اس کے چہرہ سے نکھار جاتا رہتا ہے تو عشق مجازی ٹھنڈا پڑجاتا ہے۔

⑭ اسی سبب سے عشق مجازی کے تمام ہنگامے جلد ہی خاموش ہوجاتے ہیں اور عشق حقیقی کا ہنگامہ ہمیشہ گرم تر اور ترقی پذیر رہتا ہے اور جو لذت رُوح کو عطا ہوتی ہے وہ صدہا حیات قُربان کردینے پر بھی ارزاں ہے۔

⑮ گاؤں میں اہلِ دیہات جانوروں کا پاخانہ ایک جگہ جمع کردیتے ہیں، ہوائیں اس پر خاک کی تہہ جمادیتی ہیں بارش اس پر نہایت عُمدہ سبزہ اُگادیتی ہے۔ نیچے گوبر جس نے نہیں دیکھا اس کی آنکھ اس سبزہ پر فریفتہ ہوجاتی ہے۔ عقل کہتی ہے کہ تہہ سبزہ کیا چیز ہے اس کی تحقیق کرو۔ دُنیا مردار ہے اوپر سے مزیّن اور حسین ہے۔ اللہ و رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم دُنیا کی بے ثباتی اور فنائیت سے آگاہ فرماتے ہیں۔ کفّار پھر بھی اسی پر عاشق ہیں اور موت کے وقت محروم کفِ افسوس ملتے ہُوئے اس رنگین دُنیا کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں ؎

رنگ رلیوں پہ زمانہ کی نہ جانا اے دل
یہ خزاں ہے جو باندازِ بہار آتی ہے

جو چمن میں گذرے تو اے صبا تو یہ کہنا بُلبلِ زار سے
کہ خزاں کے دِن بھی ہیں سامنے نہ لگانا دِل کو بہار سے

(۱۶) اسی سبب سے اس دُنیائے فانی کا لقب دھوکہ کا گھر (دارالغرور) رکھا ہے اور یہ لقب رکھنے والا وہ ہے جس نے دُنیا کو پیدا کیا ہے پس خالق سے بڑھ کر اپنی مخلوق کی حقیقت کون جان سکتا ہے دُنیا دھوکہ کا گھر اس وجہ سے ہے کہ جب انسان کا سفر دوسرے عالم کو شروع ہوتا ہے یعنی موت آتی ہے تو مرنے والے کا مکان تجارت دوست احباب۔ اولاد۔ بیوی۔ ماں باپ سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور زندگی میں دُنیا ہر وقت وفاداری کا دم بھرتی ہے۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے دُنیا کی محبت سے محفوظ فرمادیں۔ آمین۔

(۱۷) مرنے والے سے محبت پائدار نہیں ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اَحْبِبْ مَنْ شِئْتَ فَاِنَّکَ مُفَارِقُہٗ۔ تم جس سے چاہو محبت کرو لیکن یاد رکھو کہ تم اس سے جُدا ہونے والے ہو یا تم پہلے مرو گے یا تمھارا محبوب پہلے مرے گا۔ جُدائی ہر حال میں لابدی ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو محبت ایسی زندہ اور ہمیشہ رہنے والی ذات سے کرو جو خود بھی زندہ ہے اور تمام موجودات کو سنبھالنے والی ہے۔

ضروری بودن احوالِ بزرگان از نقلِ اقوالِ بزرگاں کہ الفاظ بر زبانہا و معانی در دلہا بودند

لحنِ مرغاں را اگر واقف شوی	بر ضمیرِ مرغ کے عارف شوی
گر بیاموزی صفیرِ بلبلے	تو چہ دانی کو چہ گوید با گلے

ترجمہ و شرح:

(۱) اگر تم نے مُرغ کی آواز مشق کر لی اور مُرغ کی طرح بولنے لگے مگر اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ تم مُرغ کے ضمیر سے بھی واقف ہو گئے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

(۲) اسی طرح اگر تم نے بُلبل کی آواز اور سیٹی کی نقل مشق کر لی لیکن تم کو یہ خبر کیسے ممکن ہے کہ وہ پھُول سے کیا راز کہہ رہا ہے۔ پس جو لوگ اہل اللہ کے ملفوظات اور علوم کو نقل کر کے اپنی مجالس گرم کرتے ہیں اور سامعین کے دلوں کو مسخر کرنا چاہتے ہیں اور خود کسی اللہ والے کی صُحبت میں ایک عمر رہ کر سلوک طے نہیں کیا۔ ان کو کیا خبر کہ اللہ والوں کے باطن میں کیا ہوتا ہے۔ صرف نقل الفاظ سے ان کے ضمیر اور قلبی احوال و مقامات کی خبر کیسے ممکن ہے یہ خود دھوکہ میں ہیں اور دوسروں کو دھوکہ میں ڈالے ہوتے ہیں۔

حَرفِ دَرویشاں بَدُزدَد مَردِ دُوں   تا زَ وے بَر خلق خواند آں فسوں

کمینہ اور ذلیل لوگ بھی درویشوں کے ملفوظات رٹ لیتے ہیں تا کہ خلائق کو ان چرائے ہوئے حروف سے اپنا گرویدہ بنالیں۔

قلبِ غافل قندیل نیست بول قارورہ ہست

آں زُجاجے کو نَدارَد نُورِ جاں   بَولِ قارُورہ ست قِندیلش مَخواں

دانشِ نورست در جانِ رجال | نے زِ دفتر نے زِ راہِ قیل و قال
با چناں رحمت کہ دارد شاہِ ہش | بے ضرورت از چہ گوید نفس کش

ترجمہ و شرح :

(۱) جس انسان نے اپنی اصلاح کسی اللہ والے سے کرا کے دل میں نورِ حق نہ حاصل کیا وہ دِل خدا نا آشنا خالی از نورِ حق قارورہ کی شیشی ہے قندیل کہلانے کا مستحق نہیں۔

(۲) اللہ والوں کی جان اللہ تعالیٰ سے تعلق خاص کی برکت سے نورانی فہم و عقل سے مشرّف ہوتی ہے اور یہ نورِ فہم مطالعہ کتب اور بحث و مباحثہ (قیل و قال) سے نصیب نہیں ہوتا ہے۔

(۳) اگر نورِ مذکور محض مطالعہ کتب سے حاصل ہو جاتا تو وہ شاہ جان اور سلطان العقول باوجود اس قدر رحمت واسعہ کے نفس کشی یعنی مجاہدہ کا حکم کیوں فرماتے۔

حاصل یہ کہ قلب میں نورِ حق عطا ہونے کے لیے مجاہدہ شرط ہے جس کی تدبیر کسی اللہ والے سے معلوم کرنی چاہیے۔

در تعلیم ادب و احتراز از سوء ادبی

بے ادب اندریں رہ بار نیست | جائے او بر دار شد در دار نیست ۱
از خدا جوئیم توفیق ادب | بے ادب محروم ماند از فضلِ رب ۲
ہر کہ گستاخی کند اندر طریق | باشد اندر وادیٔ حیرت غریق ۳

ہر چہ آید بر تو از ظلماتِ غم ۴ آں ز بے باکی و گستاخی است ہم
غم چو بینی زود استغفار کن ۵ غم بامرِ خالق آمد کار کن
اے پناہ ما حریمِ کوئے تو ۶ من بامیدے رمیدم سوئے تو

ترجمہ و شرح:

① بے ادب انسان کے لئے اس راہ میں کوئی حصہ نہیں اس کی جگہ دار پر ہے دار میں نہیں یعنی وہ درباری بنائے جانے کے قابل نہیں۔

② حق تعالیٰ سے ہم توفیق ادب طلب کرتے ہیں کیونکہ بے ادب فضلِ رب سے محروم رہتا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو گستاخی کرتا ہے (یہ گستاخی ہر نافرمانی سے ہوتی ہے خواہ حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں ہو مثلاً شیخ، استاد، ماں باپ کے ساتھ بے ادبی کرنا) تو ایسا شخص تمام عمر وادی حیرت میں غرق ہوتا ہے اور محروم رہتا ہے۔

④ جو کچھ تمہارے اوپر رنج و غم کی اندھیریاں آتی ہیں سب کا سبب تمہاری گستاخیاں اور بے باکیاں ہیں یعنی گناہوں پر دلیر اور جری ہونا ہے۔

⑤ پس جب دل میں غم محسوس کرو فوراً استغفار میں مشغول ہو جاؤ کیونکہ غم حکمِ خالق سے آتا ہے لہٰذا خالق ہی کو راضی کرنے میں مشغول ہو جاؤ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ (الآیۃ) اللہ ہی طرف بھاگو۔

⑥ اے ہماری پناہ گاہ ہم ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ ہی کے پاس امید لے کر حاضر ہوئے ہیں۔

بر درآمد بندۂ بگریختہ   آبروئے خود زعصیاں ریختہ

ترجمہ: آپ کے دروازہ پر بھاگا ہوا بندہ اپنی آبرو کو گناہوں سے رُسوا و ذلیل کر کے پھر حاضر ہوا ہے کہ

جز تو پناہ دگر نیست است

کہ آپ کے علاوہ کوئی اور دوسری پناہ گاہ نہیں ہے

بلائیں تیر اور فلک کماں ہے چلانے والا شہِ شہاں ہے

اُسی کے زیرِ قدم اماں ہے بس اور کوئی مفر نہیں ہے

(مجذوب رحمۃ اللہ علیہ)

مرگِ اختیاری

در شرح

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا

(ترجمہ ...)

بادِ تُند ست و چراغے ابترے   زو بگیرانم چراغِ دیگرے

ہمچو عارف کز تنِ ناقص چراغ   شمعِ دل افروخت از بہرِ فراغ

تا کہ روزے ایں بمیرد ناگہاں   پیشِ چشمِ خود نہد او شمعِ جاں

بہرِ ایں گفت آں رسولِ خوش پیام   رمزِ موتوا قبلَ موتٍ اے کرام

اے لبا نفسِ شہیدِ معتمد   مُردہ در دنیا چوں زندہ می رود

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است   آب اندر زیرِ کشتی پشتی است

ترجمہ و شرح :

① اس زندگی کا چراغ ضعیف و کمزور ہے اور اس کو بُجھانے والی ہوا نہایت تیز چل رہی ہے یعنی موت کی آندھی سے ہر وقت چراغ زیست خطرہ میں ہے پس اس چراغ سے ایک دوسرا پائیدار چراغ روشن کروں گا۔ جس کو موت کی آندھی بھی نہ بُجھا سکے گی اور وہ چراغ اعمال صالحہ کے نُور سے رُوح میں روشن ہوتا ہے اور موت کے بعد بھی اس منوّر روح کا نور صحیح و سلامت رہتا ہے

رنگِ تقویٰ رنگِ طاعت رنگِ دیں ۔۔۔ تا ابد باقی بُوَد بر عابدیں (رومیؒ)

ترجمہ: تقویٰ اور عبادت اور دین کا رنگ قیامت تک یعنی ہمیشہ عابدین کی روحوں پر قائم رہتا ہے۔ اس کو موت بھی فنا نہیں کرسکتی برعکس جسم کے خدوخال اور رنگ روپ موت کے بعد باقی نہیں رہتے لیکن رُوح کا چراغ اسی زندگی کی جدوجہد اور اعمال صالحہ کی محنت سے روشن ہوتا ہے پس چراغ زندگی کو غنیمت سمجھئے اور گل ہونے سے پہلے روح کے اندر اعمال کے ذریعہ اس کی لَو سے دوسرا ابدی چراغ روشن کر لیجئے۔

② جیسا کہ عارفین اپنی جانوں پر مجاہدات کا غم جھیل کر جسم کے فانی چراغ کے گل ہونے سے پہلے ہی دل کا چراغ دائمی و غیر فانی روشن کر لیتے ہیں یعنی دل میں کثرتِ ذکر اللہ، صحبتِ اہل اللہ، تفکر فی خلق اللہ سے حق تعالیٰ کی محبت کا چراغ روشن کر لیتے ہیں۔

ہرگز نمیرد آں کہ دِلش زندہ شُد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ترجمہ: جو دِل حق تعالیٰ کی محبت سے زندہ ہو جاتا ہے وہ کبھی نہیں مرتا یعنی اس شمعِ محبت کا دوام تاریخِ عالم پر ثبت ہو جاتا ہے۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد ∗ چراغِ مقبلاں ہرگز نمیرد

ترجمہ: اگر پوری دُنیا تیز آندھی سے بھر جائے پھر بھی مقبولانِ الٰہی کا چراغ گل نہیں ہو سکتا۔

(۳) عارفین اپنی زندگی کے چراغ سے بذریعہ اعمالِ صالحہ دل میں دوسرا چراغ کیوں روشن کرتے ہیں؟ تاکہ قضائے الٰہی سے اگر اچانک یہ چراغ گل ہو جاوے یعنی موت آجائے تو رُوح کے اندر تعلق مع اللہ کا چراغ اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ لیں کیونکہ فنا جسم کو فنا۔ روح لازم نہیں اور اس وقت یہ دائمی و غیر فانی چراغ ہی روح کے لئے باعث سکون و مسرت ہوتا ہے۔

(۴) اسی سبب سے رسُولِ خوش پیام صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ یعنی جس طرح مُردہ دُنیا سے بے تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح تم زندگی ہی میں اپنی جان کو تمام ماسوا اللہ سے بے تعلق رکھو یعنی دل بیار دست بکار۔ ہر وقت دل کا حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونا اور دُنیا کے کام کرتے رہنا یہ کس طرح ممکن ہے؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک مثال سے بیان فرمایا ہے کہ بعض عورتیں گاؤں میں ایک گھڑے پر ایک گھڑا پانی سے بھرا ہوا سر پر رکھ کر باتیں کرتی ہوئی چلتی ہیں اور بغل میں بھی ایک گھڑا ہوتا ہے۔ اس وقت ان کے دل کو سر کے گھڑوں سے ہر وقت رابطہ قائم رہتا ہے اگر

ذرا بھی دل کا تعلق غفلت زدہ ہو جاوے تو فوراً سر کے گھڑے زمین پر آ رہیں۔ اسی طرح کثرۃ ذکر اللہ اور صُحبت اہل اللہ کی برکت سے جب دِل کا رابطہ حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے تو ہاتھ پاؤں دُنیا کے کام کرتے رہتے ہیں لیکن دِل اللہ کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔

⑤ اے لوگو! بہت سے اہل اللہ یقین کے ایسے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں کہ وہ کمال تبتُّل یعنی انقطاعِ تام عن علائق الدُنیا کے سبب دُنیا میں گویا مردہ ہو چکے ہیں اگرچہ مثل زندوں کے وہ بھی تُمھارے اندر چلتے پھرتے ہیں۔ جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تُم دُنیا میں کسی مردہ کو چلتا پھرتا دیکھنا چاہتے ہو تو میرے صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھ لو۔

حضرت شیخ مولانا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری قدس سرّہٗ العزیز کا ایک عریضہ جو حضرت حکیم الامّت مولانا شاہ تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ کی خدمت میں ارسال ہوا تھا اور جس کو حضرت اقدس نے حاضرین مجلس کو پڑھ کر سُنایا اس کا مضمون یہ تھا۔

"میں اگرچہ دُنیا کی زمین پر چلتا پھرتا ہوں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مَیں آخرت کی زمین پر چلتا پھرتا ہوں۔"

حضرت تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ ہمارے احباب میں بھی صدیقین موجود ہیں۔

⑥ اسلام نے جس طرح رہبانیت اور مطلقاً ترکِ دُنیا کو ممنوع قرار دیا اسی طرح دل میں دُنیا کو داخل کرنے سے بھی منع فرمایا اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ دُنیا کی محبت تمام بُرائیوں کی جڑ ہے اس شعر میں ایک مثال سے

اس مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ کشتی کے لئے پانی بہت ضروری ہے بدون اس کے اس کی روانی ناممکن ہے لیکن اگر یہی پانی اس کے اندر داخل ہوجاوے تو کشتی کی ہلاکت کا سبب بھی ہے۔ اسی طرح دُنیا کو سمجھ لو کہ اس کے اندر رہنا اِنسانی زندگی کے لئے ضروری ہے لیکن شرط یہ ہے کہ دُنیا کا پانی دِل کی کشتی کے نیچے رہے یعنی اس کا تعلق مغلوب اور خُداوند تعالیٰ کا تعلق غالب رہے اور اگر دُنیا دل میں داخل ہوگئی تو پھر دِل کی ہلاکت کا سبب بن جائے گی۔ خُدا سے غفلت ہی موت ہے اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قبلِ اسلام قرآن میں مردہ فرمایا گیا یعنی جہالت اور ضلالت کی موت سے مُردہ تھے پھر ایمانی حیات سے مشرف ہوکر حقیقی زندگی سے باریاب ہُوئے اور حق تعالیٰ شانہٗ نے ان کی ایمانی زندگی کو زندگی سے تعبیر فرمایا۔

دربیانِ فراخیِ دِل و در مذمّت نئی روشنی کہ ظاہرش روشن و باطنش سیاہ بُود

اِیں جہاں خُم است و دِل چوں جوئے آب | اِیں جہاں حُجرہ ست و دِل شہرِ عجاب

آں یکے در کُنجِ مسجد مست و شاد | واں یکے در باغ تُرش و نامُراد

تن سپید و دِل سیاہ ہستش بگیر | در عوض در تن سیاہ و دِل مُنیر

پس بصُورت آدمی فرعِ جہاں | در صفت اصلِ جہاں ایں را بداں

ظاہرش را پشّۂ آرد بہ چرخ   باطنش باشد محیطِ ہفت چرخ

ترجمہ و شرح:

① یہ دُنیا باوجود اتنی وسعت کے قلبِ عارف کی وسعت کے سامنے محض ایک خم ہے خم یعنی مٹکا محض تمثیل تحقیری ہے یعنی حقارت بیان کرنے کے لئے استعمال فرمایا اور دل کی کائنات ایک نہر ہے یہاں بھی یہ تمثیل تعظیمی ہے یعنی دِل کا جہان عظیم المرتبت اور عظیم الشان ہے جس کے سامنے یہ جہان بے قدر اور بہت ہی حقیر ہے۔

② یہی وجہ ہے کہ جن کے قلوب معرفت حق سے عظیم المرتبت ہو گئے وہ ظاہری اسباب عیش کے بغیر بھی اپنے باطن میں ایسا سکون و چین محسوس کرتے ہیں جو بادشاہوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ چنانچہ مسجد کے گوشہ میں وہ بوریہ اور چٹائی پر مست ہیں ؎

خُدا کی یاد میں بیٹھے جو سب سے بے غرض ہو کر

تو اپنا بوریہ بھی پھر ہمیں تختِ سُلیماں تھا

اور دُنیا داروں کے دلوں پر غموم و افکار کی اتنی لائیں پڑتی رہتی ہیں کہ وہ ظاہری عیش و آرام کے باغ میں بھی ترش رو بدحواس اور نامُراد نظر آتے ہیں۔

③ دنیاداروں کے دِل سیاہ ہیں اگرچہ جسم کی کھال سفید و چمکدار ہو یا لباس فاخرانہ سے چمکدار معلوم ہوتے ہوں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے یہودی غلام کو دے کر اس کے عوض میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خریدا اور یہ فرمایا کہ اس یہودی کو جس کی کھال سفید اور دل کالا ہے لے لو اور حضرت

بلال رضی اللہ عنہ کو جن کی کھال کالی ہے اور دل کلمۂ توحید سے روشن ہے مجھے دے دو۔

یہی حال آج کل نئی روشنی کا ہے کہ ظاہر میں روشنی اور اندر اندھیرا ہوتا ہے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے۔

ترا اے نئی روشنی مُنہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

تسخیرِ مہر و ماہ مُبارک تجھے مگر
دل میں اگر نہیں تو کہیں روشنی نہیں

دل گلستاں تھا تو ہر شے سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہو گیا عالم بیاباں ہو گیا

(۴) بظاہر تو عارف باللہ کائنات کا ایک ادنیٰ جز معلوم ہوتا ہے مگر اس کے باطن میں تعلق مع اللہ کے فیض سے ایسی وسعت ہے کہ تمام کائنات اس کے سامنے فرع ہے اور اس کی ذاتِ گرامی بمنزلہ اصل ہے۔

(۵) اس عارف باللہ کا ظاہر تو اس قدر کمزور ہے کہ ایک مچھر بھی اس کو پریشان کر سکتا ہے اور اس کو چرخ دے سکتا ہے۔ یعنی بشریت حوادث سے متاثر ہو سکتی ہے لیکن اس کا باطن اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ ہفت آسمان کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس کو میاں اپنا تعلق خاص عطا فرما دیتے ہیں وہی اِن نعمتوں کا ذوقاً اور وجداناً ادراک کرتا ہے۔ اہلِ ظاہر تو ان باتوں کو افسانہ سمجھیں گے۔

چو ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

در بیانِ بے ثباتی کائنات

کونِ میگوید بیا من خوش پیم | واں فسادش گفتہ رو من لاشیم
اے زخوبیٔ بہاراں لب گزاں | بنگر آں سردی و زردیٔ خزاں
روز دیدی طلعتِ خورشیدِ خوب | مرگ اورا یاد کن وقتِ غروب
بدر را دیدی بریں خوش چار طاق | حسرتش را ہم بہ بیں اندر محاق
کودکے از حسن شد مولائے خلق | بعد فردا شد خرف رسوائے خلق
گرتنِ سیمیں تناں کرد ت شکار | بعد پیری بیں تن چوں پنبہ زار
اے بدیدہ لوتہائے چرب خیز | فضلۂ آنرا بہ بیں در آب ریز
نرگسِ چشمِ خماریٔ ہمچو جاں | آخر اعمش بیں آب ازوے چکاں
حیدرے کاندر صفِ شیراں رود | آخر او مغلوب موشے می شود

ترجمہ و شرح :

(۱) دُنیا کے اندر دو حالتیں ہر وقت ہوتی رہتی ہیں کہیں بنتا ہے کہیں بگڑتا ہے۔ کہیں شادی کہیں غمی کہیں ولادت کہیں موت ہر وقت تعمیر و تخریب کے مناظر سامنے ہیں۔ بس ہر چیز کا شباب اور اس کی زیبائش اپنی طرف دعوت دیتی ہے یہی اس کا کون یعنی وجود تعمیری ہے اور ہر چیز کا بڑھاپا اور اس کی انحطاطی حالت کہتی ہے کہ جاؤ اپنا کام کرو وقت ضائع نہ کرو۔ میں بالکل ناقابلِ توجہ بے قدر ہوں یہی اس کا فساد ہے۔

(۲) اے وہ شخص جو خوبی بہار کو دیکھ کر فرطِ لذت سے ہونٹ کاٹتا ہے تو دھوکا نہ کھا بلکہ سردی کے زمانہ اور موسم خزاں کی زردی بھی پیشِ نظر رکھ اور سمجھ کہ یہ

حالت ہمیشہ نہ رہے گی محض چند روزہ بہارِ حُسن سے دِل مت لگا۔

③ اے شخص کہ آفتاب کی خوشنمائی اور اس کی آب و تاب سے تو اِس پر فریفتہ ہے ذرا اس کی حالت غروب کے وقت بھی دیکھ کہ اس کا زوال کیسا ہوتا ہے۔

④ اے شخص تو آسمان پر چودھویں رات کے چاند پر فریفتہ مت ہو کہ عنقریب اس کے زوال کا منظر بھی سامنے ہوگا کہ چاند اپنے نور سے محروم ہوگا اور حسرت کرے گا۔

⑤ پس اگر تم کو ان سیم تن بُتوں کے تن سیمیں نے پھانس لیا ہے تو تم کو اس کی آخری حالت پر غور کرنا چاہیئے کہ حُسن بالکل ناپائیدار ہے اور بڑھاپے میں یہ منظرِ حسن روئی کا کھیت معلوم ہوگا۔

⑥ جو شخص عُمدہ غذاؤں پر فریفتہ ہے اس سے کہہ دو کہ اے وہ شخص جو مرغن غذاؤں کو مطمعِ نظر بنائے ہوئے ہے تو ذرا اُٹھ اور پاخانہ جا کر ذرا ان کا فضلہ دیکھ اور اس پاخانہ سے کہہ کہ وہ تیرا حُسن اور تیری خُوبی اور فریب حُسن اور مرغوبی جو پہلے تھی اب کہاں ہے۔

⑦ اے شخص جو آنکھیں تجھے آج بہت نشیلی مشابہ نرگس معلوم ہو رہی ہیں اور جان کی طرح محبُوب ہیں ایک دِن تو دیکھ لے گا کہ یہ چندھی ہوگئی ہیں اور ان سے کیچڑ اور پانی بودار جاری ہے۔

⑧ وہ بہادر جو شیروں کی صَف میں گُھس جاتے تھے آج ضعف سے ان کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ ان کو کمزور بھی دبا لیتے ہیں۔

در بیان ظہور انوارِ نسبت از چشم و چہرۂ عارف

گفت سیماھم وجوہ کردگار	۱	کہ بود غماز باراں سبزہ زار
تازگیٔ ہر گلستان جمیل !	۲	ہست بر باران پنہانی دلیل
بوئے مے را گر کے مکنوں کند	۳	چشم مست خویشتن را چوں کند
ہر کہ باشد قوتِ او نورِ جلال	۴	چوں نزاید از لبش سحرِ حلال
خندا ریم اے جمالِ مہتری	۵	کہ لب ما خشک و تو تنہا خوری
جرعۂ بر ریز بر ما زیں سبو	۶	شمۂ از گلستاں با ما بگو

ترجمہ و شرح :

① حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہروں سے ان کی طاعاتِ مخفیہ کے انور نمایاں ہیں یعنی تہجد کے نوافل سے ان کے دلوں کے انوار دلوں میں بھر کر چھلک جاتے ہیں اور ان کے چہروں پر آجاتے ہیں ہر سبزہ زار بارش پر غمازی کرتا ہے۔

② جس طرح سے کہ بارش رات میں ہونے کی وجہ سے کسی کو خبر نہ ہو لیکن جب سو کر اُٹھے گا تو باغ کی تازگی اور شادابی سے سمجھ لے گا کہ رات بارش ہوئی ہے پس صاحب نسبت کے چہرہ سے اور اس کے کلام سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس کے قلب کو حق تعالیٰ کے ساتھ نسبت و معیت خاصہ حاصل ہے اور علوم اور واردات کی بارش ہوتی ہے۔

③ اگر کوئی بادہ نوش اپنی بادہ نوشی کو چھپانے کی کوشش بھی کرے لیکن اپنی

مَست آنکھوں کو کہاں چھپائے گا۔ اسی طرح اللہ والے اپنے کو کتنا ہی مخفی کریں لیکن اہلِ نظر ان کی نظر کو دیکھ کر بھانپ لیتے ہیں کہ یہ شخص عاشقِ حق ہے کیونکہ قلبی کیفیات کا عکس آنکھوں پر پڑتا ہے۔

(۴) جس شخص کی غذاء انوارِ الٰہیہ ہیں یعنی جس کی روح نورِ عبادت سے غذا حاصل کر رہی ہے تو اس کے لبوں سے سحرِ حلال (کلامِ مؤثر) کیونکر نہ پیدا ہوگا یعنی صاحبِ نسبت کا کلام بھی غمازی کرتا ہے کہ یہ شخص خدا رسیدہ ہے۔

(۵) اے صاحبِ جمالِ باطنی میرے شیخ! ہم اس امر کے عادی نہیں ہیں کہ آپ اکیلے اکیلے جام پر جام محبّت و معرفتِ حق سے تنہا نوش فرماتے رہیں اور ہمارے لب خشک بالکل محروم رہیں۔

(۶) اپنے سبو سے ایک جرعہ ہمارے اوپر بھی ڈال دیجئے اور گلستانِ قُرب سے کچھ تھوڑا سا راز ہمارے کان میں بھی کہہ دیجئے۔

ترغیبِ توبہ

مُرکبِ توبہ عجائب مُرکب ست — بر فلک تازد بیک لحظہ زپست

ہیچ قلبِ پیشش او مردود نیست — زانکہ قصدش از خریدن سود نیست

مُشتری خواہی کہ از وے زر بری — بہ زحق کے باشد اے دل مُشتری

ترجمہ و شرح:

(۱) توبہ کی سواری عجیب سواری ہے کہ گنہگار فاسق یا کافر کو جو خدا سے کس

قدر دور ہوتا ہے اچانک فرش سے عرش تک پہنچا دیتی ہے یعنی ابھی تو مردود بارگاہ تھا اور توبہ کرتے ہی مقبول بارگاہ ہوگیا۔

(۲) کوئی قلب اللہ کے یہاں توبہ کے بعد مردود نہیں رہتا کیونکہ ہم لوگ تو عیب والے غلام اس لئے نہیں خریدتے کہ ہمارے اغراض میں غلام کے عیوب حائل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے کوئی غرض نہیں پس میاں کی خریداری بے غرض ہونے کے سبب ہر شخص کی پناہ گاہ ہے۔

(۳) اے شخص تو خریدار ڈھونڈتا ہے کہ اس سے دولت حاصل کرے پس اللہ سے بڑھ کر کون اچھا خریدار ہوگا کہ جو ہمارے دل کو خرید کر خود اپنے کو عطا فرما دیتے ہیں اور جب وہ ہمارے ہیں تو پھر سارا جہاں ہمارا ہے۔

اگر اک تُو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تُو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

دَر مذمّتِ جراَتِ ارتکابِ معصیت بر توکّلِ توبہ

ہیں بپُشتِ آں مکُن جُرم و گُناہ	کہ کُنم توبہ دَر آیم دَر پناہ
زانکہ استغفار ہم در دست نیست	ذوقِ توبہ نقلِ ہر سرمست نیست
اَندریں اُمّت نبُد مسخِ بدن	لیک مسخِ دِل بُوَد اے بوالفطن

ترجمہ و شرح:

(۱) شیطان کہتا ہے کہ یہ گُناہ کر لو پھر توبہ کر لینا اور مُعاف کرا لینا تو اس کے

دھوکہ میں مت آنا اور خبردار! توبہ کے بھروسہ پر گناہ کی ہمت مت کرنا۔ بلکہ معاصی اور اس کے اسباب کے متعلق حق تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے رہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دعا ہم کو تعلیم فرمائی ہے۔

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کرتے کہ اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے مابین ایسی دوری فرما دیجئے جیسا کہ آپ نے مشرق اور مغرب میں دُوری رکھی ہے یعنی جس طرح شرق اور غرب کا ملنا ناممکن ہے اسی طرح معاصی اور انکے اسباب کو ہم سے اس قدر دور فرما دیجئے کہ ان کا ارتکاب نہ ہو سکے اور معصیت کی حقیقت محبوبِ حقیقی کو ناراض کرنا ہے پھر عاشقِ حقیقی نافرمانی کے تصور سے بھی کیوں نہ لرزاں اور ترساں رہے۔

ہم نے فانیؔ ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے (فانیؔ)

بس جب معاصی ناراضگی خداوندی کے اسباب ہیں تو ان پر دلیری اور جرأت کرنا دراصل حق تعالیٰ کے غضب اور ناراضگی سے بے فکر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مُسلمان کی حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

(۲) توبہ کے سہارے پر گناہ کرنا اس وجہ سے بھی نادانی ہے کہ توبہ کی توفیق تُمہارے ہاتھ میں نہیں ہے محض فضلِ الٰہی پر موقوف ہے۔ بعض وقت آدمی توبہ کرنا چاہتا ہے مگر توفیق نہیں ہوتی۔

عبرتناک چشم دید واقعہ

ایک شخص گُناہوں پر بہت دلیر تھا پھر بیمار ہوا دس دن مرنے سے پہلے وہ سب باتیں کرلیتا تھا لیکن جب میرے ایک دوست نے اس سے توبہ کرنے کو کہا تو اس نے کہا سب حروف اور الفاظ نکلتے ہیں مگر یہ لفظ (یعنی توبہ) نہیں نکلتا اور اسی حالت میں مرگیا۔ کیا دُنیا کے سائنس اس امر پر کچھ ریسرچ کرسکتی ہے کہ تمام حروف ایک انسان سے ادا ہوں اور توبہ کا لفظ اس کی زبان سے باوجود ارادہ اور فکر اور کوشش کے نہ ادا ہو۔ آخر ان چار حروف (ت و ب ہ) پر کس نے پہرہ بٹھادیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہر مُسلمان کو اس بلاء سے محفوظ فرماویں۔ آمین۔

۳ گُناہ کی سزا سے پچھلی اُمتوں میں لوگ بندر۔ سور۔ کُتّے ہوجاتے تھے اس اُمّت سے مسخ بدن کا عذاب رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صدقہ میں مُعاف کردیا گیا ہے مگر مسخ باطن کا عذاب جاری ہے یعنی اس اُمت میں گُناہ کرتے کرتے دِل مسخ ہوجاتا ہے۔ پھر حق اور باطل کی تمیز نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرماویں۔ آمین۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر گناہوں کی عادت ہے اور چھوڑنے کی ہمت نہ ہو رہی ہو توبہ بار بار ٹوٹ رہی ہو تو فوراً کسی دِل کے مُعالج کو یعنی اللہ والے کو اپنا حال کہہ سناؤ۔ اس کی تدبیر پر عمل کرنے سے انشاء اللہ تعالےٰ چند دِن میں گُناہوں کی عادت چھوٹ جاوے گی۔

دربیانِ سببِ تاخیرِ قبولیتِ دُعائے مومن

اے بسا مخلص کہ نالد در دُعا	۱	دُودِ اخلاصش برآید تا سما
تا رود بالائے ایں سقفِ بریں	۲	بوئے مجمر از انینِ المذنبین
بندۂ مومن تضرع میکند	۳	اُو نمی داند بجز تو مستند
تو عطا بیگانگاں را میدہی	۴	از تو دارد آرزو ہر مشتہی
حق بفرماید نہ از خواریٔ اوست	۵	عین تاخیرِ عطا یاریٔ اوست
نالۂ مومن ہمیدارم دوست	۶	گو تضرع کن کہ ایں اعزازِ اوست
حاجت آوردش زغفلت سوئے من	۷	آں کشیدش موکشاں در کوئے من
گر برآرم حاجتش او وا رود	۸	ہمدراں بازیچہ مستغرق شود
گرچہ می نالد بجاں یا مستجار	۹	دل شکستہ سینہ خستہ سوگوار
خوش ہمی آید مرا آوازِ او	۱۰	واں خدایا گفتن وآں رازِ او
طوطیاں و بلبلاں را از پسند	۱۱	از خوش آوازی قفس در میکشند
زاغ را و چغد را اندر قفص	۱۲	کے کنند ایں خود نیامد در قصص
ایں جہاں زندانِ مومن زیں بود	۱۳	کافراں را جنتِ عاجل شود
بے مرادیٔ مومناں از نیک و بد	۱۴	تو یقیں میداں کہ بہرِ ایں بود

ترجمہ و شرح :

(۱) اے لوگو! بہت سے مخلص دُعا میں نالہ کرتے ہیں اور ان کے اخلاص کا دھواں جو آہ و نالہ سے نکلتا ہے آسمان تک پہنچتا ہے۔

(۲) یہاں تک کہ اس سقف عالی کے اوپر تک انگیٹھی کی خوشبو نالہ گنہگاراں سے جاتی ہے ان کے سینے کو انگیٹھی سے تشبیہ دی کیونکہ نالہ وگریہ سے گرمی پیدا ہوتی ہے۔

(۳) ملائکہ حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! بندۂ مومن تضرع کر رہا ہے اور آپ کے سوا کسی کو تکیہ گاہ نہیں سمجھتا۔

(۴) آپ تو بیگانوں کو عطا فرماتے ہیں یعنی کفار کو بھی عطا دیتے ہیں آپ سے ہر خواہشمند آرزو رکھتا ہے اور باوجود اس کے اس کی عرض قبول فرمانے میں اِس قدر دیر و توقف ہوا۔

(۵) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تاخیرِ اجابت اس کی بے قدری کے سبب نہیں ہے بلکہ میری یہ تاخیرِ عطا عین اس کی امداد اور عطا ہے جِس کا راز یہ ہے کہ

(۶) ہم مومن کے نالہ کو دوست رکھتے ہیں مومن سے کہہ دو کہ تضرع کرتا رہے ہماری طرف سے دیر کرنے میں اس کا اعزاز ہے بے قدری نہیں۔

(۷) یہی حاجت اس کو غفلت سے میری طرف لائی ہے اسی حاجت نے اس کو موکشاں میرے کوچہ میں پہنچایا ہے۔

(۸) پس اگر میں اس کی حاجت پوری کردوں تو وہ میرے کوچہ سے پھر غفلت کی طرف واپس چلا جاوے گا۔ یعنی اسی بازیچۂ غفلت میں مُستغرق ہو جاوے گا۔

(۹) اگرچہ یہ سو جان سے نالہ کر رہا ہے کہ اے مستجار! اور اس کا دِل شکستہ اور سینہ خستہ وسوگوار ہے اور اس نالہ کا مقتضا یہ تھا کہ اس کی حاجت جلد

پوری کردی جاتی لیکن توقف اس لئے ہے کہ

(۱۰) مجھ کو اس کی آواز بھلی معلوم ہوتی ہے اور اس کا اے اللہ! اے اللہ! کہنا اور اس کا راز یعنی اس کی مناجات مجھے اچھی معلوم ہوتی ہے۔

(۱۱) و (۱۲) طوطیوں اور بلبلوں کو پسندیدگی کی وجہ سے خوش آوازی کے سبب قفس کے اندر بند کر دیتے ہیں اور زاغ اور چغد (کوّا اور اُلّو) کو قفس کے اندر کب کرتے ہیں یہ بات کبھی قصے میں سُننے میں نہیں آئی۔

(۱۳) یہ دُنیا مومن کے لئے قید خانہ اسی لئے ہے کہ اس کی حاجات یہاں کم پوری ہوتی ہیں جس سے وہ تنگ ہونے لگتا ہے اور اصلی سبب نہیں جانتا جس طرح طوطی اور بُلبل کے لئے قفس تجویز کیا جاتا ہے اور وہ تنگ ہوتی ہے اور کافروں کے لئے دُنیا جنّت عاجلہ اسی لئے ہے کہ ان کی اکثر حاجات ان کی مرضی کے مُطابق پوری کر دی جاتی ہیں۔

(۱۴) غرض مومنوں کی بیمرادی خواہ وہ مومن نیک ہو یا بد ہو تو یقین کر کہ اسی لئے ہوتی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

(ف) تاخیر اجابت کی علت یا حکمت کا اسی میں انحصار مقصود نہیں بلکہ منجملہ دیگر دیگر اسباب کے ایک یہ بھی ہے چونکہ یہ مشہور نہ تھی اِس لئے اس پر تنبیہ مناسب معلوم ہوئی اس کے علاوہ اور توجیہات بھی ہیں مثلاً یہ کہ مومن کو جو نعمتیں جنّت میں ملیں گی دُنیا کی تمام نعمتیں اس کے مُقابلہ میں ہیچ ہیں اس وجہ سے یہ قید خانہ ہے اور کافر کو جو سزا تجویز ہے دوزخ میں اس لحاظ سے دُنیا کی مُصیبت بھی کافر کے لئے جنّت ہے اور مثلاً یہ کہ

مومن کا دُنیا میں مثلِ قید خانہ کے جی نہیں لگتا اور کافر کا دُنیا میں خوب جی لگتا ہے۔ حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آخیر والی توجیہ میرے دِل کو زیادہ لگتی ہے۔

دَر بَیانِ علاجِ جمودِ فکر اَز کثرتِ ذکر

۱ اِیں قدر گفتیم باقی فکر کُن	فکر گر جامِد بُود رَو ذِکر کُن
۲ ذِکر آرَد فکر را دَر اِہتزاز	ذِکر را خورشیدِ ایں اَفسُردہ ساز
۳ ذِکر گو تا فکر تُو بالا کُند	ذِکر گفتن فکر را والا کُند
۴ اَللہ اَللہ ہست نام پاکِ دوست	اِسمِ اَعظم اَز برائے قُربِ اُوست

ترجمہ و شرح:

(۱) زیادہ تقریر اصلاحِ باطن کے لیے مُفید نہیں۔ تھوڑی بات بھی اگر فکر کے ساتھ سُنی جاوے تو کافی ہے لیکن اگر فکر بالکل جامد اور بے حس ہو گئی ہو تو کسی اللہ والے کے مشورہ سے ذکر شروع کردو کیونکہ فکر میں بلادت وغباوت وجمادت بروت غفلت سے پیدا ہوتی ہے اور ذکر ضدِ غفلت ہے۔

(۲) و (۳) ذکر کی گرمی تُمھارے فکرِ جامد کو حرکت میں لاوے گی پس فکر افسردہ کا علاج یہی ہے کہ ذکر کے آفتاب سے اس کو گرمی پہنچائی جاوے اہتزاز کے معنی حرکت میں آنا ہے۔

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ

وَاَنۡۢبَتَتۡ مِنۡ كُلِّ زَوۡجٍۭ بَهِيۡجٍ ۝ (سورۂ حج۔ پارہ ۱۷)

(ترجمہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ اُبھرتی ہے اور پھولتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما نباتات اُگاتی ہے۔

یہ خاصیتِ مذکورہ دُنیا کی زمین کے بارے میں ارشاد ہے اسی طرح ایک مقام پر ارشاد فرمایا سُقۡنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ یعنی بارش کے بدون زمین کو مُردہ فرمایا۔ اسی طرح دِل کی زمین کا حال ہے کہ بدون ایمان مُردہ ہے اَفَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ (پارہ ۸) حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشاد ہے کہ کیا وہ شخص جو مُردہ تھا پس ہم نے حیات بخشی اُن کو ایمان کی نعمت سے۔

دِل کی زمین اللہ سے غفلت کے سبب مُردہ ہوتی ہے چنانچہ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَثَلُ الَّذِيۡ يَذۡكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيۡ لَا يَذۡكُرُ مَثَلُ الۡحَيِّ وَالۡمَيِّتِ۔

ترجمہ: مثال اس شخص کی جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور اس شخص کی جو یاد نہیں کرتا مثلِ زندہ اور مردہ کے ہے۔

اس شعر مذکور میں مولانا جلال الدّین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی مضمون ارشاد فرمایا ہے کہ اگر غفلت سے تمھارا دِل مردہ ہوچکا ہے اور فکر معطل اور جامد ہوچکی ہے جس کے سبب تمھیں زندگی کا مقصد صرف کھانا اور ہگنا معلوم ہو

رہا ہے اور انجام و عواقب کا مثل جانوروں کے کچھ خیال بھی نہیں گذرتا تو تم ذکر شروع کردو۔ ذکر کی برکت سے دل کی زمین بھی ابھرے گی اور پھولے گی اور اعمالِ صالحہ اور افکارِ جلیلہ حمیدہ اگائے گی۔

الحمد للہ تعالیٰ کہ بزرگوں کی غلامی کی برکت و فیض سے اس شعر کی شرح آیت اھتزت وربت الخ سے بہت ہی عمدہ ہوگئی جو اہلِ ذوق کے لیے قابلِ وجد ہے

تَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنَّا وَشُکْرًا اللّٰہُ شُکْرًا حَسَنًا

بِفَضْلِہٖ وَمَنِّہٖ۔ اٰمین۔

(۴) اللہ اللہ چونکہ نامِ پاکِ دوست ہے یعنی اسمِ ذاتِ محبوبِ حقیقی ہے پس یہ ذکر ذاکر کو مذکور تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور حصولِ قرب کے لیے یہ ذکر اسمِ اعظم ہے۔

در بیانِ فنائیت و بے ثباتیِ کائنات

ہندی و قبچاقی و رومی و حبش	۱	جملہ یک رنگ اند اندر گورِ خوش
کہ ز خاکِ بخیہ بر گِل می زنند	۲	جملہ را ہم باز خاکے می کنند
ایں کباب و ایں شراب و ایں شکر	۳	خاکِ رنگین است و نقشیں اے پسر
خاک را رنگ و فن و سنگے دہد	۴	طفلِ خوباں را ہماں جنگے دہد
رنگِ تقویٰ رنگِ طاعت رنگِ دیں	۵	تا ابد باقی بود بر عابدیں
از خمیرے اشتر و شیرے پزند	۶	کودکاں از حرص او کف می زنند

شیر و اشتر ناں شود اندر دہاں ۷ دز نگیرد ایں سخن با کودکاں
خلق اطفالند جز مستِ خدا ۸ نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

ترجمہ و شرح :

(۱) ہندی اور قبچاقی جو ترکوں کی ایک قوم ہے اور رومی اور حبشی ان سب کے اجسام کے رنگ مختلف ہوتے ہیں لیکن مرنے کے بعد قبروں میں سب کا رنگ خاکی ہو جاتا ہے یعنی سب مٹی ہو جاتے ہیں۔

(۲) حق تعالیٰ شانہ مٹی سے مٹی پر بخیہ کرتے ہیں یعنی ان صورتوں کی ابتداء تا انتہاء ہر جز مٹی ہی ہے۔ جس کا پتہ اس وقت چلتا ہے۔ جب مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ کے بعد وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ کا وقت آجاتا ہے۔ اور یہ اجزاء مثل آنکھ کان ناک جو الگ الگ ناموں سے ممتاز ہوتے ہیں قبروں میں پھر خاک ہو جاتے ہیں اور امتیازی علامت بالکلیہ فنا ہو جاتی ہے۔

(۳) یہ کباب یہ شراب یہ شکر جن کا ذائقہ اور رنگ الگ الگ معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ سب خاک ہے البتہ خاک کو مختلف رنگ دیئے گئے ہیں۔

(۴) خاک کو اس طرح خوش قامتی اور نقش و نگار عطا فرماتے ہیں کہ اطفال خصلت انسان ان کے لئے باہمدیگر جنگ کرتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت یہ صورتیں پھر خاک ہو جائیں گی۔

(۵) صرف تقویٰ اور طاعت اور دین کا رنگ باقی رہتا ہے کیونکہ اس کا رنگ اگرچہ اعضاء خاکی ہی کے اعمال و مجاہدات سے پیدا ہوتا ہے مگر وہ روح پر اثر انداز ہوتا ہے اور روح غیر فانی ہے۔ پس وہ روح جو اللہ کی محبت و خشیت و یاد سے

رنگین ہوگئی تو وہ قیامت تک خوش رنگ اَور خوش عیش اَور خوش مزہ ہوگی اور تلخی فنا سے اس کا حلق کبھی تلخ نہ ہوگا۔

(۶) ماں بچوں کے لئے آٹے سے اونٹ اور شیر بنا کر پکا دیتی ہے اور بچے ان صورتوں پر حرص کے سبب ہاتھ ملتے ہیں اور ماں سے انکے لئے روتے ہیں اور اس کے سامنے روٹی کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔

(۷) ان کو یہ خبر نہیں کہ یہ آٹے کا اونٹ اور شیر مُنہ میں جا کر روٹی ہی ہو جاوے گا پس روٹی اور شیر اور اونٹ میں فرق کرنا محض عارضی صُورت کے سبب نادانی ہے لیکن یہ باتیں بچوں کے فہم میں داخل نہیں ہوتی ہیں۔

(۸) تمام مخلوق اطفال ہیں بجز مستانِ خُدا کے، درحقیقت بالغ وہی ہے جو خواہشاتِ نفسانیہ سے رہائی اور خلاصی پا گیا۔ پس دُنیا کا عاشق اور نفس کا غلام اگرچہ ستّر سال کا بوڑھا بھی ہو لیکن وہ طفل نابالغ ہے۔ صُورت پرستی سے جب تک نجات نہ مِل جاوے اور نگاہ حقیقت و انجام بیں جب تک نہ ہو جاوے اس وقت تک انسان حقیقی بالغ نہیں ہوتا اور یہ صفت بلوغ جو مذکور ہوئی صرف انھیں انسانوں میں مشاہد اور موجود ہو سکتی ہے جنہوں نے اپنے نفس کا تزکیہ کسی اللہ والے کی صُحبت میں رہ کر کرایا اور مُجاہدات کی تکلیف اُٹھائی۔ چند دِن مشقت تو ضرور اُٹھانی پڑتی ہے مگر پھر راحت بھی ایسی عطا ہوتی ہے جو سلاطین کو خواب میں بھی نظر نہیں آسکتی۔

ؔ
پہنچنے میں گو ہوگی بے حد مشقت
تو راحت بھی کیا انتہائی نہ ہوگی؟

تتمہ مضمون مذکور

گر ز صورت بگذری اے دوستاں ... گلستاں ست گلستاں ست گلستاں

عارفاں زانند ہر دم آمنوں ... کہ گذر کردند از دریائے خوں

ترجمہ و شرح:

(۱) اے دوستو اگر صورت پرستی کی بیماری سے تمہاری رُوح نجات پا جاوے تو پھر حق تعالیٰ کے قُرب کا باغ ہی باغ ہر طرف نظر آئے گا۔

(۲) عارفین کو ایک زمانہ مُجاہدہ تو سخت کرنا پڑتا ہے اور اپنی ان تمام خواہشاتِ نفسانیہ کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے جو نافرمانی اور ناراضگی حق میں مُبتلا کر دیتی ہیں لیکن انہیں خواہشات کو خُون کرنے سے حق تعالیٰ ملتے ہیں یہی دریائے خُون ہے جو درمیان میں حائل ہے عارفین چونکہ اس دریائے خُون سے عبور کر جاتے ہیں اس وجہ سے ہر دم ان کی رُوح کو پیغامِ امن و سکون عطا ہوتا رہتا ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ... ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

یہی وہ لوگ ہیں جو "لا تخافوا ہست نزلِ خائفاں" کے مستحق ہوتے ہیں۔ یہ اللہ سے خائف ہوتے اور اللہ نے اپنے ڈر کے انعام میں سب سے بے ڈر اور بے خوف فرما دیا۔

در بیانِ جوش کردنِ رحمتِ حق از نالۂ گنہگاراں

چوں بر آرند از پشیمانی چنیں ... عرش لرزد از انینِ المذنبیں

آنچناں لرزد کہ مادر بر ولد　　دستِ شاں گیرد ببالا میکشد

ترجمہ و شرح :

① و ② پس یہ لوگ جب ندامت و توبہ کے سبب آواز نالہ نکالتے ہیں تو عرش کانپنے لگتا ہے گنہگاروں کی آوازِ گریہ سے اور ایسے کانپتا ہے جیسے ماں اپنے بچہ پر کانپ اٹھتی ہے جب وہ روتا ہے پس عرش اس وقت اس کا ہاتھ پکڑتا ہے اور اوپر کھینچ لیتا ہے جیسے ماں بچہ کو گود میں لیتی ہے۔

بیانِ حصولِ لذۃ قربِ خاص

در باطن بحالت ابتلاء مصائبِ مقبولین در ظاہر

ہمچو یوسف را بجود مشغول کرد　　تا نیاید در دلش زاں حبس درد

آنچنانش انس و مستی داد حق　　کہ نہ زنداں یادش آمد نے غسق

ترجمہ و شرح :

① و ② حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام جب قضاءِ الٰہی سے قید خانہ میں ڈال دیئے گئے تو آپ کے محبوب و مقبول ہونے کے سبب حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو تجلیاتِ خاصہ میں مستغرق فرمالیا تاکہ ان کے دل میں اس حبس سے کلفت نہ پیدا ہو یعنی ان کو حق تعالیٰ نے اپنی ذاتِ پاک کے ساتھ ایسا انس اور سکر عطا فرمادیا کہ نہ تو ان کو زنداں کا خیال آیا نہ قید خانہ کی تاریکی کا خیال آیا۔

خوشا حوادثِ پیہم خوشا یہ اشکِ رواں　　جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

(اصغر)

در بیانِ ضرورتِ فیضانِ روحِ کاملین بہرِ خروج از چاہِ دُنیا

کے دہد زندانیے دراقتناص — مردِ زندانیِ دیگر را خلاص

اہلِ دُنیا جُملگاں زندانی اند — انتظارِ مرگِ دارِ فانی اند

جُز مگر نادر یکے فردانیے — تن بزنداں جانِ اُو کیوانیے

ترجمہ و شرح :

① جس شخص کی روح خود تعلقات دُنیا میں گرفتار ہے وہ دوسرے زندانی (گرفتار) کو کب رہائی دے سکتا ہے یہ ایک مقدمہ ہوا جو ظاہر ہے ۔

② دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اہلِ دُنیا سب کے سب زندانی (قیدی) ہیں یعنی قیدیوں کی طرح عاجز و مغلوب ہیں کیونکہ محبان دُنیا اپنی خواہشاتِ نفس کے غُلام ہوتے ہیں پس اس معنی کے اعتبار سے ہر گرفتارِ شہوت قیدی ہے اور جس طرح زندانی رہائی کا منتظر رہتا ہے اسی طرح اہلِ دُنیا اضطراراً کشاں کشاں اس دارفانی سے خلاصی پانے کا یعنی موت کا انتظار کر رہے ہیں ۔

③ اہلِ دُنیا تو خواہشات نفسانیہ سے موت ہی کے وقت رہائی پاتے ہیں اور اہل اللہ مُجاہدہ کر کے زندگی ہی میں نفس کے تقاضوں کی غُلامی سے آزاد ہو جاتے ہیں اور ان کا جسم تو دُنیا میں چلتا پھرتا ہے لیکن روح تعلق مع اللہ سے مشرف ہو کر چرخِ پر تاباں رہتی ہے یعنی اجسام کے بقاء کی تدابیر کے باوجود ان کی ارواح مقام قربِ اعلیٰ سے ہر وقت مشرف رہتی ہیں پس ان اہل اللہ سے اہلِ دُنیا اپنی

آزادی کی امداد حاصل کرسکتے ہیں چنانچہ تجربہ اور تواتر سے یہ مسلّمہ اہل دُنیا پر بھی واضح ہوچکا ہے کہ جو لوگ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر ایک مُدت مُجاہدہ اور معمولات تجویز کردہ پر پابندی کا اہتمام کرلیتے ہیں تو وہ بھی ان کے فیضِ صُحبت سے غلامیٔ نفس سے اور جاہ دنیا سے آزاد ہوجاتے ہیں اور امرِ دین میں یہ استعانت اہلِ حق سے محمود ہے کہ استعانت بالحق اور للحق ہی ہے۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ۔ وَقَالَ تَعَالٰی۔ فَسْئَلُوْآ اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَ تَعَالٰی۔ وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔

در بیانِ تصرفاتِ الٰہیہ
بر بصارت و بصیرۃِ عباد

قبض و بسطِ چشمِ دِل از ذوالجلال　دمبدم چوں می کُند سحرِ حلال

گہ چو کا بوسے نماید ماہ را　گہ نماید رُوضہ قعرِ چاہ را

زیں سبب در خبر است از حقِ مُصطفٰے　زشت را ہم زشت و حق را حق نما

تا بآخر چوں بگردانی ورق　از پشیمانی نیفتم در قلق

آنکہ سازد در دلت حیلہ و قیاس　آتشے داند زدن اندر پلاس

ترجمہ و شرح : مستفاد از کلید مثنوی

(۱) چونکہ اسماءِ الٰہیہ میں قابض اور باسط بھی ہیں اس لئے کچھ اُن کے آثار

بیان کئے گئے کیونکہ ان کی تجلّی بھی انسان پر ہوتی ہے۔ قبض و بسط بصر و بصیرت کا جو حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا رہتا ہے وہ تجلّی ہے قابض اور باسط کی و مبدءم کس طرح سے سحرِ حلال (یعنی تصرف صواب لاقترانہ بالحکمۃ) کرتا ہے۔

② یعنی کبھی وہ چاند کو کابوس کی طرح دکھاتا ہے اور کبھی چاہ کو باغ کے مشابہہ دکھاتا ہے۔

کابوس دماغ کی ایک بیماری ہے جس میں سوتے ہوتے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے آکر دبا لیا اور آواز تک نہیں نکلتی مُراد اس سے موجب انقباض و تنگی ہے خلاصہ یہ کہ کبھی ماہ کہ موجب انبساط ہے بشکل موجب انقباض معلوم ہوتا ہے اور یہ تجلّی ہے قابض کی اور کبھی چاہ کہ موجب انقباض ہے موجب انبساط معلوم ہوتا ہے اس کو عجیب اور قوی ہونے کے سبب سحر حلال کہا گیا اور حلال اس لئے کہا گیا کہ حق تعالیٰ کا تصرفِ خیر ہے گو کسی خاص کے ضرر کے اعتبار سے اس کے حق میں خلافِ خیر ہو اور مصداق اس موجب انبساط و موجب انقباض کا حق و باطل ہے۔

انتباہ: مولانا کا مقصود یہ ہے کہ قابض کی تجلّی سے کبھی ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں کہ حق بصورتِ باطل نظر آنے لگتا ہے اور اس سے منقبض اور معرض ہو جاتا ہے اور باسط کی تجلّی سے کبھی ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں کہ باطل بصورتِ حق نظر آنے لگتا ہے پس حق و باطل کی تمیز میں کوشش کو جو اختیار دیا گیا ہے اس میں اہتمام کرانا مقصود ہے کہ کہیں غفلت اور قلّتِ فکر سے غلطی میں واقع نہ ہو جاؤ حق تعالیٰ نے اس تمیز کے اسباب اختیار میں دے دیئے ہیں۔

(۳) اِسی سبب سے حضورِ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! آپ زشت کو زشت اور حق کو حق ہی دکھائیے۔ اشارہ دعا۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَا ھِیَ کی طرف ہے جس کے الفاظ حدیث میں میری نظر سے نہیں گذرے لیکن مضمون اس کا بہت سی حدیثوں میں مذکور ہے۔

(۴) یہ دُعا اس لیے کرتا ہوں کہ انجام کار جب آپ حیات کا ورق اُلٹیں یعنی حیات مبدّل بوفات ہو جو وقت ہے انکشاف حقائق کا اس وقت مُجھ کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ اس لئے مُجھ کو اپنی حفاظت خاصہ میں رکھئے تاکہ حالت شہوت اور حالتِ غضب میں میری عقل مغلوب نہ ہو اور حقیقت کے خلاف یعنی حق کو باطل اور باطل کو حق نہ دیکھوں۔

۱۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ۔

ترجمہ: اے اللہ! حق کو ہم کو حق دِکھا اور اس کی اتباع نصیب فرما اور باطل کو ہم کو باطل دکھا اور اس سے اجتناب نصیب فرما۔

۲۔ دوسری دُعا۔ اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً کَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ ہے۔

ترجمہ: اے اللہ! ہماری ایسی حفاظت فرما جس طرح دُودھ پیتے بچے کی حفاظت ماں کرتی ہے کہ بچہ اپنی نادانی سے اگر اپنے کو نقصان پہنچانے کے اسباب بھی اختیار کرنا چاہتا ہے تو ماں بچہ کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے اور اسبابِ ضرر کو اس سے دور پھینک دیتی ہے یہ دُعا بہت عجیب و غریب ہے اور حرزِ جاں بنانے کے قابل ہے ہر فرض نماز کے بعد کم از کم تین بار اس کو

پڑھ لیا جاوے مگر خشوع قلب سے پڑھا جائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ دامنِ رحمت حق میں پناہ گزیں ہو جائے گا اور دین و دُنیا کے ہر نقصان سے حفاظت کے لئے یہ دُعا پڑھنی چاہیئے۔

حکمتِ ایمان بالغیب

تا نگردد رازہائے غیب فاش　　تا نگردد منہدم نظمِ معاش

تا ندرد پردۂ غفلت تمام　　تا نماند دیگِ حکمت نیم خام

یُؤمنوں بالغیب می باید مرا　　تا بہ بستم روزنِ فانی سرا

ترجمہ و شرح:

(۱) چونکہ ظہور و مشاہدہ اسرار سے غفلت کا بالکلیہ ارتفاع ہو جاتا اور اُمور معاش کا مبنیٰ من وجہہ غفلت پر ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر مولانا نے فرمایا کہ

استنِ ایں عالم اے جاں غفلت است

پس بالکل مشاہدۂ اُمورِ غیب سے انتظام معاش مختل ہو جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ میں نے مشاہدات علم یقین حاصل کئے ہیں اُمورِ غیب کے متعلق (یعنی دوزخ کا دردناک عذاب وغیرہ) اگر تم کو بھی اتنا ہی علمِ یقین حاصل ہو جاوے تو تم لوگ ہنستے کم اور روتے زیادہ اور سینہ کوٹتے ہوئے پہاڑوں کی طرف نکل جاتے۔

پس بعض بے عقل انسان یہ تمنّا کرتے ہیں کہ اگر ہم پر عالمِ غیب ظاہر کر دیا

جاوے تو ہم لوگ دوزخ دیکھنے کے بعد پھر گناہ پر کیوں جری ہوتے اس سوال اور اس تمنا کا خلاف عقل ہونا ظاہر ہے۔

عالمِ غیب کو آنکھوں سے دیکھنے کی تمنا کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی طالبعلم کہے کہ امتحان کا پرچہ ہم کو بتا دیا جاوے۔ حالانکہ دنیا کے تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ پرچہ آؤٹ نہ ہونا چاہیئے ورنہ پھر امتحان امتحان نہ رہے گا اور اہل اور نااہل محنتی اور غافل کا فرق ظاہر نہ ہوگا۔ نیز محنت کرنے والوں پر ظلم ہوگا کہ بے محنت طالب علم بھی اس کے برابر ہو جاوے گا اور پاس ہو کر ہمسری کا دعویٰ کرے گا اور اس عالم کا عالمِ امتحان ہونا قرآن سے منصوص ہے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝ (سورۂ کہف۔ پارہ ۱۵)

ہم نے کائنات کو رنگین اور مزین بنایا ہے اس لیئے ہم ان لوگوں کی آزمائش کریں (کہ کون اس نقش و نگار فانی پر فریفتہ ہو کر ہم کو بھول جاتا ہے اور کون اس کی فنائیت پر نظر رکھ کر ہم کو یاد رکھتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے) اور ہم ایک دن زمین کو چٹیل میدان کر دیں گے۔ یعنی یہ سب کارخانے اور دنیا کے ہنگامے فنا ہو جائیں گے۔ تو ایک صحابیؓ[ع] رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں کون "احسن عملاً" ہے یعنی اعمال کے اعتبار سے

ع حضرت عبداللہ بن عمرؓ

احسن ہے؟ ارشاد فرمایا کہ

اَحْسَنُکُمْ عَقْلًا وَاَوْرَعُکُمْ عَنْ مَّحَارِمِ اللہِ
اَسْرَعُکُمْ فِیْ طَاعَتِہٖ سُبْحَانَہٗ

(جس کی سمجھ اچھی ہو اور اچھی سمجھ کی علامت یہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بہت بچنے والا ہوگا اور اللہ کی فرمانبرداری میں بہت آگے بڑھنے والا ہوگا)

۱۔ شعر اوّل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر عالمِ غیب کو دُنیا ہی میں دیکھ لو تو اس قدر خوف طاری ہوگا کہ عقل وحواس کھو بیٹھو گے اور بیوی بچوں کے حقوق اور معاش کے انتظامات سب درہم برہم ہوجاویں گے۔ اہل اللہ پر بعض وقت بعض اسرارِ غیب منکشف ہوگئے اس وقت ان کی زبان پر مہرِ سکوت لگادی جاتی ہے اسی طرف مولانا نے ایک مقام پر اشارہ کیا ہے۔

فاش اگر گویم جہاں برہم زنم

پس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کا خوف صرف اس قدر مطلوب ہے حق تعالیٰ کی نافرمانیوں سے روک دے۔

اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ
بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ (حدیث)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم کو اپنی خشیت اور خوف کی اتنی مقدار عطا فرمادیجئے جو ہمارے اور آپ کی نافرمانیوں کے درمیان روک بن جاوے۔ اس سے زیادہ خوف مطلوب ہی نہیں بلکہ مُضر ہے پس عالمِ غیب کو عالمِ مُشاہدہ بنانے کی تمنا دُنیا میں کرنا انتظامِ عالم کو درہم برہم کرنے کی تمنا کرنا ہے

اور قیامت تک اس عالم کو امتحان کے لیے حق تعالیٰ کو باقی رکھنا ہے۔

۲۔ پس اگر پردۂ غفلت بالکل چاک کر دیا جاتا اور حجاباتِ افلاک مرفوع ہو جاتے تو بقاءِ عالم کی حکمتِ مذکورہ فوت ہو جاتی اور دیگر حکمت خام رہ جاتی۔

۳ اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے بندوں سے ایمان بالغیب کا مطالبہ فرمایا اور کائنات میں نہ اپنے کو دکھانے کا اور نہ عالمِ غیب کے مشاہدہ کا کوئی روزن (دریچہ۔ کھڑکی) رکھا۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا میں آنکھیں بنائی جا رہی ہیں اعمالِ صالحہ اور تقویٰ سے۔ قیامت کے دن کھول دی جائیں گی اور وہاں دیدار سے مُشرف ہوں گی۔

خلاصہ کلام: دُنیا میں ایمان بالغیب سے مقصد اجرِ مجاہدہ لاہل الایمان اور استدراج لاہل الطُّغیان ہے جن کا حاصل اخیر میں ظہور اسماء الٰہیہ ہے اور پُوری حکمت کا علم صرف حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

چند نظائر استدلالی بر ایمان بالغیب

گر تو اَوْ را مِی نہ بینی در نظر ۔۔۔ فہم کن اَمّا با اظہارِ اَثر ۱

خاک را بینی بہ بالا اے علیل ۔۔۔ باد را نے جز بہ تعریف و دلیل ۲

تیر پیدا بین و ناپیدا کماں ۔۔۔ جانہا پیدا و پنہاں جانِ جاں ۳

بوئے گُل دیدی کہ آنجا گُل نبود ۔۔۔ جوشِ مُل دیدی کہ آنجا مُل نبود ۴

پس یقیں در عقلِ ہر داننده ہست	۵ ایں کہ با جنبیدہ جنبانندہ ہست
تن بجاں جنبد نمی بینی تو جاں	۶ لیک از جنبیدنِ تن جاں بداں
خود نباشد آفتابے را دلیل	۷ جز کہ نورِ آفتابِ مستطیل
آفتاب آمد دلیلِ آفتاب	۸ گر دلیلت باید از وے رو متاب

ترجمہ و شرح:

(۱) اگر تم حق تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے ہو تو حق تعالیٰ کی مصنوعات اور ان کی نشانیوں کو دیکھ کر وجودِ باری تعالیٰ پر استدلال کر سکتے ہو۔ پس حق تعالیٰ شانہٗ نے ایمان والوں کی شان میں ارشاد فرمایا یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. آسمانوں اور زمین میں تفکر اور غور کیا کرتے ہیں۔

(۲) خاک اوپر اڑتی دیکھ کر تم ہوا کو بدون دیکھے تسلیم کر لیتے ہو اور عقل سے فوراً یہ سمجھ جاتے ہو کہ خاک اوپر اڑ نہیں سکتی بدون ہوا کے۔

(۳) اسی طرح اُڑتا ہوا تیر دیکھ کر کمان کے وجود کو بدون دیکھے تسلیم کر لیتے ہو یعنی عقل بتا دیتی ہے کہ تیر بدون کمان کے خود نہیں اُڑ سکتا ہے جسم کی حرکت سے جان کا وجود تو ظاہر ہے مگر جان کے اندر جانِ جاں پنہاں ہے اس پر بھی یقین کرو۔

(۴) کیا تم نے بوئے گل محسوس کی جہاں گل ہی نہ ہو اور جوشِ شراب دیکھا جہاں شراب نہ ہو۔

(۵) پس یقیناً ہر جاننے والا یہ جانتا ہے کہ ہر حرکت کرنے والی چیز کا کوئی محرّک ہے۔

(۶) جسم جان کی وجہ سے حرکت کرتا ہے مگر تم جان کو دیکھتے نہیں ہو لیکن جسم کو

حرکت کرتے دیکھ کر جان کو بدون دیکھے تسلیم کر لیتے ہو۔

(۷) و (۸) بدون دیکھے صدہا نظائر اور مثالیں دُنیا میں موجود ہیں اور ان کو بدون دیکھے تم علامات سے تسلیم کر لیتے ہو مثلاً چہرہ کے تبسم سے دل کی خوشی کا اور چہرہ کی زردی اور آنکھوں کی اشکباری سے غم کا وجود تسلیم کر لیا جاتا ہے حالانکہ آج تک خوشی اور غم کو کوئی دیکھ نہ سکا کہ یہ ہوتے کیسے ہیں۔ اسی طرح رحمت اور غُصّہ دِل میں ہوتا ہے کسی نے آج تک ان کو نہ دیکھا مگر آثار و عَلامات سے ان پر سب یقین رکھتے ہیں پس اسی طرح حق تعالیٰ کے وجود پر خود تُمہارا جسم اور کائنات کا ہر ذرہ آسمان و زمین شمس و قمر۔ انقلابات موسم۔ دریا و پہاڑ۔ مشرقی، غربی، شمال و جنوبی ہوائیں۔ بادلوں کا لاکھوں ٹن وزن پانی کا لے کر ہواؤں کے کندھوں پر اُڑنا اور ان کی بارش میں مخلوق کا بے بس ہونا۔ چاہنے کی جگہ پر نہ ہونا اور نہ چاہنے کی جگہ پر طوفان اور سیلاب آجانا یہ سب نشانیاں حق تعالیٰ کے وجود پر اس طرح سے روشن ہیں جس طرح آفتاب کے وجود پر اس کی روشنی دلیل ہے اگر آفتاب کے لیے کوئی دلیل طلب کرتا ہے تو اس کی تمازت و تیز شعاعوں سے آنکھوں کو کیوں پھیرتا ہے۔

غذائے روح

خُوئے مِعدہ زیں کہہ و جو باز کُن — خوردنِ ریحان و گُل آغاز کُن

مِعدہ را خو کُن بداں ریحان و گُل — تا بیابی حکمت و قُوتِ رُسُل

ہر کہ باشد قوتِ اُو نورِ جلال ــــ چوں نزاید از لبش سحرِ حلال

ترجمہ و شرح :

① چند دِن معدہ کی عادت کو گھاس اور جو سے باز رکھو یعنی لذیذ غذاؤں کا اہتمام ترک کر کے ریحان و گل (ذکرِ حق) کھانے کی عادت کا آغاز کرو۔

② معدہ کو ریحان و گل (ذکرِ حق و اطاعت کی غذاء کا عادی بناؤ تاکہ انبیاء علیہم السلام کی طرح تمہارے باطن پر علوم و معارف کا فیضان ہو۔

③ جس شخص کی غذاء انوار ذکرِ الٰہی ہوں تو اس کے لبوں سے کیوں نہ سحرِ حلال یعنی کلامِ مؤثر پیدا ہوگا۔

در مذمّتِ تعلق بالمجاز و پناہ گرفتن ازو

باحضورِ آفتابِ خوش مساغ ــــ رہنمائی جستن از شمع و چراغ

بے گماں ترکِ ادب باشد زِما ــــ کفرِ نعمت باشد و فعلِ ہوا

آفتابا با تو چوں قبلہ و امیم ــــ شب پرستی و خفاشی میکنیم

سوئے خود کن ایں خفاشاں را مطار ــــ زیں خفاشی شاں بخرائے مستجار

ترجمہ و شرح :

① و ② آفتاب خوش رفتار کے نور سے اعراض کرنا اور اس کی موجودگی میں شمع و چراغ سے رہنمائی ڈھونڈنا بلاشبہ ہماری طرف سے ترکِ ادب ہے اور نعمت نورِ آفتاب کی ناشکری ہے اور ایسا کرنا محض ایک نفسانی

فعل ہو گا۔

③ و ④ اے آفتابِ حقیقی! آپ جیسے قبلہ و امام کے ہوتے ہوئے ہم شب پرستی و خفاشی کر رہے ہیں یعنی چمگادڑوں کی طرح ظلمت پسندی میں مُبتلا ہیں آپ اپنے فضل و کرم ان خفاش طبع انسانوں کی پرواز کو اپنی طرف کر لیجئے اور ان کو ظلمت سے نکال کر نور میں داخل فرما دیجئے۔

اعجازِ آفتابِ کرم و ظہورِ رحمتِ واسعہ

کیمیا داری کہ تبدیلش کُنی   گرچہ جُوئے خُوں بُوَد نیلش کُنی

لُطفِ عامِ تُو نمی جُوید سَنَد   آفتابت بر حَدَث ہا می زَنَد

ترجمہ و شرح:

① اے اللہ! آپ کی رحمت میں عجیب کیمیاوی اثر ہے کہ جس پر آپ اپنی رحمت سے توجہ فرما دیتے ہیں تو آپ کی نگاہِ کرم اس کے دریائے خُون یعنی اس کے تمام اخلاقِ رذیلہ کو یک لحظہ اخلاقِ حمیدہ سے تبدیل کر دیتی ہے۔

② اے اللہ! آپ کا لُطفِ عام قابلیت نہیں ڈھونڈتا ہے بلکہ مخلوق کی ہر قابلیت محض آپ کی عطا ہے آپ کی رحمت عامہ کی شان تو یہ ہے کہ آپ کا آفتابِ کرم ظاہری اور باطنی دونوں نجاستوں کو اپنی شعاعِ فیض سے محروم نہیں کرتا چنانچہ شعاعِ آفتاب ہی سے زمین پر پڑی ہُوئی جانوروں کی نجاستیں کچھ خشک ہو کر تنور میں روشن ہو جاتی ہیں اور کچھ زمین میں بوجہ حرارت جذب

ہو کر سبزہ خوشنما کی صورت میں رونما ہوتی ہیں۔ اسی طرح قلوب کی باطنی نجاستوں (کفر و شرک و عصیان) پر بھی آپ کے آفتاب کرم کی شعاعیں جب اپنا فیضان ڈالتی ہیں تو ان سب کو ایمان و تقویٰ کے نور سے تبدیل کر دیتی ہیں۔

جوش میں آئے جو دریا رحم کا　　گبرِ صد سالہ ہو فخرِ اولیاءؒ

عِلاجِ عجب و خود بینی

مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

جملہ صفات انسانی مستعار از فضلِ ربّانی ہستند

گرچہ آہن سرخ شد او سرخ نیست　　پرتوِ عاریتِ آتش زنیست

گر شود پر نور روزن یا سرا　　تو مداں روشن مگر خورشید را

ترجمہ و شرح:

۱۔ اگر لوہا آگ کی صحبت میں سرخ ہو جائے تو اس کو چاہیئے کہ اس سرخی کو اپنی ذاتی سرخی سمجھ کر ناز نہ کرے بلکہ اس سرخی کو فیضان آتش سمجھ کر اس کو محض عطاء و مستعار سمجھے اور ڈرتا رہے کہ اس فیضان حرارت نے اگر میری خود بینی اور عجب کے سبب بوجہ غیرت توجہ مجھ سے ہٹالی تو پھر میں اسی طرح کالا بدرنگ لوہا ہو جاؤں گا اور میری یہ سرخی ہرگز باقی نہ رہ سکے گی۔

۲ اگر کوئی دریچہ یعنی کھڑکی یا گھر شعاع آفتاب سے روشن ہو تو اس روزن اور

گھر کو اس روشنی کو ذاتی سمجھ کر تکبّر اور ناز نہ کرنا چاہیئے بلکہ صرف عطاءِ آفتاب کا ممنون رہنا چاہیئے اور آفتاب کے سامنے سراپا نیاز بن جانا چاہیئے اور یوں سمجھنا چاہیئے کہ ہم روشن نہیں بلکہ یہ آفتاب ہی کے انوار ہیں پس روشن آفتاب کو سمجھو نہ کہ دریچہ اور گھر کو۔ حق تعالیٰ اسی کو فرماتے ہیں کہ جو کچھ تم کو بھلائی اور اچھائی پہنچے وہ سب محض عطائے خداوندی ہے۔

فائدہ: طالب جو کچھ اپنے شیخ کی صحبت سے فیضانِ قُرب اور اخلاق عالیہ اور علوم و معارف اور لذۃ ذکر و طاعات اور جملہ تجلّیات اسماء کا ظہور اپنی روح میں محسوس کرے تو اس کو اپنا ذاتی کمال نہ سمجھے بلکہ یوں سمجھے کہ شیخ کا قلب جو مثل آفتاب منوّر بنورِ حق ہے وہ امرِ حق سے میرے قلب کو انوار قرب خاص سے لعل بنا رہا ہے پس اس سُرخیِ مستعار پر ہمیشہ شیخ کا ممنون اور متواضع اور سراپا نیاز بن کر رہے کبھی اپنی ذاتی سُرخی سمجھ کر ناز اور خود بینی میں مُبتلا نہ ہو ورنہ غیرتِ حق سے قلبِ شیخ کا فیضان بند ہو جاوے گا اور تم پھر وہی خس و خاشاک اور سیاہ لوہے کی طرح دو کوڑی کے ہو جاؤ گے۔ حق تعالیٰ ہم سب کو عجب و پندار اور ناز و خود بینی سے محفوظ فرماویں۔ آمین

دَر بیانِ حدیثِ زُر غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا

گرچہ دَر خُشکی ہزاراں رنگہاست ۱ ماہیاں را با یبوست جنگہاست

دائم اندر آب کارِ ماہی ست ۲ مار را با او کجا ہمراہی ست

نیست زرِ غبّاً وظیفہ عاشقاں ۴ سخت مستسقی ست جانِ صادقاں

پنج وقت آمد نماز رہنموں ۵ عاشقاں را ہم صلوٰۃ دائموں

نیست زرِ غبّاً وظیفہ ماہیاں ۶ زانکہ بے دریا ندارند انسِ جاں

ترجمہ و شرح :

① اگر مچھلیوں کے کان میں کوئی کہے کہ خشکی میں چلو تم کو خشکی میں دلکش نقش و نگار اور مختلف رنگ و بہار کا لطف ملے گا تو مچھلیاں جواب دیں گی کہ اگر خشکی میں ہزاروں رنگ اور بہاریں ہوں لیکن ہمارے لیے خشکی کا ہر پیغام عیش پیغام موت کے مترادف ہے۔ ہمیں تو پانی ہی کے اندر ہر قسم کا عیش محسوس ہوتا ہے تمام کائنات کی نعمتیں ہم کو پانی ہی میں نظر آتی ہیں۔ پانی ہی ہماری خوابگاہ ہے پانی ہی ہمارا کسب و معاش گاہ ہے پانی ہی میں ہماری زندگی کی تمام ضروریات کا حل موجود ہے۔ برعکس خشکی تمام نعمتوں اور بہاروں کے باوجود ہماری ہلاکت ہے۔

یہی حال اللہ والوں کی روحوں کا ہے کہ ان کو حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ ایسا انس ہوتا ہے کہ ان کو میاں ہی کی یاد میں تمام کائنات کی لذتیں محسوس ہوتی ہیں۔

بسودائے جاناں زجاں مشتغل

بذکرِ حبیب از جہاں مشتغل

محبوب حقیقی کی محبت میں اپنی جان سے بھی بے پروا رہتے ہیں کیونکہ جب جان کی جان سے رابطہ ہو تو پھر یہ جان بھی بمنزلہ جسم کے بے قدر ہو جاتی ہے۔

متاعِ جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

اور میاں ہی کی یاد میں ایسے دیوانے ہو رہے ہیں کہ تمام جہان سے بے پروا ہو

رہے ہیں۔

خلقے پس دیوانہ و دیوانہ بکارے

② ہمیشہ پانی ہی میں رہنا یہ مچھلیوں ہی کا کام ہے لیکن کبھی کبھی سانپ بھی پانی میں داخل ہو کر مچھلی پن ظاہر کرتا ہے تاکہ خلق اس کو بھی مچھلی سمجھ کر اس کا احترام کرے مگر چونکہ سانپ کی روح کو پانی سے اُنس حاصل نہیں اس لئے تھوڑی دیر میں پانی سے وحشت اور اس کا دُم دبا کر خشکی میں بھاگنا اس کو رسوا کر دیتا ہے پس سانپ کب مچھلی کی ہمراہی اور ہمسری کا دعویٰ کر کے نباہ کر سکتا ہے۔

فائدہ: سچے اہل اللہ کے بھیس و لباس میں کبھی ٹھگ اور ڈاکو بھی لوگوں کے دین پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے اور اپنے پیٹ کا کاروبار چمکانے کے لئے خانقاہ بنا کر دُرویشی اور فقیری کا لبادہ اوڑھ کر تصوّف کی چند اصطلاحات سُن سُنا کر یا کتابوں سے رَٹ کر دھوکہ دہی شروع کر دیتے ہیں مگر چونکہ ان کی روح کو حق تعالیٰ کے ساتھ اُنس نصیب نہیں جو بڑے مُجاہدات اور پیرِ کامل کے فیضانِ صُحبت سے میسر ہوتا ہے اس لئے یہ مخلوق سے نظر بچا کر تسبیح طاق پر رکھ کر رات بھر خراٹے مارتے ہیں۔ ان کا دل دوامِ ذکر اور استقامت کو کب گوارا کر سکتا ہے پس یہ اپنے رذائل اور توحّش عن الذکر سے رُسوا ہو جاتے ہیں۔ جب دل نورِ تقویٰ سے خالی ہوتا ہے تو اعضاء کے افعال سے اس کی تہی قلبی اہلِ نظر بھانپ لیتے ہیں۔

③ حدیث شریف میں وارد ہے کہ زِرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا ناغہ دیکر مُلاقات کرنا محبت کو زیادہ کرتا ہے۔ مگر یہ حکم عام مخصوص منہ البعض ہے حضرت ابُو ہریرہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کُنْتُ اَلْزَمُ لِصُحْبَتِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صُحبت مُبارکہ میں ہر وقت حاضر رہتا تھا جس طرح کوئی شے کسی شے سے چپکا دی جاوے۔ حاصل یہ کہ یہ حکم ناغہ دے کر مُلاقات کا عام طبائع کے لیے ہے عشاق اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ عاشقین صادقین کی جانیں سخت مستسقی ہوتی ہیں آب وصال کے لیے استسقاء ایک بیماری ہے جس میں پانی پیتے پیتے پیٹ تن کر آدمی مرجاتا ہے لیکن پیاس نہیں بُجھتی۔

④ یہی سبب ہے عوام کے لیے پنجگانہ نمازوں کا ادا کرنا بھی دشوار ہوتا ہے اور عاشقین ہر وقت نماز ہی میں رہنا چاہتے ہیں۔ جب دیکھو ہاتھ باندھے اپنے مولیٰ کے سامنے کھڑے ہیں اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہی میں ہے۔ یعنی اولیاء اُمت کو مشکوٰۃ نبوت سے قرۃ عینی فی الصّلوٰۃ کا انعام عطا ہوتا ہے۔

⑤ اِس شعر میں مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تمثیلی دلیل بیان فرما کر اپنے دعویٰ کو واضح فرمایا ہے کہ کیا تم مچھلیوں سے یہ کہہ سکتے ہو کہ پانی سے مُلاقات ناغہ دے کر کیا کرو۔ کیونکہ مچھلیاں بدون دریا کے اپنی جانوں میں چین و سکون اور اُنس نہیں پاسکتی ہیں۔

در بیانِ دیوانگی

ہر چہ غیرِ شورش و دیوانگی ست	۱	اندرِیں رہ دوری و بیگانگی ست
غیرِ آں زنجیرِ زُلفِ دلبرم	۲	گر دو صد زنجیر آری بردرم

بارِ دیگر آمدم دیوانہ وار	۳	رو رو اے جاں زود زنجیرے بیار
زیں خرد جاہل ہمی باید شدن	۴	دست در دیوانگی باید زدن
عاشقم من بر فنِ دیوانگی	۵	سیرم از فرہنگی و از فرزانگی
آزمودم عقلِ دور اندیش را	۶	بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

ترجمہ و شرح:

① جو مشاغل کہ ذکر محبوبِ حقیقی سے تعلق بلاواسطہ یا بواسطہ نہیں رکھتے وہ ان کی راہ میں حجابات اور باعثِ فراق و بُعد ہیں ذکر بلاواسطہ کی مثال جیسے ذکر اللہ، تلاوت، نماز وغیرہ اور بواسطہ کی مثال جیسے کسی لاوارث مریض کی تیمار داری اور خدمت یا کسبِ معاش اور حقوق واجبہ میں بہ نیت رضائے مولیٰ مصروف ہونا اور قلب کو اس وقت بھی حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رکھنا۔ ورنہ کافر بھی کسبِ معاش اور انسانی حقوق واجبہ کی تکمیل کرتا ہے مگر رضائے الٰہی کی نیت نہ ہونے اور محض انسانی تقاضوں سے کام کرنے کا انجام بطلانِ عمل اور فقدان اجر منصوص ہے اور رضائے الٰہی کی نیت کا اعتبار تصدیق و اتباعِ رسالت کے ساتھ مشروط ہے ورنہ بعض کفار بھی رضائے خداوندی کی نیت سے بعض کام کرتے ہیں۔

② محبوبِ حقیقی کی اطاعت و یاد اور ان کی محبت کی زنجیر کے علاوہ اگر دُنیا کے علائق کی دو سو زنجیریں بھی اے دُنیا والو! تم میرے پاؤں میں ڈالو گے تو میں سب کو توڑ دوں گا۔

③ اے میری جان میں نے نفس کی غلامی کا طوق گلے سے اُتار پھینکا ہے اور غفلت و نفس پرستی سے توبہ کرلی ہے اور حق تعالیٰ کی عنایت سے میری مُردہ

زندگی پھر دیوانہ وار محبوبِ حقیقی کے لئے بے چین ہوگئی ہے۔ اے میری جان۔ جا۔ جا اور جلد حق تعالیٰ کی محبّت کی زنجیر کسی کامل سے لا اور مجھے اس سے باندھ کر مولیٰ کا سچا تابعدار غلام بنادے کہ پھر اگر اس در سے بھاگنا چاہوں تب بھی نہ بھاگ سکوں۔

؎ میں ہوں اور حشر تک اس در کی جبیں سائی ہے
سرِ زاہد نہیں یہ سر سرِ سودائی ہے

؎ دِل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کئے ہوئے

؎ دِل چاہتا ہے دَر پہ انہیں کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منّتِ درباں کئے ہوئے

؎ مارا جو ایک ہاتھ گریباں نہیں رہا
کھینچی جو ایک آہ تو زنداں نہیں رہا

(۴) جو عقل کہ محبوبِ حقیقی کی راہ میں حجاب ہو یعنی ہر وقت کھانے اور ہگنے موتنے میں مشغول رکھے اور اسی کو زندگی کا حاصل بتا کر بہائم کے مشابہ بنادے وہ عقل اسی قابل ہے کہ اس کے سر پہ خاک ڈال دی جائے۔

ساقیا! برخیز در دہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایام را

اے مرشدِ کامل! اُٹھیئے اور ایک جامِ محبت پلا دیجئے اور زمانے کے افکار و حوادث پر خاک ڈال دیجئے۔

سیکڑوں غم ہیں زمانہ ساز کو
اک ترا غم ہے ترے ناساز کو
(اخترؔ)

اہلِ دُنیا بنگلوں اور کاروں اور شراب کباب کے باوجود ہر وقت اپنی چاند پر افکار کی لاتیں کھاتے رہتے ہیں اور بالآخر عاجز اور تنگ آکر نشہ اور مشروبات سے اس درد کو غلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر جب نشہ اترتا ہے تو درد میں دُگنا اضافہ محسوس ہوتا ہے کیونکہ علاج غلط تھا، درد کا علاج احساس درد کو مفلوج اور سُن کرنا نہیں ہے بلکہ درد کے سبب کا ازالہ ہے۔ انجام کار مصائب سے اور افکار کی لاتیں کھاتے کھاتے ایک دن دم توڑ دیتے ہیں۔ یا خودکشی کر کے حرام موت مرجاتے ہیں اور دُنیا بھی عجیب ہے کہ اگر یہ دُنیا دار ایڑی چوٹی کا زور لگا کر خون پسینہ گرا کے ایک دو افکار سے نجات بھی حاصل کر لیتے ہیں لیکن بحرِ فکر کی تہہ سے یہ بیچارے سطحِ راحت وسکون پر سر نکالنے بھی نہیں پاتے کہ دو صد نئے افکار ان کی چاند پر ایسی لات مارتے ہیں کہ پھر تہہ نشین ہوجاتے ہیں۔ الغرض تمام عمر یہ دُنیا دُنیا داروں کو دریائے فکر کی گہرائی سے نکلنے نہیں دیتی یہاں تک کہ موت سے ہمکنار کر دیتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک مفکرِ اعظم صاحب نے سوال کیا کہ اگر آپ میرے ایک سوال کا جواب دیدیں تو میں آپ کی نبوۃ کو تسلیم کرلوں فرمایا کہو۔

اس نے کہا کہ اگر کسی کمان سے مسلسل تیروں کی بارش ہو رہی ہو تو اس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ شانہٗ سے اس کے جواب کا انتظار

فرمایا۔ وحی الٰہی سے جواب عطا ہوا کہ اس سے کہہ دیجئے کہ تیر چلانے والے کے پاس بھاگ کر کھڑا ہو جاوے۔ آہ یہی راز ہے ارشاد باری تعالیٰ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ کا اے لوگو! بھاگو اللہ کی طرف۔ اسی مضمون کو حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شعر میں خوب ادا کیا ہے۔

؎ بلائیں تیر اور فلک کماں ہے چلانے والا شہ نہاں ہے
اُسی کے زیرِ قدم اماں ہے بس اور کوئی مَفر نہیں ہے

پس عاقل وہ ہے جو حق تعالیٰ کی رضا جوئی میں جیتا ہے اور اسی میں مرتا ہے اور بے وقوف وہ ہے جو خود سراپا محتاج و محکوم غلام ہونے کے باوجود اپنے با اختیار مولیٰ کو ناراض کئے ہو۔ اسی لئے یہ نارکارہ عرض کرتا ہے کہ حمقائے زمانہ کون ہیں؟ فسقائے زمانہ اور عقلائے زمانہ کون ہیں؟ اتقیائے زمانہ۔ ہمیشہ بھلی راہ پر اہل عقل چلتے ہیں اور نادان بُری راہ پر۔

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی لئے فرماتے ہیں کہ ایسی عقل جو خُداشناس نہ ہو اور فکرِ معاد سے غافل مثل بہائم ہر وقت فکرِ معاش میں مصروف ہو ایسی عقل سے تو جاہل ہی رہنا بہتر ہے اور وہ دیوانگی بہت کام کی ہے جو اغیار سے بیگانہ اور محبوب کا دیوانہ بنادے۔ وہ عقل جو محبت کاملہ سے محروم ہو وہ عقل ناقص ہے۔ خود عقل کا کمال موقوف ہے تکمیل محبت پر۔

؎ یا تو خرد کو ہوش کو مستی و بیخودی سکھا
یا نہ کسی کو ساتھ لے اس کے حریم ناز میں

ے نگاہِ عشق تو بے پردہ دیکھتی ہے اسے
خرد کے سامنے اب تک حجابِ عالم ہے

ے جمال اس کا چھپائے گی کیا بہارِ چمن
گلوں سے چھپ نہ سکی جس کی بوئے پیراہن

دُنیائے چمن کی رنگینیاں اور بہاریں صرف کفّار کو باعثِ حرمان وحجاب ہوگئیں ورنہ اولیاء اللہ کی روحیں حق تعالیٰ کی خوش بو کو ہر وقت نشر کر رہی ہیں ذرا ان کے پاس جاکر تو دیکھو ے

بنگر ایشاں را کہ مجنوں گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلش کُشتہ اند

ذرا اولیاء اللہ کی مجالس میں بیٹھ کر تو مشاہدہ کرو کہ کیسے اپنے مولیٰ حقیقی کی یاد میں مجنوں ہو رہے ہیں اور کمال قرب سے ان کی روحیں مثل پروانوں کے سوختہ ہوئی جاتی ہیں۔ گلوں سے مراد ارواح اولیائے عاشقین ہیں۔ ان کے اقوال سے اخلاق سے، اعمال سے ان کی ہر سانس سے اور ہر بن مو سے اللہ کی خوشبو نشر ہو رہی ہے۔ چنانچہ مشاہدات سے یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بڑے بڑے سلاطین جب کسی اہلِ دل کی صحبت سے عشقِ حقیقی کی لذت اور اس کی خوشبو پاگئے تو پوری کائنات کا جمال ان کی نگاہوں میں ہیچ ہوگیا۔

دُنیا خواہ کتنی ہی دلکش بہار جمال رکھتی ہے مگر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کی ارواح سے جب میاں کی خوشبو نشر ہوتی ہے تو اس کی تشریح وتفہیم کے لئے الفاظ و لغت اور تمام زبانیں حیران و ششدر رہ جاتی ہیں۔

بُوئے آں دلبر چو پرّاں می شود
ایں زبانہا جملہ حیراں می شود

اس محبوب حقیقی کی خوشبو جب پرّاں ہوتی ہے تو تمام زبانیں محوِ حیرت ہو جاتی ہیں۔

گرچہ تفسیرِ زباں روشنگر ست | لیک عشقِ بے زباں روشن تر ست
عقل در شرحش چو خر در گل بخفت | شرحِ عشق و عاشقی ہم عشق گفت

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تفسیر زبان کی اگرچہ روشن گر ہے لیکن عشق جب شرح کرتا ہے تو وہ بے زبان کے اس سے روشن تر شرح کرتا ہے۔ مثلاً کوئی عاشق مہجور بحضور محبوب غمِ فراق کی شرح زبان سے کہہ رہا ہو اور کوئی عاشق زبان سے کچھ نہ کہے بس آنسو بہانے لگے اور ایک آہ کھینچ لے محبوب دریافت کرتا ہے کہ کچھ زبان سے کہو مگر وہ مسلسل اشکہائے خون گرائے جاتا ہے تو اس عاشق کا یہ طرزِ بیان کہ لب خموش زبان ساکت مگر اس کی اشکباری اور آہ سرد محبوب کے دل کو ہلا کر رکھ دے گی۔ یہی حال اولیاء اللہ کا ہوتا ہے کہ بعض وقت وہ جب حضور باری تعالیٰ میں ہاتھ اٹھاتے ہیں تو زبان سے کچھ نہیں نکلتا۔ بس آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور آہ نکل جاتی ہے زبان تو ساکت ہے مگر یہ آہ عرش الٰہی کو ہلا رہی ہے۔

عرش لرزد از انینِ المذنبین

جس طرح ماں بچے کے رونے سے کانپنے لگتی ہے غلبہ رحمت و محبت سے نالۂ گنہگاراں سے عرش کانپنے لگتا ہے بکمال رحمت سے۔

(۲) عقل شرح محبت کرتے کرتے عاجز ہو کر مثل گدھے کے کیچڑ میں سو گئی

اور عشق نے شرحِ عشق کو کمال تک پہنچا دیا بعض وقت اہل اللہ روتے روتے تھک جاتے ہیں آنسو خشک ہو جاتے ہیں مگر ان کو سیری نہیں ہوتی اور ان کے قلب کی طغیانی بزبانِ حال یہ تمنّا کرتی ہے ۔

اے دریغا اشکِ من دریا بُدے
تا نثارِ دلبرِ زیبا شُدے

کاش کہ میرے آنسو دریا ہو جاتے اور محبوبِ حقیقی پر قربان ہو جاتے ۔

محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گذرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

ہر کجا بینی تو خوں بر خاکہا　　پس یقیں میداں کہ آں از چشمِ ما

حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہاں بھی روئے زمین پر خون کے قطرات ٹپکے ہوئے دیکھو یقین کر لو کہ وہ ہماری ہی آنکھوں سے گرے ہیں ۔

⑤ مولانا فرماتے ہیں کہ میں دیوانگی کے فن پر عاشق ہوں کیونکہ یہی وہ فن ہے جو محبوبِ حقیقی تک جلد پہنچا دیتا ہے ۔ میں عقل کی باتوں سے بہت سیر ہو چکا ہوں ۔ کچھ کام نری عقل سے بنتا نہیں ہے ۔ جیسے وہ ریل کہ اس کے انجن میں بھاپ نہ ہو ۔ بس اپنی جگہ پر کھڑی منزل سے محروم پڑی ہے ۔ عشق و محبّت دل کے انجن میں برق رفتاری پیدا کرتے ہیں ۔ ایمان کا راستہ بھی شدتِ محبّت کو چاہتا ہے ۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (الاٰیۃ) جو لوگ ایمان لائے یعنی مؤمنین کاملین اللہ تعالیٰ کی محبّت میں بڑے ہی سرگرم ہیں حتّٰی کہ جان دینا جان لینا سب آسان ہو گیا ۔

⑥ مَیں نے عقلِ دور اندیش کو ایک عمر آزمایا مگر راستہ محبوبِ حقیقی کا نہ طے ہوسکا اس لیے ہار کر اپنے کو دیوانہ بنا لیا اور اب سارے حجابات ختم ہوگئے۔

؎ نگاہِ عشق تو بے پردہ دیکھتی ہے اُسے
خرد کے سامنے اب تک حجابِ عالم ہے

؎ یہاں تو ایک پیغامِ جنوں پہنچا ہے مستوں کو
انھیں سے پُوچھئے دُنیا کو جو دُنیا سمجھتے ہیں

یہی محبّت کی دولت حاصل کرنے کے لیے حضرت مولانا قاسم صاحب بانیٔ دیوبندؒ رحمۃُ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدّث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حکیمُ الامت اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ کو باوجود علومِ درسیہ کے سمندر ہونے کے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃُ اللہ علیہ کی صحبت میں جانا پڑا اور خود حضرت جلالُ الدّین رُومی رحمۃُ اللہ علیہ کو غلامِ شمُس تبریزی بننا پڑا۔

؎ مُولوی ہرگز نشُد مُولائے رُوم　تا غُلامِ شمُس تبریزی نشُد

بعض اہلِ علم نے ان عُلمائے کاملین سے سوال کیا کہ آپ حضرات حضرت حاجی صاحب کے پاس کیوں گئے جب کہ آپ کا ہر فرد خود بحرالعلوم ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃُ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگوں نے مدارس میں دین کی مٹھائیوں کی صرف فہرست پڑھی تھی اور حضرت حاجی صاحب رحمۃُ اللہ علیہ کے پاس کھانے گئے تھے صرف عُلومِ ظاہرہ کو کافی سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کہ فہرست میں مٹھائیوں کی اقسام پڑھ لی جاویں انجام کار یہ ہوتا ہے کہ خود بھی بے کیف

اور دوسروں کو بھی بے کیف رکھتے ہیں۔ ان سے کیا دین چمکے گا۔ ارے کچھ دن کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کر لو۔ پھر دیکھو کہ ان علوم میں کیسی روح پیدا ہو جاتی ہے جو تمھیں بھی زندہ کر دے گی اور بہت سے مردہ قلوب تمھاری صحبت سے حقیقی حیات سے مشرف ہوں گے۔

قال را بگذار مردِ حال شو　　پیشِ مردِ کاملے پامال شو

چند دن احساس علم اور پندار علم کو فنا کر دو اور بالکل خالی الذہن ہو کر کسی مردِ کامل کے سامنے اپنے کو فنا کر دو پھر صاحبِ حال بن جاؤ گے۔ ابھی تو ایمان تقلیدی ہے پھر ایمان تحقیقی نصیب ہو گا۔ یہ عالم برائے قیل و قال نہیں ہے برائے وجد و حال ہے۔ چند دن تجربہ ہی کے لیے کسی اللہ والے کے پاس رہ لو۔ پھر خود ہی دل بزبان حال کہے گا۔

چسکا لگا ہے جامِ[ع] کا شغل ہے صبح و شام کا
اب ہیں تمھارے کام کا ہم نفس رہا نہیں

اختلافِ غذاء

آدمی را شیر از سینہ رسد　　شیرِ خر از نیم زیرینہ رسد

معدۂ خر کہ کشد در اجتذاب　　معدۂ آدم جذوب گندم آب

آں یکے چوں نیست با اخیار یار　　لاجرم شد پہلوئے فجار جار

ع جام معرفت و محبت الہیہ

ترجمہ:

۱ آدمی کو دُودھ سینہ میں سے پہنچتا ہے اور گدھے کو نیچے سے آدھے جسم میں سے پہنچتا ہے۔

۲ گدھے کا معدہ جذب میں گھاس کو کھینچتا ہے اور آدمی کا معدہ گیہوں اور پانی کا جذب کرنے والا ہے۔

۳ جو شخص نیک بندوں کی صُحبت اختیار نہیں کرتا تو وہ انجام کار بُروں کی صُحبت اختیار کرلیتا ہے۔

در تحقیق کہ انسان اعمال میں مجبور نہیں

جَبر بُودے کَے پشیمانی بُدے ظُلم بُودے کَے نگہبانی بُدے

ترجمہ و شرح:

جبر ہوتا تو پشیمانی کب ہوتی اور ظلم ہوتا تو نگہبانی کب ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ جبر ہوتا اور کچھ اختیار بندہ کا اپنے اعمال میں نہ ہوتا تو پھر مافات پر پشیمانی کیوں ہوتی ہے کہ افسوس یہ کیوں کیا انسان سمجھتا کہ میں تو مجبور تھا میں کیا کروں جو ایسا ہوگیا۔ پس اس پشیمانی ہونے ہی سے معلوم ہوا کہ بندہ اعمال میں مجبور نہیں بلکہ مختار ہے۔ اسی طرح اگر ظُلم ہوتا تو اللہ تعالیٰ نگہبانی کیوں فرماتے کہ کہیں فرشتے حفاظت کے لئے مقرر فرماتے ہیں اور کہیں اعضا نگہبانی کے لیے دیے جاتے ہیں۔

حقیقت نفس

نفس را لائق است ایں انجمن | مُردہ را درخور بُوَد گور و کفن
نفس اگرچہ زیرک است و خورده داں | قبلہ اش دنیا است او را مُردہ داں
آبِ وحیِ حق بدیں مُردہ رسید | شد زِ خاکِ مُردہ زندہ پدید

ترجمہ و شرح:

۱ نفوس کے لئے یہی انجمن یعنی دُنیا لائق ہے کہ گور و کفن مردہ ہی کے مناسب ہوا کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح گور و کفن مردہ ہی کو مناسب ہے زندہ کو کوئی گور و کفن نہیں دیتا۔ اِسی طرح یہ دُنیا بھی نفس ہی کے مناسب ہے۔ روح کا یہ مسکن نہیں ہے۔

۲ یعنی نفس اگرچہ باریک باتوں کو جاننے والا اور ہوشیار ہے لیکن اس کا قبلہ چونکہ دُنیا ہی ہے۔ اس لئے وہ بمنزلہ مردہ ہی کے ہے۔ اس کی زیرکی اور ہوشیاری کو زندگی نہ کہیں گے کیونکہ اس کو حیات اصلی حاصل نہیں ہے پس نفس بمنزلہ مُردہ ہی ہے۔ آگے بعض نفوس کو مستثنیٰ فرماتے ہیں۔

۳ وحی حق کا پانی جو اس مردہ کو پہنچا تو خاک مردہ سے زندہ ظاہر ہو گیا مطلب یہ کہ اگر اس نفس کو وحی حق کا پانی مل گیا تو وہ بھی زندہ ہو گیا اور اتباع وحی الٰہی کی برکت سے اس کو حیات ابدی حاصل ہو گئی۔

فنائیتِ دُنیا

لَا تَشْکِیْکَ فِی الْمَاہِیَات

جادوئیہا را ہمہ یک لقمہ کرد — یک جہاں پُر شب بُداں را صبح خورد

ترجمہ و شرح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے فرعون کے تمام جادوؤں کو ایک لقمہ کرلیا اور ایک جہان پُرشب کو صُبح کھا گئی۔

مطلب یہ کہ چونکہ دُنیا اپنی چمک دمک سے مثل ساحران فرعون کی جادوگری اور نظر بندی کے تم کو دھوکہ اور فریب دے کر آخرت سے غافل کرنا چاہتی ہے تو دیکھو تم فریفتہ مت ہونا اور دھوکہ میں مت آنا۔ ورنہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدھا بن کر سب کو ہضم کرگئی تھی اسی طرح موت ان سب رونقوں کو فنا کردے گی اور پھر ایسی مثال ہوجاوے گی جیسے رات کے بعد صُبح آوے تو رات کا کہیں نام و نشان نہیں رہتا۔ ایک دم غائب ہوجاتی ہے۔ اسی طرح موت سے یہ سب چیزیں فنا ہوجاتی ہیں۔

در اثر افزوں شُد و در ذات نے
ذات را افزونی و آفات نے

ترجمہ و شرح: یعنی اثر میں زیادتی ہُوئی ذات میں نہیں ہوئی مطلب یہ کہ نورِ صُبح نے جو ظلمتِ شب کو کھا لیا یا عصائے موسوی نے جو سانپوں کو کھالیا اس سے ان چیزوں میں کوئی زیادتی نہیں ہُوئی۔ اس لئے کہ منطق کا مسئلہ ہے کہ لَا تَشْکِیْکَ فِی الْمَاہِیَاتِ تو ذات میں زیادتی کمی نہیں ہوتی

بلکہ زیادتی و کمی صفات میں ہوتی ہے۔ ذات من حیث الذات میں کوئی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی یہ تو کل ذوات کے لئے تھا کہ کسی میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی آگے خاص ذات حق کی نسبت فرماتے ہیں۔

حق ز ایجادِ جہاں افزوں نشد ۔ آنچہ اوّل آں نبود اکنوں نشد

لیک افزوں شد اثر ز ایجادِ خلق ۔ در میانِ ایں دو افزونیست فرق

ہست افزونیِ اثر اظہارِ او ۔ تا پدید آید صفات و کارِ او

ترجمہ و شرح: حق تعالیٰ نے تمام عالم کو پیدا کیا اس سے ذاتِ حق میں نعوذ باللہ کوئی زیادتی نہیں ہوئی اور کوئی بات اس ایجادِ خلق سے ایسی پیدا نہیں ہوئی جو پہلے نہ تھی بلکہ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہاں ایجادِ خلق سے اثر ظاہر ہوا یعنی صفاتِ حق کا ظہور ہو گیا اور ظہورِ اثر و صفات میں اور زیادتی فی الذات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پس ایجادِ خلق سے مقصود کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ ہے تاکہ عالم کو دیکھ کر وجودِ صانع پر استدلال کریں اور پھر معرفت حاصل ہو۔

بحمد اللہ تعالیٰ وعونہٖ

حصہ دوم تمام ہوا

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

(کمترین خلائق) محمد اختر عفا اللہ عنہٗ

۴ - جی، ½ ۱ ناظم آباد - کراچی

اللہ تعالیٰ کا ولی بننے کا طریقہ

(۱) خدا کا ولی بننا بندہ کے اختیاری اعمال سے ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارے اولیا وہ ہیں جو ایمان لائے اور جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ایمان و تقویٰ دونوں اختیاری عمل ہیں۔

(۲) تقویٰ اختیار کرنا اگرچہ بندہ کا اختیاری عمل ہے مگر اس کے حصول کا طریقہ کونوا مع الصادقین ہے یعنی کسی ولی اللہ کی صحبت ہی سے تقویٰ کا حصول ہوتا ہے۔

(۳) ولی اللہ وہ ہے جس کے پاس بیٹھنے سے اللہ کی یاد بڑھتی جاوے اور غیر اللہ کی یاد گھٹتی جاوے۔

(۴) اگرچہ ہر متقی بندہ ولی اللہ ہے مگر اولیاء کی دو قسمیں ہیں بعض صرف صالح اور ولی ہیں اور بعض مصلح اور ولی گر بھی ہیں۔ پس فائدہ تام مصلح کامل کے تعلق سے ہوگا۔

(۵) بیعت صرف سنت اور وہ بھی غیر مؤکدہ ہے مگر چونکہ اصلاح فرض ہے اس لئے مصلح سے اصلاحی تعلق کرنا فرض ہے کہ فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے۔

(۶) کسی اللہ والے سے تعلق کسی درجہ کا بھی ہو فائدہ سے خالی نہیں مگر نفع کامل اسی وقت ہوتا ہے جب اتباع اور فرماں برداری کا تعلق ہو واتبع سبیل من اناب الی (الآیۃ)

(۷) شیخ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی ہر محنت کو خوب شوق سے قبول کرے اور محنت سے نہ گھبرائے کہ والذین جاھدوا فینا (الآیۃ) کے بغیر دروازہ نہیں کھلتا۔

(۸) مرشدِ کامل کے ساتھ عقیدت و محبت و خدمت کا اہتمام بھی ضروری ہے کہ وہ محبوبِ حقیقی تک پہنچانے کا وسیلہ ہوتا ہے اور جس قدر مقصود محبوب اور اہم ہوتا ہے اسی اعتبار سے اس کا واسطہ بھی محبوب اور اہم ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمادیں۔

العارض
محمد اختر عفا اللہ عنہ

حصّہ سوم

مُناجاتِ مثنوی

آہِ بے نوا

عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

عالمِ ہجر کو مرے تو نے وصال کر دیا
یعنی ہماری آہ کو واقفِ حال کر دیا

اپنا جہاں دِکھا کے یوں محوِ جمال کر دیا
میری نظر میں یہ جہاں خواب و خیال کر دیا

میرے قویٰ تو اس قدر ہوتے ابھی نہ مضمحل
اے دلِ مبتلائے غم تو نے نڈھال کر دیا

میرا پیام کہہ دیا جا کے مکاں سے لامکاں
اے مری آہِ بے نوا تو نے کمال کر دیا

ذوقِ طلب بھی مختلف دہر میں دیکھتا رہا
اخترِ بے قرار نے تیرا سوال کر دیا

مناجاتِ مثنوی رومی رحمۃ اللہ علیہ

مع ترجمہ

منزل اوّل روز شنبہ (سنیچر)

اَے کمینہ بخششت مُلکِ جہاں
مَن چہ گویم چوں تُو میدانی نہاں

اے اللہ! یہ تمام کائنات آپ کی ادنیٰ بخشش ہے میں کیا کہوں جبکہ آپ ہر پوشیدہ اور مخفی سے بھی باخبر ہیں۔

حالِ ما واِیں خلائق سَر بسَر پیشِ لُطفِ عام تو باشد ھدَر

ہمارا اور تمام خلائق کا حال کُل کا کُل آپ کے لُطف عام کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

اِے ہمیشہ حاجتِ مارا پناہ بارِ دیگر ما غلط کردیم راہ

اَے اللہ! آپ ہی ہماری حاجتوں کے لئے ہمیشہ پناہ گاہ ہیں اور ہم نے دوسری بار سیدھا راستہ غلط کردیا۔

صد ہزاراں دام و دانہ ست اے خُدا
ما چو مرغانِ حریصِ بے نوا

گُناہوں کے سو ہزار جال اور دانے ہیں اَے خُدا! اور ہم مثل لالچی مُفلس پرندوں کے ہیں۔

دمبدم ما بستۂ دامِ نویم　　ہر یکے گر باز و سیمرغ شویم

ہمہ وقت ہمارے پاؤں گناہوں کے جالوں میں پھنسے ہوتے ہیں اگرچہ ہم میں سے ہر ایک باز اور سیمرغ ہی کیوں نہ ہو۔

می رہانی ہر دمے مارا و باز　　سوئے دامے می رویم اے بے نیاز

آپ تو ہم کو ہر وقت گناہوں سے چھڑاتے رہتے ہیں اور ہم پھر انھیں جالوں کی طرف جاتے ہیں اے بے نیاز۔

ما دریں انبارِ گندم می کنیم　　گندمِ جمع آمدہ گم می کنیم

ہم اس جہان میں نیکیوں کا گندم جمع کرتے ہیں اور جمع شدہ کو پھر گم کر دیتے ہیں۔

می نیندیشیم ما جمعِ وحوش　　کیں خلل در گندم ست از مکرِ موش

ہم نہیں سوچتے ہیں کہ یہ نقصان گندم کے ذخیرہ کا چوہے کے مکر سے ہے۔

موش تا انبارِ ما حفرہ زدہ ست
وز فنش انبارِ ما خالی شدہ ست

نفس کے چوہے نے جب سے ہماری نیکیوں کے ذخیرہ میں سوراخ کرلیا ہے تو اس کے اس فن سے ہمارا ذخیرہ خالی ہوگیا ہے۔

اول اے جاں دفعِ شرِ موش کن
بعد ازیں انبارِ گندم کوش کن

اے میری جان! پہلے چوہے کی شرارت اور چوری کو دفع کر پھر گندم کا ذخیرہ کرنے کی سعی اور محنت کر۔

چوں عنایاتت شود با ما مقیم   کے بود بیمے ازاں دزدِ لئیم

اے اللہ! اگر آپ کی عنایات ہمارے اوپر قائم رہیں تو اس کمینہ چور سے (یعنی نفسِ امارہ سے) ہم کو کب خوف ہوسکتا ہے۔

گر ہزاراں دام باشد بر قدم   چوں تو با مائی نباشد ہیچ غم

اگر ہزاروں جال ہمارے قدموں کے سامنے ہوں لیکن اے اللہ! اگر آپ کا کرم ہمارے ساتھ ہو تو پھر ہم کو کچھ غم نہیں یعنی نفس و شیطان کی تمام شرارتوں سے ہمارا دین آپ کی اعانت ہی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

یا کریم العفو ستار العیوب
انتقام از ما مکش اندر ذنوب

اے کریم العفو اور عیوب کے چھپانے والے ہمارے گناہوں کو عفو فرما دیجئے اور ہم سے انتقام نہ لیجئے۔

گر سگی کردیم اے شیر آفریں   شیر را مگمار بر ما زیں کمیں

اے ہمارے رب! اگرچہ ہم نے کتا پن کیا ہے اعمال میں مگر اے شیر پیدا کرنے والے آپ کسی عذاب کو ہم پر مسلط نہ فرما جو مثل شیر کے ہم کو ہلاک کر دے۔

آبِ خوش را صورتِ آتش مدہ   اندر آتش صورتِ آبی منہ

آبِ خوش (حسنات) کو صورتِ آتش (غیر حسنات نہ دکھایئے اور آگ کے اندر پانی کی صورت نہ رکھئے یعنی ہم کو برائیاں ہماری شامتِ اعمال سے جاذبِ نظر نہ معلوم ہوں۔

اَزْ شَرَابِ قَہْرِ چُوں مَسْتِی دِہِی　　نِیْسْتِہَا رَا صُوْرَتِ ہَسْتِی دِہِی

اے رب اپنی شراب قہر کی مستی آپ جسے دیتے ہیں یعنی جس کی شامت عمل سے آپ اس پر قہر نازل فرماتے ہیں تو اس کو دنیائے فانی بہت ہی حسین اور پائیدار نظر آتی ہے۔

قَطْرَۂ عِلْم اَسْت اَنْدَرْ جَانِ مَنْ
وَارِہَانَشْ اَزْ ہَوَا وَ اَزْ خَاکِ تَنْ

میری جان میں علم کا جو قطرہ آپ نے بخشا ہے اس کو ہمارے رذائل اور خباثت اعمال کے ظلمات سے پاک فرمادیجئے تاکہ اس کا نور صافی ہم کو مفید ہوسکے۔

گَرْ تُو خَوَاہِی آتِشْ آبِ خُوشْ شَوَدْ　　وَرْ نَخَوَاہِی آبْ ہَمْ آتِشْ شَوَدْ

اگر آپ چاہیں تو آگ ٹھنڈا پانی ہوجاوے اور اگر نہ چاہیں تو پانی بھی آپ کے حکم سے آگ ہوجاوے۔

کُوہ وَ دَرْیَا جُمْلَہ دَرْ فَرْمَانِ تُسْت
آب وَ آتِشْ اے خُدَاوَنْدْ آنِ تُسْت

پہاڑ و دریا اے خدا سب تیرے زیر فرمان ہیں اور پانی و آگ سب آپ کی شانوں کا ظہور ہیں۔

دَرْ عَدَمْ کے بُوْد مَارَا خُوْد طَلَب
بے سَبَبْ کَرْدِی عَطَاہَائے عَجَب

حالت عدم میں ہمارے پاس زبان طلب نہ تھی مگر بدون طلب آپ نے عجیب عطائیں ہم پر مبذول فرمائیں۔

جان و ناں دادی و عمرِ جاوداں　　سایرِ نعمت کہ ناید در بیاں

آپ نے جان اور روٹی اور عمر جاوداں بخشی اور تمام نعمتیں کہ جو ہم بیان نہیں کر سکتے۔

اے خدا اے فضلِ تو حاجت روا　　با تو یادِ ہیچ کس نبود روا

اے خدا! آپ ہی کا فضل حاجت روائی کر سکتا ہے آپ کی یاد کے ساتھ کسی کی یاد روا نہیں یعنی حاجت روائی صرف آپ کے لیے خاص ہے۔

منزلِ دوم یک شنبہ (اتوار)

اے خدائے با عطا و با وفا　　رحم کن بر عمرِ رفتہ بر جفا

اے خدا صاحب عطا اور باوفا گناہوں میں گذری ہوئی عمر پر رحم فرما دیجئے

دادۂ عمرے کہ ہر روزے ازاں
کس نداند قیمتِ آں در جہاں

آپ نے ایسی زندگی بخشی ہے کہ جس کے ہر روز کی قیمت جہان میں کوئی نہیں جانتا۔

اے محبِّ عفو از ما عفو کن　　اے طبیبِ رنجِ ناصورِ کہن

اے عفو کو محبوب رکھنے والے رب ہماری خطاؤں کو معاف فرما دیجئے اور اے طبیب پرانے ناصور کے رنج کے ہمارے تمام رذائل وامراض باطنیہ کو شفا دے دیجئے۔

اے خدا بنما تو جاں را آں مقام　　کاندر و بے حرف می روید کلام

اے خدا میری جان کو وہ مقام دکھا دیجئے جہاں کہ بے حروف کے کلام پیدا ہوتے

ہیں۔ یعنی عالمِ غیب کی وہ تجلیاتِ خاصّہ جو آپ اپنے مقربین عباد کو دِکھاتے ہیں ہمیں بھی اپنی رحمت سے دِکھا دیجئے۔

پردۂ اے ستّارِ از ما وامگیر باش اندر امتحاں مارا مجیر

اے گناہوں کے چھپانے والے اللہ اپنی ستاریت کا پردہ ہم سے بسبب ہماری شامتِ عمل کے نہ ہٹائیے اور موقع امتحان و آزمائش میں ہماری حفاظت فرمائیے۔

یَاغِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ اھْدِنَا
لَا افْتِخَارَ بِالْعُلُوْمِ وَالْغِنَا

اے فریاد خواہوں کی فریاد سننے والے ہم کو صراطِ مُستقیم کی ہدایت فرما دیجئے کچھ بھی لائق فخر نہیں ہیں ہمارے علوم اور غنا

لَاتُزِغْ قَلْبًا ھَدَیْتَ بِالْکَرَمْ
وَاصْرِفِ السُّوْءَ الَّذِیْ خَطَّ الْقَلَمْ

جس قلب کو آپ نے اپنے کرم سے اپنا راستہ دکھا دیا ہے پھر گناہوں کے سبب سزا اور پاداش میں اس قلب کو گمراہی اور کجروی اور انحرافِ حق کے عذاب میں مُبتلا نہ فرمائیے۔

بگذراں از جان ما سوءِ القضا وامبر مارا ز اخوانِ الصّفا

اے اللہ! وہ فیصلے جو ہماری جان کے لئے مُضر ہیں ان کو تبدیل فرما دیجئے کہ آپ کا فیصلہ آپ کا محکوم ہی تو ہے آپ پر حاکم تو نہیں پس محکوم سوءِ قضاء کو حُسنِ قضا سے مبدّل فرمانا آپ کے لئے کچھ دشوار نہیں ؎

بر کریماں کارہا دشوار نیست

اور ہم کو اپنے صالحین عباد سے خارج نہ فرمایئے کہ وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّھَا الْمُجْرِمُوْنَ ○ کا خطاب سُننا پڑے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ بِرَحْمَتِہٖ وَبِنَبِیِّ الرَّحْمَۃِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

میدانِ محشر میں خطاب مذکور سے مجرمین کو صالحین سے الگ صف بنانی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ فرماویں۔ آمین

تلخ تر از فرقتِ تو ہیچ نیست
بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست

اے اللہ! آپ کی جدائی سے تلخ تر کائنات میں کوئی چیز نہیں اور آپ کی پناہ و حفاظت کے بغیر ہر طرف خطرہ در خطرہ ہے۔

رختِ ما ہم رختِ ما را راہزن
جسمِ ما مرجانِ ما را جامہ کن

ہمارے سامان (مکسوباتِ سیئہ) ہمارے سامان (مکسوباتِ حسنہ) کے لیے رہزن یعنی تباہ کن ہو رہے ہیں اور ہمارے اعضاء (جوارح کے بُرے اعمال ہماری روح کے جامہ کو (تجلّیات و انوار اعمالِ حسنہ کو) اتارنے والے ہیں صَرَّحَ بِہِ الْعَارِفُ الرُّوْمِیُّ فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ بِھٰذَا الشِّعْرِ۔

جامہ پوشاں را نظر بر گازر است
رُوحِ عریاں را تجلّی زیور است

عاشقینِ لباس اور تن پروراں دھوبی پر نظر رکھتے ہیں یعنی ان کو صرف جسم کے عمدہ لباس کی فکر ہے اور روحِ عریاں کے لئے تجلّیاتِ الٰہیہ زیور ہیں یعنی اللہ والے اپنی رُوح کو تجلّیاتِ قُربِ حق کے زیور اور لباس سے آراستہ کرنے والے ہیں۔

دستِ ما چوں پائے ما را می خورد
بے امانِ تو کسے جاں کے برد

ہمارا ہاتھ جب ہمارے پیر کو کھانے کے لئے تہیہ کئے ہوئے ہے تو آپ کے تحفظ و امان کے بغیر اپنی جان کو کون منزلِ آخرت تک محفوظ لے جا سکتا ہے یعنی ہمارے ہاتھوں کے بُرے کرتوت اور بُرے اعمال ہی ہمیں تباہ کرنے والے ہیں تو بدون نصرتِ الٰہی تحفظ کا امکان ہی نہیں۔

ور تو ماہ و مہر را گوئی خفا
ور تو قدِ سرو را گوئی دوتا

ور تو چرخ و عرش را گوئی فقیر
ور تو کان و بحر را گوئی فقیر

آں بہ نسبت با کمالِ تو رواست
مُلکِ اقبال و غنا ہا مر تراست

اگر آپ چاند اور سورج کی روشنی کو حقارت سے طعنۂ خفا دیں اور اگر آپ قدِ سرو کو (کہ حسن پرست اپنے معشوقوں کے قد کو اس سے تشبیہ دیتے ہیں) عیب دار اور منحنی قرار دیں اور اگر آپ آسمان اور عرش جیسی عظیم مخلوق کو حقیر قرار دیں اور اگر آپ کان اور سمندر کو فقیر فرما دیں تو یہ سب کچھ آپ کے کمال کے پیشِ نظر آپ کو زیبا ہے کہ ملک و سلطنت اور اقبال مندی و غنا آپ ہی کے لئے خاص ہے۔

تو عصا کش ہر کرا کہ زندگی ست
بے عصا و بے عصا کش کور چیست

اے اللہ! اہلِ بصیرۃ حضرات جو ایمانی حیات سے حیاتِ حقیقی پا چکے ہیں آپ تو ان کے لئے بھی ہر وقت ہدایت کے راستے کھولتے رہتے ہیں اور ان کو بھی ان کے نفس کے حوالے نہیں فرماتے اور اسی احتیاج کے پیشِ نظر وہ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ

اَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ کی فریاد آپ سے کرتے رہتے ہیں۔ ترجمہ: اے زندہ حقیقی اور اے سنبھالنے والے اللہ آپ ہی کی رحمت سے فریاد کرتا ہوں کہ مجھے میرے نفس کے سپرد ایک لمحہ کو بھی نہ فرمائیے اور میری ہر حالت کی اِصلاح فرماتے رہیے۔

پس جب اہلِ بصیرۃ اور اہلِ صلاح و تقویٰ بھی آپ کی عصا کشی یعنی رہبری و ہدایت کے ہمہ وقت محتاج ہیں تو جو بے عصا ہیں اور بے عصا کش ہیں یعنی خود بھی راہ سے بے خبر ہیں اور راہبر سے بھی محروم ہیں ایسے اندھوں کی کیا حقیقت ہے کہ آپ کی ہدایت کے وہ محتاج نہ ہوں۔

غَیرِ تُو ہر چِہ خوش اَست ناخوش سُت
آدمی سوز سَت وَ عینِ آتش سَت

اے اللہ! آپ کے سواء جو چیزیں بھی ہیں خواہ ہمارے ذوق میں وہ اچھی ہوں یا بری۔ وہ سب آدمی سوز ہیں یعنی انسانیت کے محور سے ہٹانے والی ہیں اور عین آتش ہیں تباہ کاری ہیں کیونکہ ہماری جانوں کے اور تمام کائنات کے مرکز تو آپ ہی ہیں پس آپ کو چھوڑ کر اور غیر کے ہو کر ہم نہ چین و سکون سے جی سکتے ہیں اور نہ مر ہی کے چین پا سکتے ہیں۔

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

کُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلٌ
اِنَّ فَضْلَ اللّٰہِ غَیْمٌ ھَاطِلٌ

ہر شے جو حق تعالیٰ شانہ کے ماسوا ہے یعنی نہ مقصود حق ہے اور نہ ذریعۂ مقصود حق ہے پس وہ باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل موسلا دھار برسنے والا ابر ہے۔

اے خدائے پاک بے انباز و یار　　دستگیر و جرمِ ما را درگذار

اے خدا تو پاک اور لاشریک الگ ہے ہماری مدد فرما اور ہمارے جرم کو معاف فرما۔

گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن　　مُصلحی تو اے تو سلطانِ سخن

اگر ہم سے دُعا مانگنے کے آدابِ عنوان میں کوتاہیاں ہوگئی ہیں تو آپ تو سلطانِ سُخن ہیں اپنی رحمت سے اصلاح فرما دیجئے۔

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی　　گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

اے اللہ! آپ کی رحمت عجیب کیمیا رکھتی ہے کہ اگرچہ ہمارے بُرے اخلاق اعمال نہایت ہی خراب ہوں اور مصداق دریائے خُون ہوں لیکن آپ کا کرم ہمارے سیئات اور رذائل کو حسنات اور فضائل سے تبدیل کر سکتا ہے۔

تو مگو ما را بداں شہ بار نیست

بر کریماں کارہا دشوار نیست

اے مخاطب تو یہ مت کہہ کہ ہم جیسے نالائقوں کی گذر اس بارگاہ پاک میں کہاں ممکن ہے کیونکہ یہ قیاس تو اہلِ دُنیا پر کرتا ہے کہ متعدد و یاران کے ساتھ اگر تعلقات بے کیف اور بے لُطف ہو جاویں تو وہ گھبرا کر اپنے کرم سے دستبردار اور اپنے خطاکاروں سے ایسا بیزار نہیں ہوتا کہ مایوس کر دے بلکہ مایوسی کو کُفر قرار دیتا ہے اور بابِ رحمت ہمہ وقت تائبین کے لئے کھولے ہوئے ہیں۔ اور

اعلان فرمارہے ہیں کہ اے مجرمین اور گنہگاروں کی جماعت اگر سو بار بھی توبہ توڑ چکے ہو تو بھی ہمارے دروازے پر آجاؤ ہماری بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں ہے۔

صد بار اگر توبہ شکستی باز آ　　　　این درگہہ ما درگہہ نومیدی نیست

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اے لوگو! تم سب بہت خطا کار ہو مگر بہترین خطا کار وہ ہیں جو بہت توبہ کرنے والے ہیں۔

منزل سوم روز دوشنبہ

(پیر)

یارب این بخشش نہ حد کارِ ماست
لطفِ تو لطفِ خفی را خود سزاست

اے رب! یہ عنایات ہمارے اعمال کے نتائج نہیں ہیں آپ کے ان الطاف ظاہرہ کے لئے علت صرف آپ کے الطاف خفیہ ہیں کیونکہ ہماری حسنات بھی بوجہ عدم ادائیگی حقوق عظمت الٰہیہ قابلِ مواخذہ ہیں۔ اسی لئے عارفین اپنی نیکیوں کے بعد استغفار بھی کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم سے حق ادا نہ ہوا ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما۔

پردہ را بر دار و پردہ ما مدر　　　　دستگیر از دستِ ما ما را بخر

اے رب ہماری مدد فرمائیے اور ہم کو ہمارے نفس سے خرید لیجئے یعنی نفس ظالم کے حوالے نہ فرمائیے۔ پردۂ ستاریت کو اپنی رحمت سے ہمارے معائب پر قائم رکھئے اور بسبب ہماری شامتِ اعمال کے اس کو نہ پھاڑیئے۔

بازِ خرما را ازیں نفسِ پلید کاردش تا استخوانِ ما رسید

اس نفس پلید سے پھر ہم کو خرید لیجئے کہ اس کی چھری ہماری ہڈیوں تک پہنچ چکی ہے۔ یعنی نفس کی بُری خواہشوں نے ہمارے دین کو تباہ کر رکھا ہے۔

از چو ما بے چارگاں ایں بند سخت
کہ کشاید جز تو اے سلطان بخت

ہم جیسے عاجزوں سے نفس کے اس سخت قید و بند کو جو آپ کی راہ میں حائل ہے کون کھول سکتا ہے۔ اے سلطان بخت!

ایں چنیں قفلِ گراں را اے ودود
کہ تواند جز کہ فضلِ تو کشود

اس طرح کا مضبوط قفل جو نفس نے آپ کی راہ میں لگا رکھا ہے اس کو کون کھول سکتا ہے اے ودود بجز آپ کے فضل کے۔

ما ز خود سوئے تو گردانیم سر چوں توئی از ما بما نزدیک تر

ہم اپنی طاقت و ارادہ کے ضعف و عجز کے مشاہدہ کے بعد آپ ہی کی طرف مدد کے لئے رجوع کرتے ہیں اور ایسا کیوں نہ کریں جبکہ آپ ہماری جان سے بھی زیادہ ہم سے قریب تر ہیں اور عقلی و طبعی قاعدہ سے اپنے قریب تر ہی سے انسان کا استمداد و فریاد کرنا مشاہدہ میں بھی ہے۔

ایں دعا ہم بخشش و تعلیم تست
ورنہ در گلخن گلستاں از چہ رست

یہ دعا بھی آپ ہی کی بخشش اور تعلیم کا ثمرہ ہے ورنہ گلخن یعنی نفس کے آتشکدہ

خواہشات میں گلستان کہاں سے نظر آتا۔

عہدِ ما بشکست صد بار و ہزار　　　　عہدِ تو چوں کوہ ثابت بر قرار

اے اللہ! ہمارے عہد سیکڑوں اور ہزاروں بار ٹوٹ چکے۔ (مُراد عہد سے عہدِ توبہ ہے یا عہد اہتمام اعمال و دوام ذکر و نحو ذالک) اور آپ کے عہد اور وعدے مثل پہاڑ کے ثابت و برقرار ہیں یہاں مشبہ (عہد الٰہی) کی شان سے مشبہ بہ (پہاڑ) کوئی نسبت نہیں رکھتا لیکن یہ مثال محض تفہیم کے لیے مولانا نے استعمال کی ہے کہ دُنیا میں پہاڑ کا اپنی جگہ سے نہ ٹلنا عام طور سے ضرب المثل ہے۔

عہد ما کاہ و بہر بادے زبوں　　　　عہد تو کوہ و زصد کہہ ہم فزوں

ہمارا عہد ایک تنکا اور ہوا سے بھی کمزور اور بودہ ہے اور اے اللہ! آپ کا عہد پہاڑ اور سیکڑوں پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔

خویش را دیدیم و رسوائی خویش
امتحانِ ما مکن اے شاہ بیش

اے اللہ! ہم نے اپنی رسوائیاں اور ذلّتیں بارہا دیکھ لیں یعنی عہد شکنی اور توبہ شکنی سے اپنی مغلوبیت اور نفس کی غالبیت سے اپنی ذلّت کا مشاہدہ کر لیا اے شاہِ حقیقی اب مزید ہمارا امتحان نہ کیجیے یعنی ہمارے نفس کے حوالہ ہم کو نہ کیجیے۔

تا فضیحتہائے دیگر را نہاں　　　　کردہ باشی اے کریم مستعاں

یہاں تک کہ ہماری دوسری پوشیدہ رسوائیوں کو جو مُستقبل میں ظاہر ہونے والی ہیں اور ابھی مخفی اور مستور ہیں ان کو اے مستعان و کریم اپنے کرم سے ظاہر نہ ہونے دیجیے اور اسی طرح پردۂ ستاریت میں چھپائے رکھیے۔

بے حدی تو در جلال و در کمال — در کژی ما بے حد یم و در ضلال

آپ جلالتِ شان اور کمال میں غیر متناہی شان رکھتے ہیں اور ہم گمراہی اور کجی (ٹیڑھے پن) میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں دوسرے مصرعہ میں بندوں کی بے حدی لامتناہی سے مراد مبالغہ فی الرذائل ہے۔

بے حدی خویش بگمار اے کریم — بر کژی بے حد مشتے لئیم

اے کریم! اپنی غیر متناہی صفات کرم و اصلاح کو ہم بالشتیے کمینوں کی کجی اور گمراہی پر مسلّط اور مقرر فرما دیجئے۔

ہیں کہ از تقطیع ما یک تار ماند — مصر بودیم و یکے دیوار ماند

اے خدا فریاد کہ نفس و شیطان نے ہمارے دین کے ٹکڑے ٹکڑے اس طرح سے کر دیئے کہ صرف ایک تار باقی رہ گیا اور دین میں ہم مثل شہر کے تھے یعنی اجزائے دین کے اعتبار سے طویل و عریض تھے مگر اب منہدم ہوتے ہوتے صرف ایک دیوار رہ گئے۔

اَلْبَقِیَّہ اَلْبَقِیَّہ اے خدیو — تا نگردد شاد کلّی جانِ دیو

اے خدا بچا لیجئے بچا لیجئے جو کچھ ہمارا دین باقی رہ گیا ہے ایسا نہ ہو کہ ہماری پوری تباہی و انہدام سے شیطان کی جان پوری طرح مسرور و شاد ہو جاوے۔

ایں دعا گر خشم افزاید ترا — تو دعا تعلیم فرما مہترا

اے اللہ! اگر یہ دعا اپنے عنوان و مضمون کے اعتبار سے آپ کے غصہ کو بڑھانے والی ہے بوجہ ہمارے نقصان اور فہم اور نقص ادا عرض و معروض کے تو اے محبوبِ حقیقی آپ ہم کو اپنی مرضی کے مطابق دعا کی تعلیم فرمائیے۔

اٰتِنَا فِیْ دَارِ دُنْیَانَا حَسَنْ اٰتِنَا فِیْ دَارِ عُقْبَانَا حَسَنْ

اے اللہ! دیجئے ہم کو بھلائیاں دُنیا کی زندگی میں بھی اور دیجئے ہم کو بھلائیاں آخرت کی زندگی میں بھی۔

راہ را برما چو بستاں کن لطیف
مقصدِ ما باش ہم تو اے شریف

اے صاحبِ لطف و کرم! اپنے راستہ کو ہم پر مثلِ باغ کے پُرلطف بنا دے اور اے شریف! اس جہاں میں تو ہی ہمارا مقصدِ اعظم بن جا۔

تا چہ دارد ایں حسود اندر کدو اے خدا فریاد ما را زیں عدو

یہ شیطان حاسد ہم سے کس قدر کینہ اور حسد رکھتا ہے۔ اے خُدا فریاد ہے ہماری اس دُشمن سے۔

ایں حدیثش ہمچو دُود است اے الٰہ
رحم کن ورنہ گلیم شد سیاہ

اے اللہ! شیطان کی گمراہ کن ترغیبات الی المعاصی مثلِ دھواں کے ہیں رحم فرمائیے ورنہ ہمارے دین کی کملی سیاہ ہو جائے گی۔

من بحجت بر نیایم با بلیس کوست فتنہ بر شریف و بر خسیس

میں دلائل سے غالب نہیں ہو پاتا ہوں ابلیس پر کہ وہ فتنہ ہے ہر شریف اور ہر کمینہ کے لئے۔

یَا غِیَاثِیْ عِنْدَ کُلِّ کُرْبَةٍ
یَا مَعَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ شَهْوَةٍ

اے فریاد رس بندوں کی ہر تکلیف کے وقت اور اے پناہ گاہ بندوں کی ہر شہوتِ نفس کے وقت۔

یَا مُجِیْبِیْ عِنْدَ کُلِّ دَعْوَۃٍ
یَا مَلَاذِیْ عِنْدَ کُلِّ مِحْنَۃٍ

اے قبول کرنے والے ہماری ہر پکار اور فریاد کو اور اے پناہ دینے والے ہماری ہر مصیبت اور محنت کے وقت۔

اِیں دُعا بشنو زِ بندہ کاے خدا ۔۔۔ ثروتے بے رنج روزی کن مرا

اے خدا! بندہ سے یہ دُعا قبول فرما یعنی بے رنج ہم کو فراخ دستی اور خوشحالی عطا فرما۔

کاہلم چوں آفریدی اے ملی ۔۔۔ روزیم دہ ہم زِ راہِ کاہلی

جب آپ نے ہم کو کمزور (کاہل) پیدا کیا ہے اے غنی تو ہم کو روزی بھی آسان راہ سے عطا فرما دیجئے۔

کاہلم مَن سایۂ خسپم دَرْ وجود
خفتم اندر سایۂ احسان وجود

میں کاہل و کمزور ہوں حق تعالیٰ کے سایۂ احسان و کرم میں بے فکر پڑا سوتا ہوں۔

کاہلان و سایہ خسپاں را مگر ۔۔۔ روزیے بنہادہ نوعے دگر

مگر اے اللہ! آپ نے اپنے کاہلوں اور اپنے سایۂ کرم میں سونے والوں کے لئے خزانہ غیب سے روزی مقرر کی ہوتی ہے۔

ہر کرا پا ہست جوید روزیے ۔۔۔ ہر کرا پا نیست کن دلسوزیے

جس شخص کے پاؤں ہیں وہ روزی تلاش کرنے کے لئے چلے پھرے اور محنت

کرے اور جو بے دست و پا ہے وہ اپنی آہ و فریاد میں دِل سوزی کرے۔

ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کیواسطے

رزق را میراں بسوئے ایں حزیں　　ابر را باراں بسوئے ہر زمیں

رزق کو اے اللہ! اس غمگین کی طرف بھیج دیجئے اور بادلوں کو ہر زمین کی طرف ہانک دیجئے۔

چوں زمیں را پا نباشد جودِ تو　　ابر را رانَد بسوئے اُو دو تو

جب زمین کے پاؤں نہیں ہیں تو آپ کا جود و کرم بادلوں ہی کو زمین کے پاس بھیجتا ہے۔

طفل را چوں پا نباشد مادرش　　آید و ریزد وظیفہ بر سرش

جب شیر خوار بچہ اپنے پاؤں سے چلنے کے قابل نہیں ہوتا تو اس کی ماں اس کے پاس آتی ہے اور اس کی خوراک کا وظیفہ اس کے پاس آکر پہنچاتی ہے

روزی خواہیم بناگہ بے تعب
کہ ندارم من ز کوشش جز طلب

اے اللہ! ہم آپ سے بے مشقت بے انتظار روزی مانگتے ہیں کیونکہ ہم بے دست و پا ہیں صرف دُعا و طلب میں دلسوزی کرنا آپ کے کرم سے سیکھ گئے ہیں۔ محنت مشقت کے قابل نہیں ہیں۔

اِنتباہ ضروری اشعار بالا میں جس کاہلی کا ذکر مولانا نے فرمایا ہے اس سے یہ دھوکہ نہ ہونا چاہیئے کہ مولانا نے اپاہج بن جانے اور دُنیا سے ناکارہ ہو جانے کی تعلیم دی ہے۔ مولانا کی مُراد اس کاہلی سے

تفویض و توکل اور اپنے ارادوں کو مرضیاتِ الٰہیہ میں فنا کردینا ہے جس کی ظاہری صورت عوام کے نزدیک کاہلی سمجھی جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامّت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کلیدِ مثنوی میں اس مقام کی جو وضاحت فرمائی ہے اس کو احقر نے معرفتِ الٰہیہ میں بھی نقل کردیا ہے اور یہاں بھی مختصراً نقل کرتا ہوں تاکہ اہلِ نفس غلط فائدہ اس کاہلی کے لفظ سے نہ اُٹھائیں۔

کاہلی اہلِ دُنیا اور کاہلی اہلِ آخرت کا فرق

حضرت حکیم الامّت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اہلِ دُنیا کی کاہلی نفس کی شرارت اور آرام طلبی کے سبب ہوتی ہے اور عارفین کی کاہلی اسبابِ دنیویہ میں انہماک نہ ہونے سے ہوتی ہے جس کا سبب نفس کی راحت پسندی نہیں بلکہ غلبۂ تفویض و توکل و فناءِ ارادہ ہوتا ہے۔

کاہلی را کردہ اند ایشاں سند　　کارِ ایشاں را چو یزداں میکند

اُنھوں نے تفویض و توکل کو اپنا تکیہ گاہ اِس وجہ سے بنالیا ہے کہ ان کا کام حق تعالیٰ کردیتے ہیں۔

کارِ یزداں را نمی بینند عام　　می نیاسانید از کد صبح و شام

چونکہ عوام اس حقیقت سے یعنی مسببِ حقیقی کے تصرفات سے بے خبر ہیں۔ اس لئے اسبابِ دنیویہ کے اختیار کی محنت اور مشقت سے صبح و شام آسودہ نہیں ہوتے۔

خرم آنکہ عجز و حیرت قوتِ اوست　　در دو عالم خفتہ اندر ظلِ دوست

مُبارک ہے وہ شخص جس کی غذا عجز محمُود اور حیرت محمُودہ ہے یعنی جس کی تدابیر اور اسباب کے تخلُّف فی الآثار سے مسبب حقیقی کی معرفت نصیب ہوگئی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب اسباب اور تدابیر کو کبھی کامیاب اور کبھی ناکام دیکھا تو تفکر سے سمجھ گئے کہ یہ ناکامی دلیل ہے کہ یہ اسباب اثر اور کامیابی میں بالذات مؤثر نہیں بلکہ محتاج ہیں مؤثر حقیقی اور مسبب حقیقی اللہ تعالیٰ شانہٗ کے جب چاہتے ہیں اثر پیدا کر دیتے ہیں جب چاہتے ہیں بے اثر کر دیتے ہیں۔

کارِ دُنیا را زِ کُل کاہل تر اَند　　　کارِ عُقبیٰ را زِ مہ گوہی بُرند

اہلِ دُنیا کی مذموم کاہلی اور اہلِ آخرت کی محمُود کاہلی کا فرق ایک اور مولانا بیان فرماتے ہیں کہ اہلِ آخرت دُنیا کے کاموں میں تو کاہل نظر آتے ہیں مگر آخرت کے کاموں میں چاند سے بھی سبقت لیجاتے ہیں۔ یعنی ان کے عالی حوصلے اور عزائم کی جو طاقت اتباعِ احکامِ خُداوندی اور اجتناب معاصی میں مشاہد ہوتی ہے۔ اہلِ دُنیا اس کے تصوّر سے بھی محوِ حیرت ہیں درحقیقت اعمال کا تعلق یقین پر ہوتا ہے اہلِ دُنیا کو دُنیا پر یقین ہے اس لیے اس یقین کی سرگرمی ان کو سرگرم اعمال دُنیا رکھتی ہے اور اہلِ آخرت کو آخرت پر یقین ہے اس لیے ان کی سرگرمی اعمال آخرت میں نظر آتی ہے پھر یہ دونوں سرگرمیاں موت کے وقت فیصلہ کُن مرحلہ میں داخل ہوجاتی ہیں اور دونوں فریق اپنی کامیابی اور ناکامی کا انجام سامنے دیکھ لیتے ہیں۔

منزلِ چہارم روزِ سہ شنبہ (منگل)

از ہمہ نومید گشتیم اے خدا
اوّل و آخر توئی و منتہا

اے خدا! ہم تمام ماسوائے ناامید ہو گئے۔ اوّل اور آخر اور منتہا تو ہی ہے۔

تجرد گار امنگر اندر فعلِ ما
دست ما گیر اے شہ ہر دو سرا

اے رب! ہمارے اعمال میں نگاہ نہ کیجیے اے دونوں جہاں کے سلطان ہمارا ہاتھ پکڑ لیجئے یعنی ہماری مدد کیجیے۔

خوش سلامت دِما بساحل باز بر
اے رسیدہ دست تو در بحر و بر

اے وہ ذات پاک کہ آپ کا دستِ قدرت سمندر کی گہرائی اور خشکی میں ہر جگہ پہنچا ہوا ہے پس ہماری کشتی جس تباہی میں بھی جہاں مبتلا ہو آپ سلامتی سے اُسے پھر ساحل تک پہنچا دیجئے۔

اے بدادہ رائگاں صد چشم و گوش
بے ز رشوت بخش کردہ عقل و ہوش

اے کریم! آپ نے سیکڑوں آنکھیں اور کان مفت بدون معاوضہ عطا فرمائے ہیں اور عقل و ہوش ہم کو محض اپنے فضل سے عطا فرما دیا ہے۔

پیش ز استحقاق بخشیدہ عطا
دیدہ از ما جملہ کفران و خطا

آپ نے تمام انعامات اپنے بندوں کو بدون استحقاق عطا فرما رکھے ہیں۔ باوجود آپ کو ان کے تمام کفران اور نافرمانیوں کا علم تھا۔

حُرمتِ آں کہ دُعا آموختی　　در چنیں ظلمت چراغ افروختی

صدقہ آپ کے اس کرم کا کہ آپ نے دُعا کی تعلیم دی ہم کو اور ایسی تاریکی کے اندر ایمانی چراغ روشن فرمایا۔

دستگیر و رہنما توفیق دِہ　　جرم بخش و عفو کن بگذار گِرہ

اے رب! ہماری مدد کیجئے اور صحیح راستہ دکھا دیجئے اور توفیق اعمالِ صالحہ عطا فرمائیے۔

اے خدا ایں بندہ را رُسوا مکن　　گر بدم من سِرِّ من پیدا مکن

اے خدا! اس بندہ کو رُسوا نہ کیجئے اگرچہ میں بُرا ہوں لیکن میرے پوشیدہ عیوب کو اپنی مخلوق پر ظاہر نہ کیجئے۔

نوٹ: یہ واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ بعد نمازِ عشاء سجدہ کی حالت میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس شعر کو پڑھتے رہے اور روتے رہے یہاں تک کہ صبح کی اذان ہوگئی۔

اے خدائے رازدانِ خوش سخن　　عیبِ کارِ بد زِ ما پنہاں مکن

اے خدائے! خوش سخن! تو ہی ہمارا رازداں ہے۔ ہمارے بُرے کاموں کے عیوب کو ہم سے پوشیدہ نہ فرما۔

دستِ من ایں جا رسید ایں جا بشکست
دستم اندر شستن جان ست سست

ہمارا ہاتھ بُرے کاموں میں ملوّث ہو کر نجس ہوگیا آپ آبِ رحمت و عفو سے اس کو پاک و طاہر کر دیجئے کیونکہ میرا ہاتھ اپنی تطہیر و تزکیہ کے باب میں بہت ہی کاہل ہے۔

اِے زِ تو کس گشتہ جانِ ناکساں
دستِ فضلِ تُست در جانہا رساں

اے اللہ! آپ کے فضل و کرم سے ناکارہ اور نالائق صالح اور لائق بن گئے آپ کے فضل کا ہاتھ ہماری جانوں کے اندر دسترس اور پوری قدرت رکھتا ہے۔

اَز حدث شُستم خدایا پوست را
اَز حوادث تو بشوایں دوست را

اے اللہ! میں نے آپ ہی کی توفیق سے ظاہری نجاستوں سے اپنے پوست یعنی ظاہر کو پاک کرلیا اب یہ آپ کا کام ہے کہ اپنے فضل و کرم سے میرے باطن کو بھی آپ پاک فرمادیں۔

جُز تو پیشِ کہ برآرد بندہ دست
ہم دُعا و ہم اجابت از تو است

اے اللہ! آپ کے سوا بندہ کہاں ہاتھ پھیلاتا ہے یہ توفیق دُعا اور اسکی قبولیت سب آپ ہی کی طرف سے ہے۔

ہم زِ اوّل تو دِہی میلِ دُعا — تو دِہی آخر دُعا ہا را جزا

ابتداءً آپ ہی کی توفیق میلانِ دُعا قلب میں پیدا کرتی ہے اور آخر میں اس دُعا کو شرفِ قبولیت بھی آپ ہی کی رحمت عطا کرتی ہے۔

گوشِ ما گیرو دراں مجلس کشاں
کز رحیقت می کشند ایں سرخوشاں

اے اللہ! ہمارا کان پکڑ کر اپنے دربارِ قرب میں ہم کو کھینچ لیجئے کیونکہ آپ کے

یہ مقبول بندے بڑے ہی خوش نصیب ہیں جو آپ کی شراب محبت سے سرشار و مست ہو رہے ہیں۔

چونکہ بوئے رسانیدی ازیں
سر مبنداں مشک را اے ربِّ دیں

اے اللہ! جب آپ نے اپنی رحمت سے ہماری جانوں کو اپنی خاص محبت کی کچھ خوشبو سونگھادی ہے تو ہمارے گناہوں کے سبب اے اللہ! اے ربِّ دیں! اس مشک کو سربند نہ فرمائیے۔ یعنی اپنے قرب کی خوشبو سے محروم نہ فرمائیے۔

از تو نوشند از ذکور و از اناث　　بے دریغے در عطا یا مستغاث

اے مستغاث (فریادرس) آپ کے لطف و کرم کے صدقے کتنے مرد اور کتنی عورتیں بے دریغ آپ کی شراب محبت نوش کر رہے ہیں۔

اے دعا ناکردہ از تو مستجاب　　دادہ دل را ہر دمے صد فتح باب

اے اللہ! بہت سی نہ کی ہوئیں دعائیں بھی آپ کے کرم سے مقبول ہو رہی ہیں۔ یعنی آپ کی رحمت بدون مانگے بھی ہماری بہت سی حاجتیں پوری کرتی رہتی ہے اور سیکڑوں دروازۂ غیب سے قلب کو ہر وقت انعاماتِ قرب عطا فرما رہے ہیں۔

اے قدیمے راز دانِ ذوالمنن
در رہِ تو عاجزیم و ممتحن

اے اللہ! آپ بندوں کے رازداں ہیں اور احسان کرنے والے ہیں آپ کے راستے میں ہم عاجز اور مبتلائے امتحان ہیں۔

اے مُبدّل کردہ خاکے را بزر　　خاکِ دیگر را نمودہ بوالبشر

اے اللہ! آپ نے زمین کے ایک جز کو اپنی قدرۃ خلاقیت کے فیضان سے سونا بنا دیا اور دوسری خاک کو ابو البشر یعنی بابا آدم علیہ السلام بنا دیا۔

کارِ تو تبدیلِ اعیان و عطا　　کارِ ما سہوست و نسیان و خطا

اے اللہ! آپ کا کام اعیان کا تبدیل کرنا اور عطا ہے یعنی اشیاء کی ایک حقیقت کو تبدیل کر کے اسے دوسری اعلیٰ حقیقت عطا فرما دینا آپ کا ادنیٰ کرشمہ ہے جیسا کہ اوپر شعر میں مذکور ہوا اور ہمارا کام سہو اور نسیان اور خطا ہے۔

سہو و نسیاں را مبدل کن بہ علم　　من ہمہ جہلم مرادہ صبر و حلم

اے اللہ! ہمارے سہو و نسیان کو علم سے تبدیل فرما اور ہم سراپا جہل ہیں ہم کو صبر و حلم کو جہل کے مقابلے میں طلب کیا ہے اس میں کیا مناسبت ہے؟ کیونکہ جہل کے مقابلے میں علم کا استعمال ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ صبر و حلم کا استعمال یہاں بطورِ دلالت التزامی ہے یعنی علمِ حقیقی کے لیے خشیت الٰہیہ لازم ہے اور خشیت کے لیے صبر و حلم لازم ہے۔ پس لازم' لازم بول کر اس کا ملزوم علمِ حقیقی مراد لیا ہے۔

اے کہ خاکِ شورہ را تو نان کنی　　وے کہ نانِ مردہ را تو جاں کنی

اے اللہ! آپ خاک شورہ کو اپنی قدرت سے روٹی بنا دیتے ہیں یعنی ایک دانۂ گندم زمین کے نیچے سے نکلتا ہے اور پھر زمین کے اجزاء مستحیل ہو ہو کر اس دانہ کو سو دانے بنا دیتے ہیں اور پھر یہی اجزاء زمین جو گندم کے سو دانے بن گئے کھیتوں سے ہمارے گھروں میں آ کر روٹی بنتے ہیں اسی طرف یہاں اشارہ کیا

گیا کہ آپ کی قدرۃ زمین کو روٹی بنا دیتی ہے اور مردہ روٹی کو پھر جاندار کر دیتی ہے۔ یعنی جب اس روٹی کو ماں باپ کھاتے ہیں تو جسم میں اسی سے خون بنتا ہے اور پھر خون سے منی بنتی ہے پھر اسی منی سے انسان کو پیدا فرماتے ہیں پس یہ ثابت ہوا کہ روٹی جو مردہ تھی ماں باپ کے پیٹ میں لیکن چند تبدیلیاں اور استحالات کے بعد یہی روٹی منی ہو کر زندہ انسان بن جاتی ہے۔ عجیب قدرۃ ہے۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔

شکر از نے میوہ از چوب آوری   از منی مردہ بت خوب آوری

اے اللہ! آپ گنّے سے جو بظاہر ایک لکڑی کی لاٹھی معلوم ہوتی ہے شکر پیدا کرتے ہیں اور درختوں کی شاخوں کی لکڑیوں سے میوے پیدا فرماتے ہیں اور منی جو مردہ اور بے جان ہوتی ہے اس سے خوبصورت احسنِ تقویم میں انسان پیدا فرماتے ہیں۔ یہ سب عجائب قدرۃ الٰہیہ سے ہیں عقل والوں کے لئے۔

گل ز گل صفوت ز دل پیدا کنی

پیہہ را بخشی ضیاء و روشنی

اے اللہ! پھول کو مٹی سے اور نور و صفائی باطن کو قلب سے پیدا فرماتے ہیں جبکہ مٹی میں خوشبو نہیں اور پھول میں خوشبو ہے اور دل کو چیر کر دیکھو تو اندھیرا اور اس کے اندر نورِ ایمانی پیدا فرماتے ہیں اور گوشت کی چربی کو روشنی عطا فرماتے ہیں۔ آنکھوں کو چیر کر، شگاف دیکر تو روشنی کا پتہ نہیں مگر اسی گوشت پوست اور شحم کو نور و بینائی کا خزانہ عطا فرما رکھا ہے۔

در سوا دِ چشم چندیں روشنی

میکنی جزوِ زمین را آسماں   میفزائی در زمین از اختراں

اے اللہ! آپ زمین کے جزء کو آسمان بناتے ہیں (بعد الاستحالات المختلفہ) اسی طرح ستاروں کے بعض اجزاء کو زمین کا جزء بنا دیتے ہیں۔ کما ھو المشاہدہ

اے دہندہ قوت و تمکین ثبات   خلق را زیں بے ثباتی دہ نجات

اے اللہ! اے مخلوق کو طاقت اور تمکین اور ثبات قدمی عطا فرمانے والے اپنی رحمت سے خلق کو بے ثباتی سے نجات عطا فرما دیجئے۔

اندراں کارے کہ ثابت بودنی ست   قائمی دہ نفس را کہ منثنی است

اے اللہ! جس کام میں کہ ثبات قدمی مطلوب ہے اپنی رحمت سے اس میں استقامت عطا فرمائیے کہ ہمارا نفس استقامت سے محروم ہے۔

وز حسودے باز ماں خر اے کریم   تا نباشیم از حسد دیو رجیم

اے کریم! اس حاسد ابلیس سے ہم کو پھر خرید لیجئے تاکہ اس کے حسد کے سبب ہم بھی اسی کی طرح مردود نہ ہو جاویں۔

منزل پنجم روز چہار شنبہ (بدھ)

گویم اے رب بارہا برگشتہ ام

توبہ ہا و عذر را بشکستہ ام

اے رب! ہم آپ کے راستے سے بارہا منحرف اور روگرداں ہوتے ہیں اور ہم نے متعدد بار توبہ اور عذر کو توڑا ہے۔

کردہ ام آنہا کہ از من می سزد   تا چنیں سیلِ سیاہی در رسد

میں جس لائق تھا اسی طرح مجھ سے اعمال صادر ہوتے یہاں تک کہ بُرے اعمال کی ظلمت تاریکی کا سیلاب آپہنچا۔

در جگر افتادہ ہستم صد شرر   در مناجاتم ببیں خونِ جگر

اے رب! ہمارے جگر میں سیکڑوں غم کے شعلے آتش ندامت و پشیمانی سے بھڑک رہے ہیں اس کا اثر یہ ہے کہ آپ ہماری مُناجات اور توبہ کے اندر ہمارے جگر کا خون بھی دیکھ لیجئے۔

ایں چنیں اندوہ کافر را مباد   دامنِ رحمت گرفتم داد داد

ایسا غم تو کافروں کو بھی نہ ہو آپ کی رحمت کے دامن کو ہم نے پکڑ لیا اے ہمارے رب! ہم پر رحم فرما دیجئے رحم فرما دیجئے۔

کاشکے مادر نزادے مر مرا   یا مرا شیرے بخوردے در چرا

اے کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا یا مجھے چراگاہ میں کوئی شیر ہی کھا جاتا کہ یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ یعنی اپنی بداعمالیوں کے یہ صدمے نہ اُٹھانے پڑتے۔

اے خدا آں کن کہ از تو می سزد   کہ ز ہر سوراخ مارم می گزد

اے ہمارے رب! آپ ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما دیجئے جو آپ کے کرم کے لائق ہے کیونکہ مجھے تو بسبب میری شامت عمل کے میرے نفس کا سانپ ہر سوراخ سے مجھے ڈس رہا ہے مُراد یہ ہے کہ گناہوں کی غذا دے کر نفس کو قوّت پہنچا دینے کے سبب جسم کے ہر بن مو کے سوراخوں سے اس مارِ نفس کے بُرے تقاضے اب مجھے تنگ کر رہے ہیں۔

جانِ سنگیں دارم و دلِ آہنیں   ورنہ خوں گشتے دریں رُزوحنیں

جان سخت رکھتا ہوں اور دل بھی لوہے کی طرح سخت ہے ورنہ ایسے شدید غم سے تو دِل پگھل کر خون ہو جاتا۔

وقت تنگ آمد مرا و یک نفس

بادشاہی کن مرا فریاد رس

وقت تنگ ہے اور ایک سانس باقی ہے اس کظم (شدید گھٹن) سے اے مرے فریاد رس مجھ پر بادشاہی (مراحم خسروانہ) کیجئے۔ یعنی عدل و انصاف سے تو میں مستحق سزا ہوں مگر فضل سلطانی سے میرا کام بن سکتا ہے۔ چنانچہ دُنیا میں بھی جب ملزم آخری عدالت (سپریم کورٹ) سے بھی بری نہیں ہوتا اور پھانسی کا حکم ہو جاتا ہے تو ملزم قانون سے مایوس ہو کر سلطانِ وقت سے رحم کی درخواست کرتا ہے اور اخباروں کی سرخیوں میں یہ عبارت سب کو نظر آتی ہے کہ ملزم نے عدلیہ سے مایوس ہو کر صدرِ مملکت سے رحم کی اپیل کر دی۔ چونکہ دُنیا آخرت کا نمونہ ہے۔ جیسا کہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ عالمِ شہادت (دُنیا) عالمِ آخرت کا نمونہ ہے پس مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے حق سبحانہٗ تعالیٰ سے بادشاہی کن کے سوال سے رحم سلطانی (مراحم خسروانہ) کی بھیک مانگی ہے۔ اور جب دُنیا کے سلاطین مجرمین کو معاف کرنے کے لئے اپنا سلطانی حق عدلیہ سے بالاتر ہو کر محفوظ رکھتے ہیں تو وہ اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْنَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ سُلْطَانُ السَّلَاطِیْنَ۔ بدرجۂ اولیٰ اس رحم سلطانی کا اپنے مجرمین اور گنہگار بندوں کی رہائی اور معافی کے لئے اپنا حق محفوظ رکھنے کا

اہل ہے۔ سُبْحٰنَ اللہِ وَ تَعَالَی اللہُ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔ اس ناکارہ عبد اختر کو بھی اسی سلطانی رحم کا سہارا ہے کہ ہمارے اعمال ہماری مغفرت کے قابل نہیں۔ اے اللہ! آپ اس عبد کو اپنے مراحم خسروانہ سے میدانِ محشر میں رہا اور معاف فرمائیو۔ آمین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ بِحَقِّ نَبِیِّکَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یہ خاص شرح وہ شرح ہے کہ حق تعالیٰ نے اس عبد اختر کو اس کے لیے مخصوص فرمایا ذٰلِکَ مِمَّا خَصَّنِیَ اللہُ تَعَالٰی بِفَضْلِهٖ وَرَحْمَتِهٖ۔

توبہ ام بپذیر ایں بارِ دگر   تا بہ بندم بہرِ توبہ صد کمر

اے اللہ! میری توبہ کو اس دوسری مرتبہ پھر قبول فرمالیجئے تاکہ میں اس دفعہ توبۂ صادقہ اور اس پر استقامت کے لیے سو کمر باندھ لوں یعنی بہت ہی مضبوط ارادہ و عہد کرلوں۔

تو بہاری ما چو باغِ سبز خوش
او نہاں و آشکارا بخششِ

اے اللہ! آپ مثل بہار کے ہیں اور ہم مثل سبز و شاداب باغ کے ہیں یعنی بہار تو پوشیدہ نظر سے اوجھل ہے اور اس کے اثرات و عطا باغ پر بصورت شادابی ظاہر ہیں۔ اسی طرح آپ مخفی ہیں نظر سے لیکن آپ کے الطاف و عطا و بخششیں ہمارے اوپر ہر وقت ظاہر ہیں اور مبصر و محسوس ہیں یعنی دیکھی اور محسوس کی جارہی ہیں۔

تو چو جانی ما مثالِ دست و پا   قبض و بسطِ دست از جاں شد روا

اے اللہ! آپ مثل ہماری جان کے ہیں اور ہم مثل ہاتھ پاؤں کے ہیں یعنی جس

طرح ہاتھ پاؤں نظر آتے ہیں اور جس روح کی بدولت یہ ہاتھ پاؤں زندہ اور متحرک ہیں وہ آنکھوں سے نہاں ہے۔ اسی طرح اے اللہ! آپ آنکھوں سے پوشیدہ ہیں مگر آپ ہی کی بدولت ——— ہماری زندگی ہے جسم زندہ ہے جان سے اور جان زندہ ہے آپ سے پس آپ اے اللہ! ہماری جان کی جان ہیں اور پاک ہے آپ کی شان ہمارے اوہام اور تمام تمثیلات سے ۔

اے بروں از وہم و قال و قیلِ من　　خاک بر فرقِ من و تمثیلِ من

خاک پڑے ہمارے سر پر اور ہماری تمثیل پر۔ آپ پاک ہیں ہمارے وہم سے اور قیل وقال سے۔

ایں زباں از عقل می یابد بیاں　　تو چو عقلی ما مثالِ ایں زباں

اے اللہ! آپ مثل عقل کے مخفی ہیں اور ہم مثلِ زبان کے ظاہر ہیں لیکن زبان میں قوتِ بیان عقل ہی کی بدولت ہے اسی وجہ سے پاگل دیوانہ بیان صحیح پر قادر نہیں خلاصہ یہ کہ ہر ظاہر کے وجود و آثار میں ایک باطن محرک و مؤثر موجود ہے اسی طرح کائنات موجودات کے ظاہری وجود میں اور ان کے حرکات آثار میں آپ ہی اصل مؤثر ہیں۔

تو مثالِ شادی و ما خندہ ایم

کہ نتیجہ شادی و فرخندہ ایم

اے اللہ! جس طرح خوشی ہمارے دل میں مخفی ہوتی ہے اور خندیدگی (ہنسی) ہمارے لبوں پر نمایاں ہوتی ہے اسی طرح آپ کی مثال ہے کہ آپ مخفی ہیں مگر اصل مؤثر آپ ہی ہیں ہمارے ظواہر میں۔

رَاہ دِہ آلودگاں رَا اَلْعَجَل ✧ دَرْ فُراتِ عفو وَ عینِ مُغْتَسَل

اے اللہ! اپنی رحمت سے ہم گنہگاروں کو جو معاصی میں آلودہ ہیں اپنے دریائے عفو اور عینِ مغتسل کی راہ دکھا دیجئے۔ عینِ مغتسل وہ چشمہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے حضرت سیدنا ایوب علیہ السلام کی بیماری کی صحت کے لیے پیدا فرمایا تھا۔ قرآن شریف میں اس کا ذکر ہے۔

تا کہ غسل آرند زاں جُرمِ دراز ✧ دَر صفِ پاکاں رَوند اندر نماز

تاکہ آپ کے گنہگار بندے اپنے سابقہ جرائم سے پاک و صاف ہوں اور آپ کے پاک بندوں کے ساتھ صف میں شریکِ نماز ہوں یعنی جس طرح حضرتِ ایوب علیہ السلام کو اس چشمہ میں غسل سے جسمانی صحت حاصل ہوتی تھی اسی طرح ہمارے باطن کے غسلِ صحت کا سامان فرما دیجئے اور وہ سامان اب توفیقِ گریہ و آہ و زاری ہے

اَلْغِیَاث اے تو غِیَاثُ الْمُسْتَغِیث

زیں دو شاخہ اِختیاراتِ خَبِیث

فریاد کرتا ہوں کہ اے رب! آپ فریاد خواہوں کی فریاد سننے والے ہیں آپ ہم کو ہمارے نفس کے اختیارات کے سپرد نہ فرمائیے۔ اختیاراتِ خبیث میں لفظ خبیث نفس کی صفت ہے جو مراوف ہے نفس امارہ کے اس جگہ اور نفس قرینہ مقام سے محذوف منوی ہے۔

مَن کہ باشم چرخ با صد کاروبار ✧ زیں کمیں فریاد کرد از اختیار

اور میں کون ہوں یعنی میری کیا حقیقت ہے اس امتحانِ اختیار سے تو آسمان اس قدر شان و شوکت اور عظیم الخلقت ہونے کے باوجود فریاد کر چکا ہے۔

اشارہ ہے حق تعالیٰ کے اس حکم پاک کی طرف جب آسمان و زمین کو بارِ شریعت دینے کا اعلان فرمایا گیا تو زمین و آسمان نے اِس بار کے اُٹھانے سے پناہ مانگی اور یہ پناہ طلب کرنا بوجہ خوف عدمِ تحمل اور اقرارِ عجز و ضعف کے تھا لیکن حضرت انسان نے اس بار کو اُٹھالیا اور یہ بار کا اٹھانا بوجہ اس فطرۃ انسانیت کے تھا جس میں عشق کا مادہ پنہاں تھا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا۔

تجھیں کون و مکاں میں جو نہ رکھی جاسکی اے دل

غضب دیکھا وہ چنگاری مری مٹی میں شامل کی

جذب یکراہہ صراطِ مستقیم   بہہ ز دو اہہ تردد اے کریم

اے ہمارے رب! ہم کو ہمارے نفس کے حوالہ نہ فرمائیے کہ وہ اپنی فطرۃ امّارہ بالسوء کے سبب اختیارِ خیر و شر میں شر کی طرف جلد مائل ہو جاتا ہے اور ہم ضعیف ہیں ہمت اور ارادہ کے اعتبار سے مغلوب ہو جاتے ہیں پس آپ صراطِ مستقیم کی طرف اگر جذب فرمالیں تو اے کریم! میرے لئے اختیار بین الامرین کے تردّد اور غم اور اس ذلّت اور رسوائی سے جو مغلوبیت کے نتیجہ میں پیش آتی ہے بہتر ہو۔

زیں دُو رہ گرچہ ہمہ مقصد توئی

لیک خود جاں کندن آمد ایں دُوئی

اے ہمارے رب! اگرچہ خیر و شر دونوں راستوں کے اختیار کا مقصد آپ ہی ہیں یعنی بندوں سے مجاہدات کا تحقق اسی اختیار پر موقوف ہے مجبور محض ہوتے تو مجاہدہ کیسے ہوتا اور انعامات رضاء و قرب کا مدار بھی یہی اعمال اختیاریہ

اور ان کے اہتمام کے مجاہدات ہیں۔ لیکن اَے رب! اس مجاہدۂ شاقہ سے ہماری جان سخت فِتنہ میں مُبتلا ہے۔ آپ اپنی طرف سے جذب کی اعانت شاملِ حال فرمادیں کہ راہ آسان ہوجاوے۔

زِیں دَوَرہ گرچہ بجز تو عزم نیست
لیک ہرگز رزم ہمچوں بزم نیست

خیر وشر کے اعمالِ اختیاریہ کے مجاہدات سے اگرچہ آپ ہی مقصود ہیں لیکن رزم (جنگ) کی مشقت مثل بزم محبوب کے کہاں ہے۔ (رزم سے مُراد نفس کے ساتھ جنگ کرنا ہے) مُراد یہ ہے کہ وہ سخت مجاہدات جو نفس کو ابتداءِ سلوک میں پیش آتے ہیں۔ اے اللہ! اس مقامِ تلوین سے جلد اپنی طرف سے جذب فرماکر مقامِ تمکین واستقامت عطا فرمادیجئے تاکہ آپ کے قربِ دوام سے سرورِ دوام حاصل ہو۔

زِیں تردُّدُ عاقبت مُا خیر بادُ ۔۔۔ اے خدا مرجان مارا کُن تو شادُ

اَے اللہ! ابتدائی مجاہدۂ شاقہ کے دِن کا انجام بہتر کر دیجئے اور معاصی کے سخت تقاضوں کے غم اور تردّد سے نجات دے کر ہماری جان کو مسرور کر دیجئے یعنی ہم کو ہمارے نفس کے بُرے تقاضوں پر غالب فرمادیجئے۔

آے کریم ذُوالجلال مہرباں
دائمُ المعرُوف واُراۓ جہاں

اے کریم جلالت شان والے آپ بڑے مہربان ہیں اور ہمیشہ ہمارے ساتھ بھلائی کرنے والے اور سارے جہان کی نگہبانی کرنے والے ہیں۔

یَا کَرِیْمَ الْعَفْوِ حَیٌّ لَمْ یَزَلْ   یَا کَثِیْرَ الْخَیْرِ شاہِ بے بَدَلْ

اے کریم عفو کرنے میں اور اے ہمیشہ زندہ رہنے والے اور اے بہت بھلائی کرنے والے اور اے بے مثل سلطان۔

اَوَّلَمْ ایں جزر و مد از تو رسید   ورنہ ساکن بُود ایں بحر اے مجید

اے رب! ہمارے قلب کے سمندر میں خواہشات کا مدو جزر (جوار بھاٹا) آپ ہی کی طرف سے امتحان کے لئے ہوتا ہے ورنہ جب ہم صرف خاک تھے تو یہ سمندر خواہشات کا بھی ساکن تھا۔ اشارہ ہے اس آیت کی طرف فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ۝ نفس کے اندر شر و خیر دونوں تقاضے اور مادّے حق تعالیٰ نے رکھ دیئے اور فجور (مادّہ شر) کو مقدم فرما کر یہ بتا دیا کہ حمام تقویٰ کے حصول کا بھی مادّہ فجور ہی ایندھن ہے کیونکہ اگر بُرے تقاضے ہی نہ ہوتے تو کیسے پتہ چلتا کہ یہ شخص متقی ہے۔ تقویٰ کی تعریف یہی ہے کہ جب بُرا تقاضا دِل میں پیدا ہو تو اس کے مقتضا پر خدا کے خوف سے عمل نہ کرے اب اگر یہ تقاضے ہی نہ ہوتے تو مُجاہدہ کس بات میں ہوتا اور کس پرچے میں امتحان ہوتا۔ پس مختلف معاصی کے مختلف تقاضے آخرت کے امتحانات کے مختلف پرچے ہیں اور دُنیا امتحان گاہ ہے۔

اِبْتلایم می کُنی آہ الغیاث   اے ذکور از ابتلایت چوں اناث

اے رب! کیا آپ میرا امتحان کریں گے آہ فریاد ہے کہ ہم اس قابل نہیں اے اللہ! آپ کے امتحان سے بڑے بڑے مدعیان ہمت جو ذکور یعنی مردِ طریق اپنے کو سمجھتے تھے مثل مؤنث ثابت ہُوئے یعنی آپ کے امتحان سے ان کے عزائم

وکوہ ہمت ریزہ ریزہ ہو گئے۔

تا بکے این ابتلا یا ربّ مکن　　مذہبے ام بخش و دہ مذہب مکن

کب تک یہ ابتلاء رہے گا اب مزید امتحان نہ لیجئے ایک صراطِ مستقیم پر ڈال دیجئے دس مذہب اختیار کرنے سے بچا لیجئے۔ یعنی تلوین کے مقام سے نکال کر تمکین اور استقامت کا مقام عطا فرما دیجئے۔

منزل ششم بروز جمعرات

چونکہ در خلاقیم تنہا توئی　　کارِ رزاقیم ہم کن مستوی

اے رب! چونکہ آپ ہی ہمارے تنہا خالق ہیں پس ہماری روزی کا انتظام بھی آپ ہی تنہا درست فرما دیجئے۔

بے زِ جہدے آفریدی مر مرا　　بے فنِ من روزیم دِہ زیں سرا

اے اللہ! بدون ہماری کوشش کے آپ نے ہم کو محض اپنے لطف وکرم سے پیدا کیا ہے پس روزی بھی بغیر ہنر ہی کے ہم کو دُنیا میں عطا فرما دیجئے۔

پنج گوہر دادیم در درجِ سر　　پنج حس دیگرے ہم مستتر

اے اللہ! آپ نے ہمارے دماغ میں یہ پانچ قوتیں رکھ دی ہیں۔

① باصرہ　دیکھنے والی　② سامعہ　سُننے والی

③ لامسہ　چھونے والی　④ شامّہ　سونگھنے والی

⑤ ذائقہ　چکھنے والی

جن کو قویٰ مدرکہ ظاہرہ اور حواسِ خمسہ ظاہرہ بھی کہتے ہیں اسی طرح حافظہ، واہمہ، خیال، حِسِ مُشترک، متصرفہ۔

اِن قوتوں کو حواسِ خمسہ باطنہ اور قویٰ مدرکہ باطنہ بھی کہتے ہیں اِن کو مصرعِ ثانی میں حس مستتر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

لَا یُعَدُّ اِیں دَادِ لَا یُحْصیٰ زِ تُو
مَن کَلِیلم اَزْ بَیَانَش شَرم رُو

اے اللہ! آپ کی یہ عطائیں و الطاف ہمارے احاطہ اور شمار میں بھی نہیں آ سکتے ہیں میں آپ کے اِن بے شمار احسانات کے بیان سے گونگا اور شرم رو ہوں

ہَم طَلَب اَزْ تُسْت ہَم آں نِیکوئی
مَا کِئیم اَوَّل تُوئی آخِر تُوئی

ہماری یہ طلب بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور یہ بھلائیاں بھی آپ ہی کی توفیق سے ہیں ہماری کیا حقیقت ہے ابتداء اور انتہا سب آپ ہی ہیں۔

کردگارا توبہ کردم زیں شتاب　　　چوں تو دربستی تو کُن ہم فتحِ باب

اے اللہ! توبہ کی میں نے اس سے جلد۔ جب آپ ہی نے دروازہ بند کیا ہے تو آپ ہی اپنی رحمت سے کھول دیجئے۔

دَر عَدم مَارا چہ اِستحقاق بُود
تا چُنیں عَقلے وَ جَانے رُو نُمُود

جب ہم معدوم تھے تو ہم نے کیا ایسا عمل کیا تھا جس سے ہمارا کوئی استحقاق ثابت ہوتا یعنی بدون استحقاق آپ کی محض رحمت نے عقل و جان کی نعمت عطا کی۔

اے بجودہ یار ہر اغیار را   اے بدادہ خلعتِ گل خار را

اے اللہ! آپ کے کرم نے اغیار (کفار) کو دولت ایمان دے کر یار بنا لیا گویا کہ خار (کانٹا) کو آپ نے خلعت گُل عطا فرما دی۔

ایں دعا تو امر کردی ز ابتدا   ورنہ خاکی را چہ زہرہ ایں ندا

آپ نے ہم کو دعا کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم دیا ہے کہ ہم آپ سے مانگیں اگر آپ کا حکم نہ ہوتا تو ہماری کیا مجال تھی کہ ہم آپ کے سامنے لب کھول سکتے۔

چوں دعا ما امر کردی اے عجاب
ایں دعائے خویش را کن مستجاب

جب آپ ہی نے ہم کو دعا کا حکم فرمایا ہے اے بے نظیر تو اپنے اس مامور دعا کو آپ ہی قبول فرمائیے۔ یعنی بوجہ آپ کے حکم دینے کے یہ دعا آپ کی مطلوب ہے پس اپنی مطلوب کو رد نہ فرمائیے اور قبول فرمائیے۔

ز آب دیدہ بندۂ بے دید را   سبزہ بخش و نباتے زیں چرا

میرے آنسوؤں سے اس کور باطن کو بینائی کا نور اور قلب کی سیرابی عطا فرمائیے

ور نماند آب آبم دہ ز عین   ہمچو عینین نبی ہطالتین

اور اگر آنسو ہمارے خشک ہیں تو آپ ہم کو رونے کے لئے آنسو عطا فرمائیے جس طرح سے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے موسلا دھار رونے والی آنکھیں مانگی ہیں۔

وہ دعا یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عَیْنَیْنِ ھَطَّالَتَیْنِ تَسْقِیَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ قَبْلَ اَنْ تَکُوْنَ الدُّمُوْعُ

Final
[illegible]
IMP

دَمًا وَّالْاَضْرَاسُ جَمْرًا ۔

اللہ والی آنکھوں کی پہلی صفت

پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسلام عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم آپ سے ایسی آنکھیں مانگتے ہیں جو ھطّالۃ ہوں۔ ھاطلۃ کے معنی موسلا دھار برسنے والی غیم "ھاطلٌ" لغت جو ھطلٌ میں موجود ہے یعنی موسلا دھار بارش جیسے گریہ پر قناعت نہیں فرمائی بلکہ اسی مصدر سے مبالغہ کا وزن استعمال فرمایا یعنی ھطّالۃ فرمایا فعّال مذکر کے لئے اور فعّالۃ مؤنث کے لئے مبالغہ کا وزن ہے اور عینین عربی میں مؤنث ہونے کے سبب ان کی صفت کے لئے مؤنث کا وزن یعنی ھطّالۃ استعمال فرمایا۔ اب ترجمہ یہ ہوگا اے اللہ! ایسی آنکھیں عطا فرمائیے جو موسلا دھار برسنے والے ابر سے بھی زیادہ رونے والی ہوں اسی مفہوم کے پیش نظر غالباً مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جگہ یہ دعا مانگی ہے ۔

اے دریغا اشک من دریا بُدے   تا نثار دلبر زیبا شدے

اے کاش! میرے آنسو دریا ہو جاتے (دریا فارسی زبان میں سمندر کو بھی کہتے ہیں) تاکہ اس محبوبِ حقیقی پر ان آنسوؤں کو قربان کرتا۔

جونپور کے مشاعرہ میں ایک مصرعہ طرح دیا گیا تھا۔ کوئی نہیں جو یار کی لادے خبر مجھے ایک لڑنے نے ایسی گرہ لگائی کہ اس کو نظر لگ گئی اور تین دن میں اس کا انتقال ہو گیا وہ مصرعہ یہ کہا۔

کوئی نہیں جو یار کی لادے خبر مجھے
اے سیلِ اشک تو ہی بہا دے اُدھر مجھے

اللہ والی آنکھوں کی دوسری صفت

ھطالتین عینین کی صفت اولیٰ ہے اس کے بعد نبی علیہ السلام نے دوسری صفت بھی مانگی تسقیان القلب بذروف الدمع وہ آنکھیں ایسی موسلا دھار رونے والی ہوں جو قلب کو اپنے آنسوؤں سے سیراب کردیں۔ اس قید سے معلوم ہوا کہ ہر رونے والی آنکھیں دِل کو سیراب نہیں کرتی ہیں پس جو آنسو اللہ کے خوف سے یا اللہ کی محبت سے گرتے ہیں وہی آنسوؤں کو سیراب کرتے ہیں ولنعم ما قال الشاعر ؎

سَهَرُ الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وَجْهِكَ ضَائِعٌ
وَبُكَاهُنَّ بِغَيْرِ فَقْدِكَ بَاطِلٌ

اے اللہ! آنکھوں کی وہ بیداری جو آپ کے دیدار کے علاوہ ہو یا آپ کے لئے نہ ہو وہ بیداری ضائع اور بے کار ہے اور آنکھوں کا وہ رونا جو آپ کی جُدائی کے غم سے نہ ہو باطل ہے۔

تو معلوم ہوا کہ تسقیان القلب بذروف الدمع عینین کے لیے صفتِ ثانیہ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاص کے آنسو طلب فرمائے کہ وہی دِل کو بھی سیراب کرتے ہیں۔

اللہ والی آنکھوں کی تیسری صفت

مانگنے کے لئے نبی علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔ قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدُّمُوْعُ دَمًا وَّالْاَضْرَاسُ جَمْرًا۔ اے اللہ! یہ رونے کی توفیق اسی حیاتِ دُنیا میں عطا فرمائیے قبل اس کے کہ یہ آنسو خون ہوں اور داڑھیں

انگارے ہو جاویں۔ یعنی دوزخ میں تو دوزخی بھی روئے گا لیکن اس کے آنسو خون کے ہوں گے اور اس کی داڑھیں انگارے ہوں گے تو یہ آنسو کس کام کے یہ تو سزا والے آنسو ہیں رحمت کے آنسو تو یہ ہیں جو دنیا میں اللہ کے لیے نکلیں۔

قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدَّمُوْعُ الخ یہ ظرف ہے اور ہر ظرف مظروف کے لئے بمنزلہ قید ہوتا ہے اور قید بمنزلہ صفت ہوتی ہے پس یہ نحوی صفت تو نہیں لیکن معنوی صفت ہے۔ یہ تمام اوپر کی شرح حق سبحانہ تعالیٰ نے احقر کو اپنی رحمت سے عطا فرمائی ہے۔ فَذٰلِكَ مِمَّا خَصَّنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِلُطْفِهٖ۔

منگر اندر زشتی و مکروہیم   کہ زِپُر زہری چو مارِ کوہیم

اے اللہ! آپ ہماری برائیوں اور رذائل باطنیہ پر نظر نہ فرمائیے کہ ہم مثل پہاڑی سانپ کے نہایت ہی خطرناک زہر سے بھرے ہوتے ہیں یعنی نہایت بڑے بڑے گناہوں کے شدید تقاضے ہمارے اندر موجود ہیں۔

اے کہ من زشتم خصالم نیز زشت
چوں شوم گل چوں مرا او خار کشت

اے وہ ذات پاک جس نے ہمارے اندر نفس امّارہ رکھا ہے جو مثل خار ہے۔ پس میں گل کیسے ہو سکتا ہوں میں تو اپنی ذات ہی سے برا ہوں اور میرے خصائل بھی بہت برے ہیں۔

نو بہارا حسن گل دہ خار را   زینتِ طاؤس دہ ایں مار را

ہاں آپ کی قدرت بہت بڑی ہے آپ اپنے فضل سے میری خاریت کو

خلعتِ گُل اور میری ماریت کو طاؤس کی زینت دے دیجئے۔ یعنی ہمارے اخلاق رذیلہ کو اخلاق حمیدہ سے تبدیل فرما دیجئے۔

دَر کمالِ زِشتیم مَن مُنتہے　　　لُطفِ تو دَر فضل وَدر فن مُنتہے

اے اللہ! ہم تو برائیوں میں کمال کی انتہار کو پہنچے ہوئے ہیں اور آپ لُطف و کرم کے فن میں غیر متناہی کمال رکھتے ہیں۔

حاجتِ ایں مُنتہی زاں مُنتہیٰ　　　تو بر آرائے غیرتِ سَروِ سہی

اس منتہی فی الرذائل کی اِصلاح آپ اپنے غیر متناہی لُطف وکرم سے فرما دیجئے اے غیرت سروِ سہی۔

نوٹ : حق تعالیٰ شانہٗ کی صفت کے لئے منتہی کا لفظ محض مشاکلۂ لفظی کے طور پر استعمال کیا گیا ہے مگر مراد مبالغہ فی الکمال ہے جس کی تعبیر حقیقی غیر متناہی کمالات سے صحیح ہے۔

دستگیرم در چنیں بیچارگی　　　شاد گردانم دریں غم خوارگی

اے اللہ! ایسی سخت بیچارگی میں میری دستگیری فرمائیے اور اپنی غم خوارگی سے مجھے شاد و مسرور کر دیجئے۔

اَز خیال و وہم وظن بازش رہاں　　　اَز چہ و جورِ رسن بازش رہاں

اے اللہ! خیال اور وہم و گمان فاسدہ سے پھر اس بندہ کو رہا کیجئے اور چاہ ظلمت و نفس کے ظلم سے پھر اس کو رہائی عطا فرمائیے۔

تا زِ دلداریٔ خوبِ تو دِلے　　　پَر بر آرد بَر مُرو زِ آب و گِلے

تا کہ آپ کی حسین دلداری (دلجوئی) سے ایک دل نفس کے زشت تقاضوں اور

غیر اللہ کے علاقوں سے نکلنے کے لئے پر باہر نکالے۔ یعنی آپ ہمارے قلب کو اپنی طرف جذب فرمالیں تاکہ ہم تعلقات آب و گل (ماسوی اللہ) سے بآسانی نکل کر آپ کے قرب کی لذۃ غیر فانی سے مشرف ہوں اسی جذب کی طرف ایک بزرگ شاعر نے خوب فرمایا ہے ؎

نہ میں دیوانہ ہوں اصغر نہ مجھکو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لئے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

زاں مثالِ برگِ دے پژمردہ ام
کز بہشتِ وصل گندم خوردہ ام

نوٹ: یہاں بہشت وصل سے مراد سرور طاعت ہے اور گندم خوردن سے مراد ارتکاب خطا ہے۔

ترجمہ: میں زمانہ خزاں کے پتے کی طرح نڈھال اور افسردہ ہوں کیونکہ میری روح آپ کی بہارِ قرب سے مشرف ہوتے ہوئے بھی اور آپ کی عظمتِ سلطانی کا مشاہدہ کرتے ہوئے بھی کوتاہیوں اور ارتکاب و اشتغال خطایا میں مبتلا ہوگئی بوجہ نادانی کے۔

گر خفاشے رفت در کور و کبود
بازِ سلطان دیدہ را بارے چہ بود

اگر چمگاڈر خوئے ظلمت پسندی سے تاریکی اور گندگی میں چلی گئی تو کیا تعجب ہے لیکن تعجب ہے اس بازِ شاہی پر جو سلطان کا مقرب ہے اور سلطان کے دیدار سے مشرف ہے۔

چوں بدیدم لطف و اکرامِ ترا
واں سلام و سلم و پیغامِ ترا

لیکن میری خطاؤں کے باوجود جب میں نے آپ کے لطف و اکرام اور سلامِ صلح و پیغام کو دیکھا تو میری مایوسی کی آغوش میں اُمیدوں کے بہت سے آفتاب طلوع ہو گئے اور آپ سے عبدیت کا رابطہ استوار کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا ہو گیا۔

یہاں صُلح سے مُراد حق تعالیٰ کی طرف سے وعدۂ قبول توبہ کا اعلان ہے اور پیغام سے مُراد دعوت الی دار السلام ہے۔

مَن سِپند چشم بَد کردم پدید　　دَر سِپندم نیز چشم بَد رسید

مَیں نے شیطان کی پُر فریب اور دھوکہ دہی والی نظر کے ضرر کو دُور کرنے کے لئے سپند جلایا یہ ایک محاورہ ہے کہ نظرِ بد کے علاج کے لئے اسپند جلایا کرتے تھے مُراد یہ ہے کہ اغواء و تلبیس سے بچنے کی تدابیر اختیار کیں لیکن اس نے میری تدبیر میں بھی نظرِ بد لگا دی یعنی بعد اہتمام تدبیر بھی اس کے پنجے میں گرفتار رہوں۔

دافعِ ہر چشم بد از پیش و پس
چشمہائے پُر خمارِ تُست و بس

اے اللہ! آگے اور پیچھے جس طرف سے بھی ابلیس کی نظرِ بد ہم کو دھوکہ دے اصل علاج اس کا آپ کی حفاظت ہے آپ کی پُر خمار آنکھیں ہیں مُراد پُر خمار آنکھوں سے حق تعالیٰ کی عنایت محبوبانہ ہے۔

چشم بَد را چشم نیکویت شہا
مات و مستاصل کند نعم الدواء

ابلیس کی نظرِ بد کو دفع کرنے کے لئے اے اللہ! آپ ہی کی نظرِ عنایت

بہترین دوا ہے جو جڑ سے اس کو اکھاڑ دیتی ہے یعنی مؤثر حقیقی آپ ہی کی نگاہِ عنایت ہے لیکن ماموربہ ہونے کے سبب تدابیر اختیار کرنا اور شیخ سے مشورہ کا سلسلہ رکھنا بھی ضروری ہے اور اکثر اسی پر وہ علتِ حقیقی بھی متوجہ ہو جاتی ہے

بَل زِ چشمت کیمیا ہا می رسد   چشم بد را چشمِ نیکو می کند

آگے اس خاصیت مذکورہ میں ترقی کرتے ہیں یعنی آپ کی نظرِ عنایت دافع تو کیوں نہ ہوتی بلکہ دافع سے بڑھ کر ہے وہ یہ کہ آپ کی نگاہ سے کیمیائیں پہنچتی ہیں یعنی وہ چشم بد کو چشم خوب کر دیتی ہے یہ تفسیر ہے کیمیا کی جس کی خاصیت تبدیل خواص ہے۔ مُراد اس سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی نظر و توجہ میں وہ خاصیت رکھ دیتے ہیں کہ جس طالب پر وہ نظرِ عنایت رکھتے ہیں اس پر چشمِ ابلیسی اثر نہیں کرتی بلکہ وہ ہر طرح محفوظ رہتا ہے۔

فائدہ: اِن اشعار میں اس بات کی تعلیم ہے کہ تدبیر اور دُعا کے ساتھ صحبت مقبولین کا بھی اہتمام رکھے کہ ان کی طرف رجوع کرنا عین رجوع الی الحق ہے۔ کیونکہ وہ ہادی الی الحق ہیں۔

چشمِ شہ بر چشمِ باز دل زدست
چشمِ باز بس سخت باہمت شدست

چشم شاہی نے بازِ قلب کی چشم پر اثر کیا اس شاہ کے باز کی چشم نہایت باہمت ہو گئی۔

تا ز بس ہمت کہ یابید از نظر   می نگیرد باز شہ جز شیر نر

یہاں تک کہ غایت ہمت کے سبب جو کہ اس نے نظر سے پائی ہے باز شاہی

بجز شیر نر کے کسی کو نہیں پکڑتا۔ ختم ہوئی یہ چھٹی منزل بحمد اللہ تعالےٰ وعونہ قبل طلوع صُبح صادق یعنی نصف شب کے وقت یہ کام ہوا اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرماویں۔ آمین اور خلائق کے لیے خوب نافع فرماویں۔ آمین۔

منزل ہفتم روزِ جمعہ

شُد صَفِیرِ بازِجاں دَرمرجِ دِیں نعرہ ہائے لَا اُحِبُّ الْآفِلِیْں

ترجمہ: بازِ شاہی یعنی جانبازِ الٰہی کی آوازِ دین کی چراگاہ میں لا اُحبّ الآفلین کے نعرے ہیں۔

ترجمہ: لا احب الآفلین: میں فنا ہونے والوں سے محبّت نہیں کرتا۔

بازِ دِل را کَز پئے تُو مِی پَرِیْد از عَطائے بیحدت چشمے رَسِیْد

ترجمہ: بازِ قلب جو کہ آپ کے لیے اُڑ رہا تھا۔ (یعنی رضائے الٰہی کے لیے مُجاہدہ کر رہا تھا) آپ کی عطائے غیر محدود سے اس کو ایک بینا آنکھ وصول ہوئی یعنی مُجاہدات اور التزام ذکر و فکر اور صُحبتِ شیخ کے اہتمام سے اس کی جان نورِ بصیرت سے مُشرف ہوگئی۔

یافت بینی بُوئے وگوش اَز تُو سَماع
ہَر حِسے را قِسمتے آمد مُشاع

ترجمہ: یہاں تک کہ عارف کی ناک کو قوّتِ شامّہ اور کان کو قوّتِ سامعہ آپ کی طرف سے عطا ہوجاتی ہے اور ہر حس کا حصّہ الگ ہے۔

تشریح: مراد یہ کہ اہل اللہ کو ذکر و تقویٰ کے اہتمام سے ایک خاص نورِ بصیرت عطا ہوتا ہے جس سے وہ مبصراتِ حقیقت کو دیکھتے ہیں اور اسی طرح ان کو خاص قوتِ سامعہ عطا ہوتی ہے جس سے وہ مسموعاتِ حقیقت کو سنتے ہیں۔

مولانا کی مراد یہاں اس حدیث شریف سے ہے جس میں کُنْتُ بَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَسَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ ارشاد ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل اللہ مُبْصِرٌ لِّلْحَقِّ وَبِالْحَقِّ اور سَامِعٌ لِّلْحَقِّ وَبِالْحَقِّ ہو جاتے ہیں جس کو اصطلاحِ صوفیہ میں فانی فی الحق اور باقی بالحق کہا جاتا ہے۔

ہر حسے را چوں وہی رہ سوئے غیب
نبود آں حس را فتور و مرگ و شیب

ترجمہ: جس حس کو بھی جب آپ غیب کی طرف راہ دیتے ہیں تو اس حس کو ضعف موت اور بڑھاپے کا نہیں ہوتا۔

تشریح: حواس خمسہ ظاہرہ ہوں یا حواس خمسہ باطنہ ہوں جس حس کو بھی حق تعالیٰ شانہٗ غیب کی طرف راہ دکھا دیتے ہیں تو اس کا عالمِ حقائق سے تعلق ہو جاتا ہے اس کو ضعف موت اور بڑھاپے کا لاحق نہیں ہوتا بوجہ اس کے کہ وہ باقی ببقاءِ حق ہو جاتا ہے اور گو نفسِ بقاء میں محرومین بھی شریک ہیں یعنی اہلِ جہنم بھی دوزخ میں باقی رہیں گے مگر یہ بقاء موت سے بھی بدتر ہے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا یَمُوْتُ فِیْھَا وَلَا یَحْیٰی۔

وَقَالَ تَعَالٰی۔ وَیَأْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ

وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ط

ترجمہ: آیت اولیٰ۔ نہ جہنم میں مریں گے نہ زندہ رہیں گے موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہوں گے۔

ترجمہ: آیت ثانیہ اوران کو ہر طرف سے موت آتی نظر آوے گی بوجہ شدت الم لیکن وہ مرنے والے نہ ہوں گے

اورعارف واصل باللہ کے چونکہ سب افعال طبعاً مرضیٔ حق ہوجاتے ہیں اوریہی معنی ہیں بقاء باالحق کے اس لئے وہ بقاء جوحیواۃ طیبہ کے ساتھ ہو معتدبہ قراردی گئی۔

مَالِکُ الْمُلْکی بحس چیزے دہی　　تاکہ برحسہا کند آں حس شہی

ترجمہ: آپ مالک الملک ہیں کسی حس کوایسی چیز دے دیتے ہیں جس سے وہ اورحسوں پر بادشاہی کرتی ہے۔

تشریح: یعنی اہتمام تقویٰ التزام ذکروفکر اورصحبت شیخ کی برکت سے آپ کاکرم اہل اللہ کے ادراکات اورحواس کوعامۃ الناس کے ادراکات اورحواس سے نورانی اورقوی ترکردیتا ہے اوروہ آپ کے نور سے دیکھتے ہیں آپ کے نور سے سنتے ہیں اورآپ کے نور سے ان کے سارے اعضاء اوربال بال اوررگوں کاخون تک سرتاپا منوّر ہوجاتا ہے جس سے وہ طالبین کے لئے مقتدا اوررہبر ہوجاتے ہیں اوران کے حس دوسرے انسانوں کے حسوں پربادشاہی کرتے ہیں۔

رَبِّ اَتْمِمْ نُوْرَنَا بِالسَّاهِرَةْ
وَاَنْجِنَا مِنْ مُّفْضِحَاتِ الْقَاهِرَةْ

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمارے نور کو روزِ محشر میں تام فرما دیجئے اور ہم کو رسوا کُنندہ قہروں سے نجات دیجئے۔

یَارِ شَب رَا رُوزِ مَہجُورِی مَدِہ   جَانِ قُربَت دِیدَہ رَا دُورِی مَدِہ

ترجمہ: رفیق شب کو جدائی کا دن نہ دیجئے اور اس روح کو جو آپ کے قرب کا کروفر دیکھ چکی ہے دوری کا الم نہ دیجئے۔

تشریح: رفیق شب سے مُراد وہ رفاقت ہے جو اہل اللہ کو نصف شب کے بعد نماز تہجد اور مُناجاۃ و گریہ وزاری میں عطا ہوتی ہے جُدائی کے دِن سے جو پناہ طلب کی ہے اس سے مُراد دِن کے اعمال کی حفاظت ہے یعنی دِن میں ہم سے ایسے اعمال صادر نہ ہوں جو آپ سے بُعد اور دُوری کا سبب بن جاویں۔

بُعدِ تُو مَرگیست بَا دَرد و نَکَال
خَاصَہ بُعدِے کَاں بُوَد بَعدَ الوِصَال

ترجمہ: آپ کا بُعد ایک موت ہے جو درد عقوبت کے ساتھ مقرون ہے خاص کر وہ بُعد جو بعد وصال کے ہو۔

تشریح: اے اللہ! آپ کی دوری تو خود موت ہے یعنی زندگی آپ کے تعلق سے زندگی کا صحیح مصداق بنتی ہے۔ کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالیٰ: اَفَمَن کَانَ مَیتًا فَاَحیَینٰہُ (پارہ ۸) یہ آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہے جس وقت کہ آپ ایمان سے مشرف نہ ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا وہ شخص جو مردہ تھا پس ہم نے زندہ کردیا ایمانی حیات سے چونکہ کفر میں بُعد اور دوری کی کامل خاصیت ہوتی ہے اس لیئے اس دُوری

کو موت قرار دیا۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ سے دوری خود ایک موت ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ قربِ الٰہی نہ دیکھا ہو اور اگر قرب کا کروفر دیکھ لیا تو نور کے بعد ظلمت کا ادراک نہایت قوی ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اہل اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ذکر کا اہتمام رکھتے ہیں ان سے اگر خطا کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو انہیں معصیت کی ظلمت کا احساس بہت قوی ہوتا ہے برعکس غافلانِ آخرت کے کہ ظلمت پر ظلمت کا طریان غیر محسوس اور غیر شعوری ہو جاتا ہے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں وصال کے بعد کا فراق زیادہ مولم اور باعثِ صدمہ ہوتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ۔

آنکہ دید ستت مکن نادیدہ اش
آبِ زن بر سبزۂ بالیدہ اش

ترجمہ: جس نے آپ کو دیکھ لیا اس کو نا دیکھا ہوا نہ کیجئے اس کے سبزۂ بالیدہ پر پانی چھڑک دیا۔

تشریح: یعنی آپ نے جس کو اپنی رضا کے اعمال سے نوازا ہے پھر اس کو اپنی ناراضگی اعمال میں مبتلا نہ ہونے دیجئے کہ شامت عمل سے یہ مُشرف بالقرب معذّب بالبعد ہو جاوے اور اس کے اعمال صالحہ اور معرفت میں ترقی عطا فرماتے رہیئے پانی چھڑکنا کنایہ ہے توفیق گریہ سے کہ قلب مومن اسی سے سیراب اور شاداب ہوتا ہے باعتبار قرب معرفت اور تعلق مع اللہ کے اور یہ سیرانی بالدموع منصوص فی الحدیث ہے کما مرّ۔

مَن نکردم لا اُبالیِ در رَوِش　　　تو مکن ہم لا اُبالیِ در خَلِش

ترجمہ: مَیں نے سلوک میں بے پروائی نہیں کی ہے تو آپ بھی بے پروائی نہ کیجئے عقوبت میں۔

تشریح: مَیں نے سلوک میں اگرچہ مُجاہدہ کا حق نہ ادا کیا لیکن فکر اور طلب آپ کی بھی اور ہے اور آپ سے ہمیشہ توفیق اعمالِ صالحہ اور معاصی سے پناہ مانگنے کا سلسلہ قائم رکھا پس آپ بھی اپنے کرم کو ہم سے مستغنی نہ کیجئے واستغنی اللہ کی آیت کی طرف اشارہ ہے۔

رہِن مَراں از رُوئے خود اُو را بعید
آنکہ اُو یکبار رُوئے تُو بدید

ترجمہ: ہاں ایسے شخص کو اپنے قُرب سے نہ نکالیئے جس نے ایک بار آپ کا رُخ دیکھ لیا۔

تشریح: مراد یہ کہ جو آپ کا بندہ صِرف آپ کے کرم و توفیق سے اختیار اعمالِ صالحہ اور مُجاہدات سے مقرب اور پیارا ہوچکا اس کو پھر اس کے نفس کے حوالے نہ فرمایئے کہ کسی معصیت میں مُبتلا ہوکر مردود اور بدبخت ہوجاوے۔

دِیدِ رُوئے جز تُو شُد غُلِ گلُو
کُلُّ شَیْءٍ مَا سِوَی اللّٰہِ بَاطِلٌ

ترجمہ: آپ کے علاوہ کسی چیز کی طرف رُخ کرنا گردن میں مُصیبت کا طوق ڈالنا ہے کیونکہ آپ کے سوا ہر شے فانی اور لاشے ہے۔

تشریح: یعنی آپ سے تعلق کا ثمرہ اطمینانِ قلب اور سکونِ روح ہے یہ تو غیر فانی ہے کہ آپ کی ذات پاک باقی ہے اور آپ کے سوا کسی سے دِل

لگانا اور سکون حاصل کرنا چونکہ محل فنا سے دل لگانا ہے پس وہ باعثِ تشویش ہوگا کیونکہ سکون بالفانی بھی فانی ہوتا ہے۔

نوٹ : ماسویٰ سے مراد وہ ماسویٰ ہے جو بالکل ہی غیر اللہ ہے اور ذریعہ مقصودِ حق بننے کی صلاحیت بھی نہ رکھتا ہو ورنہ جو چیزیں مقصودِ حقیقی کا ذریعہ اور وسیلہ بن سکتی ہیں ان سے تعلق اللہ ہی کا تعلق ہے اور ان کی طرف استفادہ کے لیے متوجہ ہونا استفادہ باللہ ہی ہے اسی طرح اہل وعیال کے حقوق۔ پڑوسی کے حقوق حتیٰ کہ جانوروں کے حقوق سب اسی ذریعہ مقصود میں داخل ہیں کیونکہ ان کو رضائے الٰہی میں دخل ہے۔ خلاصہ یہ کہ میاں کی رضا اور ناراضگی کے جملہ مواقع اور متعلقات اور ان میں حدودِ الٰہیہ کا تحفظ اور نگہداشت سب عین دین ہے۔ البتہ یہ تعلقات مغلوب اور ضمنی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا تعلق غالب اور اصل ہو۔

باطلند و می نمایندم رُشُد ‌ ‌ ‌ ‌ زانکہ باطل باطلاں را می کشد

یہ جو آپ کے غیر ہیں مجھے غلط بینی نگاہ سے جذب و کشش میں صواب اور اچھے معلوم ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ باطل باطل کو کھینچتا ہے یعنی ہمارے اندر نفس امارہ بالسوء ہے اور اس میں مادہ فجور موجود ہے جو مواقع اور اسباب فجور سے حرکت میں آجاتا ہے جیسا کہ میلان معصیت اجنبیہ یا امرد کے قرب سے زیادہ ہوجاتا ہے بہ نسبت اس کے کہ ان سے دوری اختیار کی جاوے۔

زیں کششہا اے خدائے رازداں
تو بجذب لطف خود ماں دہ اماں

ترجمہ : ان جذبات سے اے خدائے رازداں آپ اپنے جذب لطف کے

طفیل امان دیجئے۔

تشریح: جن گناہوں کی طرف ہمیں قوی میلان محسوس ہوتا ہے آپ ان سے حفاظت کے لئے ہمیں اپنی طرف کھینچ لیجئے کہ آپ کی وہ صفت ؏ اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ہماری اس حاجت روائی کے لئے کافی ہے آپ جس کو اپنی طرف کھینچیں گے اس کو کون اپنی طرف کھینچ سکتا ہے آپ کے دست بازو کے مقابلہ کا کس کو پتہ ہے نہ ابلیس کو نہ معاشرہ کو اور نہ سارے جہان کو۔

غالبی بر جاذِباں اے مُشتری
شاید از دَر ماندگاں را واخری

ترجمہ: آپ سب جاذبوں پر غالب ہیں اے خریدار ایمان والوں کے ممکن ہے اگر آپ درماندوں کو خرید لیں۔

تشریح: اشارہ اس آیت کی طرف ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط

اے مشتری میں اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ بھی جاذب ہوتے ہیں کیونکہ اشتریٰ کے لوازم میں جلب المشتری المبیع ہے۔

مراد یہ کہ اے اللہ! آپ تو تمام کھینچنے والوں سے قوی اور غالب ہیں پس ہم کو گناہوں میں مبتلا کرنے کے لئے جو تقاضے اور جو اسباب مثلاً حسنِ مجازی وغیر ذالک اپنی طرف کھینچ رہے ہیں تو آپ اگر اپنے کرم سے ہم کو اپنی طرف جذب فرمائیں گے تو چونکہ آپ غالب ہیں سب پر اس لئے ہم یقیناً آپ ہی

؏ ترجمہ: اللہ جس کو چاہتے ہیں اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

کے ہو جاویں گے اور غیروں کا جذب بے اثر ہو جاوے گا۔

نہیں ہوں کسی کا تو کیوں ہوں کسی کا
انھیں کا انھیں کا ہوا جا رہا ہوں

ایک اشکال اور اس کا جواب: ایک اشکال یہ ہے کہ تجاذب کے لئے ہم جنس ہونا شرط ہے بقاعدہ مشہورہ

کند ہمجنس با ہمجنس پرواز   کبوتر با کبوتر باز با باز

تو حق تعالیٰ تو ہمارے ہمجنس نہیں ہیں وہ پاک ہیں اور ہم ناپاک وہ باقی ہیں اور ہم فانی تو جواب یہ ہے کہ جذب کے لئے ہمجنس ہونا جو مشروط ہے وہ جذب طبعی کے لئے ہے لیکن جذب عقلی اور جذب ارادی کے لئے ہمجنس ہونا شرط نہیں۔ جس طرح انسان اپنے جانور کو چرواہی کے وقت دوسروں کے کھیتوں سے اپنی طرف کھینچتا ہے کہ خیانت نہ ہو جاوے پس یہ جذب عقلی اور ارادی ہے نہ کہ طبعی کیونکہ انسان اور جانور کے طبائع ہمجنس نہیں ہیں البتہ اس مثال میں انسان کبھی اپنے جذب میں ناکام ہو سکتا ہے۔ مثلاً جانور مضبوط ہو جیسا کہ قربانی کے جانور بعض وقت ہاتھ کی گرفت سے نکل جاتے ہیں اگرچہ گرفت کتنی ہی مضبوط رکھی جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا جذب کبھی ناکام نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی گرفت اور قوۃ جذب غالب ہے اور ہماری قوۃ گریز مغلوب ہے اگرچہ نفس و شیطان اور اسباب معاصی اور تمام اہلِ زمانہ اپنی اجتماعی قوۃ سے اس نفس امارہ بالسوء کی اعانت بھی کریں۔ تب بھی وہ ذاتِ پاک ہمارے جذب پر غالب ہی ہو گی۔

اس وقت تقریباً رات کے ۴ بج رہے ہیں قبولیت کی گھڑی ہے۔ دُعا کرتا ہوں کہ اے اللہ! اختر راقم الحروف کو اور اس شرح مثنوی شریف کے پڑھنے والوں کو اپنی طرف کھینچ لے اور اس طرح سے اپنا بنا لے کہ ہمیشہ تیرے ہی رہیں۔ آمین ثم آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۝
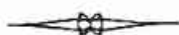
مناجاتِ خاتمِ مثنوی

اَے خُدا سازندہ عرشِ بریں
شام را دادی تو زلفِ عنبریں

اے خدا اے عرشِ بلند کے خالق آپ نے شام کو زلفِ عنبریں عطا فرمائی رات کی تاریکی میں عاشقانِ الٰہی کو لذۃ عبادات میں ترقی عطا ہوتی ہے اس لئے خوشبوئے قربِ محبوب کی رعایت سے زلفِ عنبریں سے تشبیہ دی۔

روز را با شمعِ کافور اے کریم کردۂ روشن تر از عقلِ سلیم

اے کریم آپ نے دِن کو شمعِ روشن یعنی آفتاب سے ایسا منور کر دیا جس کی روشنی عقلِ سلیم سے بھی زائد ہے کیونکہ عقلِ سلیم تو استدلال و دلائل سے حقیقت اشیاء کا ادراک کرتی ہے اور آپ کے روشن کئے ہوئے دِن میں ہر شے بداھۃً نظر آجاتی ہے۔

خوں بنافِ نافہ مُشکِ میکنی سُنبل و ریحاں چرد پشکے کُنی

آپ کی قدرۃ خون کو ہرن کی ناف میں کستوری (مُشک خالص) بنا دیتی ہے اور ہرن سنبل و ریحان چرتا ہے جو خوشبودار نباتات ہیں مگر اس سے مینگنی بنتی ہے

قادرا قدرت تو داری بر کمال اَنتَ رَبِّی اَنتَ حَسبِی ذُوالجَلال

اے قادرِ مطلق تو قدرۃ کاملہ رکھتا ہے تو ہی ہمارا رب ہے اور تو ہی ہمارے لئے کافی ہے اے ذوالجلال۔

اَے خدا قربانِ احسانت شوم کاں احسانی بقربانت روم

اَے خدا میں آپکے احسان پر اور آپ کے احسان کے خزانوں پر قربان ہو جاؤں۔

مَعدنِ اِحسانیِ وَ اَبرِ کَرَم فیضِ تو چوں ابرِ ریزاں بر سرم

آپ کے احسان کے خزانے اور آپ کی بخشش وعطا کے بادل ہمارے سر پر مثلِ ابرِ باراں کے بارش کررہے ہیں۔

اَز عدم دادی بہستی اِرتقا زاں سپس ایمان و نورِ اِھتدا

آپ نے عدم سے وجود بخشا تاکہ ہم اس زندگی سے اعمالِ صالحہ کے خزانے جمع کر کے عبدیت کے ارتقائی منازل طے کرلیں یعنی آپ کی رضا کا تاج ہماری عبدیت کے سر پر حاصل ہو اور اس مقصد کے لئے آپ نے زندگی عطا فرمانے کے بعد ایمان اور نورِ ہدایت بھی بخشا۔

اَے خدا احسانِ تو اندر شمار می نتانم با زبانِ صد ہزار

اے خدا آپ کے احسانات کو ہم ایک لاکھ زبانوں سے بھی شمار نہیں کرسکتے۔

مَن بخواب و پاسبانِ من توئی مَن چو طفل و حرزِ جانِ من توئی

میں سوتا ہوں تو آپ ہی میری حفاظت کرتے ہیں اور میں مثلِ بچہ کے ہوں اور آپ ہی میری جان کی حفاظت کے ضامن ہیں۔

مَن بعصیاں صَرفِ وقتِ خود کنم بینی و از حلم می پوشی برم

میں اپنے اوقات کو گناہوں میں صرف کررہا ہوں اور آپ کا حلم و کرم دیدہ دانستہ پردہ پوشی کررہا ہے۔

رُوزیت را خوردہ عصیاں میکنم نعمت از تو من بغیرے می تنم

آپ کی روزی کھا کر میں آپ ہی کی نافرمانی کررہا ہوں اور نعمت تو آپ کی طرف سے عطا ہوتی ہے اور میں غیروں کی طرف متوجہ اور ملتفت ہوں۔

تنیدن۔ توجہ والتفات کے معنی میں بھی مستعمل ہے (غیاث)

جُملۂ مِی بِینی نہ گیری اِنتِقام   از دَرِ حِلم و کَرَم آئی مُدام

ہماری سب کوتاہیاں آپ دیکھتے ہیں مگر آپ انتقام نہیں لیتے اور ہمیشہ حلم و کرم کا معاملہ اپنے بندوں سے فرمارہے ہیں۔

بَر دِلِ مَن سِی صَد و شَصت اَز نَظَر
مِیکُنی ہَر رُوز اِے رَبُّ البَشَر

ہمارے دل پر تین سو ساٹھ نظر آپ ہر روز اے انسانوں کے رب کر رہے ہیں۔

لِیک مَن غَافِل زِلُطفِ بیکَراں   چَشم دَارَم ہَر زَماں بااِیں و آں

لیکن میں آپ کے لُطف بے انتہا سے غافل ہوں اور ہر وقت آپ کے علاوہ دوسروں پر اُمید کی نظر ڈالتا ہے۔

دُوسْت رَا بَر مَن نَظَر شُد دُوخْتَہ
حَیف مَن بَا دِیگَراں دِل تُوخْتَہ

دوست کی مجھ پر خاص نظر عنایت ہے افسوس کہ میں دوسروں سے دل کو باندھے ہوئے ہوں۔

مَن گُنَہ آرَم تُو سَتَّارِی کُنی   جُرم مَن آرَم تُو مَعذَارِی کُنی

میں گناہ کرتا ہوں اور آپ ستاری فرماتے ہیں میں جرم کرتا ہوں اور آپ ہم کو معاف فرمادیتے ہیں۔

جُرمِ مَا بِینی وَ خَشمے نَاوَرِی   اِے بَقُربانَت چِہ نیکو دَاوَری

میرے جرائم آپ دیکھتے ہیں اور مجھ پر غضب نازل نہیں فرماتے میں آپ کے

ایسے عجیب اخلاق و احسان پر قربان ہوں۔

دَر مَصائِب دَر حَوادِثہاۓ زار — چونکہ بر مَن تنگ شُد اَز دَرد کار

جب مصائب اور آفات میں ابتلاء سے میں سخت تنگی میں پڑا۔

یار و خویشانم مرا بگذاشتند — زارِ در دستِ غمم بسپاشتند

یار اور اپنوں نے مجھے چھوڑ دیا اور مجھ کو غم کے ہاتھوں حیران و پریشان سرگرداں سپرد کر دیا۔

جُز تُو کے دیگر دَراں سَختی رَسَد — دَر مَتاعِبہا تُو گَشتی مَدَد

اس وقت سوائے آپ کے دوسرے کب اس سختی میں ہماری مدد کو پہنچے سختیوں میں آپ ہی نے ہماری مدد کی۔

دَر رَسیدی زُود بِگرفتی مَرا — وا خَریدی اَز ہمہ سَختی مَرا

آپ کا کرم ہماری مدد کو آپہنچا اور آپ نے جلد ہم کو گرتے سے پکڑ لیا اور تمام سختیوں سے خرید لیا۔

چُوں شُمارَم مَن زِ احسانِ تُو چُوں — گر زباں بر ہر مُو شَود لطفت فزوں

اگر ہم آپ کے احسانات کو شمار کرنا شروع کریں تو اگرچہ ہمارا ہر ہر بال زبان بن جاوے پھر بھی آپ کا لطف و کرم ہمارے شکر سے زائد ہو گا۔

شُکرِ اِحسانِ تُرا چُوں سَر کُنَم
اَندَریں رَہ گَر قَدَم اَز سَر کُنَم

ہم آپ کے احسان کا شکر اگر کریں اور اس راہ تشکر میں اگرچہ ہر قدم کو سر کے بل رکھیں تب بھی آپ کے احسان کا حق تشکر ادا نہیں ہو سکتا۔

جانُ و گوش و چشم و ہوش پا و دست
جملہ از دریاۓ احسانت پرست

جان اور کان اور آنکھ اور ہوش اور ہاتھ پاؤں سب آپ کے احسانات کے موتیوں سے پُر ہیں۔

اینکہ شکرِ نعمتِ تو میکنم — ایں ہم از تو نعمتے شد مغتنم

یہ جو میں آپ کا شکر ادا کر رہا ہوں یہ شکر خود بھی آپ کی نعمت توفیق کا محتاج و مرہون اور ممنون ہے پس جب شکر نعمت بھی ایک نعمت مغتنم ہے تو شکر کا شکر بھی واجب ہوگا اور اس طرح کا تسلسل عقلاً محال ہے پس دلائلِ عقلیہ سے بھی ہم آپ کے احسانات کے شکر کا حق ادا نہیں کر سکتے۔

شکرِ ایں شکر از کجا آرم بجا — من کیَم از تست توفیقِ اے خدا

آپ نے جو توفیق شکر کی ہم کو دی ہے پھر ہم اس شکر کا شکر کہاں سے بجا لا سکتے ہیں یعنی اس سے تو وہی تسلسل مذکورہ محال عقلی لازم آئے گا پس ہم آپ کے شکر میں بے حقیقت اور عاجز ہیں (من کیَم کا استفہام تحقیر کے لئے ہے) اے خدا! جو کچھ ہم آپ کا شکر ادا کریں گے وہ سب آپ ہی کی توفیق کا ممنون ہوگا۔

تَمَّتْ بِفَضْلِهٖ تَعَالٰى وَكَرَمِهٖ وَعَوْنِهٖ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّآ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؈

تَمَّتْ هٰذِهِ الْمُنَاجَاةُ بِفَضْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِىْ نِصْفِ اللَّيْلِ مِنْ لَيْلَةِ الْخَمِيْسِ

۲۹ ر جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ

اِنتخاب از مناجات

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بانی دار العلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ

نوٹ: حضرت اقدس مرشدی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ اشعار جو مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مناجات کے ہیں باعتبار مضمون کے مقبول معلوم ہوتے ہیں اور اس بندہ اختر عفا اللہ عنہ نے حضرت شیخ کو اس مناجات میں بارہا مشغول دیکھا اور بہت ہی کیف اور درد کی حالت میں حضرت والا اس کو پڑھا کرتے تھے اس لئے تقاضا ہوا کہ اس مناجات کا انتخاب بھی برکت کے لئے آخر میں شامل کر دوں کہ اہلِ طلب و شوق مستفید ہوں۔

اِلٰہی غرقِ دریائے گُنہ ہم تو میدانی و خود ہستی گواہم

اے اللہ میں گناہ کے دریا میں غرق ہوں یعنی بے حد کثیر الخطا ہوں اور تو میرے گناہوں پر خود گواہ ہے۔

گُناہِ بے عدد را بار بستم ہزاراں بار توبہ ہا شکستم

بے شمار گناہوں کا بار سر پر باندھ لیا ہے اور ہزاروں بار توبہ کو میں نے توڑ دیا ہے۔

ع یہ مسودہ بھی بعد نصف شب بوقتِ قبولیت بتوفیق اللہ تعالیٰ تمام ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول و نافع فرماویں۔ آمین۔

حجابِ مقصدِ عصیانِ من شُد   گناہم موجبِ حرمانِ من شُد

میرے مقصد میں میرے گناہ حائل ہو گئے اور میرے گناہ میری محرومی کا باعث ہو گئے۔

بآں رحمت کہ وقفِ عام کردی   جہاں را دعوتِ اسلام کردی

اپنی اس رحمت کے صدقے جو آپ نے سارے جہان کے لئے وقف عام کر دی ہے۔ اور جس رحمت کے صدقے میں سارے جہان کو آپ نے دعوتِ اسلام دی ہے۔

گدا خود را ترا سلطاں چو دیدم   بدرگاہِ تو اے رحماں دویدم

جب میں نے اپنے کو آپ کا فقیر و گدا دیکھا اور آپ کو سلطانِ حقیقی دیکھا تو اے رحمان آپ کے دروازہ پر بھکاری بن کر دوڑ پڑا۔

نوٹ: جس کو حق تعالیٰ حج عطا فرمائیں تو یہ شعر کعبہ شریف کے دروازہ پر پڑھ کر خوب لطف حاصل کرے اور بار بار پڑھے۔

بحقِ آنکہ او جانِ جہاں است   فدائے روضہ اش ہفت آسماں است

صدقے میں اس ذاتِ گرامی کے جو جانِ جہان ہے اور جس کے روضہ مبارک پر ہفت آسمان فدا ہیں۔

نوٹ: اس شعر کو روضہ مبارک پر حاضری کے وقت اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بار بار پڑھنے کا لطف عجیب ہے۔

بحقِ آنکہ محبوبش گرفتی   برائے خویش مطلوبش گرفتی

صدقے میں اس ذاتِ گرامی کے جس کو آپ نے اپنا محبوب بنایا اور اپنے

ع حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عقیدت ہے ان اکابر کو جن کو اہلِ بدعت خشک سمجھتے اور کہتے ہیں حق تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ آمین

لئے ان کو مطلوب بنایا ہے۔

پسندیدی زِ جملہ عالم آں را　　بہا بگذاشتی باقی جہاں را

آپ نے سارے عالم سے ان کو پسند فرمایا اور ان کے علاوہ باقی جہان کو نظر انداز کر دیا۔

گزیدی از ہمہ گلہا تو اُو را　　نمودی صرف اُو ہر رنگ و بو را

تمام پھولوں سے آپ نے اس ذات گرامی کو منتخب فرمایا اور ہر رنگ و بو کو اُن پر صرف فرمایا۔

ہمہ نعمت بنامِ اُو نمودی　　دُو عالم را بکامِ اُو نمودی

تمام نعمتوں کو انھیں کے نام پر بخشا ہے اور دونوں جہان کو آپ ہی کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

بآں کو رحمۃ للعالمین ست　　بدرگاہت شفیع المذنبین ست

صدقے میں اس ذات گرامی کے جو رحمۃ للعالمین کے لقب سے مشرف ہیں اور آپ کی بارگاہ میں گنہگاروں کے شفیع ہیں۔

بحقِ سرورِ عالم محمد　　بحقِ برترِ عالم محمد

صدقے میں تمام عالم کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صدقے میں تمام عالم سے برتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

بذاتِ پاکِ خود کاں اصلِ ہستی است
ازو قائم بلندی ہا و پستی است

صدقے میں خود آپ کی ذات پاک کے کہ اصل ہے تمام موجودات کی اور آپ ہی سے تمام بلندی و پستی قائم ہے۔

ثنائے اُو نہ مقدورِ جہان ست　　کہ کُنہش برتر از کون و مکان است

صدقے میں اس ذات پاک کے جس کی ثنا سارے جہان سے ناممکن ہے کیونکہ اس کی حقیقت کون و مکان سے بالاتر ہے۔

دِلم از نقشِ باطل پاک فرما　　براہِ خود مرا چالاک فرما

میرے دِل کو نقشِ باطل سے پاک فرما دیجئے اور اپنے راستے میں (سلوک میں) ہم کو سلیم الفہم بنا دیجئے۔

بکُش از اندرونم اُلفتِ غیر
بشُو از من ہوائے ایں و آں دیر

میرے باطن سے غیر کی محبّت دور کر دیجئے اور مجھے ایں و آں آلائش غیر سے پاک و صاف کر دیجئے۔

نوٹ: اصل نسخے میں ایں و آں کی جگہ کعبہ و دیر ہے حضرت شیخ مرشدی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ مولانا پر اس وقت کوئی حال غالب تھا ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم ہوائے کعبہ سے بھی مستغنی ہونے کی دُعا کریں۔ مغلوب الحال معذور ہے۔ مگر ہم کیسے معذور ہو سکتے ہیں اس لئے اس جگہ ایں و آں دیر کا اضافہ فرما کر حضرتِ اقدس نے مصرعہ بھی موزوں فرما دیا۔

درونم را بعشقِ خویشتن سوز　　بہ تیرِ دردِ خود جانُ و دِلم دوز

میرے باطن کو یعنی میرے قلب و روح کو اپنے عشق کی آگ سے بریاں کر دیجئے اور اے اللہ اپنے درد کے تیر کو میرے دل اور جان میں داخل فرما دیجئے۔

؎ شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ　　سینے میں ہے اِک آگ سی ہر دم لگی ہوئی

دِلَم رَا مَحْوِ یادِ خویش گرداں　　مَرا حسبِ مرادِ خویش گرداں

میرے دل کو اپنی یاد میں محو فرما لیجئے اور مجھ کو اپنی مرضی کے مطابق بنا دیجئے۔

اگر نالائقم قدرت تو داری　　کہ خارِ عیب از جانم بر آری

اگرچہ میں نالائق ہوں لیکن آپ ایسی قدرۃ رکھتے ہیں کہ میری جان سے برائیوں کے کانٹوں کو نکال دیں۔

بخوبی زشت را مبدل نمائی　　سیاہی ما ببخشی روشنائی

میری برائی کو بھلائی سے تبدیل کر دیجئے اور میرے گناہوں کی سیاہی کو نور سے تبدیل کر دیجئے۔

گناہم را اگر دیدی نگر ہم　　بعفو و فضلِ خود اے شاہِ عالم

اگر آپ نے ہمارے گناہوں کو دیکھا ہے تو اے شاہ عالم! اپنے فضل و عفو بیکراں کو بھی تو دیکھئے۔

بچشمِ لطف اے حکمِ تو بر سر
بحالِ قاسمِ بیچارہ بنگر

اے اللہ! اپنی نگاہ لطف کے صدقے کہ آپ کا حکم سر آنکھوں پر ہے قاسم بیچارہ کے حال پر عنایت کی نظر فرما دیجئے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○

بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ○

مثنوی اختر

مع ترجمہ

از
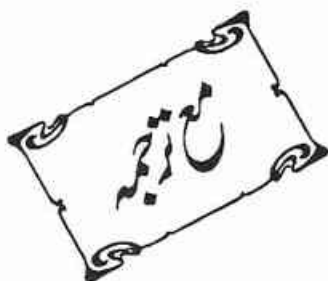
عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب
دامت برکاتہم

وارداتِ اختر

از عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم

ساحل سے لگے گا کبھی میرا بھی سفینہ
دیکھیں گے کبھی شوق سے مکّہ و مدینہ

گو عشق کا موجود ہے ہر دل میں دفینہ
ملتا نہیں لیکن کبھی بے خون و پسینہ

اللہ رے یہ جوشِ محبّت کی بہاریں
اک آگ کا دریا سا لگے ہے مرا سینہ

اے اشکِ ندامت میں ترے فیض پہ قربان
برسا ہے جو عاصی پہ یہ رحمت کا خزینہ

ہے شرط کسی اہلِ محبّت کی توجہ
ملتا نہیں ورنہ یہ محبّت کا نگینہ

مانا کہ مصائب ہیں رہِ عشق میں اختر
پر ان کے کرم سے جو اُترتا ہے سکینہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مثنوی اختر

از مولانا محمد اختر صاحب مدظلہ

بدانکہ عبدیت و فنائیت حاصل دین وحاصل تصوف ہست وتکبر وخود بینی آں مرض ہست کہ عزازیل را شیطان کرد وشیطان ازیں نسخۂ آزمودہ سالکین راہ حق را شیطان می سازد العیاذ باللہ العظیم۔

در بیان عبدیت وفنائیت ومذمت خود بینی وتکبر

ہر کہ خود را از ہمہ کمتر بدید	۱	لاجرم او نزد حق باشد سعید
ہر کہ خود را مستحقِ آتش بدید	۲	رحمتِ حق از کرم سویش دوید
پند ایں آں شاہ من عبدالغنی	۳	داد من آں ساکنِ چرخ سنی
جہد کن اختر تو در افنائے خویش	۴	وصل کن از بحر حق دریائے خویش
از بہائم خویش را کمتر ببیں	۵	جملہ خلقاں را ز خود بہتر ببیں
از کسے حق یوم دیں راضی شود	۶	بالیقیں او فخرِ دیں رازی بود
پس گمانِ افضلی اندر حیات	۷	جز حماقت نیست ایں ظن اے ثقات
ہر کہ خود بینی کند در راہِ دوست	۸	شد مبدل مغز دیں او ز پوست

پندِ ایں از شیخ سعدی را بگیر	۹	دینِ کامل از دو لفظ او بگیر
از شہاب الدین سہروردی بگفت	۱۰	شاہِ ما را ایں دو گوہر داد مفت
عیبہائے خویش را ہردم ببیں	۱۱	عیبہائے خلق را ہرگز مبیں
زانکہ خلق اللہ عیال اللہ ہست	۱۲	ہمچنیں قولِ رسول اللہ ہست
ہر کہ او بر خویش بد بینی کند	۱۳	ہر کہ او بر غیر خوش بینی کند
پس یقیں می داں کہ خوئے خوش گرفت	۱۴	دینِ کامل در کنارِ خود گرفت

عبدیت و فنائیت اور خود بینی و تکبر (ترجمہ)

(۱) جس نے اپنے کو سب سے کمتر اور برا سمجھا بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سعید اور محبوب ہوتا ہے۔

(۲) اور جس نے اپنے جرائم کے سبب اپنے کو دوزخ کا مستحق سمجھا حق تعالیٰ کی رحمت اس کی اس عبدیت کے سبب اسے دوڑ کر لے لیتی ہے۔

(۳) یہ نصیحت میرے مرشد حضرت مولانا شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے دی جو اس وقت عالم برزخ میں آرام فرما ہیں کہ

(۴) اے اختر تم اپنے کو مٹانے میں مسلسل کوشش کرتے رہنا اور اپنے دریائے وجود کو حق تعالیٰ کے بحر ناپیدا کنار سے متصل کر دینا یعنی اس فانی وجود کو مٹا کر تعلق مع اللہ کی برکت سے حیاتِ ابدی حاصل کرنا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ہرگز نہیں مرتا وہ دل جو حق تعالیٰ کی محبت سے زندہ ہوتا ہے۔

۵) جانوروں سے بھی اپنے کو کمتر سمجھنا اور جملہ مخلوقات کو اپنے سے بہتر سمجھنا کیونکہ خاتمہ کی خبر نہیں۔

۶) میدان محشر میں جس بندہ سے خدا راضی ہوگا بے شک وہ فخر الدین رازی کہلانے کا مستحق ہوگا۔

۷) پس اپنے افضل ہونے کا گمان زندگی میں سوائے بیوقوفی اور احمقانہ گمان کے کچھ نہیں اے ثقہ حضرات!

۸) جو شخص خود بینی کرتا ہے راہ دوست میں اس کے دین کا مغز صرف پوست رہ جاتا ہے پس چھلکا بغیر مغز کس کام کا؟

۹) یہ نصیحت حضرت شیخ سعدیؒ سے حاصل کر لو اور ان کے دو لفظ سے دین کامل لے لو۔

۱۰) اور یہ نصیحت انھوں نے اپنے شیخ شہاب سہروردیؒ سے حاصل کی تھی اور انہیں سے نقل فرماتے ہیں کہ میرے شاہ نے مجھے دو موتی نصیحت کے عطا فرماتے۔

۱۱) ایک تو یہ کہ اپنے عیب اور بُرائی پر ہر وقت نظر رکھو دوسرے یہ کہ تمام مخلوقات کی برائیوں سے چشم پوشی کر لو یعنی کسی مخلوق کی بُرائی مت دیکھو۔

۱۲) اس لئے کہ مخلوق عیال الٰہیہ ہے اور عیال اللہ کے ساتھ اچھے سلوک ہی سے اللہ کو راضی کر سکتے ہو اور یہ اسی طرح حدیث شریف میں وارد ہے۔

۱۳) جس نے اپنی برائیوں پر نظر رکھی اور جس نے دوسروں کی اچھائیوں پر نظر رکھی۔

(۱۴) تو یقین کر لو کہ اس نے بہت اچھی عادت پکڑ لی اور دینِ کامل اپنی گود میں لے لیا۔

دربیانِ مذمّتِ عُجب

عُجب خود را نیک و خوش پنداشتن	۱	بر صفات خود نظر انداختن
او نمی داند کہ ایں جملہ صفات	۲	ہست از حق مستعار اندر حیات
شکر کن و خویشتن بینی مکن	۳	کن حذر از عُجب و خود بینی مکن
عُجب سالک را کند روباہ و خر	۴	گرچہ باشد در طریقت شیر نر
الغیاث از عُجب اے ربِّ کریم	۵	تا نگردد دینِ ما ہمچو یتیم
زانکہ مُعجب را ز خود وابستگی	۶	در ضلالت شد سبب افگندگی
ناظرِ حق مستحقِ رحمت شود	۷	ناظرِ خود دور از رحمت بود
ہمچنیں عاشق کہ معشوقے بدید	۸	پیشِ آں معشوق روئے خود بدید
پس چرا غیرت نہ آید دلبراں	۹	ہمچنیں عشاق را چوں خر بر آں

دربیانِ مذمّتِ عُجب (ترجمہ)

(۱) عُجب نام ہے اپنے کو اچھا سمجھنا اور اپنی کسی صفت علم یا عمل یا حُسن یا دولت و مال پر اس طرح نظر ڈالنا کہ ان کو عطاءِ حق نہ سمجھنا اور اپنا ذاتی کمال سمجھنا۔

(۲) یہ بے وقوف یہ نہیں جانتا کہ یہ تمام خوبیاں اور نعمتیں انسان کے پاس

حق تعالیٰ کی طرف سے مستعار (عاریت پر) عطا ہوئی ہیں جو موت کے وقت واپس لی جاویں گی اور در اصل یہ امانتیں چند روز کے لیے ہمارے پاس ہیں امتحان کے لیے کہ بندہ ان کو صرف ذاتی تعیش میں صرف کرتا ہے یا رضائے الٰہی کے مطابق صرف کرتا ہے۔

(۳) شکر کرو اور اپنے کو بڑا یا اچھا نہ سمجھو اور اس بیماری سے پرہیز کرو خود بینی مت کرو۔

(۴) عجب کی بیماری سالک کو لومڑی اور گدھا بنا دیتی ہے یعنی بزدل اور بے وقوف کر دیتی ہے اگرچہ بہت ہی باہمت شیر نر کی طرح ہو۔

(۵) اے رب کریم ہم پناہ مانگتے ہیں عجب سے تاکہ اس خطرناک بیماری سے ہمارا دین مثلِ یتیم نہ ہو یعنی آپ کی رحمت کے سایہ سے ہم محروم نہ ہو جاویں۔

(۶) اس لیے کہ عجب میں مبتلا اپنی ذات سے وابستہ اور حق تعالیٰ سے دور رفتہ گمراہی میں جا گرتا ہے۔

(۷) جو بندہ حق تعالیٰ کی صفات پر نظر رکھتا ہے وہ مستحق رحمت ہوتا ہے اور جو اپنی صفتوں کو دیکھتا رہتا ہے وہ رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔

(۸) جس طرح کوئی عاشق اپنے محبوب کے پاس ہو اور بجائے محبوب کے حُسن و جمال کے اپنے ہی چہرہ کو شیشے میں دیکھ رہا ہو۔

(۹) پس ایسے عاشق سے محبوب کو غیرت کیوں نہ آوے گی اور مثل گدھے کے ایسے عاشقوں کو راہ عشق سے ہانک دینا چاہیئے۔

دَر بیانِ مذمتِ حسد

حاسداں را دَر تقرُّب راہ نیست	۱	زانکہ نیکی با حسد ہمراہ نیست
مُصطفٰیؐ فرمود نیکی را حسد	۲	ہمچو آتش چوب ہا را می خورد
ہست پنہاں ایں خباثت دَر حسد	۳	اعتراض اندر قضائے حق رسد
حق دہد نعمت کسے از فضلِ خویش	۴	دَر جگر حاسد چرا آیا بندہ ریش
کُن نظر بر مُنعمے اے بو الفضول	۵	رو از و می خواہ نعمت اے جہول
از قضاءِ حق مشو دَر دل ملول	۶	بندہ شو ہم بندگی را کُن قبول
مُصطفٰی فرمود تبدیلِ قضا	۷	ہست ممکن بندگاں را از دُعا
از حسد تو آتشِ غم می خوری	۸	مُعترض ہستی ز بندہ پروری
زیں حماقت گر نہ مُستغفر شدی	۹	تا بدوزخ عاقبت اندر رسی
دَر حسد شد اعتراضے بر قضا	۱۰	نیست ایماں جز بہ تسلیم و رضا
ہر کہ او خواہد کہ او مُنعم شود	۱۱	باید او را عاشقِ مُنعم بود

حسد کے بیان میں (ترجمہ)

(۱) حاسدوں کو اللہ تعالیٰ کے قُرب سے کوئی واسطہ نہیں کیونکہ حسد کے ساتھ نیکیاں جمع نہیں ہوتی ہیں۔

(۲) جیسا کہ مُصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو۔

(۳) حسد کی بیماری میں یہ خباثت پوشیدہ ہے کہ حاسد کے دل میں حق تعالیٰ کے فیصلہ پر اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ فلاں کو اتنا مال یا یہ عزت کیوں حاصل ہے۔

(۴) حق تعالیٰ اپنے فضل سے کسی کو نعمت دیتے ہیں تو حاسد اپنے جگر میں کیوں حسد کا زخم محسوس کرتا ہے۔

(۵) اے بے ہودہ حاسد! نعمت دینے والے پر نظر کر اور حسد کی آگ میں جلنے کے بجائے جا اور نعمت دینے والے سے نعمت طلب کر۔

(۶) اے حاسد! حق تعالیٰ کے فیصلے سے رنجیدہ نہ ہو بندہ بن کر رہ اور بندگی کو قبول کر۔

(۷) مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو فیصلہ خداوندی کو تبدیل کرا سکتا ہے اور بندوں کے لئے یہ دعا سے ممکن ہے لَا یُرَدُّ الْقَضَآءُ اِلَّا بِالدُّعَآءِ نہیں ٹوٹائی جاسکتی قضا (فیصلہ) مگر دعا سے یعنی اگر تجھے مال و دولت یا عزت کم ملی اور کسی کو زیادہ تو زیادہ والے پر حسد سے تجھے کچھ نہ ملے گا سوائے جلن کے عذاب کے پس اگر تو بھی یہ نعمتیں چاہتا ہے تو دعا سے خدا کا فیصلہ اپنے حق میں کرالے۔

(۸) حسد کے سبب تو غم کی آگ کھا رہا ہے اور حق تعالیٰ کی بندہ پروری پر اعتراض کر رہا ہے۔

(۹) اگر تو اس حماقت سے توبہ نہ کرے گا تو بالآخر تو دوزخ میں پہنچے گا۔

حسد سے تقدیر پر اعتراض لازم آتا ہے اور رضا بالقضا کے بغیر ایمان کامل

نہیں ہوسکتا۔

جو شخص چاہے کہ وہ بھی نعمت خداوندی سے مالامال ہو تو کسی پر حسد کے بجائے نعمت دینے والے پر عاشق ہوجاوے اور میاں سے رابطہ قائم کرلے[1]

دربیانِ نقصانِ غیبت و خوئے تنقید و عیب جوئی

ہر کہ او غیبت شعاری می کند	۱	خویش را از نور ناری می کند
مصطفیٰ گفت از زنا غیبت اشد	۲	پس بداں غیبت چہ باشد خلق بد
علتِ غیبت بود کبرِ خفی	۳	بر زباں غیبت تکبر مختفی
ہر کہ غیبت می کند محروم شد	۴	از زبانش خلقہا مظلوم شد
پس چرا آیا بدز خلاقِ جہاں	۵	لطف و اکرامش میانِ دو جہاں
عیب جوئی تبصرہ تنقیدِ خلق	۶	ہست شیوہ جملہ محروماں زحق
دوست را کے فرصتے از یادِ دوست	۷	خلق را ہم دوست دارد بہرِ دوست

غیبت اور تنقید اور عیب جوئی کی برائی کا بیان (ترجمہ)

(۱) جو شخص دوسرے بھائیوں کی برائی بیان کرتا ہے وہ نور سے دور ہوکر دوزخ کی آگ کی طرف جارہا ہے۔

---

[1] اگر حسد کے تقاضے پر عمل نہ کرے اور اختیاری طور پر محسود کے لئے دعائے فلاح دارین کرتا رہے تو پھر نفس مادہ حسد پر کچھ مواخذہ نہیں۔

(۲) مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ بھاری گناہ ہے پس اندازہ کرلو کہ یہ عادت کس قدر بُری عادت ہے۔

فائدہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ سچ بات کہنے میں کیا ڈر یہ بُرائی تو میں اس کے منہ پر بھی کہہ دوں تو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہی تو غیبت ہے یعنی اپنے بھائی کے اس عیب اور بُرائی کو مجلس میں ذکر کرنا کہ اگر وہ موجود ہو تو اس کو بُرا اور ناگوار معلوم ہو اسی کا نام غیبت ہے جو حرام ہے اور اگر وہ عیب اس میں نہ ہو تب تو اس کا نام بہتان ہے۔

(۳) غیبت وہی کرتا ہے جس کے دل میں اپنی بڑائی ہوتی ہے زبان سے غیبت نکلتی ہے اور دل میں تکبر بھرا ہوتا ہے۔

(۴) جو غیبت کرتا ہے وہ محروم ہوتا ہے اور اس کی زبان سے مخلوقِ خدا کی عزّت مظلوم ہوتی ہے۔

(۵) پس ایسا ظالم شخص خالق کائنات سے کب عزّت اور انعامات پاسکتا ہے دونوں جہان میں۔

(۶) جو شخص دوسروں کی بُرائی بیان کرتا ہو اور دوسروں پر تنقید اور تبصرہ کرنے کا عادی ہو تو سمجھ لو کہ یہ عادت انہیں لوگوں کی ہوتی ہے جو خداوند تعالےٰ کے قُرب سے محروم ہوتے ہیں۔

(۷) ورنہ دوست کو کب فرصت ہوتی ہے کہ وہ اپنے دوست (محبوبِ حقیقی) کی یاد سے فرصت پاکر ان گندی باتوں میں وقت ضائع کریں اللہ تعالےٰ کے اولیاء تو مخلوق خُدا سے بھی دوستی اور محبّت رکھتے ہیں اپنے رب کی

خوشنودی حاصل کرنے کے لئے [1]

دربیانِ مذمت بدنگاہی

سالکے کو بدنگاہی می کند	۱	نیست سالک علتش باہی می کند
ہر کہ بیند امردے نامحرمے	۲	او ز نورِ افتد بچاہِ مظلمے
نورِ باطن از نگاہِ بد رود	۳	بدنگاہے کورِ باطن می شود
نورِ تقوی می برد تا شاہِ جاں	۴	بد نگاہی می برد تا مردگاں
الحذر از بدنگاہی الحذر	۵	فسق و تقوی ہر دو ضد اند اے پسر
بدنگاہے کے شود یارِ خدا	۶	ہست تقوی شرط دربارِ خدا
بدنگاہے نیست درباری حق	۷	ہست تقوی شرطِ درباریِ حق
فاسقی را عاشقی نامش دہی	۸	خویش را تو خود فریبے می دہی
مشرقے را نام گر مغرب دہی	۹	تو بمغرب کے رسی زیں ابلہی
در شریعت بدنگاہی فسق شد	۱۰	پس چرا فسق تو بلبیت عشق شد
فاسقے از اولیاء اللہ نہ شد		تا نہ پاک از عشق غیر اللہ نہ شد

بدنگاہی کے بیان میں (ترجمہ)

یعنی عورتوں اور لڑکوں کو شہوت کی نظر سے دیکھنا۔

---

[1] غیبت سے بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں جن کو کسی عالم سے معلوم کرلیں۔

فائدہ: اچانک نظر مُعاف ہے مگر ایک نظر اچانک کے بعد پھر دوسری بار دیکھنا حرام ہے۔

(۱) جو سالک بدنگاہی کرتا ہے وہ سالک نہیں محض عیش باہی کرنے والا ہے۔

(۲) جو شخص کسی امرد (لڑکا) یا اجنبیہ عورت کو دیکھتا ہے وہ نور سے نکل کر تاریکی کے کنوئیں میں گر جاتا ہے۔ یعنی نور قُرب چھن جاتا ہے۔

(۳) دِل کا نور بدنگاہی سے ختم ہو جاتا ہے اور بدنگاہی کرنے والا دِل کا اندھا ہو جاتا ہے۔

(۴) تقویٰ کا نور خدا تک لے جاتا ہے اور بدنگاہی ان مردہ لاشوں تک لے جاتی ہے جن کو گھورتا ہے۔

(۵) پرہیز کرو بدنگاہی سے کیونکہ تقویٰ اور فسق دونوں ایک دوسرے کی ضِد ہیں۔

(۶) بدنگاہی کرنے والا اللہ کا دوست نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اپنی دوستی کے لئے تقویٰ کو شرط ٹھہرایا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہمارا ولی کوئی نہیں بجز متقی بندوں کے۔

(۷) بدنگاہی کرنے والا حق تعالیٰ کا درباری نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے دربار کے لئے تقویٰ شرط ہے۔

(۸) اے شخص تو بدنگاہی کرتا ہے اور نافرمانی کا نام عشق رکھتا ہے پس تو اپنے کو دھوکہ دے رہا ہے کہ فسق کو عشق سمجھتا ہے۔

(۹) مشرق کا نام مغرب لکھنے سے کیا تو اس بیوقوفی سے مغرب کی طرف

پہنچ سکتا ہے؟

(۱۰) جب شریعت میں بدنگاہی کو فسق قرار دیا گیا تو کیوں یہ فسق تیری نظر میں عشق بن رہا ہے۔

(۱۱) کوئی فاسق اولیاء اللہ نہیں ہو سکتا ہے پس اس فعل بدنگاہی سے لیے سالک توبہ ضروری ہے۔ جب تک غیر اللہ سے دل پاک نہ ہوگا، اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا۔

دربیانِ حصولِ استقامت

اِستِقامت گر ہمی داری عزیز	۱	رَو رَو اے جاں زود کُن ذکرِ عزیز
اُثبُتُوا را عونِ باشد اُذکُرو	۲	بہرِ ایں قرآں بگوید اُذکُرو
ہر کہ ذاکر نیست کے ثابت شود	۳	ہر کہ غافل ہست کے قانت شود
ہست کو غافل ز ذکرِ آں شہے	۴	نیست اُورا استقامت یک دمے
اِستقامت گر ہمی خواہی بُرو	۵	ذکر کُن در راہِ گمراہی مرو

استقامت کے حصول کا بیان (ترجمہ)

(۱) اگر تو اے سالک! استقامت چاہتا ہے تو جا اور ذکر کا اہتمام کر ناغہ مت کر

(۲) ثباتِ قدمی کا امر جو اُثبُتُوا میں مذکور ہے اس کی تدبیر بھی اسی کے بعد

اذکروا اللہ کثیرا مذکور ہے یعنی حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں ثبات قدمی کا سہل طریقہ بتا دیا کہ کثرت ذکر اللہ ہی سے استقامت عطا ہوگی۔

(نوٹ) اور کثرتِ ذکر کو خود تجویز نہ کرو بلکہ مرشد سے تجویز کرا لو ورنہ اتنا زیادہ کرو گے کہ پاگل ہو جاؤ گے کیونکہ انسان فطرۃً حریص ہے۔

(۳) جو ذکر کا پابند نہیں وہ ثابت قدم بھی نہیں ہوگا اور گناہوں سے بچنا اُس کو بہت مشکل ہو جاوے گا جو غافل ہوتا ہے وہ قربِ خاص سے محروم ہوتا ہے۔

(۴) جو شخص حق تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے اس کو ایک سانس بھی استقامت حاصل نہیں۔

(۵) استقامت اگر چاہتے ہو تو جاؤ اور ذکر کرو اور گمراہی میں نہ پڑو۔

دَربیانِ حصُولِ استقامت از مثالِ قطب نما

بِشنواز مَن ایں مثالِ خوشنُما	۱	اے کہ دیدی بارہا قُطب نُما
اِستقامت ہست اُورا در شمال	۲	گرچہ گردانی بہر سُو از شمال
ایں ز مقناطیس حاصِل می شوَد	۳	بر فلک ہم جنبشِ اُو می کشد
وزنہا دارد حدیدے گرد رُوں	۴	گر ندارد آں کشش باشد زبوں
ہمچنیں بر قلب نُورِ حق بزد	۵	تاکہ نُورِ حق بسوئے حق کشد
ہر کہ اُو از ذکرِ حق غافل شوَد	۶	نُورِ حق کے سُوئے اُو مائل شوَد

پس بُرائے جاں تو ذکرِ اللہ کُن ۷ ذکرِ حق ایں بہرِ نورُ اللہ کُن
نورِ حق را نورِ حق جاذب شود ۸ نورِ حق را ذکرِ حق جالب شود

استقامت کے حصول کی مثال قطب نما سے (ترجمہ)

(۱) مجھ سے ایک مثال سنو کہ آپ نے بارہا قطب نما دیکھا ہوگا۔

(۲) ہر وقت اس کی سوئی شمال کی طرف مستقیم رہتی ہے اگرچہ قطب نما کو کسی طرف بھی چکر دو مشرق یا مغرب یا جنوب مگر اس کی سوئی شمال ہی طرف ہو جاتی ہے۔

(۳) یہ بات اس قطب نما کو کیوں حاصل ہے اس وجہ سے کہ اس کی سوئی میں مقناطیس کا مادہ لگا ہوا ہے جس کے سبب فلک پر قطب ستارہ کا مرکز جہاں مقناطیس کا خزانہ ہے ہمجنسی کے سبب اس سوئی کو اپنی طرف کھینچے رکھتا ہے۔

(۴) دوسرے لوہے میں جس قدر وزن بھی ہو مگر اس کو یہ استقامت حاصل نہیں جو قطب نما کی ذرا سی سوئی کو حاصل ہے۔

(۵) اسی طرح اپنے دل میں ذکر کے اہتمام اور التزام سے اللہ تعالیٰ کا نور حاصل کرو تاکہ تمہارے دل کو اس نور کی بدولت وہ مرکزِ نور جو صاحبِ عرش ہے اور نور السمٰوٰت والارض ہے جذب سے اپنی طرف مستقیم رکھے۔ چنانچہ تجربہ ہے کہ ذکر کرنے والوں اور ذکر نہ کرنے والوں کی استقامت میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذکر سے نورِ حق پیدا ہوتا ہے پس اس نورِ حق سے منور دِل کو حق تعالیٰ کا نور اپنی طرف کھینچے رکھتا ہے جس طرح قطب نما کی سوئی میں لگے ہوئے مقناطیس کے سبب قطب ستارہ کا مقناطیس اس کو ہر وقت شمال کی طرف کھینچے رکھتا ہے یہ مثال حق تعالیٰ نے احقر کے قلب میں محض اپنی رحمت سے عطا فرمائی ہے۔ ذٰلِکَ مِمَّا خَصَّنِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

(۶) جو ذکرِ حق سے غافل ہوتا ہے نورِ حق اسے جذب نہیں کرتا۔

(۷) پس اے جان! آجا اور ذکر اللہ میں مشغول ہوجا اور نورِ حق حاصل کرنے کے لئے ذکرِ حق کرنا شروع کر دے۔

(۸) نور نور کو جذب کرتا ہے اور نورِ حق ذکرِ حق سے پیدا ہوتا ہے۔
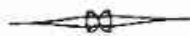
دربیانِ نفعِ ذکر درحالتِ تشویش و افکار

بعض سالک گفت در فکر و ہموم	۱	من بگو ؤ نہ ذکر را آرم لزوم
قلب پرتشویش و جاں بے کیف را	۲	ذکر را چہ نفع ایں دو حیف را
پس بگویم ایں خیالاتِ شما	۳	ہست از شیطان استاد دغا
تا ترا از ذکر غافل می کند	۴	در لعب در لہو شاغل می کند
تو دریں افکار گرد و پیش ہا	۵	ہیں مخور بر دل از انبارِ یش ہا
اندریں افکار ہم غافل مشو	۶	ذکر کن ہم ذکر کن کاہل مشو

آں زماں تاجر کہ در دُکانِ خویش	۷	در تفکّر می خورد بر خوانِ خویش
آں غذا ہم خون پیدا می کند	۸	در قویٰ افزون پیدا می کند
پس غذائے باطنی شد ذکرِ حق	۹	از زباں پیدا فزاید نورِ حق
غرق باشی گرچہ در افکارہا	۱۰	ذکر پیدا می کند انوارہا
گفت قطبِ شیخِ گنگوہی رشید	۱۱	ذکر را یابی بہر حالت مفید

ذکر کا نفع تشویش اور عدم یکسوئی کے باوجود ہوتا ہے (ترجمہ)

(۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ فکر اور تشویش میں ذکر کس طرح کیا جا سکتا ہے کہ دل غیر حاضر اور زبان ذاکر ہو

(۲) قلبِ پُرتشویش اور جان بے کیف کو ذکر سے کیا نفع ہو گا؟

(۳) پس میں کہتا ہوں یہ تمہارے خیالات شیطان کی طرف سے ہیں جو مکر و فریب کا استاد ہے۔

(۴) تاکہ تجھ کو ذکر سے غافل کر دے اور لھو و لعب میں مشغول کر دے۔

(۵) تجھے چاہیئے کہ اپنے ان افکار گردوپیش کے باوجود اپنے دل پر زخمِ افکار مت کھاتا رہ۔

(۶) بلکہ انھیں افکار کی حالت میں ذکر شروع کر دے اور ناغہ مت کر کہ ذکر سے غفلت اچھی چیز نہیں۔

(۷)(۸) اب ایک مثال سنو وہ یہ کہ تاجر دوکان پر گاہکوں کے اژدہام میں کھانا کھاتا ہے اور دل کو سکون اس وقت کہاں ہوتا ہے مگر وہ کھانا حلق سے

اُتر کر خون ہی بناتا ہے اور اعضاء میں طاقت بڑھاتا ہے۔

(۹) پس اسی طرح باطنی اور روحانی غذا ذکر اللہ ہے جس حالت میں بھی اللہ کا نام لو گے خواہ دِل کتنا ہی غیر حاضر یا مشوش ہو زبان پر اللہ کا نام جاری ہونے پر وہ نور ہی پیدا کرے گا۔

(۱۰) خواہ افکار میں کس قدر غرق ہو لیکن اس حالت میں بھی ذکر نور ہی پیدا کرتا ہے۔

(۱۱) حضرت شیخ قطب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر ہر حالت میں مُفید ہے خواہ دل حاضر ہو یا تشویش میں ہو۔

دَربیانِ لذّتِ ذِکرِ محبوبِ حقیقی

عَاشِقے کُو ذِکرِ حَق دَائِم کُنَد	۱	رُوحِ بَر عَرشِ بَرِیں قَائِم کُنَد
نُورِ حَق اَز ذِکرِ حَق دَر جَاں رَسَد	۲	اَز زَباں دَر دِل زِ دِل تَا جَاں رَسَد
ذِکرِ حَق اِے دِل بَرائے عَاشِقاں	۳	ہَمچُو مَرہَم ہَست بَر زَخمِ نِہاں
سَیر گَردَد رُوح اَز ہَر دُو جَہاں	۴	نَامِ اُو چُوں بَر زَباں گَردَد رَواں
مَن چِہ گُویم لَذّتِ نَامِ خُدا	۵	لَذّتِ ہَر دُو جَہاں پیشش گَدا
ہَمچُوں ہَمہ لَذّاتِ جُملہ کائنات	۶	اَز خُدا یَابَند ہَستی وَ صِفات
لَذّتِ کَون و مَکاں ہَر دُو جَہاں	۷	اِیں ہَمہ مَخلُوق اَز خَالِق بِداں
پَس چِہ بَاشد لَذّتِ خُود آں شَہے	۸	کُو ہَمہ لَذّات رَا سَر چَشمہ

جانِ جملہ لذتِ ایں کائنات	۹	ہست در اسمِ معظم اسمِ ذات
ایں مثالِ لطفِ نامِ پاک ذات	۱۰	ہست بہرِ فہم و عقلِ ناقصات
ورنہ چہ نسبت بود زاں لذتے	۱۱	کو بساز د انبیاء را عاشقے
ورمِ پائے سیدِ ہر دو جہاں	۱۲	در قیامِ شب بہ پیشِ شاہِ جاں
ہست شاہد لذتِ اذکار را	۱۳	زیں عمل بیں سیدُ الابرار را
زیں سبب عشاقِ حق اندر جہاں	۱۴	بے سر و ساماں شدند رشکِ شہاں
از بیانِ یادِ حق قاصر شدم	۱۵	گرچہ اندک در سخن ناشر شدم

ذکر اللہ کی لذّت کا بیان (ترجمہ)

(۱) جو عاشق ذکر ہمیشہ کرتا ہے وہ روح کو زمین پر رہتے ہوئے عرش بریں پر قائم کرتا ہے یعنی قرب کا اعلیٰ مقام پالیتا ہے۔

(۲) نورِ حق ذکرِ حق سے جان میں داخل ہوتا ہے اور اس طرح کہ زبان سے جب اللہ کا نام جاری ہوتا ہے تو اس کا نور دل میں پھر دل سے جان تک منتقل ہوجاتا ہے اور قلب و روح دونوں منوّر ہوجاتے ہیں۔

(۳) اے دل! خدا کا ذکر عاشقوں کے لئے مثل مرہم کے ہے ان کے پوشیدہ زخمی دلوں کے لئے۔

(۴) ذکر کی برکت سے دل دونوں جہان سے سیر چشم ہوجاتا ہے۔

(۵) میں کیا کہوں کہ کیا لطف ہے ذکر میں۔ ارے دونوں جہان کی لذّت اس کے لطف کے سامنے ہیچ اور بے قدر ہے۔

(۶) کیونکہ تمام کائنات کی لذّتیں حق تعالیٰ ہی سے تو وجود اور اپنے اندر لذّت پاتی ہیں۔

(۷) اور لذّت کون و مکان دو جہان کو حق تعالیٰ ہی تو پیدا کرتے ہیں۔

(۸) پس کیا لذت ہو گی اس شاہِ حقیقی کے نام میں جو تمام لذتوں کا مرکز اور سرچشمہ ہے۔

(۹) جملہ کائنات کی لذّت میں روح اللہ پاک کے نام ہی سے تو آتی ہے اور

(۱۰) یہ مثال میاں کے نام کے لُطف کی محض ناقص عقل اور فہم کے لئے ہے۔

(۱۱) ورنہ کیا نسبت ہے اس کو اس نام پاک کی لذّت سے جو نبیوں اور پیغمبروں کو مجنوں کرتی ہے۔

(۱۲) سیدِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مُبارک میں سوج آنا رات کی نماز میں طویل قیام سے۔

(۱۳) لذّت ذکر و عبادت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم گواہ ہے اور آپ کے اس عمل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام پہچانو۔

(۱۴) اس دولت کے سبب عاشقانِ حق اس جہان میں بے سر و سامانی کے باوجود رشکِ سلاطین ہوتے ہیں۔

(۱۵) میں لذّت ذکرِ حق بیان کرنے سے قاصر ہوں اگرچہ کچھ کچھ بیان میں اس خُوشبو کا ناشر ہوں۔

روایت دراستدلال لذّتِ ذکرِ محبوبِ حقیقی

ایں روایت در خبر منقول بود	۱	در عبادت مصطفٰے مشغول بود
در تجلّی غرق شد عقلِ تمام	۲	عائشہؓ را مصطفٰےؐ پرسید نام
گفت "من انتِ" چو آمد عائشہؓ	۳	گفت از ازواج تو ایں عائشہؓ
گفت "من انتِ" "نہ دانم من ترا	۴	گفت بنتِ بوبکر یا مصطفٰےؐ
گفت "من بوبکر" "مارا علم نیست	۵	گفت نامِ بوقحافہ پدرِ ویست
گفت از وے می ندانم ایں و آں	۶	من نمی دانم کسے را در جہاں
عائشہؓ زیں حالِ آں پاکِ رسول	۷	محو حیرت گشت وایس شد ملول
چوں افاقہ شد رسول اللہ را	۸	گفت زو حالِ رسول اللہ را
مصطفٰےؐ فرمود بشنو عائشہؓ!	۹	زوجِ ما ز فلاک باشد فائقہ
آں تجلّیِ آں زماں حق می نمود	۱۰	اندریں تن شمّۂ ہوشے نبود
دیدہ جانم آں تجلّی آں زماں	۱۱	جبرئیلے را تحمل نیست زاں
جانِ ما چو لذّتِ حق را چشید	۱۲	عقلِ ما در عائشہؓ شد نارسید

لذّتِ ذِکر کی روایت (ترجمہ)

(۱) یہ روایت حدیث شریف میں منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ عبادت میں مشغول تھے۔

(۲) توالی تجلیات (پیہم جلووں) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کامل متحیّر

ہو رہی تھی حتّٰی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچاننے سے قاصر ہوئی اور دریافت کیا تمھارا نام کیا ہے؟

(۳) جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حاضرِ خدمت ہوئیں تو آپ نے دریافت کیا تم کون ہو؟ عرض کیا عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد ہوا کون عائشہ۔ عرض کیا میں آپ کی ازواجِ مطہرات سے ہوں۔

(۴) ارشاد ہوا تم کو میں نہیں جانتا۔ عرض کیا میں ابوبکر کی بیٹی ہوں۔

(۵) ارشاد ہوا میں اُن کو بھی نہیں جانتا عرض کیا وہ ابوقحافہ کے بیٹے ہیں۔

(۶) ارشاد ہوا میں کسی کو اس جہان میں نہیں جانتا۔

نمودِ جلوۂ بے رنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اِس حالت سے محوِ حیرت ہو کر رنجیدہ واپس ہوئیں۔

(۸) پھر جب حق تعالیٰ نے روحِ مُصطفوی صلی اللہ علیہ وسلّم کو اُمّت کی خدمت کے لیے مقامِ نزول بخشا جو اس عروج سے بھی اعلیٰ مقام ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سب حالات بتائے۔

(۹) آپ نے سُن کر ارشاد فرمایا اَے عائشہ سُنو میری روح غایتِ قُرب خُداوندی سے ہفتِ افلاک سے فائق تھی۔

(۱۰) اور میری روح ایسی قوی تجلّی کا مُشاہدہ کر رہی تھی کہ میرے عناصرِ بدن اپنے حواس کو سلامت نہ رکھ سکے۔

(۱۱) میری روح وہ تجلیاتِ خُداوندی دیکھ رہی تھی کہ اس کا تحمّل حضرت جبرئیل

بھی نہیں کر سکتے۔

(۱۲) ہماری روح جب قُربِ حق سے لذّت حاصل کر رہی تھی تو ہماری عقل اس وقت عائشہؓ کو پہچاننے سے قاصر ہو گئی۔

دَر بیانِ نمازِ تہجد

عاشقِ حق پیشِ حق اندر نماز	۱	آخرِ شب میکند راز و نیاز
خلقہا در خواب چوں نائم شود	۲	جانِ مضطر در سحر قائم شود
جملہ عالم آں زماں در خواب شد	۳	عاشقِ ربّ بہرِ ربّ بے تاب شد
دردِ عشق از خواب بیروں می کشد	۴	جذبِ حق ایشاں ز آب و گل کشد
عاشقاں را ایں بود آرامِ جاں	۵	کہ رسانند آہ را تا آسماں
خاصہ آں آہِ سحرگاہی بود	۶	کو ز رمزِ عشق آگاہی بود
نالہ ہائے نیم شب آہِ سحر	۷	شد دوائے دردِ دل دردِ جگر
عشق سازد دردِ دل دردِ جگر	۸	عشق گیرد از بے دلاں از بے جگر
چوں فدا کردی بحق دل و جگر	۹	تو شوی از بے دلاں و بے جگر
دادنِ دل و جگر در راہِ دیں	۱۰	نیست ممکن جز بفیضِ پیرِ ایں

بیانِ نمازِ تہجد (ترجمہ)

(۱) عاشقِ حق نمازِ تہجد کے اندر حق تعالیٰ کے سامنے آخرِ شب میں راز و نیاز

کی مُناجات کرتا ہے۔

(۲) مخلوق جبکہ پڑی سوتی ہے عاشقوں کی جانِ مضطر پچھلے پہر اپنے رب کے سامنے قائم ہوتی ہے۔ (المراد بہ قیام تہجد)

(۳) جملہ کائنات اس وقت محوِ خواب ہوتی ہے اور عاشق اپنے رب کے لئے بے تاب ہوتا ہے یعنی تارکِ خواب ہو کر تہجد پڑھتا ہے۔

(۴) اس کا دردِ عشق خواب سے بیدار کردیتا ہے اور جذبِ حق تقاضائے عناصر سے اس کو آزاد کر کے اپنی طرف کھینچتا ہے۔

(۵) عاشقانِ حق کا آرامِ جان یہی ہے کہ وہ اپنی آہ کو آسمان تک رسا کرتے رہیں۔

(۶) خاص کر وہ آہ سحر گاہی تو عشقِ حق کے رمز سے آگاہی دیتی ہے۔

(۷) دردِ دل اور دردِ جگر کے لئے دوا یہی نالہ ہائے شب اور آہ سحر ہوتی ہے۔

(۸) اور دردِ دل اور دردِ جگر عشق پیدا کرتا ہے اور عشق کو حاصل کرو اُن سے جو بے دل اور بے جگر ہیں یعنی اپنے دل اور جگر عشقِ حق کے سُپرد کر چکے ہیں۔

(۹) جب تو نے اپنے دل و جگر کو یعنی ان کی خواہشات کو حق تعالیٰ کی مرضیات پر فدا کر دیا تو اب تو بھی بے دل اور بے جگر ہو گیا۔

(۱۰) لیکن دل و جگر دین کی راہ میں فدا کرنا بدون پیرِ کامل کے فیض کے آسان نہیں ہے۔

دربیانِ توبہ و استغفار

چوں بہ بلینی از بلاہا و از کُروب | در سحر گو ایں کہ ربِّ اغفر ذنوب

شیخ را دیدم کہ در وقتِ سحر	۲	سجدہ گہ را می کند از اشک تر
سجدہ گاہِ عاشقانِ ربِّ دیں	۳	رشک آرد آسماں را بر زمیں
سالکے کو سوئے حق عازم بود	۴	توبہ از عصیانِ حق لازم بود
چوں گنہ در راہِ حق حاجب بود	۵	توبہ پس از ہر گنہ واجب بود
غرق باشی گرچہ در عصیانِ حق	۶	ہیں مشو نومید از غفرانِ حق
توبہ را یابی تو محّاءُ الذّنوب	۷	پیشِ آں سلطانِ غفّارُ الذّنوب
ہر کہ او توبہ کند ربِّ غفور	۸	معاف گرد اندازاں جملہ قصور
ہمچنیں فرمود وعدہ حق زما	۹	چوں کنی توبہ تو گشتی پارسا
در قبولِ توبہ داں ایں راز نیز	۱۰	گریہ کن یا نقلِ گریہ اے عزیز
چوں گنہ آری شوی از قرب دور	۱۱	می دہد توبہ ترا قرب و حضور
وقتِ توبہ چوں تضرّع را بگیر	۱۲	عہدِ ترکِ معصیت را ہم بگیر
بر زباں توبہ و ہم عزمِ گناہ	۱۳	نیست توبہ نزدِ حق اے روسیاہ
وقتِ توبہ گریہ از خونِ جگر	۱۴	عرش لرزد از ترحّم زیں ہنر
قطرۂ اشکِ ندامت در سجود	۱۵	ہمسری خونِ شہادت می نمود

بیانِ توبہ و استغفار (ترجمہ)

(۱) جب تو دیکھے اپنے اوپر بلا اور تکالیف تو پچھلے پہر نصف رات کے بعد اپنے رب سے استغفار کر کیونکہ گناہوں کے سبب یہ بلائیں آتی ہیں۔

(۲) میں نے اپنے شیخ کو دیکھا کہ آخر شب میں ہر دو رکعت تہجد کے بعد سجدہ

میں بہت رویا کرتے تھے اور نجلے نے کیا کیا اللہ تعالیٰ سے دیر تک عرضِ راز و نیاز کیا کرتے تھے۔

(۳) عاشقوں کی سجدہ گاہ جب ان کے آنسوؤں سے تر ہوتی ہے تو آسمان کو باوجود اپنی رفعت و بلندی کے اس حصۂ زمین پر رشک آتا ہے۔

(۴) جو سالک حق تعالیٰ کے راستے کو قطع کرنا چاہتا ہوا سے لازم ہے کہ وہ ہر گناہ سے صدقِ دل سے توبہ کرے۔

(۵) جب حق تعالیٰ کے راستے میں گناہ رکاوٹ ہیں تو سالک پر ہر گناہ سے توبہ بھی لازم ہے ورنہ اس راستے میں ترقی کے بجائے تنزّل شروع ہو جاوے گا۔

(۶) اگرچہ تو گناہوں میں غرق ہو لیکن خبردار حق تعالیٰ کی بخشش سے نا اُمید مت ہونا۔

(۷) اے مخاطب جب تو اُس سلطانِ حقیقی غَفَّارُ الذُّنُوب سے معافی طلب کرے گا اور صدقِ دل سے توبہ کرے گا تو اپنی توبہ کو تمام گناہوں کا مٹانے والا پائے گا۔

(۸) جو شخص توبہ کرتا ہے تو ربّ غفور اس کے تمام قصور معاف کر دیتا ہے۔

(۹) حق تعالیٰ نے ہم سے یہی وعدہ فرمایا ہے کہ جب تم توبہ کرو گے اسی وقت نیک اور پارسا ہو جاؤ گے۔

(۱۰) قبولیت توبہ کے لیے یہ راز بھی جان لو کہ اس وقت رونا یا رونے والوں کی نقل کرنا بہت کام آتا ہے۔

(۱۱) گناہ تم کو خدا سے دور کرتا ہے اور توبہ تم کو پھر خدا سے قریب کر دیتی ہے۔

(۱۲) وقتِ توبہ جب گریہ وزاری کرو تو یہ ارادہ اور عہد بھی کرنا ضروری ہے کہ اَب آئندہ یہ گناہ نہ کریں گے۔

(۱۳) اگر زبان سے تو توبہ توبہ ہو اور دِل میں گناہ کرنے کا ارادہ بھی ہو تو یہ توبہ نہیں ہے توبہ کے لئے عَزمِ عَلَی التَّقْوٰی بھی ضروری ہے کہ اب آئندہ گناہ نہ کریں گے۔

(۱۴) وقتِ توبہ خُونِ جگر کے ساتھ رونے سے عرشِ الٰہی رحمت سے ہلنے لگتا ہے۔

(۱۵) ندامت کے سبب جو آنسو گنہگاروں کے سجدوں میں گرتے ہیں شہیدوں کے خُون کے برابر وزن کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

دَر بیانِ مذمتِ غضب

گَرْ غَضَبْ آیَدْ تُرا بَرْ نَاکَسے	۱	قَہْرِ حَقْ رَا یَادْ کُنْ آں دَمْ بَسے
عَفْوْ کُرْدِی گَرْ خَطَائے بَنْدگاں	۲	عَفْوْ یَابِی اَزْ خُدائے دُوْ جَہاں
یَادْ کُنْ تُوْ جُرْمہائے خویشْ رَا	۳	کے شَوَدْ زیبا غَضَبْ دَرْ وِیشْ رَا
کَاظِمِیْنَ الْغَیْظْ رَا خواں اے پسر	۴	اَزْ خَطائے خَلْقِ عَالَمْ دَرْ گُذَرْ
صَبْر بَرْ خُوْدْ لُطْف بَہرِ دیگراں	۵	ہَسْتْ اِیں اَزْ سُنَّتِ پیغمبراں
عَفْوْ خواہی رُوْزِ مَحْشَرْ اے فقیر	۶	بَرْ خَلائِقْ عَفْو رَا مُحْکَم بگیر
رَحْم خواہَدْ بَہرِ خُوْدْ ہَرْ مُجْرِمے	۷	پَسْ چرا خواہَدْ غَضَبْ بَرْ دِیگرے
چُوں بجُو شَدْ قَہْرِ تُوْ بَرْ خَلْقہا	۸	دُوْر کُنْ تیغِ غَضَبْ اَزْ خَلْقہا
یَعْنِیْ اَزْ مَغْضُوْبْ رُو جائے دِگَرْ	۹	دُوْر کُنْ مَغْضُوْبْ رَا یا اَزْ نَظَرْ

رَو دُ بنشیں گر دَر آں جا ایستی ۔۔۔ ۱۰ ۔۔۔ گر تو خواہی ایں غضب را نیستی

بر سَر و چہرہ تو آبِ سَرد زن ۔۔۔ ۱۱ ۔۔۔ بُفسری تا نارِ قہرِ خویشتن

قہرِ خود بُگذار زیادِ قہرِ حق ۔۔۔ ۱۲ ۔۔۔ تا بیابی رُوزِ محشر مُہرِ حق

رُو بگو از شیخ خود ایں حال را ۔۔۔ ۱۳ ۔۔۔ تا بیابی ہمتِ اعمال را

بیانِ غضب (غُصّہ) (ترجمہ)

(۱) اگر تجھے کسی خطاکار پر غُصّہ آگیا تو فوراً حق تعالےٰ کے قہر اور غُصّہ کو یاد کر۔

(۲) اگر تو نے آج حق تعالیٰ کے بندوں کی خطاؤں کو مُعاف کیا تو میدانِ محشر میں دونوں جہان کے مالک سے تو بھی مُعافی پائے گا۔

(۳) یاد کرو اپنے گُناہوں کو۔ صُوفی کے لئے یہ غُصّہ زیب نہیں دیتا۔

(۴) اے لڑکے! کَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ کی آیت تلاوت کر کہ حق تعالیٰ نے نیک بندوں کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ لوگ غُصّہ کو پی جاتے ہیں (غُصّہ ان کو نہیں پی سکتا ہے)۔ پس مخلوق کی خطاؤں کو مُعاف کر دیا کرو۔

(۵) اپنے اوپر تکالیف برداشت کرنا اور دوسروں پر مہربانی کرنا پیغمبروں کی سُنّت ہے۔

(۶) اگر روزِ محشر تو خُدا سے عفو چاہتا ہے تو خُدا کی مخلوق کے ساتھ تو ان کی خطاؤں کو مُعاف کرنے کی عادت ڈال لے۔

(۷) جب ہر خطاکار اپنے قصور کی معافی اور رحم کو محبوب سمجھتا ہے تو پھر جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہی دوسروں کے لئے پسند کرنا چاہیئے نہ کہ دوسروں

کے لئے غضب اور غصّہ کو روا رکھیں۔

(۸) جب کسی مخلوق پر تجھے غصّہ جوش کرے تو اپنے غضب کی تلوار کو انکے حلق سے دُور کرلے۔

(۹) یعنی جس پر غصّہ جوش کر رہا ہے اس سے دوسری جگہ چلے جاؤ یا اسی کو اَپنے سے دُور کردو۔

(۱۰) اور اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ یعنی جس حالت میں ہو اس کو تبدیل کردو اگر تو غضب ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے۔

(۱۱) اور حالت غضب میں اپنے چہرہ و سر پر سرد پانی ڈالو تاکہ تم اَپنے قہر کی آگ کو بُجھا سکو۔

(۱۲) اپنے قہر کو حق تعالےٰ کے قہر کی یاد سے مغلوب کردو تاکہ میدانِ محشر میں حق تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوجاؤ۔

(۱۳) جا اور کسی شیخ کامل سے اپنی اس بیماری کو بیان کر تاکہ ان ہدایات پر عمل کی ہمت اس کے فیض سے حاصل ہو۔

دربیانِ ترکِ شہوتِ نفسانی

شہوتِ نفسِ تو آرد در بلا	۱	زیں سبب افتی تو در چاہِ خطا
علّتِ ہر جرم ایں شہوت بداں	۲	سرکشی ہر نفس زیں شہوت بداں
نارِ شہوت را اگر تو رہ دہی	۳	در رہِ دیں عاقبت باشی تہی

چیست تقویٰ؟ ترکِ شہوت کردن است	۴	پس برائے ترکِ شہوت بودن است
نورِ تقویٰ ایں بشر کے یافتے	۵	در دل خود گر نہ شہوت یافتے
ہست شہوت در بشر زیں حکمتے	۶	تا بیابد قربِ حق از محنتے
قدرِ نعمت داں کہ بعد از محنت ست	۷	فرقِ اخلاص و نفاق از محنت ست
ترکِ ایں شہوت جگر پر خوں کند	۸	عشقِ حق در جانِ ما افزوں کند
ترکِ شہوت دل شکستہ گر کند	۹	بندہ را از خواجہ رشتہ می کند
ترکِ ایں گر بے سر و ساماں کند	۱۰	لیک در آغوشِ آں سلطاں کند
ترکِ شہوت گر کنی اندر جہاں	۱۱	در جہاں یابی خدائے دو جہاں
ہر کہ او تارک شود زیں شہوتے	۱۲	می رہاند خویش را از آفتے
ہر کہ شد شہوت پرست اندر جہاں	۱۳	پس حیاتش را تو در دوزخ بداں
نارِ شہوت نارِ دوزخ متصل	۱۴	از تنہ چوں شاخ باشد متصل
ترکِ شہوت نیست آساں اے فقیر	۱۵	ورنہ ہر شہوت پرست گردد فقیر
پس ہمیں دستور از اللہ بود	۱۶	کہ برد آنجا کہ اہل اللہ بود
شیخِ کامل را طبیب خود بگیر	۱۷	بہرِ حق آں را حبیبِ خود بگیر

بیانِ شہوتِ نفسانی (ترجمہ)

(بدنگاہی وغیرہ)

(۱) تیرے نفس کی خواہش تجھے بلا میں مبتلا کرتی ہے اور اسی سبب سے تو گناہوں کے کنوئیں میں گرا کرتا ہے۔

(۲) ہر گُناہ کی علت یہی شہوت ہوتی ہے اور ہر نفس کی سرکشی کا سبب یہی شہوت ہے۔

(۳) اگر شہوت کی آگ کو تُو نے اسی طرح بھڑکنے دیا تو انجام کار تو دین سے خالی ہاتھ ہو جاوے گا۔

(۴) تقویٰ کیا ہے؟ شہوت کو ترک کر دینا۔ پس شہوت ہمارے اندر ترک ہی کرنے کے لئے دی گئی ہے تاکہ ہم متقی بن جائیں۔

(۵) یہ انسان نورِ تقویٰ کب پاتا اگر اپنے دِل میں شہوت کا مادہ نہ پاتا۔ یعنی جب خواہش ہی گُناہ کی نہ ہوتی تو ترکِ خواہشِ گُناہ کیسے کرتا اور یہ مجاہدہ اور مجاہدہ کا انعام کیسے حاصل کرتا۔

(۶) اسی حکمت کے سبب شہوت انسان میں رکھی گئی ہے تاکہ محنت اور مجاہدہ ترکِ شہوت سے اُٹھا کر قُربِ حق کا انعام پالے۔

(۷) اور قُربِ حق کی نعمت کی قدر اسی محنت اور مجاہدہ کے بعد ہی ہوا کرتی ہے اور مُخلص اور مُنافق کا فرق بھی اسی امتحان مجاہدہ سے ہوا کرتا ہے۔

(۸) بُری خواہشات کو ترک کرنے سے جگر پُر خون اور دل صدمہ سے چور چور ہو جاتا ہے لیکن یہی غم ہماری جان میں عشقِ حق کو تیز تر کرتا ہے۔

(۹) ترکِ شہوت دِل کو توڑ دیتا ہے لیکن یہی ٹوٹے ہُوئے دِل خُدا سے قریب تر ہوتے ہیں اور اسی مُجاہدہ کا غم بندہ کو اللہ سے جوڑ دیتا ہے۔

(۱۰) ترک خواہشات سے نفس سمجھتا ہے کہ میرا سامانِ عیش چھن گیا لیکن یہی بے سامانی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آغوش میں رکھ دیتی ہے۔

ترکِ شہوت اگر تو دُنیا میں کرے گا تو اسی جہان میں تو خُدا کو پالے گا۔

جو شخص تارکِ شہوت ہو جاتا ہے وہ اپنے کو ہر آفت سے نجات اور خلاصی دلاتا ہے۔

اور جو دُنیا میں شہوت پرستی کرتا ہے پس اس کی زندگی دُنیا ہی میں دوزخ والی ہو جاتی ہے۔

نارِ شہوت نارِ دُوزخ سے تعلق رکھتی ہے جس طرح تنہ سے شاخوں کا تعلق ہوتا ہے۔

ترکِ خواہش آسان نہیں ہے اے فقیر ورنہ ہر شخص جو شہوت پرست ہے تارک ہو کر ولی ہو جاتا۔

پس عادۃ اللہ یہی ہے یعنی خدائے تعالیٰ کا دستور یہی ہے کہ اللہ والوں کی صُحبت ہی میں جا کر یہ نعمت یعنی تقویٰ کی دولت ملے گی۔

پس کسی شیخِ کامل کو اپنا رہبر و معالج بنالو اور اللہ ہی کے لئے اسے اپنا محبوب بنالو[1]
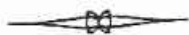
گرفتنِ شیخِ کامل و اہلِ دل

ہاں بگیر اے طالبِ حق زود تر ۱ دامنِ آں اہلِ دل اہلِ نظر

---

[1] غضب ہو یا شہوت جب تک ان کے تقاضوں پر عمل نہ کریں کچھ مضر نہیں جس طرح کہ روزہ دار ٹھنڈا پانی پینے کی خواہش رکھتا ہے مگر پیتا نہیں ہے تو اس خواہش سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ بلکہ اور اجر ملتا ہے۔

اہلِ دل آنکس کہ حق را دل دہد ۲ دل دہد آں را کہ او دل را می دہد

دل نیابد داد جز سلطانِ دل ۳ ہست بس ایں حاصلِ ایمانِ دل

گر تو خواہی دیدنِ اہلِ نظر ۴ غیرِ اہلِ دل مجو اہلِ نظر

چوں بہائم گفت کافر را خدا ۵ کے شود اہلِ نظر او اے دلا

دور از خالق نہ شد اہلِ نظر ۶ گرچہ بر مخلوق دارد صد نظر

ہر کہ دارد بر رضائے حق نظر ۷ پس ہمیں است دوستاں اہلِ نظر

صحبتِ یک عمر آں یارِ خدا ۸ اہلِ دل اہلِ نظر سازد ترا

ہم نشینیِ اہلِ دل اہلِ نظر ۹ می رساند تا خدائے بحر و بر

علمِ نافع ہست بہرِ زندگاں ۱۰ خویش را بے شیخ داں از مردگاں

مردہ گر صدہا کتب وارد چہ شد ۱۱ بے رفیقے مردہ زندہ نہ شد

سالہا بیضہ بود مردہ جسد ۱۲ زندہ شد چوں در پرِ مادر رسد

بوئے خوش از غنچہ کے آمد بروں ۱۳ تا نہ شد پیشِ نسیمے سرنگوں

جانِ تو چوں غنچہ اے طالب بداں ۱۴ اندرونش دردِ حق دارد نہاں

چوں بگیری صحبتِ اہلِ نظر ۱۵ غنچہ بکشاید نسیمِ آں سحر

گر نگیری از تغافل راہبر ۱۶ کے شوی از غنچۂ تو گلہائے تر

عمرِ تو گر بے رفیقے شد تمام ۱۷ ایں ہلالِ تو نہ شد ماہِ تمام

صد عمل صد علم گر داری نہاں ۱۸ بے رفیقے می شوی از گمرہاں

غنچہ را ایں کر و فر در انجمن ۱۹ ہست از فیضِ نسیمے در چمن

جملہ ایں اشعارِ ما پُر درد و نور ۲۰ تو بداں از فیضِ شاہ پھولپور

شاہِ ما عبدُ الغنی شمسِ منیر   ۲۱   ہست زو جانم چو ماہِ مستنیر

نوٹ: یہ اشعار مورخہ ۱۸ شوال ۱۳۹۲ھ کو حضرت اقدس مرشدیؒ کے مزار مبارک پر حاضری کے وقت موزوں ہوئے۔

بیان پیرِ کامل اور اہلِ دل کی صحبت کا (ترجمہ)

(۱) ہاں اے طالب حق تو اہلِ دل اور اہلِ نظر کا دامن جلد پکڑ لے۔

(۲) اہلِ دل وہ لوگ کہلاتے ہیں جو اپنے دل کو حق تعالیٰ کی محبت میں فدا کر دیتے ہیں یعنی اپنی خواہشات نفسانیہ کو مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع کر دیتے ہیں اور دل اُس ذات پاک کو دیتے ہیں جو دِل عطا کرنے والی ہے۔

(۳) دِل نہ دینا چاہیئے مگر دِل کے سُلطان کو اور وہ اللہ ہے اور یہی ایمانِ دِل کا حاصل ہے۔

(۴) اگر تم اہلِ نظر کو دیکھنا چاہتے ہو تو انہیں کو دیکھو جو اہلِ دِل ہیں کیونکہ اہلِ دل ہی اہلِ نظر کہلاتے ہیں۔

(۵) کافر خواہ کتنا ہی اپنے کو محقق اور سائنس داں اور اہلِ فکر و اہلِ نظر کہے مگر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو مثل بہائم بلکہ جانوروں سے بدتر قرار دیا ہے تو وہ کیسے اہلِ نظر ہو سکتے ہیں۔

(۶) جو اللہ تعالیٰ سے دور ہے وہ کبھی اہلِ نظر نہیں ہو سکتا اگرچہ مخلوقات پر سیکڑوں نظر تحقیق کا مدعی ہو۔

(۷) جو بندہ اپنے مالک اور خالق کی رضا پر نظر رکھتا ہے پس اے دوستو وہی

اہلِ نظر کہلانے کا صحیح مستحق ہے۔

(۸) اللہ والوں کی صحبت ایک مدۃِ عمر اختیار کرنے سے تجھے اہلِ دل اور اہلِ نظر بنا دے گی۔

(۹) اہل اللہ (اہلِ دل) کی صحبت اور دوستی تجھے خدا ئے بحر و بر تک پہنچا دے گی یعنی تجھے بھی اللہ والا بنا دے گی۔

(۱۰) علم کا نفع تو زندہ لوگوں پر ہوتا ہے اور جو بے پیر کے ہے وہ دراصل مُردہ ہے پس اگر کسی اللہ والے سے تعلق نہیں قائم کیا تو تم بھی اپنے کو مُردہ سمجھو۔

(۱۱) مُردہ اگر سیکڑوں کتابیں اپنے پاس رکھتا ہو تو کیا حاصل. کچھ نفع نہیں اور بدون صُحبت اہل اللہ کے صحیح اور حقیقی زندگی نہیں عطا ہوتی۔

(۱۲) سالہا سال انڈا مُردہ ہی رہتا ہے لیکن جب مُرغی کے پروں میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کی گرمی سے ایک مُدت خاص کے بعد زندہ ہو جاتا ہے۔

(۱۳) غنچہ (کلی) سے خوشبو کب ظاہر ہوتی ہے جب نسیم سحر اس کو چھوتی ہے۔ یعنی اس کی صُحبت سے اس کی اندرونی صلاحیت روشن ہوتی ہے

(۱۴) اے طالب! تیری روح بھی مثلِ غنچہ کے ہے اور تیرے اندر حق تعالیٰ کی محبت کا درد پنہاں ہے۔

(۱۵) جب کسی اہلِ اللہ کی صحبت میں اپنے کو سپرد کرے گا تو وہ اہل اللہ مثل نسیم سحر تیری کلی کو شگفتہ کر دے گا اور وہ پنہاں درد ظاہر ہو جاوے گا۔

دِل ازل سے تھا کوئی آج کا شیدائی ہے　　　تھی جو اِک چوٹ پرانی وہ اُبھر آئی ہے

(۱۶) اگر کسی راہبر کا دامن نہ پکڑا تو تیری کلی ہمیشہ ناشگفتہ رہے گی اور تو گلِ تر نہ بن سکے گا۔

(۱۷) تیری عمر اگر بے رفیق اور بے شیخ کے گزر گئی تو تیرے دین کا ہلال ماہِ کامل نہ بن سکے گا۔

(۱۸) سیکڑوں عمل اور سیکڑوں علم اگر تو اپنے اندر مخفی رکھتا ہے مگر بے رفیق اور بے شیخ تو پھر بھی گمراہ ہی رہے گا یعنی خدا تک واصل نہ ہو گا اور نفس کے رذائل سے بچ نہ سکے گا۔

(۱۹) غنچہ (کلی) شگفتہ ہو کر جب پھول بن جاتی ہے تو محفل میں اس کی قدر و منزلت اور شان و شوکت دراصل اسی نسیم ہی کے فیض کا صدقہ ہوتا ہے جو چمن میں اسے حاصل ہوا تھا اور جس کی صحبت نے اس کو غنچہ سے گل کیا تھا۔

(۲۰) جملہ یہ ہمارے اشعار جو درد اور نور سے بھرے ہوئے ہیں اے مخاطب سمجھ لے کہ یہ سب حضرت شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے۔

(۲۱) وہ سلطان العارفین جو میرے شاہ عبد الغنی میرے مرشد ہیں وہ مثل روشن آفتاب کے ہیں اور اس فقیر محمد اختر کی جان مثل ماہِ مستنیر کے ہے یعنی جس طرح چاند کی روشنی ذاتی نہیں آفتاب کے نور کا عکس ہوتا ہے اسی طرح ہماری کوئی خوبی نہیں یہ سب ہمارے شیخ کے انوارِ روحانی کے عکوس ہیں۔

فائدہ: جب بھی سالک اور طالبِ حق کسی انعام اور رحمتِ الٰہیہ سے مالا مال ہو اور مخلوق میں اس کی طرف خلق کا رجوع ہو تو اس کو شیخ کے فیوض و برکات

ہی کا صدقہ سمجھنا چاہیئے جس نے اس کلی کو پھول بنایا ہے اپنا کوئی کمال نہ سمجھنا چاہیئے

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل　　نسیمِ صبح تیری مہربانی

حضرت اقدس پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اس کو یوں ترمیم کرلو۔

میرے مولا یہ تیری مہربانی

اور حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جس وقت بندہ اپنی نظر میں اچھا ہوتا ہے تو خدا کی نظر میں برا ہوتا ہے اور جس وقت اپنی نظر میں برا ہوتا ہے خدا کی نظر میں اچھا ہوتا ہے۔

در بیانِ صفتِ آہِ عاشقاں

عشق را جز آہ ساماں نے بود	۱	عشق را جز آہ درماں نے بود
من چہ گویم آہ را قرب و کمال	۲	می برد در یک نفس تا ذوالجلال
در رہِ عشق آہ را حاصل بداں	۳	آہ از اللہ ما و اصل بداں
ہر کہ گوید آہ او عاشق شود	۴	آہِ او بر عشقِ وے ناطق بود
در انابت آہ کردن شد کمال	۵	پس برائے ایں تو اے عاشق بنال
بر درِ رحمت چو درباں نے بود	۶	آہ را در وصل حرماں نے بود
بر درِ آں شاہ چوں درباں نبود	۷	آہ را پس اذنِ عام آمد نمود
گر ندارد نالۂ بلبل اثر	۸	کے شود در پردہ گل چاکِ جگر
خود مقامِ آہِ ہر کس دیگرے	۹	قیمتِ ہر دل ز دلہا دیگرے

قیمتِ ہر دل بداں از دردِ دل	۱۰	قیمتِ دل را مداں از آب و گِل
فرقِ آہِ انبیاءؑ و اولیاءؒ	۱۱	پس بداں در بارگاہِ کبریا
آہ پیدا از دلِ مضطر شود	۱۲	آہِ مضطر بخت را اختر بود

عاشقوں کی آہ کی صفت میں (ترجمہ)

(۱) عشق کے لئے بجز آہ کوئی سامان نہیں اور دردِ عشق کا بجز آہ کوئی درماں نہیں۔

(۲) میں کیا کہوں کہ آہ سے کیا قُرب اللہ تعالیٰ کا ملتا ہے آہ دِل سے نکل کر ایک سانس میں اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتی ہے۔

(۳) راہِ حق میں آہ کو حاصلِ عشق سمجھو اور آہ کو اللہ تعالیٰ سے واصل سمجھو۔

(۴) جو شخص آہ کرتا ہے وہ عاشق ہوتا ہے آہ اس کے عشق پر گواہ ہوتی ہے۔

(۵) انابت (توجہ الی اللہ) کا کمال آہ ہے پس اے عاشق تو آہ پیدا ہونے کے لئے گریہ و زاری کر۔

(۶) حق تعالیٰ کی رحمت کے دروازہ پر جب کوئی دربان مقرر نہیں تو سمجھ لو کہ عاشقانِ حق کی آہ کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے میں کوئی محرومی نہیں ہوسکتی۔

(۷) جب اس شاہِ حقیقی کے دروازہ پر کوئی دربان نہیں تو سمجھ لو کہ آہ کی رسائی منزل تک اذنِ عام حاصل ہے اور ہر شخص کو یہ اذنِ عام ہے۔

(۸) اگر بلبل کا نالہ بے اثر ہوتا تو پھول اندر اندر کیوں چاک جگر ہوتا۔

(۹) اور ہر شخص کی آہ کا مقام بھی الگ الگ ہے کیونکہ آہ دِل سے نکلتی ہے اور

ہر دل کی قیمت دوسرے دلوں سے الگ الگ ہے۔

(۱۰) ہر دِل کی قیمت اس دِل کے دردِ محبت کے اعتبار سے ہوتی ہے دلوں کی قیمت اجسام (آب و گل) کے وزن سے نہیں۔

(۱۱) اسی سبب سے انبیاء اور اولیاء کی آہوں کا فرق بارگاہ کبریا میں سمجھ لو۔

(۱۲) آہ اسی وقت نکلتی ہے جب دردِ محبت سے دِل مضطر ہوتا ہے اور مضطر کی آہ قسمت اور نصیب کا اختر (ستارہ) ہوتی ہے۔

در بیانِ گریہ وزاری

اُو چہ خوش بختے کُند آہ و فغاں	۱	خوش نشستہ پیشِ ربِّ دو جہاں
خونِ دِل در اشکِ خود ریزندہ شو	۲	قربِ حق در جانِ خود بینندہ شو
ہر کُجا گریَد بہ سجدہ عاشقے	۳	آں زمیں باشد حریمِ آں شہے
قطرۂ اشکِ ندامت در سجود	۴	ہمسرِ خونِ شہادت می نمود
ہر کسے کو خویش را بیند چو خار	۵	از ندامت پس بنالد زار زار
لُطفِ حق جوشد ز دردِ وزارِ اُش	۶	می شود از آہ و غم دربارِ اُش
ہر کُجا اُو از عشقِ حق زاریدہ شد	۷	چشمِ اُو پس سیدِ صد دیدہ شد
نیز آں ستاریِ حق از کرم	۸	عیبہائے اُو بپوشد دمبدم
میکند زِ عمال اُو صرفِ نظر	۹	لطفِ بار دارد از قدم تا فرقِ سر
بر غلامِ بے ہنر الطافِ اُو	۱۰	در حقیقت جملہ از اوصافِ اُو

دَر غمِ اُو دَمبدَم زارِید مے	۱۱	از فِراقش رُوز و شب نالید مے
عِشق نالہ ہائے پُرخُوں میکُند	۱۲	عَقل رَا حیران و مجنوں میکُند
بَر زَمِیں عُشّاق چُوں گِریاں شُدند	۱۳	اَختراں بَر آسماں حَیراں شُدند
اَشکہائے دَردِ دِل بَارَد کسے	۱۴	آتشِ غم بہرِ دل سَازد بسے
نَام اِیں سَت گرمُ بازارِیِ عشق	۱۵	گُفت اِمدادُ اللہ دَربارِیِ عشق

بیان گریہ وزاری (ترجمہ)

① وہ شخص کس قدر خوش قسمت ہے جو اپنے رب دوجہاں کے سامنے بیٹھا ہوا ان کی یاد میں آہ وفغاں کرتا ہے۔

② اے شخص! اپنے گریہ کے آنسو میں خونِ دل بھی بہا دے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قُرب اپنی جان میں مُشاہدہ کرلے۔

③ جس جگہ کوئی عاشق سجدہ میں روتا ہے وہی قطعۂ زمین اس عاشق حق کے لئے حریم بارگاہ حق بن جاتا ہے۔

④ ندامت سے گنہگار کے آنسو سجدہ کی حالت میں شہیدوں کے خُون کے برابر وزن کئے جاتے ہیں۔

⑤ جو شخص کہ اپنے کو مثل خار گنہگار اور حقیر سمجھتا ہے اور اس احساس سے زار زار روتا ہے تو۔

⑥ لُطفِ حق اس کی زاری اور درد سے جوش میں آتا ہے اور یہ بندہ اللہ تعالیٰ کا درباری اور محبوب بن جاتا ہے۔

(۷) جو شخص عشقِ حق سے روتا ہے اس کی آنکھیں دوسری سیکڑوں آنکھوں کی سرداری کرتی ہیں۔

(۸) اور حق تعالیٰ کی ستاری اپنے کرم سے ایسے گریہ وزاری کرنے والے بندوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتی ہے ہر وقت

(۹) رحمتِ حق اس کے اعمال سے صَرفِ نظر کرتی ہے اور اپنے لطف و کرم کی بارش اس کے سر سے پاؤں تک کرتی ہے۔

(۱۰) غُلام بے ہنر پر حق تعالیٰ کی یہ رحمتیں دراصل یہ حق تعالیٰ ہی کی صفاتِ خاصّہ کا حِصّہ ہے۔

(۱۱) اے کاش میں حق تعالیٰ کی محبت کے غم میں خوب روتا اور رات دِن ان کی جُدائی کے غم میں نالہ کرتا۔

(۱۲) عِشق نالہ ہائے پُرخون کرتا ہے اور عقل کو حیران اور مجنوں کرتا ہے۔

(۱۳) زمین پر جب عاشقانِ حق روتے ہیں تو آسمان پر ستارے ان آنسوؤں کی عظمتوں سے محوِ حیرت ہوتے ہیں۔

(۱۴) جو شخص دردِ دل سے آنسو برساتا ہے وہ دراصل اپنے دِل کے لئے عِشق کی آگ کا سامان کرتا ہے۔

(۱۵) جب عشقِ حق میں خُوب رونا آوے تو اسی کا نام حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ نے گرمِ بازارئ عشق رکھا ہے اور وہ عشق کے درباری تھے

در بیان علاج مایوسی و نومیدی

می خرد حق بندگانش عیب دار	۱	وا رہاند از کرم از رسن و دار
خارہا گر عیب باشند بہر گل	۲	لیک بینیم جملہ در آغوش گل
ایں نماید حق کہ تا ما یوس سیئے	۳	تا ابد نا ید بسوئے عاصیئے
ہمچنیں گر دید جان ناکساں	۴	در تقرب ہمچو جانِ خاصگاں
لے ز لطفش مشکل رہ حل شود	۵	گرچہ در اسباب لاینحل بود
عنصرت را حسنِ آب و گل کشد	۶	روحِ تو از جذب ایشاں می تپد
چوں کمندِ جذب حق جاں را رسد	۷	ایں غم و آلام را بر جسم زند
ساعتے کہ روح را غفلت رسد	۸	نفسِ امارہ سوئے ظلمت برد
گر بود حاصل ترا قرب مدام	۹	کے کشیدت نفسِ امارہ بدام

بیان علاجِ مایوسی و نومیدی (ترجمہ)

(۱) حق تعالیٰ اپنے عیب دار بندوں کو بھی خریدتے ہیں اور اپنے کرم سے رسن و دار سے یعنی مصائب جسمانی اور روحانی سے نجات عطا فرماتے ہیں۔

(۲) کانٹے اگرچہ گلوں کے لئے باعث ننگ اور عیب ہیں مگر میں کانٹوں کو بھی پھولوں کے پاس ہی دیکھتا ہوں۔

(۳) یہ مثال مذکور حق تعالیٰ اپنے بندوں کو اس لئے دکھاتے ہیں تاکہ ہمارے بندوں کو مایوسی نہ پیدا ہو یعنی وہ غور کریں کہ جب مخلوق میں یہ حالت مشاہد

ہے تو خالق کے کرم کا کیا مقام ہوگا اس تصور سے کسی گنہگار کو نا اُمیدی نہ ہوگی اور وہ اپنے کانٹوں سمیت رحمتِ حق کے پھولوں کے پاس ہوں گے میاں ان کے سئیات کو بھی حسنات کر دیں گے توبہ کی برکت سے

(۴) اسی طرح کتنے نا اہل بندے حق تعالیٰ کی رحمت سے خاصّانِ خدا ہو گئے۔

(۵) اے اللہ کہ جس کے لُطف و کرم سے طریق کی مُشکلات حل ہوتی رہتی ہیں اگرچہ بظاہر اسباب کے پیشِ نظر وہ ناقابلِ حل نظر آتی ہیں۔

(۶) اے سالک تیرے نفس کے تقاضے حُسنِ مجازی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور تیری روح اس کش مکش سے کس قدر تڑپتی ہے۔

(۷) پھر جب حق تعالیٰ کی رحمت تیری جان کو اپنی طرف جذب کرتی ہے تو ان مجاہدات کے تمام غم و آلام درہم برہم ہو جاتے ہیں۔

(۸) جس وقت روح خُدا سے غافل ہوتی ہے اسی وقت نفس امارہ تاریکی کی طرف لے جاتا ہے۔

(۹) اے سالک اگر تجھے حق تعالیٰ کا قرب دائمی حاصل رہے تو نفس امارہ تجھے اپنے جال میں نہیں کھینچ سکتا۔
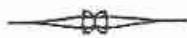
دربیانِ رحمتِ الٰہیہ

مُدّتے اَنْدَرْ بَلَا دَرْ مَانْدَہ　۱　تَاتُو خُوْدْ دَرْ بَحْرِ طُوْفَاں زَانْدَہ

مُدّتے بَرْ بَابِ حَقْ نَالِیْدَہ　۲　بَابِ رَحْمَتْ مُدّتے کُوْبِیْدَہ

بود در حق مدتے زاریدہ　۳　اشکہائے خونِ دل باریدہ

در گہش چوں شد قبول آں آہِ تو　۴　ایں کرم ہم در رسید از شاہِ تو

یافتی نفحاتِ اللہ الصمد　۵　در دلِ خود از کرم بے رنج و کد

شد شبِ دیجورِ تو رشکِ سحر　۶　آفتابش کرد در کویت گذر

اے ز لطفش نوح از طوفاں رہید　۷　ناقِ تو از لطف بر جودی رسید

بوئے گل از خار پیدا میکند　۸　نور را از نار پیدا میکند

کرگسے را شاہبازے میکند　۹　ضال را بر شاہراہے میکند

می نگیرد باز شہ جز شیرِ نر　۱۰　کرگساں بر مردگاں بکشادہ پر

طاقتِ پرواز بخشد مور را　۱۱　رہبری بخشد عصائے کور را

روبہے را ہمتِ شیراں دہد　۱۲　دست خود بر پشتِ او چوں می نہد

زاغ را بخشد نوائے بلبلاں　۱۳　ہم سگاں را میکند شیرِ ژیاں

کافرِ صد سالہ از افضالِ حق　۱۴　می شود در ساعتے ابدالِ حق

گر نہ لطفش میکشیدے جانِ من　۱۵　کے بود اسلامِ من ایمانِ من

او بسا شہرے کہ ویراں میکند　۱۶　بعد ازیں از فضل آباداں کند

اے ز لطفش زشت خوئی کرگساں　۱۷　شد مبدل سیرتِ شہبازگاں

بس عجوزے رستم و سہراب شد　۱۸　از تو خاکِ شورہ ہم شاداب شد

سستِ گامے از رجال اللہ شد　۱۹　ایں مقامِ شکر و حمد اللہ شد

از کرم بدرت رہیدہ از خسوف　۲۰　شمسِ دینِ تو رہیدہ از کسوف

ذرۂ خاکے ثریا کردہ　۲۱　قطرۂ آبے تو دریا کردہ

اے ز لطفت کیمیا نامی رسد　　۲۲　　دردِ جانم را دوا نامی رسد

اے خدائے پاک ربِ دو جہاں　　۲۳　　سوئے خود کن جانِ ما را مو کشاں

بیانِ رحمتِ الٰہیہ (ترجمہ)

(۱) اے مخاطب! تو ایک مدت بلا اور آزمائش میں رہا ہے اور تو نے اپنی کشتی کو طوفان کے سمندر (مجاہدات شاقہ) میں چلایا ہے۔

(۲) اور طویل مدت تو نے حق تعالیٰ کے دروازہ پر اپنی نجات اور اصلاح کے لئے نالہ کیا ہے اور تو مدتوں اس کی رحمت کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا رہا ہے

(۳) تو دروازۂ رحمتِ حق پر مدتوں روتا رہا ہے اور اپنے آنسوؤں میں اپنے دِل کا خون بھی تو نے برسایا ہے۔

(۴) اس کی بارگاہ میں جب تیری آہ قبول ہو گئی تو یہ کرم تیرے شاہِ حقیقی نے تجھ پر کیا۔

(۵) کہ تُو نے حق تعالیٰ کی رحمتوں کے جھونکے (نسیم کرم) اپنے قلب و روح پر محسوس کئے بدون کسی تعب و مشقت کے۔

(۶) اور تیری شب تاریک نورِ حق سے روشن ہو کر رشکِ سحر بن گئی اور اس مالکِ حقیقی کا آفتاب کرم تیرے قلب میں طلوع ہو گیا۔

(۷) اور اے مخاطب اس مالکِ حقیقی کے کرم سے تیری روح طوفان سے نجات پاگئی اور تیری ناؤ اس کے لطف سے جودی پہاڑ پر بسلامت جالگی۔ یعنی مجاہدات شاقہ کا ثمرہ قربِ حق عطا ہوا اور احکامات حق کا

امتثال عادتِ ثانیہ بن گیا۔

(۸) وہ خدائے پاک صاحب قدرۃ کاملہ کانٹوں سے خوشبوئے گُل پیدا کرتا ہے یعنی بُروں کو نیکوں کے صفات عطا فرماتا ہے اور نارِ شہوات سے نورِ تقویٰ پیدا کرتا ہے یعنی اپنی عطائے کرم سے توفیقِ تقویٰ بخشتا ہے جس سے شہوت کی آگ نور بن جاتی ہے مُجاہدات کی برکت سے۔

(۹) اور وہ صاحب قدرۃ کاملہ اللہ کرگس کو شاہبازی عطا کرتا ہے یعنی گندے اور گنہگار کو اخلاقِ واعمال حسنہ کی توفیق بخشتا ہے اور گمراہ کو صراطِ مستقیم عطا کرتا ہے۔

(۱۰) اور حق تعالیٰ کی توفیق سے یہ شاہبازِ معنوی یعنی جانبازِ الٰہی بجز ذاتِ حق کے کسی اور ماسوٰی کی طرف رُخ نہیں کرتا یعنی اس کا نعرہ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ۔ لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہ ہوتا ہے اور کرگس خصلت والے یعنی پرستارانِ دُنیا اسی مردارِ دُنیا پر حرص کا پر کھولے ہوئے مُنہ کے بل گرے ہوتے ہیں اور شاہباز جنگل میں چیتوں اور ہرن وغیرہ تمام شکاروں سے صرفِ نظر کرتا ہے اور ان کو بے قدر سمجھتا ہوا صرف شیرِ نر کا شکار کرتا ہے اپنی عالی حوصلگی کے سبب۔ اِسی طرح اللہ والے اپنی عالی حوصلگی کے سبب اس جہان کی تمام چیزوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہفت افلاک سے آگے بڑھ کر صاحبِ عرش سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔

وَلَنِعْمَ مَا قَالَ الشَّاعِرُ ؎

کبھی کبھی تو اسی ایک مشتِ خاک کے گرد
طواف کرتے ہوئے ہفت آسماں گذرے

؎ عجب کیا جو مجھے عالم بایں وسعت بھی زنداں تھا
میں وحشی بھی تو وہ ہوں لامکاں جس کا بیاباں تھا

(۱۱) وہ اللہ صاحب قدرۃ کاملہ چیونٹی کو طاقت پرواز عطا کرتا ہے اور مادر زاد اندھے کی لاٹھی کو شانِ رہبری عطا کرتا ہے۔

(۱۲) اور اگر چاہے تو لومڑی کو شیروں جیسی ہمت دے دیتا ہے جب کہ اپنا ہاتھ لومڑی کی پشت پر رکھ دیتا ہے کہ گھبرانا مت ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ چنانچہ بے سروسامان اور مادی لحاظ سے کس قدر کمزور اصحاب کہف تھے لیکن ان کے دلوں پر اپنے رابطہ کا فیضان ڈال کر **وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ** کا معجزہ دکھا دیا چنانچہ وہ کس قدر باہمت ہو کر اس وقت کے کافر ظالم بادشاہ سے مناظرۂ اثباتِ حق اور امحاءِ باطل کر رہے تھے۔ اور اس کی شاہی فوج اور جاہ سے بالکل مرعوب نہ ہوتے حالانکہ یہ حضرات نانبائی، دھوبی، حجام جیسے غریبوں کے لائق اور قابلِ رشک فرزند تھے جنہوں نے کبھی سلطان کیا معمولی حاکم وقت سے بھی بات نہ کی تھی۔

(۱۳) اور وہ اللہ جب چاہتا ہے تو زاغ (کوا) کو بلبلوں کی خوشنوائی بخشتا ہے یعنی بدوں کو نیک بنا کر ان کی زبان سے علوم و معارف بیان کراتا ہے اور کتوں کو شیرانِ نر جیسے عزائم اور حوصلے عطا کرتا ہے یعنی پست حوصلہ اور ذلیل انسان کو نیک بنا کر عالی اخلاق و حوصلہ بنا دیتا ہے۔

(۱۴) اور حق تعالیٰ کے افضال والطاف سو سالہ کافر کو آنِ واحد میں ابدال بنا دیتے ہیں۔ یعنی اسلام و ایمان عطا فرماتے ہی ولایت کے اعلیٰ مقام

سے نواز دیتے ہیں۔

(۱۵) اگر حق تعالیٰ کا کرم ہماری جان کو اپنی طرف جذب نہ کرے تو نہ ہمارا اسلام باقی رہے اور نہ ایمان۔

(۱۶) اس کی قدرت قاہرہ بہت شہروں کو ویران کرتی ہے اس کے بعد اپنے فضل سے آباد فرما دیتے ہیں۔ مُراد یہاں دلوں کا شہر ہے یعنی معاصی اور ارتکابِ جرائم کی پاداش میں دِل کا نور چھین لیتے ہیں جس سے دل کی بستی اُجڑ جاتی ہے پھر توبہ و استغفار اور گریہ وزاری کی توفیق بخش کر ان اجڑے دِلوں کو اپنے انوارِ قرب و رضا سے پھر آباد کر دیتے ہیں۔

(۱۷) اے اللہ آپ کا کرم کرگسوں کی بُری عادتوں کو شہبازوں کی اچھی سیرت سے مُبدّل فرما دیتا ہے یعنی نہایت بدعمل اور بدخو کو خوش عمل اور خوش خُو کر دیتا ہے۔

(۱۸) اور اے اللہ آپ کے کرم سے بہت سے عجوز صفت مرد (پست ہمّت) ہمّتِ عمل میں رستم اور سہراب ہو گئے یعنی نیک کاموں میں سُست تھے اور آپ کی توفیق سے چُست وچالاک باہمّت ہو گئے۔

(۱۹) سُست قدم باعتبار اعمال کے آپ کے کرم سے مردانِ طریق ہو گئے اور یہ مقام قابلِ شکر وحمد ہے۔

(۲۰) اور اے مخاطَب! حق تعالیٰ کے کرم سے تیرے چاند سے خُسوف (چاند گرہن) ہٹ گیا اور تیرا آفتاب کُسُوف (سُورج گرہن) سے نجات پا گیا یعنی تعلق مع اللہ کا نور گُناہوں کے سبب سحابِ ظلمات (تاریکی کے

بادل) سے مستور تھا اب توفیقِ توبہ اور نورِ تقویٰ سے حق تعالیٰ کی نسیمِ کرم نے ان بادلوں کو تیرے قمر و خورشید (نور قلب) سے ھباءً منثورا (تتر بتر) کردیا۔

(۲۱) اے خدا آپ کا کرم ذرۂ خاکی کو عروجِ روحانی سے رشکِ ثریا کرتا ہے اور اِس قطرۂ آب کو (حضرت انسان کو) دریائے معرفت کرتا ہے۔

(۲۲) اے خدا آپ کے کرم سے ایسی کیمیا عطا ہوتی ہے جو ہمارے دردِ مہجوری کو لذّتِ حضوری سے تبدیل کردیتی ہے۔

(۲۳) اے خدائے پاک رب دوجہان کے! ہماری جان کو اپنی طرف جذب کرلیجئے مُوکشاں یعنی جس طرح گھوڑے کو اس کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہُوئے لے جاتے ہیں اور سمتِ مخالف جانے سے باز رکھتے ہیں اسی طرح میری روح کو اپنے جذبِ خاص سے استقامت عطا فرمائیے۔

دربیانِ قبضِ باطنی و غمِ فراق

آفتابت گر بگردد اندر رُخے	۱	در قمر آید خسوفے آں دمے
بدرِ جانم بے تو باشد چوں ہلال	۲	می گریزد نور او سوئے زوال
آفتابم در اُفق مستور شد	۳	روزِ ما زیں غم شب دیجور شد
ہر کہ باشد دور از دلدارِ خویش	۴	تلخ یا بد زیست زیں آزارِ خویش

با تو من اندر فلک خوشتر روم ۵ بے تو اندر خانۂ خود گمرہم

بے تو جانم ہمچو چغد دوں شود ۶ ماہِ جانم با تو بر گردوں رود

بے عنایت بلبلاں زاغاں شوند ۷ از تو زاغاں رشکِ شہبازاں شوند

بے عنایت جملہ ایں شہبازگاں ۸ می پرند از حرص سوئے مردگاں

زیستن بے تو چگونہ زیستن ۹ مردگی باشد و ناخوش زیستن

تن کجا زندہ بود بے نورِ جاں ۱۰ جان کجے زندہ شود بے جانِ جاں

رو روائے جاں در حریمِ کوئے یار ۱۱ بہرِ دردِ خویش را درماں بیار

آں دلے کز ہجرِ او بے تاب شد ۱۲ مثلِ آں ماہی کہ او بے آب شد

اے کہ جملہ جانہا را جاں توئی ۱۳ ایکہ جملہ شاہاں را سلطاں توئی

ایں زمین و آسماں شمس و قمر ۱۴ ایں گلستان و بیاباں بحر و بر

بے تو ناید خوش مرا اے شاہِ جاں ۱۵ ایں جہاں و ہرچہ باشد در جہاں

ہر کہ با سلطانِ جاں واصل نشد ۱۶ ہمچو آں جسمے کہ جاں حاصل نشد

ہست اخترؔ آہ عبدِ کاسدت ۱۷ گر خریدی تو مرا ایں رحمت است

از وفورِ غم بروں آید فغاں ۱۸ نالۂ ہجرم رود تا آسماں

از فغانِ من بگرید آسماں ۱۹ گر بگریم بحر ایں حکمت بداں

آنچہ خوں بینی بگریہ ہائے من ۲۰ قطرۂ داں از غمِ دریائے من

چوں بگریم خلقہا گریاں شوند ۲۱ چوں بنالم خلقہا نالاں شوند

چہ عجب از آہ و زاریِ دلم ۲۲ رحمتِ حق ہم بجوشد از کرم

ذرۂ غم دردلے گر حق دہد ۲۳ تو بداں اے دل کہ حق خود را دہد

بیانِ قبضِ باطنی و غمِ فراق (ترجمہ)

① اے خدا آپ کا آفتابِ کرم اگر ہمارے قلب کے محاذات سے رُخ پھیر لے تو اسی وقت ہمارے دِل کا نور تاریکی سے تبدیل ہو جاوے (جس طرح قمر میں گرہن لگ جاتا ہے اور اس کا سبب بھی یہی بیان کیا جاتا ہے کہ چاند کا نور آفتاب ہی کے نور سے مستفاد ہوتا ہے پس آفتاب اور چاند کے درمیان جب زمین حائل ہوتی ہے تو چاند بے نور ہو جاتا ہے)

② اے خدا میری جان کا بدرِ کامل آپ کے بغیر مثلِ ہلال ہو جاتا ہے اور اس کا نور ہر وقت زوال کی طرف تیزی سے بھاگتا ہے۔

③ میرا آفتابِ قربِ افق میں بحالتِ قبضِ باطنی مستور ہو گیا اور اس غم کے سبب ہمارا روزِ روشن تاریک شب سے تبدیل ہو گیا

④ جو شخص اپنے محبوب سے دور ہو جاتا ہے وہ اس غمِ فراق سے اپنی زندگی تلخ محسوس کرتا ہے۔

⑤ اے خدا آپ کی معیتِ خاصہ کے فیض سے ہم بالائے فلک سیر کر رہے تھے باعتبارِ روح کے مگر اس حالتِ قبضِ باطنی سے آپ کے بغیر ہم اپنے ہی گھر میں راہِ قُرب سے بے خبر ہیں۔

فائدہ: حضرت مرشدی شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا تھا جس وقت قبضِ باطنی طاری ہو اور حضوری حق سے محرومی ہو فوراً یہ وظیفہ

پڑھنا شروع کردے انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد یہ دُوری حضوری سے تبدیل ہوجاوے گی۔ وہ یہ ہے۔

یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ یَا لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ ۔ انت ضمیر حاضر ہے جب کہو گے اے زندہ حقیقی اے سنبھالنے والے کوئی معبود نہیں مگر آپ تو اس ضمیرِ حاضر کا فیض فوراً قلب کے رُخ کو رب کی طرف مستقیم کردے گا۔

(۶) اے خُدا آپ کے بغیر ہماری روح مثلِ اُلّو کمینہ کے ہوجاتی ہے اور آپ کے قُربِ خاص کی حالت میں ہماری روح کا روشن چاند فلک پر سیر کرتا ہے۔

(۷) آپ کی عنایت کے بغیر بُلبلوں کی حالت زاغوں سے زیادہ ذلیل ہوجاتی ہے اور آپ کی عنایت شاملِ حال ہو تو زاغوں کی حالت رشکِ شہبازاں ہوسکتی ہے۔

(۸) آپ کی عنایت کے بغیر بڑے بڑے شاہباز یعنی مردانِ طریق سالکین نفس کے تقاضوں سے مغلوب ہوکر حُسنِ مجاز کے شکار ہوگئے اور مردار پرست ہوگئے۔

(۹) اے خدا آپ کے قُرب کے بغیر جینا کس طرح کا جینا ہے بس جیسے کوئی مردہ ہو اور اس کو زندہ کہا جاوے۔

(۱۰) جسم کب زندہ ہوسکتا ہے بغیر جان کے اور جان کب زندہ ہوسکتی ہے بغیر اپنی جان کے یعنی تعلق مع اللہ کے پس حق تعالیٰ کی ذات گویا بمنزلہ روح الارواح ہے۔

(۱۱) اے جان! تو جا حریم کوئے یار میں اور اپنے درد کے لئے درماں میں آ۔

(۱۲) جو دل کہ محبوبِ حقیقی کی جدائی سے بے تاب ہے وہ مثل اس مچھلی کے ہے جو پانی سے باہر تڑپ رہی ہے۔

(۱۳) اے خدا آپ تمام جانوں کے لئے جان ہیں اور تمام سلاطین کے لئے سُلطان السلاطین ہیں۔

(۱۴) یہ زمین و آسمان۔ سُورج۔ چاند اور یہ گُلستان اور بیاباں اور سمندر اور خشکی

(۱۵) بغیر آپ کے یہ مذکورہ نعمتیں ہماری جان کو اچھی نہیں معلوم ہوتی ہیں نہ یہ جہان اور نہ جہان کی کوئی چیز۔

(۱۶) جس شخص کی جان حق تعالیٰ سے واصل نہ ہوتی وہ مثل اس جسم کے ہے جو بے جان ہے کیونکہ یہ جان خود اپنی جان سے محروم ہے۔

(۱۷) اے خدا! اختر آپ کا کھوٹا بندہ ہے اگر آپ نے مجھے خریدا ہے تو یہ آپ کا کرم ہے۔

(۱۸) شدّتِ غم سے فغاں لب سے باہر آتی ہے اور میرا نالۂ غم آسمان تک جاتا ہے

(۱۹) میرے نالہ سے آسمان روتا ہے اگر میں سمندر کی مقدار آنسو بہاؤں تو اس کو بھی کم سمجھو

(۲۰) اے مخاطب! جو کچھ تو نے میری گریہ وزاری میں میرے جگر کا خُون دیکھا ہے وہ میرے اس دریائے غم سے جو باطن میں پنہاں ہے صرف ایک قطرہ ہے۔

جب میں روتا ہوں تو اس کی تاثیر سے ایک مخلوق میرے ہمراہ روتی ہے اور جب میں نالہ کرتا ہوں تو ایک مخلوق میرے ہمراہ نالہ کرتی ہے۔

کیا عجب ہے کہ میرے دل کی آہ وزاری سے حق تعالیٰ کا دریائے کرم جوش میں آئے۔

اگر کسی کے دل کو حق تعالیٰ اپنی محبت کا ایک ذرۂ درد عطا فرما دیتے ہیں تو یقین کرلو کہ حق تعالیٰ نے خود اپنے کو اسے دے دیا۔ یعنی وہ خاص قُرب سے مُشرّف ہوجاتا ہے۔

اے مخاطب! جب تو نے اپنے دل میں جانِ کائنات یعنی حق تعالیٰ کا تعلّق مشاہدہ کرلیا تو اس وقت تو اپنی جان میں صدہا کائنات دیکھے گا۔

کبھی کبھی تو اسی ایک مُشتِ خاک کے گرد
طواف کرتے ہوئے ہفت آسمان گذرے
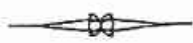
در بیانِ مذمّت حُبِّ دُنیا

رُخ نیارد دہر کہ اُو مجنونِ دوست	۱	گرچہ صدہا مُلکِ گوناگونِ اُوست
مُلک را بگذار و مالک را بگیر	۲	تا کہ صدہا مُلک یابی اے فقیر
مَن نگویم زیں سُخن راہب شوی	۳	بلکہ گویم سُوئے حق راغب شوی
مُلک گر داری تو بہر دوست دار	۴	جذبۂ انفاق بہر دوست دار
در لحد آں دم کہ مرقد ساختی	۵	از جہانِ خویش پس چہ یافتی

قولِ ایں از مولوی رومی بگیر ۶ ہمچو کشتی آب را اندر مگیر

گرچہ کشتی اندرونِ آب ہا ۷ لیک باشد بر برونِ آب ہا

ہمچنیں می رو دریں دنیائے دوں ۸ جسم را بنہہ اندروں دل را بروں

بیانِ مذمت حبِّ دنیا (ترجمہ)

① جو اس محبوبِ حقیقی کا مجنوں ہو گیا وہ رخ نہیں کرتا سیکڑوں سلطنتوں کی طرف۔

② ملک کو چھوڑ یعنی اس سے صرف نظر کر اور مالک کو لے یعنی مالک کو راضی کر لے تاکہ اے فقیر! تو سیکڑوں ملک پا جاوے اس کے حقیقی سے یعنی باطنی سلطنت جس کے سامنے ہفت اقلیم ہیچ معلوم ہو۔

③ میں یہ نہیں کہتا کہ اس بات سے تارکِ دنیا ہو جاؤ مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف راغب ہو جاؤ

④ ملک اگر رکھنا ہی ہے تو حق تعالیٰ ہی کے لئے رکھو یعنی انہیں کی رضاء میں صرف کرنے کے لئے جذبۂ اتفاق رکھو۔

⑤ قبر میں جس وقت تم اپنا مقام بناؤ گے اس وقت دنیا کی کس نعمت کو ساتھ لے جاؤ گے۔

⑥ یہ نصیحت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کر لو مثل کشتی کے پانی کو اندر مت گھسنے دو یعنی دنیا کو دل سے باہر رکھو جس طرح کشتی پانی کو نیچے رکھتی ہے۔

(۷) اگرچہ کشتی پانی ہی میں چلتی ہے لیکن اپنے کو پانی کے اوپر رکھتی ہے۔

(۸) اسی طرح دُنیا میں رہو کہ جسم تو دُنیا میں ہو اور دِل دُنیا سے باہر ہو اگر دل کے اندر دُنیا گھسی تو ہلاکت ہے جس طرح کشتی کے اندر اگر پانی گھسا تو کشتی کی ہلاکت ہے۔

در بیانِ تسلیم و رضا

می خوشم در خلوتے از آہِ خویش	۱	بہرِ تسلیم و رضائے شاہِ خویش
پیشِ حکمِ پاکِ تو ایں جاں نثار	۲	بلکہ صد ہا جاں اگر یابم نثار
اے غلامت چشمِ ما و گوشِ ما	۳	جملہ ایں اعضائے ما و ہوشِ ما
حاکمِ احساسِ ما و عزمِ ما	۴	اے تو سلطاں رزمِ ما و بزمِ ما
از درِ تو اے خدا می خواستم	۵	از ہمہ امید را بر خاستم
کس نمی داند بجز تو رازِ من	۶	اے توئی ہمرازِ من دلسازِ من

بیانِ تسلیم و رضا (ترجمہ)

(۱) میں خلوت میں اپنی آہ سے خوش ہوں شاہِ حقیقی کی رضا و تسلیم کے لئے۔

(۲) اے خدا! آپ کے حکم پاک پر یہ جان قربان ہو بلکہ صدہا جانیں اگر پاؤں تو قربان ہوں۔

(۳) اے خدا! میری آنکھیں میرے کان اور یہ جُملہ اعضاء اور ہوش سب

آپ کے غلام ہیں۔

④ اور آپ ہی ہمارے عزم و احساس کے حاکم ہیں اور آپ ہی ہمارے میدانِ جنگ اور محافل رنگ (محافل احباب) کے سلطان ہیں یعنی ہم آپ ہی کی مرضی اور قانون کے تابع ہیں۔

⑤ میں آپ ہی کے دروازہ سے اے خدا مانگتا ہوں اور سارے ہی جہان سے امید کو منقطع کرلیا ہے۔

⑥ اے خدا! آپ کے سوا ہمارے راز کو کوئی نہیں جانتا اور آپ ہی ہمارے ہمراز اور دلساز ہیں۔

دربیانِ عشقِ حقیقی

اے خوشا کو عاشقے باللہ شد	۱	پاکباز و عارفے باللہ شد
اے خدائے پاک ربِ دو جہاں	۲	من بجایابم ترا اندر جہاں
دل ہمی خواہد کہ زیں عالم روم	۳	جسم بگذارم سوئے جاناں روم
آں دلے کز عشقِ حق بیمار شد	۴	زیں حیاتِ عارضی بے زار شد
بے تو ایں خوش زندگیٔ کون و مکاں	۵	خوش نمی آید بجانِ عاشقاں
ہر کہ با سلطانِ جاں عارف نشد	۶	از بہائم شد بتر واقف نشد
عاشقے کو سوئے جاناں می رود	۷	گر دو صد زنجیر بندد بر درد

بیانِ عشقِ حقیقی (ترجمہ)

(۱) مبارک ہے وہ شخص جو حق تعالیٰ کا عاشق ہو گیا اور پاکباز اور عارف باللہ ہو گیا۔

(۲) اے خدا اے دونوں جہان کے رب میں تجھے اس جہان میں کہاں پاؤں۔

(۳) دل چاہتا ہے کہ اس عالمِ فانی سے جلد رخصت ہوں جسم سے روح کو مجرّد کر کے محبوبِ حقیقی کی طرف پرواز کروں۔

(۴) جو دِل کہ عشقِ حق سے بیمار ہوتا ہے وہ اس حیاتِ فانی سے بیزار ہوتا ہے (بزرگوں نے لکھا ہے کہ دُنیا سے دل کا اُچاٹ ہونا زہد کا پہلا قدم ہے)

(۵) اے خدا آپ کے بغیر یہ کائنات کی رنگینیاں عاشقوں کی جانوں کو اچھی نہیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۶) جو شخص کہ محبوبِ حقیقی سے آگاہ نہ ہوا وہ جانوروں سے بدتر اور ذلیل ہوا۔

(۷) جو عاشق کہ محبوبِ حقیقی کی طرف جاتا ہے وہ راستے میں اگر علائقِ دُنیا کی دو سو زنجیریں بھی پاتا ہے تو اُنہیں توڑ دیتا ہے۔

در بیانِ وجہ مثنوی اختتم

دَردِ زاہدِ آہ را چوں اندروں	۱	مثنویِ پیدا شود از لب بروں
از غمِ اُو آہ چوں بیروں رَوَد	۲	آں زماں ایں مثنویِ موزوں شود

آہ پیدا می شود از غم بداں ۳ آہ ظاہر لیک غم در جاں نہاں
اے خدا ایں مثنوئ دردِ ما ۴ ایں غمِ ما نیز آہ سردِ ما
ایں ہمہ ممنونِ جذبِ فضلِ تست ۵ ایں ہمہ مرہونِ لطفِ خاصِ تست

بیانِ وجہ مثنوی اختر (ترجمہ)

(۱) جب باطن میں دردِ محبت پیدا ہوتا ہے تو اس وقت لب پر مثنوی پیدا ہوتی ہے۔

(۲) محبوبِ حقیقی کے غم سے جب آہ ظاہر ہوتی ہے اس وقت یہ اشعار مثنوی موزوں ہوتے ہیں۔

(۳) اور آہِ غمِ عشق ہی سے وجود پاتی ہے مگر آہ تو ظاہر ہوتی ہے لیکن غم جان میں مخفی ہوتا ہے۔

(۴)(۵) اے خدا یہ ہماری مثنوی اور یہ ہمارا غم اور آہ سرد یہ سب آپ کے جذب اور توجہ کے ممنون اور لطف خاص کے مرہون ہیں۔

دربیانِ تشکرِ احساناتِ شیخ

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (ہردوئی) یوپی ہند

اے برار الحق چہ احساں کردۂ ماہِ جانم را چہ تاباں کردۂ
جانِ خود با جانِ تو در بافتم زیں گدائی صد حیاتے یافتم

خواجگی اندر گدائی دیدہ ام
اندرونِ فقر شاہی دیدہ ام

با تو بودم در سفر ہم در حضر
در بلا و جہد ہم در بحر و بر

سر چو در سجدہ نہی از دردِ خویش
دردِ ما ہم یاد کن در دردِ خویش

اے ز فیضت خارِ من گلزار شد
اے ز فیضت دارِ من دربار شد

اے ز فیضت کیمیائے ما رسید
دردِ ما را ہم دوائے ما رسید

ہر چہ ایں فیضانِ حق بر من رسید
بالیقیں دائم بحقِ تو رسید

پس بروزِ حشر اے ابرارِ حق
دستگیری کن مرا دربارِ حق

اے برارُالحق بحقِّ ربِّ دیں
لطف کن بر اخترِ اندوہگیں

اے کہ ممنونت دلِ بیمارِ من
اے جنید و رومی و عطارِ من

چشمِ ما در ہجر چوں خونریز شد
شہرِ جانم شہرِ تو تبریز شد

اے کہ فیضانِ شما باشد عیاں
از برائے ہمچو دور افتادگاں

پیش کردم بر تو ایں آہ و فغاں
چوں ترا بینم ز ما در مہرباں

خاکپائیت سرمہ چشمم بدے
بر درت قرباں صد جانم شدے

اے ز فیضت با اثر شد آہِ من
اے رسانیدی حریمِ شاہِ من

چوں بیاید نامہ تو سوئے من
می شود خوش از فرح ہر موئے من

اے کہ تحریرش بود آبِ حیات
پس ملاقاتش چہ باشد در صفات

اے حیاتِ ما عنایاتِ شما
اے مماتِ ما عتاباتِ شما

اَنْتَ شَیْخِیْ اَنْتَ مِصْبَاحُ الطَّرِیْق
اَنْتَ لِیْ نِعْمَ الصَّدِیْقُ وَالرَّفِیْق

یَا حَبِیْبِیْ اَنْتَ کَالشَّمْسِ الْمُنِیْر
ہمچو مہ نورم ز نورت مستنیر

اے برادر الحق خداتے بزرگت | گوہر رحمت ببارد بر سرت
پیش نورِ آفتابت اے برادر | اختر و صد اختراں را چہ شمار

من چہ گویم پیش تو شکر و ثنا
آفتاب آمد و اختر شد فنا

در بیانِ جدائی ہمدم دیرینہ

صدیقی و رفیقی محمد حبیب الحسن خان شروانی (مدظلہ العالی)

مجاز بیعت حضرت شیخ پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ (ڈھولنا ایٹہ یوپی ہند)

ہمدم دیرینہ چو باشد جدا | روح باشد چوں یتیم بے نوا
آہ کہ آں عہدِ وصل از ما برفت | کس نمید اند کہ بر ما چہ گذشت
گر تو آئی صد حیاتے یافتم | جانِ خود با جانِ تو در یافتم
آنچہ گذرد بر دلِ غمگینِ من | نیست ممکن با تو گویم زیں سخن
نزدِ من ایں ہمرہیِ دوستاں | گلستاں ست بلکہ رشکِ بوستاں
وحشت دل از فراقِ دوستاں | تیز گردد از خیالِ دوستاں
ہیں بیا اے جانِ من در شہرِ من | در کنارم ہیں بیا اے مہرِ من
اشکہاتے در دمی گرید حسن | آتشِ غم بہرِ من سازد حسن
یادِ آں ایامِ قربِ تو حسن | یادِ آید اندریں دشت و دمن

مدتے بودم بہ تو در بحر و بر　　در سفر گاہے و گاہے در حضر

اے تسلّی! اخترِ مہجور را
اے قرارِ ایں دلِ رنجور را

در ذکرِ عزیزم مولوی محمد عشرت جمیل سلمہ اللہ تعالیٰ

(بی۔ کام علیگ)

گفت رومی اے حسام الدین بیا　　کہ نروید بے تو از شورہ گیا

چوں شنا سد جانِ من جانِ ترا　　یاد دارند اتحاد و ماجرا

گر نبودے خلق محجوب و کثیف　　ور نبودے خلقہا تنگ و ضعیف

در مدیحت داد معنی دادمے　　غیرِ ایں منطق لبے بکشادمے

شرح تو غیب است بر اہلِ جہاں　　ہمچو رازِ عشق دارم در نہاں

مدحِ تو حیف است با زندانیاں　　گویم اندر مجمعِ روحانیاں

قدرِ تو بگذشت از درکِ عقول　　عقل در شرحِ شما باشد فضول

قصد کردستند ایں گل پارہا　　کہ بپوشانند خورشیدِ ترا

چونکہ اخواں را دلِ کینہ دراست　　یوسفم را قعرِ چہ اولیٰ تراست

جملہ ایں اشعار کہ منقول بود　　در بیانِ آں حسام الدین بود

جانِ عشرت جانِ من است　　جانِ او ہر لحظہ مستانِ من است

اے حسام الدین توئی در جانِ من　　اے تو ہمرازِ دلِ رنجانِ من

سینۂ تو پُر ز اسرار و رموز	رازِ عشق و عاشقی را صد کنوز
جانِ تو چوں می کشد از ما سخن	بہرِ تو از جانِ من جوشد لبن
خسروِ تے بہرِ نظام الدین بود	بہرِ اختر جانِ تو خرد و نمود
جانِ تو در عشق باشد با وفا	بلکہ آموز د وفا از تو وفا

از حسد محفوظ گردانت خدا
عاقبت محمود گردانت خدا

تذکرہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پھولپوری پرتاب گڈھی دامت برکاتہم

خلیفہ و مجاز بیعت سلسلہ حضرت مولانا محدث شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مراد آبادیؒ

اے سراپا عاشقِ حق جانِ من	اے دوائے ایں دلِ رنجانِ من
اے قرارِ دل قرارِ جانِ من	اے برائے جانِ من جانانِ من
از تو آید بوئے ربِّ ذو المنن	نورِ حق در قلب تو جلوہ فگن
من چہ گویم قوتِ نسبت ترا	رشکِ ہفت افلاک شد رفعت ترا
شیخِ من عبد الغنیؒ ایں گفت ہاں	شاہ احمد را سراپا عشق داں
نیز از ما گفت آں شیخِ زماںؒ	جانِ احمد صاحبِ نسبت بداں
بر مکانِ شیخ چوں شد میہماں	یک نظر کرد از زمیں تا آسماں
گفت بینم نورِ احمد را عیاں	از زمیں نورش رود تا آسماں
قصۂ مجنوں شنیدم در جہاں	رشکِ صد مجنوں ترا دیدم عیاں

عشقِ مولیٰ در دلِ تو یافتم — جانِ صد مجنوں بجانت یافتم

دیدۂ تو دیدہ بانی می کند — شرحِ غم را بے زبانی می کند

دیدۂ تو جانِ ما مجنوں کند — دردِ دل را تیز و ہم پرخوں کند

دیدم اندر دیدۂ تو صد جہاں — بلکہ دیدم نورِ آں ربِّ جہاں

در بیانِ عشقِ تو اے شاہِ جاں — ہمچو صد لیلیٰ و صد مجنوں نہاں

بے خبر غافل ز خورشیدِ دلت — عارفاں دانند قدر و منزلت

عشقِ حق از ہر بنِ مویت چکد — طالباں را عاشقِ حق می کند

گر نشیند نزدِ تو افسردہ دل — می شود از گرمیٔ تو زندہ دل

یاد می آید مرا چوں صحبتش — قلبِ مضطر می شود از فرقتش

جانِ مضطر گشتہ از سودائے او — کے رسد ایں جانِ من در کوئے او

مرحبا نفحاتِ احمد نیم شب — می رسانند طالباں را فیضِ رب

اے رگِ تو نورِ ضیائے ذوالجلال — از تو جانِ طالباں یابد کمال

جانِ اختر حضرتِ احمد چو دید — از مسرت خویش را صد جاں بدید

ما و تو بودیم اے جاں ہموطن — ما و تو بودیم یک جاں در دو تن

از قضا لیکن شدم دور از وطن — از قضا بودی تو تنہا در وطن

روزِ محشر اے خدا ہمراہ دار
جانِ ما با جملہ ایں ابرار دار

مثنوی نالۂ غمناک دریادِ مرشد پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

بشنو از من نالۂ ہجرانِ یار
شانزدہ سالہ بُدم دربانِ یار

از فراقِ یار چوں دل ریش شد
عشق رفتہ از حواسِ خویش شد

از قضا ہستم چنیں کرب و بلا
شد ہمہ آفاق عالم کربلا

از قضائے شیخ آمد زلزلہ
در جہاں درسِ عشق و سلسلہ

مدتے یک ماہی اللہیے
می نمود او راہِ حق ہر راہیے

ماہیِ حق مدتے بر ساحلے
بود رہبر عاصیے ہم خاصیے

یک بیک آں ماہیِ فرخندہ فال
از قضا شد غرقِ دریائے جلال

رخت رحلت بستہ از دنیائے دوں
خفتہ زیرِ خاک با صد ہا سکوں

روحِ پاکِ دستگیرِ رہ نما
غرق شد در بحرِ پاکِ کبریا

ہیچ در عالم نباشد یارِ من
چوں ز عالم رفت آں دلدارِ من

ہمچو ایں غم من ندیدم در جہاں
چہ کنم جز گریہ و آہ و فغاں

جانِ مرشد چو سوئے جاناں رسید
از کجا یابم بوئے آں سعید

شد ز یوسف دور ہستم از پیرہن
وائے بر اختر و بر صحنِ چمن

مرحبا اے ارضِ پاپوشِ نگر ع
خفتہ در آغوشِ تو رشکِ قمر

حبذا اے ارضِ پاکستانِ ما
کاندرت شد مسکنِ جانانِ ما

از کشش کہ عشق دارد حیرتم
روئے آں محبوب بینم در دلم

از فرازِ عرش بر محبوبِ جاں
شد نزولِ رحمتِ حق ہر زماں

ع نام قبرستان ست

آہ شد آں آفتابِ حق غروب — رفت از ما آہ آں مردِ غیوب

چوں ز سوزِ عشقِ آں بریاں شدہ — جانِ عاشق آں زماں عریاں شدہ

جانِ او چوں خنجرِ عشقش بدید — پا بجولاں جانبِ مقتل دوید

خنجرش چوں سوئے خود راغب بدید — سر نہادن آں زماں واجب بدید

حیف کہ از ما رمیدہ آں غزال — کرد رحلت سوئے بستانِ وصال

شانزدہ سالہ رفاقت کردہ ام — حسنِ شانِ قربِ او من دیدہ ام

گرچہ بودم سالہا ہمراہِ او — خدمتش کردم نہ خاطر خواہِ او

نالہائے دردِ ہجراں می کشم — خونِ دل خونِ جگر را می خورم

چوں دلت را بود نسبت چشتیہ — ہست در خاکِ تو قوتِ برقیہ

بر مزارش فیضِ ربانی بود — نسبتِ آں شیخ نورانی بود

چونکہ نسبت چشتیہ دارد ز نور — بوئے عشق از مرقدش آمد ظہور

اے کہ تو چاکِ گریباں آمدی — آیتِ کبریٰ ز جاناں آمدی

چشمِ گریاں سینہ بریاں آمدی — از برائے درسِ عرفاں آمدی

از فراقت تلخ شد ایامِ ما — دور شد از جانِ ما آرامِ ما

از وفورِ غم بروں آید فغاں — نالۂ عشقم رود تا آسماں

لطفِ تو چوں یاد می آید مرا — بوئے تو جانم بجوید در سرا

حیف کہ آں شیرِ حق از ما برفت — در بیابانِ عدم خود را نہفت

کرد ما را از غمِ فرقت یتیم — رفت خود فی بابِ جنتِ النعیم

حضرت والا اقدس سرہٗ العزیز کی تاریخِ وفات بھی دخل فی بابِ جنتِ النعیم ہے۔

۱۳۸۳ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تذکرہ حضرت سلطان العارفین

مرشدنا و مولانا شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ

و

احوال ایں غلام اختر عفا اللہ عنہ

اے شہ عبد الغنی اے روحِ ما	صدقہ تو جملہ ایں مفتوحِ ما
عمرِ ما چوں ہشت دہ سالہ رسید	بر درت اختر چو دیوانہ رسید
کرد اختر بیعت بر دستِ شما	ہشت دہ سالہ شدہ مستِ شما
من ترا چاکِ گریباں دیدہ ام	زلف تو بر سر پریشاں دیدہ ام
عالمے کو عاشقِ حق می شود	نورِ او از عابداں فائق شود
من ترا دیدم میانِ رہبراں	بدرِ کامل چوں میانِ اختراں
رہنمائے بہرِ جانِ صادقاں	نزدِ بینایاں تو شاہِ عارفاں
یک قمیصے بر تنت یک لنگیے	بود ایں دنیائے تو اے عالمے
نیست صندوقے و سامانے ترا	خانۂ تو ہمچو ویرانے ترا
سقفِ خانہ بود از رے ترا	نیست حفظ از ابر و بارانے ترا
اندریں خانہ مگر اے شاہِ جاں	نورِ حق دیدم بہر ذرہ عیاں
بود دنیا پیش تو دنیائے دوں	فخرِ دنیا پیش تو شد سرنگوں
در جہاں بودی و خارج از جہاں	قوتِ نسبت ترا دیدم عیاں

گرچہ می رفتی بظاہر بر زمیں ‏ روحِ تو می رفت بر عرشِ بریں

گرچہ دیدہ بود مت اندر جہاں ‏ لیک تو بودی ورائے ایں جہاں

جسمِ تو بر خاک سجدہ چوں نمود ‏ روحِ تو بر عرش سجدہ ہم نمود

روحِ تو در سجدہ مضطر دیدہ ام ‏ سجدہ گہہ را تر ز اشکت دیدہ ام

آہِ تو من بارہا بشنیدہ ام ‏ گریۂ تو در دعاہا دیدہ ام

عشق را تفسیرِ قولی مثنوی ‏ اے کہ تو تفسیرِ فعلی مثنوی

اے سراپا شرحِ دردِ مثنوی ‏ اے سراپا شرحِ رازِ مثنوی

اے سراپا رمزہائے بیخودی ‏ اے سراپا سرہائے سرمدی

جانِ من از دردِ تو شد دردمند ‏ آہِ من از آہِ تو شد ارجمند

آہِ من پروردۂ آہِ شما ‏ دردِ من پروردۂ دردِ شما

آہ را از آہِ تو آموختم ‏ عاشقی از عشقِ تو آموختم

بر درِ تو عمرِ خود سر کردہ ام ‏ ہم سرِ خود وقفِ آں در کردہ ام

از تو ایماں یافتہ ست ایمانِ من ‏ اے فدا بر جانِ تو ایں جانِ من

گرچہ باشی تو ورائے ایں جہاں ‏ عشقِ من بیند ترا اندر جہاں

ہر کجا گر گم بیادت شاہِ من ‏ پیشِ خود بیند ترا ایں آہِ من

اے کہ می بینم ترا در جلوتے ‏ اے کہ می بینم ترا در خلوتے

اے کہ می یابم ترا در جانِ خویش ‏ جانِ من بیند ترا سلطانِ خویش

ایں غلامی رشکِ صد سلطانیاں ‏ لیک داند قدرِ ایں روحانیاں

اے امامِ عشق در صحرائے عشق ‏ اے سریع السیر در دریائے عشق

مست شد جانم زِ ہستیٔ شما
یا فتم ہستی زِ ہستیٔ شما

اے تُرا در عالمِ ہُو دیدہ ام
بے خبر از ہستیٔ خود دیدہ ام

یاد ہست آں جلوہ را دیدن ترا
نام خود از غیر[1] پُرسیدن ترا

بے خبر گشتی زِ نامِ خویشتن
ہمچنیں دیدم ترا خوش زیستن

جاں فدایت اے شہ عبدالغنی
دل فدایت ہر چہ خواہی آں کنی

در بیانِ مجاہدہ و امتحان از شیخ

طالبے گفت ایں سخن از مرشدے
امتحانم کردہ در رہ بسے

بارہا بر من بلا انداختی
با سرِ من ہمچو گو در باختی

امتحانِ عشق کردی بارہا
کردہ مارا جگر تو پار[2] ہا

بارہا راندی و بازم خواندہ
ہمچو طالبؔ در بلا سائیدہ

آں بلاتے کز جگر پُر خون گشت
لیک جانم بہر تو مجنون گشت

خوردہ بودم بارہا خونِ جگر
تا دہانم بارہا آمد جگر

---

[1] ایک دفعہ کئی گھنٹے عبادت و ذکر کے بعد حضرت کو دستخط کرنے کے لئے اپنا نام نہیں یاد آیا تو آپ نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ میرا کیا نام ہے۔

[2] چو گلِ پارہا کہ در مثنوی رومی مذکور ست در اصل پارہ ہا بود۔

ہر کہ بشنید ایں خبر از خواجہ تاش / لرزہ شد پیدا جگر شد پاش پاش

داستانِ ایں دردِ دل چوں بشنوی / از ترحم چہ قدر پرخوں شوی

در دہاں انگشت خود خواہی درید / اشکِ خوں از چشمِ تو خواہد چکید

از لقائے تو مشرف چوں شوم / کاشفِ ایں داستانِ خوں شوم

در کنارِ خود بگیری از کرم / بشنوی چوں داستانِ پر الم

تا ابد گوئی تو صد ہا آفریں / بر دلِ مجروح و بر جانِ حزیں

سینۂ تو دردِ ما بریاں کند / قصۂ ما چشمِ تو گریاں کند

چوں شوی آگہ زِ مظلومیِ من / اشک باری تو ز مجبوریِ من

گویدت یا خادمِ اندوہگیں / یارسانیدت غمِ ما ربِّ دیں

جانِ من سلطانِ من بشنو کہ من / ہر چہ گفتم قصۂ دار و رسن

گر بگفتم گفتنِ ناگفتنی / عفو کن از ما بہ مہرِ چرخِ سنی

در بیانِ نفعِ مجاہدہ و حزن و غم در راہِ عشقِ حق

گفت مرشد زاں مریدِ باوفا / ایں جفا ہا بہرِ تطہیرِ شما

امتحانِ عشق بہرِ عاشقاں / امتحاں کے شد برائے ناقصاں

ایں بلا بر عاشقاں حلوہ بود / ایں بلا بر ناقصاں بلوہ بود

دیگراں را می دہم لطف و عطا / ایں جفا ہا بہرِ تو دارم روا

اے غلامِ عاشقِ دربارِ عشق — تو رسی زیں خارہا گلزارِ عشق

پشتِ تو گر زیں بلا شد منحنی — لیک ایں شد بہرِ تطہیرِ منیٔ[ع]

ایں جفا بہرِ عطا باشد زمن — ایں جفا بہرِ جفا ناید زمن

از بلائے شیخ گر دل گشت خوں — لیک آں دل دردِ حق یابد فزوں

در رہِ حق دل شکستہ گشت چوں — شد درا شکستہ را قیمت فزوں

گر جفائے شیخ دل پر خوں کند — ہم ترا از قربِ حق گلگوں کند

ایں غمِ تو قلب اشکستہ کند — لیک دل با یار پیوستہ کند

چوں حنا را غم رسد او سرخ شد — بے مشقت آں حنا کے سرخ شد

رنگ آرد بعد ساتیدن حنا — رنگ دادن بعد ازیں گیرد حنا

ایں قضا در تو چنیں منظور بود — صد حکم اندر قضا مستور بود

من چہ گویم لذتِ غم دوستاں — میکند ایں قلب را صد بوستاں

اے کہ در دل یافتی صد گلستاں — پس غمِ دل را مگو تو دلستاں

می رساند ایں غمِ دل تا خدا — پس چرا زاری تو از غم اے گدا

ہر چہ بر ما آید از آزارِ ما — بالیقیں داں از خطائے کارِ ما

نامِ عشقم بر زباں آورد دہ — سر ہمانجا نہ کہ بادہ خوردہ

چوں شنید او ایں جوابِ شاہِ خویش — قلبِ او مسرور شد از آہِ خویش

ایں کتابِ دردِ دل اے دوستاں — کردہ ام تالیف بہرِ عاشقاں

ع تکبّر و انانیت

خونِ دل بر ہر ورق زا ریدہ ام — اِیں جگر بر ہر ورق پاریدہ ام

پردہ از دردِ نہاں بیروں کنم
دردِ دل در عاشقاں افزوں کنم

○

بحمد اللہ تعالیٰ کہ مثنوی اختر تمام شد

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

○

منگر اندر ما مکن در ما نظر
اندر اکرام و سخائے خود نگر (رومیؒ)

محمد اختر عفا اللہ عنہ
۴ رجب ۱۲ ناظم آباد۔ کراچی

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتہم کے

چند منتخب اشعار

وہ سرخیاں کہ خونِ تمنا کہیں جسے	بنتی شفق ہیں مطلعِ خورشیدِ قرب کی

جو گرے ادھر زمیں پر مرے اشک کے ستارے	تو چمک اُٹھا فلک پر مری بندگی کا تارا

وہ زندگی حرم کی کبھی پاسباں نہ تھی	جس زندگی میں غم کی کوئی داستاں نہ تھی

ترے غم کے سوا ممکن نہیں تھا	گذرتے دن مری جانِ حزیں کے

بپاسِ خاطرِ دیوانہ مے آتی ہے جنت سے	یہی انعام ہے نہلا اُٹھے جو خونِ حسرت سے

وہ دِل جو تیری خاطر فریاد کر رہا ہے	اجڑے ہُوئے دلوں کو آباد کر رہا ہے

مایوس نہ ہوں اہلِ زمیں اپنی خطا سے	تقدیر بدل جاتی ہے مضطر کی دُعا سے

ہزار خونِ تمنا ہزار ہا غم سے	دِل تباہ ہیں فرمانروائے عالَم ہے

مُبارک تجھے اے مری آہِ مضطر	کہ منزل کو نزدیک تر لا رہی ہے

اک غمزدہ جگر پہ کسی کی نظر بھی ہے	شبِ ہائے غم پہ سایۂ لُطفِ سحر بھی ہے

دِل کی گہرائی سے اُن کا نام جب لیتا ہوں میں	چومتی ہے میرے قدموں کو بہارِ کائنات

معارفِ مثنوی

شرح مثنوی مولانا روم

اردو

خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ
گلشن اقبال کراچی پاکستان